عبرت انگیز حالات وواقعات اور برزخی زندگی کی کیفیات
کا روایات صحیحہ کی روشنی میں مربوط و مفصل تذکرہ

موت کا منظر

مع

احوال حشر ونشر

تصنیف لطیف

حضرت علامہ عبدالرزاق بھترالوی

ناشر

ضیاء العلوم پبلی کیشنز

راولپنڈی پاکستان

0345-5808018

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

عبرت انگیز حالات ووا[redacted]ر برزخی زندگی کی
کیفیات کا روایات صحیحہ کی روشنی میں مربوط و مفصل تذکرہ

موت کا منظر

مع

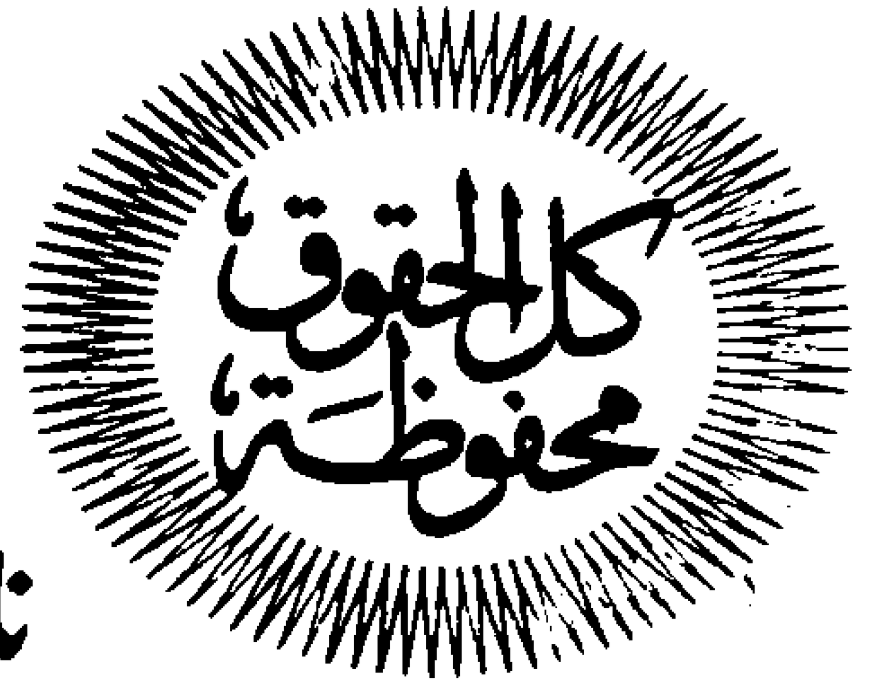
احوالِ حشر و نشر

تصنیف لطیف

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا عبد الرزاق مدظلہ العالی چشتی بھترالوی

ناشر

ضیاء العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی پاکستان



نام کتاب: موت کا منظر مع احوالِ حشر و نشر

تصنیف: استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا عبدالرزاق مدظلہ العالی چشتی بھترالوی

کمپوزنگ: ضیاء العلوم کمپوزنگ سنٹر سیٹلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی

کمپیوٹر گرافکس: قاضی محمد یعقوب چشتی

ضخامت: 20x30/8 576 صفحات

بار طبع: چھٹا ایڈیشن - نومبر 2006

قیمت: [redacted]/= روپے

ناشر: سید شہاب الدین شاہ
ضیاء العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی پاکستان

رابطہ: 0333- 5166587 - Fax 051-4580404
Email:ziauloom@isb.paknet.com.pk

فہرست مضامین

باب اول : موت کا منظر

فصل دوم : موت کو یاد کرنا

فصل سوم : جان کنی کا بیان

فصل چہارم :

فصل پنجم : غسل میت کا بیان

فصل ششم : میت کے کفن کا بیان

فصل ہفتم : نماز جنازہ کا بیان

فصل ہشتم : قبر و دفن کا بیان

باب دوم

چند گناہ اور ان کے عذابات کا تذکرہ

فصل دوم : توبہ کا بیان

باب سوم : احوال قبر

فصل اول : منکر اور نکیر کے احوال

فصل دوم : سوالات منکر نکیر

فصل سوم :

فصل چہارم :

فصل پنجم :

باب چہارم : زیارت قبور و احوال برزخ

فصل اول : زیارت قبور

فصل دوم : سماع موتی

فصل سوم : والدین کی قبور کی زیارت کرنا

فصل چہارم : قبور صالحین سے حصول برکت

فصل پنجم : روضہ رسول کی برکتیں

فصل ششم : نبی کریم ﷺ کا حاجت روائی فرمانا

فصل ہفتم :

فصل ہشتم : کرامات اولیائے کرام

باب پنجم : احوال قیامت

فصل اول : قرب قیامت کے واقعات

باب ہفتم : احوال جنت

فصل اول : شفیع محشر

فصل دوم : جنت کے طبقات

فصل دوم : جنت کی عظمت

فصل چہارم : جنت کیسی ہے؟

فصل پنجم : اہل جنت کے فضائل

باب ہفتم : تذکرہ احوال جہنم

فصل اول: طبقات جہنم

فصل دوم : آگ کے عذاب

فصل سوم : جہنم کی غذائیں

فصل چہارم : جہنم کے دردناک عذاب

فصل پنجم : آگ سے بچنا ممکن نہیں

عرض ناشر

زیر نظر کتاب **"موت کا منظر"** حضرت علامہ قاضی **عبد الرزاق** بھترالوی زید مجدہ کی شاندار تصنیف ہے۔ علامہ موصوف ایک متبحر عالم دین انتہائی محنتی و قابل مدرس اور بلند پایہ خطیب ہیں۔ آپ ایک علمی خداندان کے چشم و چراغ ہیں۔ تعلیم و تعلم اور درس و تدریس سے آپ کا گہرا اور دیرینہ تعلق ہے۔ حصول تعلیم سے فراغت، کے بعد آپ انتہائی خلوص، دیانت داری اور خاموشی کے ساتھ دین متین کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

عرصہ 20 سال تک آپ نے **جامعہ رضویہ ضیاء العلوم** راولپنڈی میں فقہ و حدیث اور تفسیر کی تدریس فرمائی۔ فتوی نویسی جیسی اہم ذمہ داری کا فریضہ بھی سرانجام دیتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے علامہ موصوف کو جہاں اور بہت سی خوبیاں عطا فرمائی ہیں وہیں آپ کو زورِ قلم جیسی خوبی سے بھی نوازا ہے آپ کی تحریر کردہ کتب عوام و خواص میں بے حد مقبول ہیں۔ آپ کا انداز تحریر اتنا آسان اور سادہ ہے کہ بغیر کسی تگ و دو کے ہر مسئلہ ذہن میں متمکن ہو جاتا ہے۔ مختلف عنوانات پر آپ نے لاجواب کتب تحریر کی ہیں۔ اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

اردو زبان میں شمع ہدایت، تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان، **تذکرۃ الانبیاء، اسلام میں عورت کا مقام، انگوٹھے چومنا مستحب ہے، اذان کے ساتھ درود و سلام مستحب ہے، اقامت بیٹھ کر سننا مستحب ہے، امام اعظم اور فقہ حنفی، حاشیہ میزان الصرف، حاشیہ سراجی اور عربی زبان میں حاشیہ تلخیص المفتاح، حاشیہ نور الایضاح، حاشیہ**

قدوری اور حاشیہ کنز الدقائق جیسی تصنیفات عربی اروار دو ادب میں آپ کی اعلیٰ مہارت کا بیّن ثبوت ہے۔ آپ کی علمی کاوشیں اہلسنت کا عظیم سرمایہ ہیں۔

''موت'' ایک اٹل حقیقت ہے جس سے بچنا کسی طرح بھی ممکن نہیں قبر اور یوم قیامت کو سوال و جواب اور حساب و کتاب یقینی امر ہے لیکن آج کا انسان کاروبار حیات میں اس قدر مصروف ہے کہ اپنی موت اور آخرت سے غافل ہو چکا ہے یہ بہت بڑا المیہ اور انسانیت کے لئے نقصان عظیم ہے۔

اس وقت انسانیت کو اس نقصان اور غفلت سے بچانے اور صحیح سمت میں ان کی راہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔ زیرِ نظر کتاب ''**موت کا منظر مع احوال حشر و نشر**''...... جو علامہ قاضی عبدالرزاق بھتر الوی زید مجدہ نے تحریر کی ہے...... اس جانب ایک اہم اور نہایت احسن اقدام ہے اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ بہت عمدہ اور لاجواب کتاب ہے جس کے ہر مسئلہ اور ہر حوالہ پر مکمل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ زیرنظر نسخہ اس کتاب کا چھٹا ایڈیشن ہے اس سے پہلے بھی یہ کتاب کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے اور قبولیت عامہ کا اعزاز بھی حاصل کر چکی ہے۔ لیکن آیات و احادیث اور تفسیر و فقہ کی کتب سے ماخوذ عربی و فارسی عبارات کو ''ناشرین'' نے کتاب کا حجم کم کرنے کیلئے حذف کر دیا تھا اور صرف اردو ترجمہ باقی چھوڑا گیا تھا۔ اگرچہ عوام الناس کیلئے اس حذف و قصر اور قطع و برید سے کچھ فرق نہ پڑتا تھا مگر علماء و محققین کیلئے اصل عربی و فارسی عبارات کا ہونا انتہائی ضروری تھا تاکہ یہ کتاب ایک حوالہ جاتی کتاب اور مستند تصنیف شمار ہو۔ لہٰذا اس کمی کو پورا کرنے کے لئے حضرت مصنف مدظلہ کے مرتب کردہ اصل مسودہ کی نئے سرے سے کمپوزنگ کروائی گئی اور وہ تمام

آیات واحادیث اور عربی وفارسی کی اصل عبارات اس ایڈیشن میں شامل کردی گئی ہیں جو سابقہ ایڈیشن میں بوجوہ شامل نہ ہو پائی تھیں۔

نئے ایڈیشن میں بعض مقامات پر اضافہ کردیا گیا ہے۔جس سے اس کتاب کی افادیت مزید بڑھ گئی ہے اس سے پہلے جو تھوڑی بہت تشنگی محسوس ہوتی تھی وہ بھی دور ہوگئی ہے اس کتاب میں موت اوراحوالِ برزخ وآخرت سے متعلق مسائل کوانتہائی آسان فہم اور مستند طریقے سے بیان کیا گیا ہے ہر مسئلہ میں انتہائی تحقیق سے کام لیا گیا ہے اور ہر بات کودلائل وبراہین سے مزین کیا گیا ہے۔

یہ کتاب امت مسلمہ کے لئے نہایت قیمتی تحفہ ہے قارئین اس کے مطالعہ سے یقیناً فائدہ اٹھائیں گے۔ اور یاد آخرت کے حوالے سے تقویٰ وپرہیزگاری کے حصول کیلئے کوشاں ہوں گے۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں ذکر وموعظت کے ساتھ ساتھ اہلسنت کے بہت سے مسلمہ عقائد کا بھی ذکر موجود ہے۔جس سے اصلاح عقائد میں بھی اس کتاب کااہم کردار ہوگیا ہے۔

''تحریر'' کواس کے معنوی وصوری حسن کے ساتھ صفحہ قرطاس پر لانا بھی ایک فن ہے۔ عبارات کی پیرابندی اور اقتباسات کوان کے خدوخال کے ساتھ لکھنا علم وہنر کے بغیر بہت مشکل ہے۔اس نئے ایڈیشن کوکتابت وکیلی گرافی کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کیلئے ''ضیاء العلوم کمپوزنگ سنٹر'' کے احباب عزیزم محمد یعقوب چشتی، خصوصاً مولانا حافظ محمد اسحاق ظفر زید مجدہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ حافظ صاحب نے بڑی دل جمعی اور جانفشانی کے ساتھ اس کتاب کی پیرابندی اور حوالہ جات کی ترتیب کی ہے۔ ان کی شبانہ روز محنت انتہائی لگن اور خلوص نے اس کتاب کی دلکشی اور جاذبیت میں بے پناہ اضافہ کردیا ہے

صاحبِ ذوق اور فن کی باریکیوں میں نظر رکھنے والے حضرات اس سے یقیناً محفوظ ہوں گے۔

ضیاء العلوم پبلی کیشنز (یو 128 بازار تلواڑاں راولپنڈی) عرصہ دراز سے دین اسلام کی ترویج واشاعت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ ''ادارہ'' کی شروع سے یہ کوشش رہی ہے کہ ایسی کتب شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے جن سے اعلیٰ اسلامی و اخلاقی اقدار کا تحفظ ہو اور مسلک اہل سنت کی صحیح تصویر کشی اور ترجمانی ہو۔ الحمد للہ! ہم فخر کے ساتھ اس بات کا اظہار کر رہے ہیں کہ ہم بہت حد تک اس کوشش میں کامیاب رہے ہیں۔

عوام الناس کا بے پناہ اعتماد اس بات کا گواہ ہے۔ ان شاء اللہ العزیز مستقبل میں ہم اپنی ان کوششوں اور خدمات کو مزید آگے بڑھانے کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں۔

اللہ رب العزت سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

دعاء جو

سید شہاب الدین شاہ

ضیاء العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی

نومبر ۲۰۰۶ء

اثر دعاء

سب سے پہلی کتاب تسکین الجنان فی محاسن کنزالایمان کی تصنیف پر استاذی المکرّم حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور۔ نے ان الفاظ میں دعاء فرمائی "اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاء ہے کہ تصنیف و تالیف کے میدان میں انہیں (عبدالرزاق بھترالوی، حطاروی) مزید کام کرنے کی توفیق نصیب ہو اور ہمارے نوجوان علماء کو بھی قلم و قرطاس کی اہمیت کا شعور عطا ہو۔ بس اسی دعاء کا صدقہ ہے کہ میں نے چند سالوں میں تصنیف کا اتنا کام کیا ہے جو میرے وہم و گمان سے بھی بالاتر تھا۔

اسلام آباد سے جامعہ رضویہ ضیاء العلوم سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی جا کر تدریس کرنا اور پھر واپس آکر اپنے بچوں کو بھی پڑھانا۔ اسباق کا مطالعہ بھی کرنا، ساتھ ساتھ تصنیف بھی کرنا جب کہ صحت بھی اکثر و بیشتر خراب رہتی ہے اور پھر میرے جیسا انسان جو کم علم بھی ہو اس سے اتنا کام ہو جانا کسی نظر اور دعاء کا ہی صدقہ ہو سکتا ہے۔ وہ نظر کرم میرے استاذ مکرم حضرت علامہ مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب کی اور میرے پیرو مرشد حضرت سید غلام محی الدین شاہؒ ابن سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی اور آپ کے پوتا نصیر بے کساں، بحر علم بے کراں حضرت پیر غلام نصیر الدین شاہ مدظلہ العالی کی ہے۔

اور ساتھ ساتھ میری والدہ محترمہ کی اب تک دعائیں شامل حال ہیں۔ میرے والدؒ اور میرے دادیؒ نے اپنی زندگی میں مجھے اپنی دعاؤں سے نوازا تھا

ورنہ! من آنم کہ من دانم

حوصلہ افزائی

ذریعۃ النجاح حاشیہ نورالایضاح عربی کی تالیف پر استاذ محترم حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری اور حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم قادری ہزاروی صاحب ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ نے اپنے مکتوبات سے اس ہیچمدان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

مضمون دونوں مکتوبات کا تقریباً ایک ہی تھا افسوس کہ شرف قادری صاحب کا خط مولانا اسحاق ظفر صاحب سے گم ہو گیا۔ مفتی صاحب کا خط یادگار کے لئے شائع کر رہا ہوں۔ جس میں مسلک حق اہل سنت کی علمی کاوشوں کا بھی ذکر ہے۔

عظیم مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ التاریخ ۳ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ

عزیزم محترم مولانا عبد الرزاق صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مزاج گرامی !

نور الایضاح پر ظاہر و باطنی حسن کا حامل آپ کا عربی حاشیہ بدست عزیزم مولانا محمد اسحاق ظفر سلمہ اللہ ملا۔ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ آپ نے بے سروسامانی کے باوجود عربی حاشیہ لکھ کر بلکہ اس کو بہترین معیار پر شائع کر کے ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے جس سے علماء اہل سنت کا سر فخر سے بلند ہو گیا ہے۔ میری دیرینہ تمنا تھی کہ درسی کتب پر حواشی کے ذریعہ دیوبندیت کی نمائش کو ختم ہونا چاہئے جس کی وجہ سے وہ عربی کتب پر تشریح و توضیح کی استعداد پر اجارہ داری کا دعوی کرتے ہیں اور ضمن میں علمائے اہل سنت کے بارے پس ماندگی کا جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ حالانکہ برصغیر پر انگریزی تسلط کے بعد دینی خدمات کے تمام وسائل و ذرائع سلب ہو جانے کے باوجود علماء اہل سنت و جماعت نے تصنیف و تالیف کے میدان میں وسیع اور قابل فخر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس حقیقت کو عزیزی مولانا عبد الستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور نے اپنی کتاب "مراۃ التصانیف" میں واضح فرمایا جس میں انہوں نے اپنی معلومات کے مطابق پانچ ہزار کتب کی فہرست پیش کی ہے جن کو علماء اہل سنت نے انگریزی دور میں بے سروسامانی کے عالم میں تصنیف فرمایا لیکن وسائل نہ ہونے کی وجہ سے یہ ذخیرہ شائع نہ ہو سکا، جب کہ فی الواقع ایسی کتب کی تعداد اس سے کئی گناہ زیادہ ہے۔

دیوبندی علماء انگریز کی مکمل سرپرستی کے باوجود علمائے اہل سنت کی غیر مطبوعہ کتب یا ان کی عبارات کو اپنے نام منسوب کر کے یا انگریز کی خوشنودی کے لئے حقائق کو مسخ کرتے ہوئے اکابرین اہل سنت کی کتب میں تحریف کر کے ان کو شائع کرنے کا کارنامہ سرانجام دے سکے، حقیقت یہ ہے کہ علم و تحقیق کے اعلیٰ معیار کو صرف علمائے اہل سنت نے ہی قائم رکھا، اگرچہ اشاعت کے میدان میں آج بھی وہ بے بضاعتی کا شکار ہیں تاہم مخالفین کے پراپیگنڈہ کو غلط کرنے کے لئے یہ علماء اپنی تصانیف کو خود شائع کرنے کے لئے پیکر ایثار نظر آتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان علماء کرام کی دستگیری فرمائے۔

" ذریعة النجاح حاشیه نور الایضاح" کتاب، طباعت اور کاغذ کے اعتبار سے اعلیٰ اور خوبصورت ہے۔ حاشیہ کا انداز بیان مختصر اور جامع اور آسان ہے۔ حواشی کے ماخذ بیان کرنے سے قاری کو مزید رہنمائی اور اعتماد سے بہرہ ور کیا گیا ہے، کتاب کے شروع میں اپنے تمام اساتذہ اور مراکز تعلیم کا تعارف دیگر حسن جدت کے علاوہ آپ نے اپنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ فرمایا ہے "من لم یشکر الناس لم یشکر الله" ہی اعلیٰ قدروں کا معیار ہے، مجھے امید ہے کہ آپ کی یہ خدمات دوسرے علمائے کرام کے لئے تحریک اور مدرسین اور طلباء کے لئے نعمت ثابت ہوں گی۔ ائمہ کرام کے مختصر اور ضروری تعارف کے بعد طبقات فقہائے احناف سے طلباء کرام بلکہ اساتذہ کرام بھی مستفید ہوں گے۔ آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ہمت اور توفیق عطا فرمائے اور آپ کی مساعی میں مزید برکت فرمائے۔ آمین

(مفتی) محمد عبد القیوم ہزاروی
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

باب اول :

﴿موت کا منظر﴾

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ، وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ، وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ☆ ﴾

ترجمہ :- ہر جان چکھنے والی ہے موت کو ، اور بات یہی ہے کہ تم پورے دیئے جاؤ گے اپنی اجرتیں قیامت کے دن۔ تو جو کوئی آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا، وہ یقیناً کامیاب ہو گیا اور نہیں ہے دینوی زندگی مگر دھوکے کا سامان۔

(کنز الایمان فی ترجمة القرآن ۔ از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہ)

آیت کریمہ سے حاصل ہونے والے مسائل

☆ ہر نفس پر موت یقیناً آنی ہے۔ ☆ قیامت کا وقوع یقینی ہے۔
☆ قیامت کے دن حساب و کتاب ہو گا۔ ☆ قیامت کا دن جزاء کا دن ہے۔
☆ کچھ لوگوں کو آگ میں داخل کیا جائے گا۔ کچھ لوگوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جو آگ سے بچ گئے اور جنت میں داخل کئے گئے وہی کامیاب ہوں گے۔ دنیا حقیر ہے کیونکہ دنیا کی زندگی ایک دھوکے کا سامان ہے۔

(۱) ہر نفس پر موت آنی ہے

"**نفس**" کے مختلف معانی ہیں۔ دل، روح ، ذات ، خون ، سانس، جان والابدن۔

اس آیت مبارکہ میں آخری معنی مراد ہے؛ کیونکہ "نفس" کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہے، لیکن وہ موت سے پاک ہے۔

جان والے بدن پر موت آنی ہے۔ خواہ وہ بدن خاکی ہو جیسے انسانوں کا۔ یا ناری ہو جیسے جنوں کا۔ یا نوری ہو جیسے فرشتوں کا۔ یعنی تمام پر موت واقع ہونی ہے۔

تفسیر روح المعانی اور تفسیر کبیر میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت کریمہ:

﴿...... "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" ......﴾

...... نازل ہوئی تو فرشتے بولے: "موت تو صرف زمین والوں پر واقع ہوگی۔ ہم محفوظ رہیں گے"۔ لیکن جب آیت کریمہ "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" نازل ہوئی تو وہ کہنے لگے: کہ ہم پر بھی موت واقع ہوگی۔

موت وحیات کے مختلف معانی:

"**موت**" کا ایک معنی یہ ہے کہ روح کا تعلق جسم سے ٹوٹ جانا۔ اس صورت میں "ذائقۃ" کا معنی ہوگا ...... نازل ہونا، واقع ہونا۔ یعنی ہر بدن سے روح کا تعلق ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح ہر بدن پر موت واقع ہوگی۔ اگر نفس سے مراد "روح" لیا جائے، تو ذائقۃ کا معنی چکھنا جو سیر ہو کر کھانے کا مد مقابل ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ روح کے ساتھ موت کا اتنا ہی تعلق ہوگا کہ روح کا رابطہ بدن سے ٹوٹے گا لیکن روح میں زندگی بر قرار رہے گی۔

موت وحیات کے دیگر معانی:

ایک معنی تو ابھی بیان ہوا کہ: انسان کے روح کا تعلق بدن سے قائم رہنا "حیٰوۃ" ہے اور اس تعلق کا ٹوٹ جانا "موت" ہے۔

دوسرا معنی:- زمین میں نباتات اگانے کی تاثیر کا پایا جانا "حیٰوۃ" اور نہ پایا جانا "موت" جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ

موتھا ﴾ اور وہ جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلادیا۔

اس مقام پر زمین کے مردہ ہونے سے مراد بارش کے نہ ہونے کی وجہ سے زمین کا نباتات کے اگانے سے غیر مؤثر ہو جانا ہے۔ اور زمین کے زندہ ہونے سے مراد بارشوں کی وجہ سے زمین میں نباتات اگانے کی تاثیر کا پایا جانا ہے۔

تیسرا معنی :- ایمان و کفر۔ یعنی حیٰوۃ سے مراد "ایمان" اور موت سے مراد "کفر"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ اور برابر نہیں زندہ اور مردے بے شک اللہ سناتا ہے جسے چاہے اور تم نہیں سنانے والے انہیں جو قبروں میں پڑے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں احیاء سے مراد مؤمنین اور اموات سے مراد کفار ہیں۔ کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح مردے سنی ہوئی بات یعنی پند و نصائح سے نفع نہیں حاصل کر سکتے، کیونکہ عمل کا دارومدار دنیاوی زندگی سے تھا، اسی طرح کفار کا بھی یہی حال ہے۔ وہ ہدایت و نصیحت سے کوئی نفع نہیں حاصل کرتے۔

خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں قبروں والوں سے مراد کفار ہیں فوت شدہ انسان نہیں۔ روح المعانی، مدارک وغیرہ تمام تفاسیر نے یہی تفسیر کی ہے۔

چوتھا معنی :- "حیوۃ" کا مطلب ہے توجہ کرنا؛ کیونکہ سب سے پہلے معنی سے سمجھ آیا کہ رد روح (روح کا لوٹانا) بمعنی حیوۃ کے ہے، لیکن ایک حدیث شریف میں رد روح کا معنی توجہ کر لیا گیا ہے۔ اسی طرح گویا کہ حیوۃ بمعنی توجہ کرنے کے ہوا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

" اِنَّ رسول اللہ ﷺ قال ما من احد یسلّم علیّ الا رد اللہ روحی حتی اردّ علیہ السلام "

(مسند امام احمد . ابو داؤد)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ میری توجہ

اس کی طرف مبذول کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس کا مقصد یہ ہوا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی تجلیات کے انوار کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتے ہیں۔ دنیا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ جب درود شریف پڑھنے والا آپ ﷺ پر درود شریف اور سلام پڑھتا ہے تو اس وقت آپ اس استغراقی حالت سے واپس لوٹ کر اس شخص کی طرف توجہ کرتے ہوئے اس کو سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس حالت کو رد روح (روح کا لوٹانا) یعنی حیوۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سبحان اللّٰہ! نبی کریم ﷺ پر سلام پیش کرنے والے کی کتنی شان ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ بنفس نفیس آپ ﷺ اس کو سلام کا جواب دیتے ہیں یہاں سے ہی یہ سمجھ آیا کہ موت کا معنی ہمیشہ مردہ ہونا ہی نہیں بلکہ دنیا سے توجہ ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح متوجہ ہونا کہ استغراقی حالت پیدا ہو جائے، یہ بھی بنسبت دنیا کے موت ہے اور دنیا کی طرف متوجہ ہونا اس معنی کے لحاظ سے حیوۃ ہے۔

پانچواں معنی :- حیوۃ کا معنی بیداری اور موت کا معنی نیند۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰٓی اَجَلٌ مُّسَمًّی ﴾

اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ۔ پھر تمہیں دن میں اٹھاتا ہے کہ ٹھہرائی میعاد پوری ہو۔

اس آیت کریمہ میں اس مسئلہ پر دلیل قائم فرمائی ہے کہ آخرت میں زندگی عطا ہوگی یعنی موت کے بعد پھر زندہ ہونا ہے جس طرح روزمرہ سونے کے وقت تم پر ایک قسم کی موت مسلط کی جاتی ہے یعنی تمہارے حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ چلنا پھرنا، کھانا پینا۔ کسی چیز کو پکڑنا وغیرہ تمام افعال جو انسان بیداری میں کرتا ہے وہ معطل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد جو انسان جاگتا ہے تو بیداری کے تمام تصرفات پھر اللہ تعالیٰ لوٹا دیتا۔ جو اللہ تعالیٰ نیند میں افعال کو سلب کر لیتا ہے اور جاگتے وقت پھر عطا کرتا ہے۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ موت عطا کر کے بظاہر تمام تصرفات کو معطل کر کے پھر قبر اور حشر میں زندگی عطا کر کے ان تصرفات کو لوٹا دے۔

چھٹا معنی :- حیوۃ سے مراد دلوں کا زندہ ہونا اور موت سے مراد دلوں کی مردگی۔

ساتواں معنی :- حیوۃ سے مراد عزت کی زندگی۔ موت سے مراد ذلت کی زندگی جو مردہ ہونے کی طرح ہے۔

آٹھواں معنی :- حیوۃ سے مراد شہادت جو دنیا سے اعلیٰ زندگی عطا کرتی ہے اور موت سے مراد دنیاوی زندگی جو بنسبت شہادت کے گھٹیا ہوتی ہے۔ ان تمام پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی دلالت کر رہا ہے۔

﴿ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ﴾

(٨.٢٤)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ! جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی۔

وہ کیا چیز ہے جو زندگی بخشنے والی ہے اور زندگی سے مراد کیا ہے؟ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ وہ چیز قرآن ہے؛ کیونکہ اس سے دلوں کی زندگی ہے اور اس میں نجات ہے اور عصمت دارین ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ حیٰوۃ کا معنی کبھی دل کی زندگی اور موت کا معنی دل کی مردگی ہوتا ہے، اور اگر دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہا اور غفلت میں مبتلا نہ ہوا، تو وہ دل زندہ ہوگا۔ اور اگر اللہ کے ذکر سے غافل رہا تو اس میں مردگی پائی جائے گی۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ تعالی کا قول ہے کہ وہ چیز جہاد ہے کیونکہ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ عزت عطا فرماتا ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ موت کا معنی ذلت کی زندگی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ شہادت ہے جو زندگی بخشتی ہے۔ اس طرح شہادت سے حاصل ہونے والی زندگی اعلیٰ قسم کی زندگی ہونے کی وجہ سے در حقیقت زندگی کہلانے کی حقدار ہے اس کے مقابل دنیا کی زندگی اگرچہ بظاہر زندگی ہی ہے لیکن بوجہ حقارت مردگی کی طرح ہے۔

موت کی یاد باعث تسلی ہے

روح المعانی میں ہے کہ موت کا ذکر کر کے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی یعنی آپ کفار کے

جبر و تشدد سے پریشان نہ ہوں ۔ موت کی یاد سے غم، پریشانیاں، دنیاوی تفکرات زائل ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ جب انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ موت ایک دن یقیناً آنی ہی آنی ہے تو اس کو کوئی غم و پریشانی نہیں رہے گی ؛ کیونکہ موت سے ڈر ہی خوف و فکر میں مبتلا کرتا ہے۔

موت کی یاد نیکیوں کی ترغیب دیتی ہے

جب انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ موت کے بعد اس جہاں کے بغیر ایک اور جہاں میں منتقل ہونا ہے۔ اور وہاں اچھے برے میں تمیز ہو جائے گی۔ نیک کو اس کے اچھے اعمال کی اچھی جزاء حاصل ہو گی اور برے کو اس اس کے برے اعمال کی سزا ملے گی۔ تو انسان ضرور ہی نیکیوں کو حاصل کرے گا اور برائیوں سے بچنے میں کوشاں رہے گا۔

موت و حیات کی تخلیق کا مقصد ؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ .... اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ (۲۰۷۲)

ترجمہ .... وہ ذات جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو، تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔

پہلے بتایا گیا کہ تمام موجودات اس کے قبضہ قدرت میں ہیں اسی طرح وہ ممکنات جو ابھی موجود نہیں وہ بھی اسی قبضہ قدرت میں ہیں۔ اسی پر دلائل و شواہد پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے فرمایا کہ موت و حیات کا تسلسل قائم کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کے حکم سے کوئی چیز معرض وجود میں آتی ہے۔ اور اسی کے حکم سے نیست و نابود ہوتی ہے۔ کوئی چیز نہ خود موجود ہو سکتی ہے اور نہ از خود معدوم ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی اس کی حکمت بھی بیان کر دی اس سے مقصد تمہارا امتحان لینا ہے کہ ہم نے سمع و بصر (سننے، دیکھنے کی طاقت) فہم و تدبر (سمجھ، غور و فکر) کی جو بے پناہ صلاحیتیں تمہیں عطا فرمائی ہیں، اس نظام کائنات میں تمہیں اعلیٰ و ارفع مقام بخشا ہے اور

تمہاری راہنمائی کے لئے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان نعمتوں کی قدر پہچانتے ہو اور ان قوتوں کو اپنی خوشی سے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے صرف کرتے ہو یا دولت اور اقتدار، جوانی اور صحت کا نشہ تمہیں بدمست کر دیتا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنی قوتیں اور اپنا وقت عزیز خرچ کرتے ہو۔

انسان اگر آیت کے صرف اسی حصہ میں غور کرے ﴿ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ تو اس کی ہدایت پذیری کے لئے کافی ہے۔ اس کے دل میں یہ احساس پختہ ہو جاتا کہ یہ دنیا اس کے لئے امتحان گاہ ہے۔ یہ حیاتِ مستعار (مانگی ہوئی زندگی) اس کے لئے امتحان کی مدت ہے اور امتحان، وہ لے رہا ہے جو ظاہر و باطن، خفی جلی، اور غیب کا جاننے والا ہے۔ اگر یہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر کیا مجال کہ انسان گناہوں سے اپنا دامن حیات ملوث کرے؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو اس حقیقت کی طرف بڑے دل نشین انداز میں متوجہ فرمایا۔ ایک ارشاد گرامی بھی سن لیں۔

ایک مرتبہ حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ان الفاظ سے نصیحت فرمائی:

" خذ من صحتك لسقمك ومن شبابك لهرمك ومن فراغك لشغلك ومن حياتك لموتك لا تدرى ما اسمك غداً "

ترجمہ :- اپنی صحت کی حالت میں بیماری کے لئے، اپنی جوانی کی حالت میں بڑھاپے کے لئے، اپنے فرصت کے لمحات میں مصروفیت کے لئے اور جب تک زندگی کی شمع روشن ہے موت کے لئے ذخیرہ جمع کر لو۔ تو نہیں جانتا کہ کل تیرا کیا نام ہوگا؟

(تفسیر ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ)

موت کون مسلط کرتا ہے؟

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔ عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرتے ہیں۔ کچھ فرشتے عزرائیل علیہ السلام کے معاون ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ﴾ (۳۹-۴۲)

تمام نفوس پر اللہ تعالیٰ موت مسلط کرتا ہے۔ اس لئے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اس کی مشیت کے بغیر کوئی بھی کسی پر موت مسلط نہیں کر سکتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ موت کا حکم فرماتا ہے۔

(از ضیاء القرآن)

دوسرا ارشادِ گرامی ہے :- تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا۔ ہمارے بھیجے ہوئے ملائکہ مرنے والے پر موت مسلط کرتے ہیں۔ اور فرمایا :

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ﴾
(۲۸۔۱۶)

جو اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں ان کو فرشتے موت دیتے ہیں۔

یہاں سے پتہ چلا کہ موت دینے والے کئی فرشتے ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق تفسیر کبیر اور روح المعانی میں ذکر کیا گیا ہے کہ روح تو فقط ملک الموت یعنی عزرائیل قبض کرتے ہیں البتہ چھ اور فرشتے اس کے ساتھ معاون ہوتے ہیں۔۔ تین فرشتے مومن کی روح کو قبض کے بعد اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں۔ تعظیم و تکریم سے اس کو ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر علیین میں پہنچا دیتے ہیں۔ اور دوسرے تین فرشتے کفار کی روحوں کو ایک ٹاٹ نما کپڑے میں لپیٹ کر سجین میں پہنچا دیتے ہیں۔

تیسرا ارشادِ گرامی :

﴿ قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴾
(۳۲۔۱۱)

تم فرماؤ! تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے۔

اس سے واضح ہوا کہ موت کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا لقب ہی ملک الموت ہے اور اس کا نام عزرائیل ہے وہ روح قبض کرتا ہے۔

روح المعانی میں ہے کہ حضرت جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس شخص کے سر کے

قریب ملک الموت نے عرض کیا کہ اے نبی کریم ﷺ آپ کو بشارت ہو کہ میں ہر مومن کا رفیق ہوں۔ اے نبی کریم ﷺ آپ جان لیں کہ میں جب بھی کسی انسان کا روح قبض کرتا ہوں تو اس کے اہل عیال روتے چلاتے ہیں تو میں اس گھر کے ایک کنارے پر کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی گناہ نہیں۔ میں نے تو یہاں بار بار لوٹ کر آنا ہے تم ڈر کر رہو (یعنی موت کی تلخیوں کی فکر کر کے نیک اعمال کو شعار بنالو) ہر گھر میں اللہ تعالیٰ کی جو مخلوق بھی ہو خواہ گھر پختہ ہو یا کچا یا خیمہ کی شکل میں، خواہ خشکی میں ہو یا تری میں، ہر دن اور رات میں پانچ مرتبہ ان میں غور فکر کرتا ہوں۔ حتی انی لاعرف بصغیرھم وکبیرھم منھم بانفسھم۔ یہاں تک کہ میں ان کے ہر چھوٹے بڑے کو ان کی ذوات سے پہچانتا ہوں۔ قسم ہے اللہ کی اے نبی محترم ﷺ بے شک میں تو قبض کرتا ہوں جب مجھے اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے۔

اہم نکتہ :-

تمام فرشتوں سے جمیع انبیاء کرام افضل ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں۔ جب عزرائیل کو تمام دنیا کی مخلوق کی ذاتوں کا علم ہے تو یقیناً نبی کریم ﷺ کو بھی علم ہے۔ اس پر خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

" عن عبداللہ بن عمرو قال خرج رسول اللہ ﷺ وفی یدیه کتابان فقال اتدرون ماھذان ؟ قلنا لا یا رسول اللہ الا ان تخبرنا . فقال للذی فی یدہ الیمنی ھذا کتاب من رب العلمین فیه اسماء اھل الجنة واسماء آبائھم وقبائلھم ثم اجمل علی آخر ھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابدا ثم قال للذی فی شماله ھذا کتاب من رب العلمین فیه اسماء اھل النار واسماء آبائھم و قبائلھم ثم اجمل علی آخرھم فلایزاد فیھم ولا ینقص منھم "

(مشکوۃ باب ایمان بالقدر)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کتابیں کون سی ہیں ؟ ہم نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔ ہمیں تو وہی علم ہوتا ہے جو آپ خبر دیتے ہیں۔ جو آپ کے دائیں ہاتھ مبارک میں کتاب تھی اس کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا یہ رب العلمین کی طرف

سے کتاب ہے جس میں تمام اہل جنت اور ان کے آباؤ اجداد کے نام ہیں اور ان کے قبائل کے نام ہیں۔ پھر ان کے آخر میں ان کا مکمل میزان پیش کر دیا گیا ہے تو اس میں کبھی نہ کوئی زیادتی کی جائے گی اور نہ کمی۔ پھر آپ نے دوسری کتاب کے متعلق جو آپ کے بائیں ہاتھ مبارک میں تھی، ارشاد فرمایا کہ یہ رب العلمین کی طرف سے کتاب ہے جس میں دوزخیوں کے نام اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کے قبائل کے نام ہیں پھر اس کے آخر میں تمام کا مکمل میزان پیش کر دیا گیا ہے اس میں کوئی زیادتی و کمی نہیں ہوگی۔

حدیث پاک میں کمی بیشی کے نہ ہونے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ماضی، حال، استقبال کا کوئی فرق نہیں، سب حال ہی حال ہے اس لئے جس شخص نے ایمان لانا ہے یا کفر میں رہنا ہے، یا ...... العیاذ باللہ ...... مرتد ہونا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ کام ہر انسان کے اپنے اختیار سے ہوتے ہیں۔

دوسری بات جو حدیث میں ذکر کی گئی ہے کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں کتابیں تھیں۔ وہ کتابیں کیسی تھیں؟ ان کے متعلق کلام کی گئی ہے کہ واقعۃً وہ کتابیں تھیں جو محسوس ہو رہی تھیں جن میں یہ تذکرہ تھا آپ کو ہی ان کا علم عطا فرمانا مقصود تھا جب آپ کو علم عطا فرما دیا گیا تو پھر وہ کتابیں واپس لوٹا دی گئیں، یا اس کا مقصد یہ ہو کہ آپ کو ان کے اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کے قبائل کے ناموں کا علم عطا کر دیا گیا ہے۔ اس طرح کہ جیسے کسی چیز کا علم کتابوں میں ہوتا ہے؛ چونکہ جنتیوں کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہوتے ہیں اور دوزخیوں کے بائیں ہاتھ میں اور یوم میثاق کو بھی آدم علیہ السلام کے سامنے جب آپ کی تمام اولاد کو پیش کیا گیا تو جنتی دائیں طرف تھے اور دوزخی بائیں طرف، اسی طرح آپ نے بھی یہ فرمایا ہو کہ وہ علم گویا کہ ایک کتاب میں موجود ہونے کی صورت میں جو میرے دائیں ہاتھ میں ہے اس میں تمام جنتیوں کا تذکرہ ہے اور دوسرے ہاتھ میں کتاب ہے اس میں دوزخیوں کا ذکر ہے اگرچہ وہ کتابیں تمہیں نہیں نظر آرہی ہیں لیکن مجھے نظر آرہی ہیں اس طرح ان کتابوں کا وجود حسی نہیں ہوگا عقلی ہوگا۔

لیکن زیادہ تر محدثین کے رائے میں پہلا قول زیادہ معتبر ہے کیونکہ ان کی طرف "ھذان" سے اشارہ کیا گیا ہے اور جس چیز کی طرف اشارہ کیا جائے اس کا حقیقی معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز ظاہر المحسوس ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نیک و بد میں فرق

اسی آیہ کریمہ (جس میں ملک الموت کا ذکر ہو رہا ہے) کی تفسیر میں علامہ رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔ موت کے بعد حیات یقینی ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ (پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹایا جانا ہے) واضح اشارہ کر رہا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔ اور ﴿الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ﴾ (وہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے) عزرائیل کا اسکے بغیر اور کوئی کام ہی نہیں۔ ﴿یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ﴾ (تمہیں ملک الموت فوت کرے گا) سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ روح میں بقاء ہے فناء نہیں۔ اس لئے کہ توفی (جس سے یتوفکم کا لفظ بنایا گیا ہے) کا معنی ہے پورا کرنا۔ قبض کرنا یعنی پکڑنا۔ جو چیز مکمل فناء ہو جائے اس کو پکڑنا ممکن نہیں۔ اس لئے یقیناً معلوم ہوا کہ روح میں بقاء ہے۔ پھر نیک لوگوں کی پاکیزہ روح ملائکہ کے پاس اس طرح عزت و وقار سے محفوظ رہتی ہے جیسے اہل و اقرباء کے پاس ہو۔ اسے نہ کوئی اجنبیت ہوتی ہے اور نہ کوئی زبان کی غیریت کا فکر دامن گیر ہوتا ہے بلکہ وہ خوش خرم رہتا ہے۔ لیکن برے لوگوں کی خبیث روح ملائکہ کے پاس اس طرح ہوتی ہے جیسے کوئی شخص اجنبی قوم کے پاس قید ہو، نہ جان پہچان کہ وہ اس سے محبت کر سکیں یا یہ ان سے مانوس ہو سکے اور نہ ہی یہ ان کی زبان کو جانتا ہے کہ کم از کم کچھ نہ کچھ بات سمجھ کر یا سمجھا کر مقاصد حاصل کئے جا سکیں۔

نیک لوگوں کے مدارج میں ترقی ہوتی ہے

نیک لوگوں کی روح صفائی و قوت میں ترقی و اضافہ ہوتا رہتا ہے اور برے لوگوں کی روحوں میں صفائی و قوت کے لحاظ پر تو کمی و ضعف ہی واقع ہوتا ہے البتہ ان کی بد بختی و کدورت میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ حکماء کا یہ قول ہے کہ ارواح طاہرہ کا تعلق اجسام سماوی سے بنسبت دنیاوی بدن کے زیادہ بہتر ہوتا ہے اور اس میں تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ ارواح فاجرہ کو کسی قسم کا کوئی کمال حاصل نہیں ہوگا باوجود اس کے کہ ان کا تعلق اجسام سماوی سے ہو بھی جائے۔ جس طرح مخبوط الحواس کی باتیں کبھی حق اور کبھی ناحق ہوتی ہیں ایسے ہی بری روحوں کا حال بھی ہوگا۔

ملائکہ کی قسمیں اور ان کی صفات

فرشتوں کی مختلف اقسام ہیں اور ان کی مختلف صفات ہیں۔ ان میں کئی جلیل القدر ہیں ذیل میں ملائکہ کی چند قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔

جن فرشتوں کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ ان میں سے ایک عرش کے اٹھانے والے دوسرے عرش اعظم کے گرد گھومنے والے۔ تیسرے جلیل القدر ملائکہ جیسے حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل۔ چوتھے جنت کے فرشتے، پانچویں جہنم کے جن کے سردار کا نام "مالک" ہے ۔ دوسرے فرشتوں کا نام "زبانیه" ہے۔ چھٹے وہ فرشتے جو انسانوں کی حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ ساتویں نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے جنہیں کراماً کاتبین کہتے ہیں۔ آٹھویں وہ فرشتے جن کے سپرد دنیا کی انتظامات ہیں۔ پھر ان انتظامات کرنے والوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ بعض پانی برسانے والے، بعض رحم (بچہ دانی) میں بچہ بنانے والے۔ بعض مصیبت کے وقت انسانوں کی مدد کرنے والے وغیرہ وغیرہ۔

اسی جگہ صاحبِ تفسیر کبیر نے سیدنا عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ جو شخص کسی جنگل میں پھنس جائے تو اس طرح آواز دے "أَعِينُونِي عِبَادَ اللّٰهِ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ" یعنی اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے بندے یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس مصیبت سے نجات دیتے ہیں۔ اسی طرح حصن حصین میں بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کے بندوں کا پکارنا صحابہ کرام کی سنت ہے۔

فرشتوں کی صفات۔

(۱) فرشتے اور اس کے رسولوں کے درمیان واسطہ ہیں۔
(۲) وہ ہمیشہ عبادت گذار اور رب کے حضور سجدہ کرنے والے ہیں۔
(۳) للہ تعالیٰ سے ان کو بہت قرب حاصل ہے۔
(۴) وہ معصوم ہیں کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

(۵) وہ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے ہیں۔
(۶) ان کے بازو اور پر ہیں۔
(۷) وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی مدد کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑتے ہیں جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا۔

عزرائیل علیہ السلام کا روح قبض کرنے کیلئے انتخاب ؟

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو جبرائیل امین کو حکم دیا کہ زمین سے ہر قسم کی مٹی لے کر آؤ سفید، سرخ، نرم، میٹھی، کھاری وغیرہ۔ خیال رہے جتنے رنگوں کی مٹی سیاہ، کوئی سفید، کوئی سرخ، کوئی نرم خو، کوئی تند مزاج وغیرہ، الغرض یہ کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام زمین پر خاک اٹھانے کے لئے تشریف لائے۔ جب خاک اٹھانی چاہی تو زمین نے وجہ پوچھی تو آپ نے بتایا کہ اللہ اپنا خلیفہ زمین میں بنانا چاہتا ہے۔ پھر اس کی اولاد کو زمین میں بسایا جائے گا۔ ان میں کوئی نیک ہوں گے وہ جنت میں جائیں گے اور کوئی گناہگار و کفار جو جھنم میں جائیں گے۔ آپ نے جب یہ تمام واقعہ بیان کیا تو زمین نے منت و سماجت کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ مجھ سے مٹی نہ لے کر جائیں۔ میں یہ نہیں چاہتی کہ میرا کچھ حصہ جھنم میں چلا جائے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام مٹی کی عاجزی وزاری سن کر واپس چلے گئے۔ مولائے کائنات کے حضور زمین کی فریاد اور عجز وزاری کو پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا ان کے ساتھ بھی یہی ماجرا در پیش آیا وہ بھی زمین کی فریاد سن کر واپس چلے گئے ۔ پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام کو رب قدوس نے بھیجا آپ جب زمین پر تشریف لائے تو آپ کے ساتھ بھی وہ کیفیت در پیش آئی جو پہلے دونوں فرشتوں سے در پیش آچکی تھی آپ زمین کے عجز و انکسار اور اس کے غم و پریشانی کو دیکھ کر واپس چلے گئے۔

پھر مولائے کریم نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا آپ بھی تشریف لائے جب مٹی اٹھانی چاہی تو زمین نے حسبِ معمولِ سابق پھر فریاد کی لیکن حضرت عزرائیل نے کہا کہ تیری بات مانوں یا رب تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کروں ؟ آپ نے زمین کی کوئی فریاد نہ سنی بلکہ مٹی لے گئے اسی وجہ سے روح قبض کرنے کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی۔

حقیقت ہے کہ رحیم اور ترس کرنے والے سے روح قبض کرنا ممکن نہیں تھا۔ بچے کا روح قبض کرنا ہو اس کے والدین اس کے قریب رو رہے ہیں اور ماں باپ کی اولاد اس کی حالت نزع کو دیکھ کر غم والم کی تصویر بنے ہوئے اس کے پاس پریشانی سے آنسو بہا رہے ہوں، کسی آدمی کے اقرباء اس کو قریب الموت دیکھ کر پریشان ہوں۔ ایسے نازک مراحل میں وہ ہی روح قبض کر سکتا ہے جس کو کسی پر رحم نہ آئے۔ یہ کام عزرائیل کا ہی ہے وہ اقرباء کو روتے چلاتے ہوئے دیکھ کر بھی کہتا ہے میرا کوئی جرم نہیں تو حکم مولیٰ کا پابند ہوں میں تو بار بار اس گھر کا چکر لگاؤں گا تم اپنی فکر کرو

عزرائیل علیہ السلام کو رحم (ترس) آنا :

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل سے پوچھا اے عزرائیل تو جو اتنے روح قبض کرتا ہے کیا تجھے کسی پر کبھی رحم و ترس بھی آیا ہے ؟ عزرائیل نے عرض کیا کہ اے مولائے کائنات جب تو نے میرے ذمہ روحوں کا قبض کرنا لگایا ہے تو میں ترس کرتا رہوں۔ اور رحم کرتا رہوں تو کیسے روح قبض کروں۔ غرضیکہ عزرائیل نے کہا کہ مجھے کبھی کسی پر ترس نہیں آیا البتہ دو دفعہ مجھے یہ خیال ہوا۔ کاش کہ اس کے روح کے قبض کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ ایک مرتبہ تو ایک کشتی دریا میں تھی مجھے حکم ہوا کہ ان تمام کی روحوں کو قبض کر لیا جائے۔ کشتی کو توڑ دیا جائے۔ البتہ ایک عورت اور اس کا شیر خوار بچہ ہے ان کی روحوں کو قبض نہ کیا جائے۔ ان کی روحوں کو قبض نہ کیا گیا، وہ کشتی کے ایک پھٹے پر سوار دریا کی تند و تیز موجوں کو عبور کرتے ہوئے کنارے کی طرف رواں دواں ہیں۔ لیکن کنارے کے قریب پہنچنے پر حکم ہوا کہ عورت کی روح قبض کر لی جائے! اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ یہ شیر خوار بچہ اب کدھر جائے گا اور اپنی زندگی کیسے بسر کرے گا ؟ اس بچہ پر مجھے ترس آیا اور میں نے خیال کیا کہ کاش اس عورت کے روح کے قبض کرنے کا حکم نہ ملتا تو بہتر تھا۔ دوسرا مجھے کافر بادشاہ " بُخت نصر شدّاد ابن عاد " پر ترس آیا جب اس نے رب کریم تیرے مقابل جنت تیار کرائی۔ اس کے تیار ہونے پر دیکھنے کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا ہے ابھی گھوڑے کے دو پاؤں اندر تھے تو مجھے حکم ہوا کہ اس کا روح قبض کر لوں۔ اس وقت مجھے خیال ہوا کہ اگرچہ کافر تھا۔ خدائی کا دعویٰ بھی کیا لیکن بڑی محنت سے اس نے رب قدوس کی جنت کے مقابل جنت تیار کرائی، بڑا مال خرچ کیا۔ کاش ! کہ بے چارا اسے دیکھ لیتا تو پھر مرتا۔

رب قدوس نے فرمایا: اے عزرائیل تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اس بچے سے کیا سلوک کیا؟ عزرائیل نے عرض کیا اے باری تعالیٰ یہ مجھے معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب وہ تختہ دریا کے کنارے کے پاس پہنچا، وہاں دھوبی کپڑے دھو رہا تھا۔ اس نے بچے کو پکڑ لیا اور پیار و محبت سے پرورش کی۔ بچہ جب بڑا ہوا تو میں نے اس کو ایسی نظر عطا فرمائی کہ وہ زیر زمین خزانے دیکھ لیتا تھا اس طرح اس نے بہت خزانہ جمع کیا اپنی فوج بنائی آہستہ آہستہ وہ تمام روئے زمین کا بادشاہ بن گیا پھر اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اور میرے مقابل جنت و دوزخ بنانے کا کام شروع کر دیا۔ جب وہ اپنی خود ساختہ جنت تیار کرا کے دیکھنے کے لئے گیا تو میں نے اس کے روح کو قبض کرنے کا حکم دیا۔ اے عزرائیل! یہ وہی بچہ تھا جو کم سنی کی حالت میں تھا تو تمہیں اس پر رحم آیا تھا لیکن میری مہربانیوں سے وہ عظیم بادشاہ بن کر میرے مقابل خدا بن گیا میں نے اس کے تکبر و غرور کو توڑ دیا۔

مولائے ذوالجلال کے اس کلام کو سن کر عزرائیل نے عرض کی اے رب کریم جن حکمتوں کو تو جانتا ہے وہ میں نہیں جانتا۔ غور کیا جائے تو یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ یہ دونوں مقام ترس کے نہیں تھے کیونکہ عزرائیل کو بچے کی پرورش کا غم دامن گیر تھا لیکن باری تعالیٰ نے اس کی عظیم تر پرورش کر دی۔ اسی طرح بادشاہ پر عزرائیل کو ترس آیا لیکن اس کے غرور کو توڑنا ضروری تھا تاکہ دوسرے عبرت حاصل کریں کہ جو شخص خدا بن بیٹھا وہ بھی اپنے آپ کو موت سے نہیں بچا سکا۔ دوسرا کیسے بچ سکے گا۔

موت کا کوئی منکر نہیں

رئیس الاتقیا استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا سید حسین الدین شاہ صاحب سلطانپوری مدظلہ فرماتے ہیں: کہ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی منکر ہے، جنت و دوزخ کے منکرین نظر آئیں گے۔ انبیائے کرام کا انکار کرنے والے پائے جاتے ہیں۔ ملائکہ کے منکرین کی تعداد کچھ کم نہیں۔ سید الانبیاء محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے اختیارات و کمالات کو نہ ماننے والے مومنوں کی شکل میں نظر آئیں گے۔ قیامت کا انکار پایا جاتا ہے۔ غرضیکہ وجودِ باری تعالیٰ کا انکار

خود اسی کی مخلوق کر رہی ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں جس کا منکر کہیں نہ کہیں نظر آئے۔ صرف موت ایک ایسی چیز ہے جس کا انکار کرنے والا کوئی نہیں۔ مومنین اگر اس کو مانتے ہیں تو یہود نصاریٰ بھی اس کے قائل ہیں۔ کفار مشرکین و یہود کو موت کے انکار کی کوئی وجہ نہ مل سکی۔ فلاسفہ کو موت کے انکار کے لئے کوئی دلائل نہ مل سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے جس کا انکار کرنے والا کوئی شخص نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی حقیقت اور مابعد الموت کے متعلق نظریات مختلف ہیں مگر موت کا انکاری کوئی بھی نہیں۔

موت سے بھاگنا ممکن نہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّه، مُلَاقِیْکُمْ ﴾

تم فرماؤ! وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں ملتی ہے۔

قرآن پاک کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ کوئی شخص بھی موت سے بھاگنا چاہے تو کبھی بھی وہ بھاگ نہیں سکے گا۔ بلکہ موت اس کے پاس آکر رہے گی۔ خیال رہے کہ اگرچہ یہ آیت کریمہ یہود کے حق میں نازل ہے لیکن عموم الفاظ کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے حکم کو عام رکھا جائے گا۔ کوئی شخص بھی مسلمان ہو یا کافر، یہودی ہو یا نصرانی موت سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکے گا۔

موت ہر جگہ آکر رہے گی

رب قدوس نے فرمایا :

﴿ اَیْنَ مَاتَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْکُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ﴾ (۴/ ۷۸)

جس جگہ بھی تم ہو گے موت تم کو پالے گی ، اگرچہ تم مضبوط محلوں میں ہو۔

یعنی ہر جگہ پالے گی۔ خواہ بستر پر ہو یا میدان جہاد میں۔ گھر میں ہو یا سفر میں۔ یعنی موت

تمہارے پیچھے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ خیال رہے کہ رزق بھی انسان کے پیچھے پیچھے بھاگتا ہے، اور انسان رزق کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔ لیکن موت انسان کے پیچھے پیچھے بھاگتی ہے مگر انسان اس کی تلاش میں نہیں پھرتا۔ جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ کوئی زندہ موت سے بچ نہیں سکتا، اس کے متعلق کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی لہذا موت سے بچنے کی کوئی انسان کوشش نہ کرنے بلکہ موت کی تیاری کی جائے۔ دنیا میں جتنا رہنا ہے اتنی ہی اس کی فکر کی جائے اور آخرت میں جتنا رہنا ہے اتنی اس کی فکر کی جائے۔ جب دنیا کی زندگی ختم ہونے والی ہے تو اس کی اتنی ہی فکر کم کی جائے آخرت کی زندگی جاودانی ہے لہذا اس کی زیادہ فکر کی جائے۔ یہ بات جب واضح ہو چکی ہے کہ موت ہر جگہ آکر رہے گی تو جہاد سے ڈرنا بے سود ہے بلکہ انسان جہاد میں جائے اور شہادت کے حصول کی تمنا کرے اور شہادت سے وہ زندگی حاصل کرے جس پر دنیا کی زندگی بھی رشک کرے۔

فائدہ :

موت یعنی جسم سے جان کا نکلنا ہر جاندار کے لئے ہے فرشتہ ہو یا جن یا انسان۔ آسمان پر رہتا ہو یا زمین پر جیسا کہ ﴿ یُدْرِکْکُمُ الْمَوْتُ ﴾ کے عموم سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ﴾۔ خیال رہے کہ موت کا مقابل حیوۃ ہے یعنی جان کا جسم میں رہنا۔ مگر فنا و ہلاکت ہر مخلوق کے لئے ہے۔ ہر مخلوق جاندار ہو یا غیر جاندار لائق فنا ہے اس کے مقابل ہے وجود۔ رب فرماتا ہے ﴿ کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلاَّ وَجْهَهٗ ﴾ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔

تین چیزوں میں فرق ضروری ہے

(۱) موت (۲) امکانی فنا (۳) واقعی فنا

موت ہر فرشتہ، جن اور انسان کو آنی ہے۔ یعنی ان کی روحیں جسم سے جدا ہونی ہیں۔ امکانی فنا ہر ماسوی اللہ کو حاصل ہوگی۔ واقعی فنا یعنی مٹ جانا، وجود سے عدم آجانا، یہ ارواح جنت اور دوزخ کے ماسوا کیلئے ہے۔

(از تفسیر نعیمی)

موت کی قسمیں

چونکہ زندگی کی تین قسمیں ہیں اس لئے اس کے مقابل موت کی بھی تین ہی قسمیں ہیں۔

اول زندگی حسی جو محسوس ہو اور اس کے مقابل موت حسی جو بظاہر معلوم ہو۔ اسی لحاظ سے فرمایا گیا کہ ﴿ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ﴾۔ بے شک آپ پر بھی موت آنی اور ان پر بھی۔ یہاں موت سے مراد حسی موت ہے جو بظاہر دیکھنے میں آئے اور جسم بے حس و حرکت نظر آئے۔

دوم زندگی حقیقی جیسے روح کی زندگی کہ وہ جسم سے جدا ہو کر بھی برقرار رہتا ہے۔ اس کے مقابل موت حقیقی ہے جیسے کہ قیامت کے دن جانوروں کو آپس میں بدلا دلا کر فنا کر دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا ﴿ کُوْنُوْا تُرَابًا ﴾ مٹی ہو جاؤ۔ اس دن ان کی روحیں بھی فنا ہوں گی۔

سوم زندگی حکمی، جو دیکھنے میں آئے مگر اس پر زندگی کے بہت سے احکامات شرعیہ جاری ہوں۔ مثلاً میراث تقسیم نہ ہونا اور ان کی ازواج کا اوروں سے نکاح جائز نہ ہونا وغیرہ، اور کچھ احکام موت کے بھی جاری ہوتے ہیں اور جیسے کفن و دفن وغیرہ۔ اسی طرح شہداء پر بقائے جسم اور اعطائے رزق وغیرہ زندگی کے احکام جاری ہوتے ہیں اور کفن و دفن نماز جنازہ وغیرہ احکام موت جاری ہوتے ہیں ۔اس کے مقابل موت حکمی ہے۔ جیسے مرتد کہ وہ بظاہر زندہ ہوتا ہے چلتا پھرتا ہے لیکن اس پر موت کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ اس کا مال اس کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اس طرح اس کی زوجہ اس کے نکاح سے خارج ہو جاتی ہے۔ یہ بحث ذہن میں رکھی جائے جو آگے احوال قبر کے ذکر میں کام آئی گی کیونکہ صالحین ،شہداء، انبیائے کرام کو قبر میں زندگی حاصل ہے۔

موت سے محفوظ صرف اللہ تعالیٰ ہے

﴿جھوٹے خدا بھی موت سے نہ بچ سکے﴾

صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک وہ ہے جو موت سے محفوظ ہے۔ رب تعالیٰ کا رشاد گرامی

ہے۔ ﴿ اَللّٰهُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴾ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا ہے۔

خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی زندگی سے مراد یہ ہے کہ اس کا ہمیشہ قائم رہنا، اس پر فنا نہ آنا۔ عام مشہور عدم سے وجود میں آنا یا بدن سے روح کا تعلق قائم ہونا، یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ اس کی کوئی ابتدا نہیں کہ وہ عدم سے وجود میں آیا ہو اور اسی طرح وہ بدن اور روح سے پاک ذات ہے لیکن اس کے خلاف جھوٹے خداؤں میں سے مشہور خدا تین گذرے ہیں۔ بخت نصر شداد ابن عاد، نمرود اور فرعون۔ پہلے دونوں کو اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کی بادشاہت عطا فرمائی۔ خیال رہے کہ کل روئے زمین کی بادشاہت صرف چار شخصوں نے کی دو یہ جن کا اوپر ذکر کیا گیا یعنی بخت نصر شداد ابن شداد عاد اور نمرود اور دو مسلمان بادشاہ ہوئے ہیں۔ ایک حضرت سلیمان علیہ السلام اور دوسرے سکندر ذوالقرنین علیہ السلام۔ (تفسیر جمل)

پہلے جھوٹے خدا کا ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنی بنائی ہوئی جنت کو بھی نہ دیکھ سکا کہ عزرائیل کی گرفت میں آگیا۔ دوسرا جھوٹا خدا نمرود ابن کنعان یہ ولد الزنا (حرامی) تھا، سب سے پہلے تاج اس نے سر پر رکھا، زمین میں جابر و ظالم باشادہ تھا کل روئے زمین کا بادشاہ تھا اس نے رب ہونے کا دعویٰ کیا۔ لیکن اس مدعی ربوبیۃ کی موت کیسی ذلت سے آئی - یہ شخص جو سارے جہان کا بادشاہ تھا اس کی عمر آٹھ سو برس ہوئی، بعض حضرات نے عمر چار سو برس بھی تحریر کی ہے۔ اس کی خدائی کا دعویٰ کرنے پر مالک الملک نے یہ سزا دی کہ اس کے ناک میں مچھر گھس گیا جو اس کے دماغ تک پہنچ گیا۔ جب وہ اس کو کاٹتا تھا یہ نہایت بے قرار ہو جاتا تھا۔ اور اپنے سر پر اپنے ہی خدام سے جوتے مرواتا تھا اس طرح اس کو کچھ چین آتا تھا۔ عرصہ دارز تک جھوٹے خدا کے سر پر اس کے نوکر جوتے مارتے رہے۔ اسی طرح ذلیل ہو کر یہ مدعی ربوبیۃ مر گیا۔

تیسرا بادشاہ خدائی کا دعویدار فرعون تھا ﴿ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ﴾ کا دعویدار تھا کہ میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں۔ لیکن یہ شخص بھی جب اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آیا تو اپنے آپ کو موت کی آغوش میں جانے سے نہ بچا سکا۔ اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ رات میں بنی اسرائیل کو لے جائیں اور دریائے نیل کو عبور کر جائیں تاکہ یہ لوگ فرعون کے ظلم سے بچ جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ساتھ لیا اور دریا کے کنارے تک پہنچ گئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ﴿اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ﴾ یعنی اپنا عصا دریا پر مارو (آپ نے جب اپنا عصا دریا پر مارا) تو جبھی دریا پھٹ گیا۔ اس طرح بنی اسرئیل کو اللہ تعالیٰ نے دریا عبور کرادیا، فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا سرکشی اور ظلم سے ﴿حَتّٰی اِذَا اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّه‘ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْا اِسْرَائِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ یہاں تک کہ وہ جب ڈوبنے لگا بولا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں۔ لیکن جب وہ دریا میں غرق ہو رہا تو اس کا ایمان لانا اللہ تعالیٰ نے قبول نہ فرمایا اور کہا ﴿آلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ کیا اب تو (ایمان لاتا ہے) اور پہلے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا ۔ غرضیکہ جھوٹا خدا بھی اپنے آپ کو عزرائیل سے نہ بچا سکا واضح ہوا کہ عزرائیل کو بڑے بڑے جابر بادشاہوں، خدائی کے دعویداروں پر بھی گرفت حاصل ہے۔ لیکن قربان جاؤں شان انبیاء کرام پر، ان پر اتنے عظیم القدر فرشتے کو بھی گرفت حاصل نہیں۔ انبیائے کرام نے فقط اللہ تعالیٰ کی ملاقات ووصال کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی جانیں حضرت عزرائیل کے سپرد کیں۔ اس میں انبیائے کرام کی رضاء تھی ورنہ عزرائیل کو ان پر تسلط حاصل نہیں تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عزرائیل کی آنکھ نکال دی

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ملک الموت کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا۔ جب وہ آپ کے پاس آیا "صکه ففقأ عینه" آپ نے اسے تھپڑ مارا اس کی آنکھ نکال دی ۔ دوسری روایت میں اس طرح الفاظ گرامی ہیں۔ جاء ملک الموت الیٰ موسیٰ فقال اجب ربک فلطم موسیٰ عین ملک الموت ففقأ ھا "ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ اپنے رب کا حکم قبول کرو، تو آپ نے اسے تھپڑ رسید کردیا جس سے اس کی آنکھ ضائع ہوگئی۔ عزرائیل واپس اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوا، عرض کی " ارسلتنی الی عبد لا یرید الموت " مجھے تو نے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا ہی نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل کو پھر آنکھ عطا فرمائی یعنی نظر لوٹا دی اور فرمایا کہ جاؤ میرے بندے کے پاس اس کو کہو اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھے، ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے۔ اتنے سال عمر

بڑھادوں گا۔ آپ نے عرض کی اے رب پھر کیا ہوگا رب تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر موت آجائے گی۔ آپ نے عرض کی ابھی موت آجائے، ساتھ یہ سوال کیا کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے بیت المقدس کی سرزمین پر پہنچادینا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو تمہیں سرخ ریت کے ٹیلوں کے پاس راستے کی ایک جانب آپ کی قبر اب بھی دکھا سکتا ہوں۔

(مسلم شریف باب فضائل موسیٰ علیہ السلام)

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں دفن ہونے کی خواہش اس لئے کی کہ وہ مقام انبیائے کرام کے دفن ہونے کی وجہ سے مشرف تھا۔ آپ کی دعا سے واضح ہوا کہ فضلیت والے مقام میں صالحین کے قرب وجوار میں دفن ہونا مستحب ہے۔

(نووی شرح مسلم)

مسلم شریف کی اس حدیث پاک سے روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ عزرائیل کو انبیائے کرام پر کوئی تسلط نہیں۔ بعض انبیائے کرام نے حکم باری تعالیٰ کو قبول کرتے ہوئے ابتداً ہی عزرائیل کو خوش آمدید کہا۔ بعض نے عزرائیل کو انبیاء کرام کے پاس بلا اجازت آنے پر تنبیہ کی اور بتایا کہ عزرائیل کو انبیاء کرام پر کوئی تسلط حاصل نہیں پھر اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو بھی ترجیح دی۔ عمر کی مہلت ملنے کے باوجود قبول نہیں فرمایا تو واضح ہوا کہ منشأ عمر کا حصول نہیں تھا۔ بلکہ شانِ انبیائے کرام کو عوام الناس پر واضح کرنا مقصد عظیم تھا۔

نبی کریم ﷺ کے پاس عزرائیل علیہ السلام کا اجازت لے کر حاضر ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے دن حق تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم فرمایا کہ زمین پر میرے حبیب محمد مصطفےٰ ﷺ کے حضور حاضر ہو۔ خبردار، بغیر اجازت کے داخل نہ ہونا اور بغیر آپ کی اجازت کے روح قبض نہ کرنا۔ تو قابض ارواح (روحوں کے قبض کرنے والے عزرائیل) نے دروازے کے باہر اعرابی کی صورت میں کھڑے ہو کر عرض کیا " السلام علیکم اھل بیت النبوۃ ومعدن الرسالۃ ومختلف الملائکہ "۔ اے معدن رسالت، ملائکہ کے مقام آمدورفت اہل بیت نبوت تم پر سلام ہو۔ مجھے اجازت دیجیے تاکہ میں داخل ہوں، تم پر خدا کی رحمت ہو۔ اس وقت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ

عنہا رسول اللہ ﷺ کے سرہانے موجود تھیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ نبی کریم اپنے حال میں مشغول ہیں۔ اس وقت ملاقات نہیں فرما سکتے۔ دوسری مرتبہ پھر اجازت مانگی چنانچہ جتنے صاحبان اس وقت گھر میں موجود تھے اس آواز کی ہیبت سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ ہوش میں آئے اور آنکھ مبارک کھول کر فرمایا کیا بات ہے؟ صورت حال عرض خدمت کی گئی۔ فرمایا، اے فاطمہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ لذتوں کو توڑنے والا۔ خواہشوں اور تمناؤں کو کچلنے والا، اجتماعی بندھنوں کو کھولنے والا، بیویوں کو بیوہ کرنے والا، اور بچیوں کو یتیم بنانے والا ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد ثانی)

موت کا وقت مقرر ہے

﴿جس میں تقدیم و تاخیر نہیں اور نہ ہی کسی کو اختیار ہے﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾

اور ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے جب ان کا وعدہ آئے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے۔

تفسیر صاوی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: "لکل فرد من افراد الامة وقت معین "افراد امت میں سے ہر فرد کے لئے ایک وقت معین ہے۔ واضح ہوا کہ یہ کہنا فلاں شخص کو جلدی ہی موت نے پالیا۔ بے وقت موت آگئی۔ وقت سے پہلے موت آگئی۔ ابھی اس کے مرنے کا وقت تو نہیں تھا۔ اور اس کے قسم تمام جملے جاہلانہ کلام ہے۔

نبی کریم ﷺ کو موت و حیات میں اختیار تھا

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر شریف پر تشریف فرما ہو کر فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار دیا، وہ دنیاوی زندگی اور اس کی زیب و زینت اور عیش و آسائش اختیار کرے یا وہ جو حق تعالیٰ کے پاس آخرت کا اجر و ثواب لے۔ تو اس بندے نے اس چیز کو اختیار کیا جو حق تعالیٰ کے پاس ہے اور دنیا کی طرف رغبت نہ کی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس خبر کے سنتے ہی رونے لگے اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ لوگوں نے کہا، اس شیخ کو دیکھو حضور اکرم ﷺ تو کسی کا حال بیان فرما رہے ہیں اور یہ روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ، حالانکہ حضور اپنے حال مبارک کی خبر دے رہے تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس حال سے ان سب سے زیادہ دانا و فہمیدہ تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا اور نیکی کرنے والا اپنے مال اور صحبت و رفاقت سے ساتھ دینے والا وہ ابو بکر صدیق ہیں۔ اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا خلیل بنانے والا ہوتا تو میں صدیق کو اپنا خلیل بناتا، لیکن خدا کے سوا میرا کوئی خلیل نہیں، اخوت اسلامی باقی ہے۔ خلیل جگری دوست کو کہتے ہیں، جس کی دوستی دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو۔ اور فرمایا مسجد میں کھلنے والا کوئی دریچہ باقی نہ رکھا جائے سوائے ابو بکر صدیق کے دریچہ کے

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا عجیب واقعہ

ارشاد خداوندی ہے:

﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ﴾ الخ

(سورۃ سبا آیت نمبر ۱۲، ۱۳، ۱۴)

ترجمہ:- اور ہم نے مسخر کردی سلیمان کے لئے ہوا۔ اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی ہے۔ اور ہم نے جاری کر دیا ان کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ اور کئی جن (ان کے تابع کر دیئے) جو کام میں جتے رہتے ان کے سامنے ان کے رب کے اذن سے۔ اور جو سر تابی کرتا ان میں سے ہمارے حکم (کی تعمیل) سے تو ہم اسے چکھاتے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب۔ وہ بناتے آپ کے لئے جو آپ چاہتے۔ پختہ عمارتیں، مجسمے، بڑے بڑے لگن جیسے حوض ہوں اور بھاری دیگیں جو چولہوں پر جمی رہتیں۔ اے داؤد کے خاندان والو۔ ان نعمتوں پر شکر ادا کرو۔ اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گذار ہیں۔ پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا نہ پتہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا مگر زمین کے دیمک نے جو کھا تا رہا آپ کے عصا کو پس جب آپ زمین پر آ رہے تو جنوں پر بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو اتنا عرصہ

نہ رہتے اس رسوا کن عذاب میں۔

تشریح :- جس طرح ہم نے (اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی) حضرت داؤد پر خصوصی فضل فرمایا اسی طرح ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام پر بھی اپنی خصوصی عنایات فرمائیں ہم نے آپ کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا۔ جب آپ اپنی وسیع و عریض مملکت کے دورے پر جاتے تو آپ کے تخت کو ہوا اپنے کندھوں پر اٹھا کر بڑی سرعت سے روانہ ہو جاتی اور وہ بڑی تیز رفتاری سے اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتے صبح کے وقت وہ اتنا سفر کر لیتے جتنا ایک سوار سریع السیر (تیز رفتار) گھوڑے پر ایک ماہ میں طے کرتا اسی طرح شام کے وقت بھی۔ نیز ہم نے آپ کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ جاری کر دیا تاکہ وہ حسب منشا اس کو اپنے مصرف میں لائیں۔ ہوا کے علاوہ ہم نے جنات کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا تابع فرمان کر دیا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ اپنی ڈیوٹی میں ذرا غلفت یا پہلو تہی کرے۔ سرتابی کرنے والوں کو آگ سے داغا جاتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں جو خدمات وہ انجام دیا کرتے یہاں ان کا ذکر ہو رہا ہے۔

محاریب: اس کا واحد محراب ہے اس سے مراد قلعے، اونچی اونچی عبادت گاہیں اور آپ کے لئے بہترین اور خوشنما محلات۔ ان کو محاریب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی قبضہ کرنا چاہے تو انہیں بے وقعت جان کر بغیر لڑے دشمن کے حوالے نہیں کر دیا جاتا بلکہ لوگ ان کے لئے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

تماثیل: اس کا واحد تمثال ہے یعنی جنات ان کے لئے بڑے بڑے پتھر وغیرہ کے مجسمے تراشتے تھے یا ڈھالتے تھے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے مجسموں کا جواز ثابت کیا ہے۔ حالانکہ احادیث پاک میں ان کے متعلق سخت وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہوائے نفس کے اتباع سے محفوظ فرمائے۔

جفان: جمع ہے جفنۃ کی وہ بڑے لگن (طباق یا پراتیں یا کنال یا بالٹیاں) جن میں کھانا ڈالا جاتا ہے اور لوگ اس کے ارد گرد بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ جو لگن جنات آپ کے لئے تیار کرتے تھے وہ عام قسم کے لگن نہیں ہوتے بلکہ اتنے بڑے اور چوڑے ہوتے جیسے پانی کے حوض اور تالاب ہوا کرتے ہیں۔

قدور راسیات:۔ یعنی ایسی بڑی بڑی بھاری بھر کم دیگیں جو اپنی جسامت اور بوجھ کے باعث آسانی سے ادھر نہیں جا سکتی تھیں بلکہ چولہوں پر مضبوطی سے جما دی جاتی تھیں۔

یعنی جب ہم نے داؤد اور آل داؤد پر اتنا احسان فرمایا ہے اور ایسے ایسے انعامات سے ممتاز کیا تو اب آل داؤد پر واجب ہے کہ وہ شکر کا حق ادا کر رہے ہوں۔ جنات غیب دانی کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور اسی وجہ سے وہ انسانوں پر رعب بٹھاتے اور انہیں طرح طرح کی ایسی باتیں بتاتے جن کا تعلق امورِ غیبیہ سے ہوتا، اللہ تعالیٰ کی غیرت نے ان کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس وقت موت سے ہم کنار کیا جب وہ عصا پر ٹیک لگائے مصروف عبادت تھے آپ کی روح پرواز کر گئی لیکن آپ کا جسم مبارک عصا کے سہارے جوں کا توں کھڑا رہا۔ جنات جو آپ کے حکم سے بڑے تھکن اور مشقت طلب کاموں میں جتے ہوئے تھے اور آپ کے خوف سے سستی نہ کر سکتے تھے وہ آپ کو کھڑا ہوتے دیکھتے تو سمجھتے کہ آپ زندہ و سلامت ہیں، ذرا غفلت برتی تو کھال ادھیڑ لیں گے۔

اسی طرح پورا سال گذر گیا تو حکم الٰہی سے دیمک نے عصا کو چاٹنا شروع کر دیا۔ نیچے سے اوپر تک اسے کھوکھلا کرنے میں ایک سال کا عرصہ بیت گیا۔ جب وہ بالکل کھوکھلا ہو گیا اور آپ کا بوجھ نہ سہار سکا تو ٹوٹ گیا اور آپ نیچے زمین پر آ رہے۔ تب جنات کو پتہ چلا کہ جس کے خوف سے انہوں نے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا رکھا وہ تو عرصہ سے وفات پا چکا ہے، تو اب ان کے دعویٰ کی حقیقت فاش ہو گئی نیز وہ لوگ جو ان جنات کے غیب دانی کے دعویٰ کو سچا سمجھ رہے تھے انہیں بھی پتہ چل گیا کہ یہ اپنے دعویٰ میں سراسر جھوٹے ہیں۔

جنات کے سر غرور کو خاک میں ملانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے شانِ نبوت کا مشاہدہ بھی کرا دیا۔ عام انسان اگر عصا پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو اور اونگھ جائے تو اس کا توازن برقرار نہیں رہتا، اور فوراً زمین پر گر پڑتا ہے۔ پھر موت کے بعد چہرے کی رنگت بدل جاتی ہے، جسم میں طرح طرح کے تغیرات رونما ہونے لگتے ہیں۔ یہاں آپ سال بھر ٹیک لگائے کھڑے رہے، چہرہ اسی طرح پھول کی طرح شگفتہ رہا۔ بدن بالکل ترو تازہ رہا۔ تعفن اور بوسیدگی تو کجا لباس بھی ویسے ہی پاک صاف رہا۔ نہ موسم گرما کی حدت (گرمی کی تیزی) لُو اور حبس نے جسد اطہر کو متاثر کیا

اور نہ موسم سرما کا کوئی اثر ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بے بصیرت لوگوں کو ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیا کہ نبی کی ظاہری زندگی کا جاہ و جلال تو تم دیکھتے رہے ہو۔ اب اس کے انتقال کے بعد بھی اس کی شان رفیع کو دیکھو۔ (از ضیاء القرآن)

موت کی جگہ مقرر ہے

نبی کریم ﷺ نے کفار کی موت کی جگہ میدان بدر میں پہلے ہی بیان فرما دی حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں بدر میں مرنے والوں کی جگہیں دکھائیں۔ ایک ایک کا نام لے کر فرمایا یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے وہ کل یہاں مرے گا اور یہ فلاں کی جگہ ہے اس نے کل یہاں مقتول ہونا ہے ان شاء اللہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق سے مبعوث فرمایا۔ جس جگہ کی نبی کریم ﷺ نے حد بندی فرمائی تھی اس سے ذرہ بھر بھی کوئی آگے پیچھے نہیں ہوا بلکہ ہر شخص ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ وہیں مرے جہاں نبی کریم ﷺ نے نشان لگائے تھے۔

(مسلم شریف بمع شروح جلد ثانی باب عرض مقعد المیت)

ابو جہل کو موت میدان بدر میں بلا رہی تھی اسی وجہ سے وہ کسی کی کوئی بات نہیں سن رہا تھا۔ اور روکا جا رہا تھا کہ ابو سفیان کا قافلہ آ گیا ہے ہمیں جنگ کرنے کی ضرورت نہیں لیکن وہ خانہ کعبہ کے اوپر کھڑے ہو کر آواز لگا رہا تھا کہ لوگو جلدی کرو، جلدی نکلو، اپنے اموال اور قافلہ کے پاس پہنچو، مکہ سے چلنے سے پہلے جب عاتکہ بنت عبد المطلب نے اپنا خواب بیان کیا کہ کچھ شتر سوار آئے ہیں اور مقام ابطح میں کھڑے با آواز بلند کہہ رہے ہیں کہ اے قریش کے لوگوں جلدی کرو اور اپنے قتل کی جگہ آؤ۔ تو ابو جہل لعین نے اس کا طنز اڑاتے ہوئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کہا اے ابو الفضل یہ عورت تم میں کب سے "نبی" ہوئی ہے۔ اسی طرح میدان بدر میں جاتے ہوئے قریش کا لشکر جب میدان جحفہ میں اترا تو جہم ابن صلت بن مخرومة نے خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار آ رہا ہے اس کے ساتھ اونٹ ہے وہ کہہ رہا ہے۔ کہ عتبہ، شیبہ، ابو الحکم بن ہشام (ابو جہل) اور امیہ اور فلاں فلاں مارے گئے ہیں اس کے بعد ایک چھری اس نے اپنے اونٹ کی گردن میں ماری اور لشکر کے خیموں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس میں اس

کا خون نہ ٹپکا ہو۔ اور وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔

اس خواب کو سن کر بھی ابو جہل طنز کر رہا تھا کہ یہ ایک اور نبی پیدا ہو گیا۔ کل پتہ چل جائے گا کہ مقتول کون ہے؟ ادھر یہ اپنے رعب و دبدبہ، کثرت فوج۔ جنگی سازو سامان پر ناز کرتے ہوئے مسلمانوں کے قتل کئے جانے کو اپنے تصور میں رکھتا تھا لیکن ادھر حبیب پاک ﷺ نشان لگا کر ابو جہل کے قتل ہونے کی جگہ کا انتخاب فرما رہے تھے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ اپنے مقام قتل میں نہ پہنچتا اور زبان مصطفیٰ ﷺ سے نکلی ہوئی بات رد ہوتی؟

ع تیرے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی ﷺ

اللہ تعالیٰ نے اس متکبر کو دو نوجوان بچوں معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں سے قتل کرا کے اس کے تکبر کو ہمیشہ خاک میں ملا دیا۔ اس طرح اسلام کا بدترین دشمن اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

موت انسان کو کس طرح بلاتی ہے؟

ابو السائب ہشام بن زھرۃ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے گھر تھا وہ نماز پڑھنے میں مشغول تھے میں بیٹھ کر ان کے نماز سے فارغ ہونے کی انتظار کرنے لگا، اسی دوران میں نے گھر کے ایک کنارے پڑی کھجور کی چھڑیوں میں حرکت سی سنی تو میں نے دیکھا کہ ایک سانپ ہے، میں جلدی ہی اس کو قتل کرنے کی طرف لپکا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے دوران نماز ہی اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا۔ وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنی حویلی میں ایک گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ کیا وہ گھر تم دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا

ہاں۔ آپ نے فرمایا: اس میں ہمارا ایک جوان رہتا تھا، جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، آپ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ خندق میں حاضر ہو گئے، ایک دن دوپہر کو اس جوان کے دل میں خیال آیا کہ میں نبی کریم ﷺ سے اجازت لے کر گھر سے ہو آؤں۔ اس نے آپ سے ایک دن کی اجازت طلب کی آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اپنے ہتھیار ساتھ لے لو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ ہو

قریظہ کہیں تم پر حملہ نہ کر دیں۔ اس جوان نے اپنے ہتھیار لے لئے اور گھر کی طرف چل پڑا۔ گھر پہنچنے پر اس نے اپنی زوجہ کو دونوں دروازوں کے درمیان کھڑے دیکھا۔ اس کی غیرت نے یہ برداشت نہ کیا کہ میری عدم موجودگی میں گھر سے باہر دروازے میں کھڑے ہو کر کیا کر رہی ہے؟ اس نے اپنا نیزہ زوجہ کی طرف بڑھا کر اس کا پیٹ چاک کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس کی زوجہ نے (معاملہ کو سمجھتے ہوئے فوراً) کہا کہ اپنے نیزہ کو روکئے گھر کے اندر جا کر دیکھئے مجھے کس چیز نے گھر سے باہر نکالا ہے۔ جب اس جوان نے اندر جا کر دیکھا تو اس کو ایک بہت بڑا سانپ بستر پر لپٹ کر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ اس نے فوراً اپنا نیزہ بڑھاتے ہوئے سانپ میں گاڑ دیا۔ پھر باہر نکل کر نیزہ کو حویلی میں گاڑ دیا۔ سانپ تڑپتے ہوئے جوان پر گرا اور جوان کو ڈس لیا۔ سانپ نیزہ کے زخموں سے تڑپ رہا تھا اور جوان سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے تڑپ رہا تھا۔ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ کس کی موت پہلے آئے گی؟ ہم نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس جوان کی زندگی کے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اب تم اپنے ساتھی کی مغفرت کی دعا کرو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں کئی جنوں نے ایمان قبول کر لیا ہے (جو سانپوں کی شکل میں تمہیں نظر آئیں) تو تم ان کو دیکھ کر ان کو تین دنوں کی اجازت دو اگر پھر بھی ظاہر ہوں تو قتل کر دو کہ وہ شیطان ہیں۔

(مسلم شریف جلد ثانی قتل الحیات)

حدیث پاک سے ایک فائدہ یہ حاصل ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے صحابی کی وفات کا علم مقام خندق میں ہی ہو گیا کیونکہ آپ کے صحابہ کرام اپنے اس ساتھی کی زندگی کی دعا کی درخواست کر رہے تھے۔ لیکن آپ استغفار کا حکم فرما رہے تھے۔

دوسرا فائدہ :- یہ حاصل ہوا کہ موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے وہ انسان کسی نہ کسی طرح اس وقت میں وہاں پہنچ جاتا ہے۔

تیسرا فائدہ :- یہ حاصل ہوا کہ اکثر حضرات کے نزدیک مطلقاً سانپ کو قتل کرنا جائز ہے۔ یہ حکم مدینہ طیبہ کے سانپوں کے لئے تھا۔ کچھ حضرات اصحاب علم اس طرف ہیں کہ چھوٹا، لنڈا، سیاہ نقطوں والا سانپ فوراً قتل کر دیا جائے۔ لیکن دوسرے سانپوں کو تین دنوں کی مہلت دی

جائے اور ان کو کہا جائے کہ تمہیں وہ وعدہ یاد دلاتے ہیں جو تم سے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے لیا تھا کہ تم ہمیں ایذا نہیں پہنچاؤ گے اور نہ ہم پر غالب آؤ گے۔ اگر وہ یہ سن کر چلے جائیں تو بہتر ہے پھر بھی ظاہر ہوں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔

چوتھا فائدہ :- یہ حاصل ہوا کہ صحابہ کرام غیرت مند انسان تھے اپنی ازواج کو گھر سے باہر دیکھ کر ان کے لئے ناقابل برداشت ہوتا تھا۔ نیز وہ عورتیں بھی باحیاء تھیں بلاوجہ بازار کی زینت نہیں بنتی تھیں۔ کسی عورت کا سینہ تان کر مردوں سے خطاب، مردوں سے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے دھکے کھانے کا تصور بھی نہیں تھا۔ یہ تو آج کل کی فاحشات کو ہی حاصل ہے۔

فتح مکہ میں چند لوگوں کی موت میں حیران کن حکمت!

نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور تمام لشکر کو حکم دیا کہ کوئی شخص کسی اہل مکہ سے اور حرم کے مجاوروں سے جنگ و قتال سے در پیش نہ آئے، سوائے ان نادانوں اور نا سمجھوں کے جو ان کے ساتھ جنگ کریں۔ اپنی مدافعت میں ان کو معاف نہ کریں۔

منقول ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو جہاں قیام کا حکم دیا تھا۔ اس مقام کی طرف آپ چلے تو عکرمہ بن ابو جہل اور صفوان بن امیہ نے بنی حارث اور بنی بکر کے کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر سازو سامان سے لیس ہو کر سر راہ حضرت خالدؓ کو جا پکڑا لا محالہ حضرت خالدؓ کو ضرورت در پیش آئی کہ ان کے ساتھ جنگ کریں۔ اور خندمہ کے مقام پر جنگ عظیم واقع ہوئی۔ یہاں تک کہ ضرورۃ کے مقام پر جسے عروہ کہتے ہیں جو خانہ کعبہ کے متصل ہے جنگ نے طول کھینچا اور ان ذلیل و خوار سرکشوں میں سے اٹھائیس آدمی غازیوں کی تیغ آبدار سے جہنم میں پہنچے۔ اور دو شخصوں نے حضرت خالدؓ کے لشکر سے شربتِ شہادت نوش کیا۔ ایک حضرت حنیش بن الاشعر اور دوسرے کرز بن جابر رضی اللہ عنہما۔ جب نبی کریم ﷺ کو اس جنگ کی اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خالد کو جنگ سے منع کیا تھا، پھر انہوں نے جنگ کیوں کی؟ تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بہت بڑی جماعت ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آئی تھی۔ انہوں نے اپنی مدافعت میں ان سے جنگ کی ہے جیسا کہ اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا تھا۔ ان

کے ساتھ مجبوراً قتال کرنا پڑا۔ آپ نے فرمایا: قضاء اللّٰہ خیر۔ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر بہتر ہے۔

پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد کی طرف ایک شخص کو بھیجا کہ ان کو جا کر کہو کہ "ضع عنھم السیف"۔ یعنی ان سے تلوار کو دور رکھو اور ان کو قتل نہ کرو۔ مگر اس قاصد نے حضرت خالد کو کہا کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں" ضع فیھم السیف"۔ یعنی ان کو تلوار کی دھار پر رکھو۔ ان کو قتل کر دو۔ اس پر حضرت خالد نے اس دن ستر آدمیوں کو مارا۔ جب حضور ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے حضرت خالدؓ سے فرمایا کہ تم نے حکم کے خلاف کام کیوں کیا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے تو قاصد نے آکر یہ کہا کہ" ضع فیھم السیف"۔ ان کو قتل کر دو۔ میں نے تو آپ کے ارشاد گرامی کے مطابق ہی ان کو قتل کیا ہے۔

اس سلسلہ میں عجیب بات بعض مفسرین نے بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے اس شخص کو بلایا جس کو حکم دے کر بھیجا تھا اور فرمایا۔ میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ اس قاصد نے کہا۔ جب میں حضور کے پاس سے حکم لے کر چلا تو ایک شخص مجھے ملا جس کا سر آسمان تک پہنچتا تھا اور خنجر اس کے ہاتھ میں تھا اس نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ خالد کو کہنا" ضع فیھم السیف"۔ ان کو قتل کر دو۔ اگر تم نے ایسے نہ کہا تو اس خنجر سے تمہیں قتل کر دوں گا مجبوراً میں نے خالد سے یہی کلمہ کہا۔ جب حضور علیہ السلام نے سنا تو فرمایا۔"صدق اللّٰہ و صدق رسولہ" اللہ بھی سچا ہے اور اس کا رسول بھی سچا۔ احد کی جنگ میں جب حضرت حمزہ شہید ہوئے تھے تو میں نے کہا تھا کہ اگر میں قریش کو پاؤں تو ان کے ستر آدمی قتل کر دوں گا۔ اس دن حق تعالیٰ نے مجھے منع فرما دیا تھا۔ لیکن آج خدا نے چاہا کہ جو کچھ نبی کی زبان سے ادا ہوا ہے وہ سچ کر دکھایا جائے۔ اسی غرض سے یہ بات ظہور میں آئی اور قریش کے ستر آدمی مارے گئے ہیں۔

(مدارج النبوۃ جلد ثانی مختصراً)

موت کی جگہ انسان خود ہی خوشی جاتا ہے

ابن ابی شیبہ نے حضرت خیثمہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ملک الموت (عزرائیل

علیہ السلام) حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں آئے اور ان کے ساتھیوں میں سے ایک کو بڑے گھور کر دیکھنے لگے۔ جب آپ چلے گئے تو اس شخص نے سلیمان علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ شخص کون تھا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ملک الموت تھا؟ اس نے عرض کی کہ، حضور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ میری روح نکالنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے عرض کی کہ حضرت ہوا کو حکم دیں کہ وہ مجھے سر زمین ہند میں پہنچادے آپ نے ہوا کو حکم دیا تو ہوا اس شخص کو سر زمین ہند میں چھوڑ آئی۔ پھر ملک الموت تشریف لائے تو جناب سلیمان علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ تم میرے ایک ساتھی کو گھور کر کیوں دیکھتے تھے؟ انہوں نے عرض کی کہ حضرت میں اسی پر تعجب کر رہا تھا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کی روح ہند میں قبض کروں اور یہ آپ کے پاس بیٹھا ہے کیسے ہند پہنچے گا۔

(شرح الصدور اللسیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

اس روایت سے واضح ہوا کہ انسان نے جہاں مرنا ہوتا ہے اور وہاں جانے کے لئے بے تاب ہوتا ہے، ہر حال میں وہاں پہنچ جاتا ہے۔ جیسے یہ شخص سر زمین ہند میں جبھی وقت مقرر پر پہنچا، اسی وقت اسی کی روح قبض کرلی گئی۔

پہلی امتوں میں سے ایک زاہد کی موت کا عجیب منظر

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی قوموں میں ایک بادشاہ تھا، اسی کا ایک جادوگر تھا، جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا، اس نے ایک دن بادشاہ کو کہا کہ میں تو اب بوڑھا ہو چکا ہوں اس لئے میرے پاس کوئی لڑکا بھیج دیا کریں تاکہ میں اس کو جادو کا علم پڑھادوں۔ بادشاہ نے اس کے پاس ایک لڑکا بھیج دیا (جس کا نام عبد القدوس تھا) جس کو اس نے علم جادو پڑھانا شروع کر دیا (وہ لڑکا ہر دن جادوگر کے پاس آتا تھا پھر واپس لوٹ جاتا تھا) اس کو راستے میں چلتے ہوئے ایک راہب نظر آیا وہ اسی کے پاس بیٹھ گیا اور اس کی کلام کو سنا تو اس لڑکے کو راہب کی باتیں پسند آئیں۔ اب اس کا معمول بن گیا، جب بھی وہ جادوگر کے پاس آتا، راستے میں اسی راہب کے پاس بیٹھتا۔ دیر ہو جانے پر ایک دن جادوگر نے اس کو مارا اس لڑکے نے راہب کے پاس شکایت کی۔ راہب نے اسے کہا جب تمہیں جادوگر کے پاس پہنچنے میں دیر ہو جایا کرے تو تم اسے کہا کرو مجھے گھر والوں نے روک لیا تھا، اس لئے دیر ہو گئی۔ (اگر تم واپسی میں میرے پاس بیٹھو) اور گھر جانے میں تمہیں دیر ہو جائے اور گھر والوں سے تمہیں خوف لاحق ہو تو

کہنا کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا اسی طرح دیر ہو گئی۔ اسی طرح اس کا سلسلہ چلتا رہا ایک دن اس نے آتے ہوئے دیکھا کہ ایک بہت بڑے جانور نے لوگوں کا راستہ روکا ہے (لوگ ڈر کے مارے آگے نہیں جاتے کہیں یہ ہیوی ہیکل جانور قتل نہ کر دے) یہ منظر دیکھ کر اس لڑکے نے سوچتے ہوئے اپنے آپ سے کہا کہ آج دیکھتا ہوں کہ جادوگر سچا اور افضل ہے یا راہب؟۔ اس نے ایک پتھر لیا اور عرض کی اے اللہ اگر راہب کا طریقہ تجھے جادوگر کے طریقے سے زیادہ پسند ہے تو اس جانور کو اس پتھر سے مار دے تاکہ لوگ اپنی راہ پکڑ سکیں۔ یہ کہتے ہوئے اس نے پتھر اس جانور کی طرف پھینکا وہ جانور اس سے مر گیا۔ لوگ اپنی راہ چل پڑے لڑکے نے آکر راہب کو سارے معاملہ سے آگاہ کیا۔

راہب نے کہا اے میرے پیارے بیٹے آج تو مجھ سے بھی افضل ہو گیا۔ تو اس منصب پر پہنچ گیا جو میرا مطمع نظر تھا (جو میں نے اپنی نظر میں رکھا ہوا تھا) عنقریب تو مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔ لیکن ان آزمائش کی گھڑیوں میں میرا اتہ پتہ کسی کو نہ بتانا۔ اب لڑکے کو یہ قدرت حاصل ہو گئی کہ وہ پیدائشی اندھوں اور برص کی مرض والوں کو صحیح کر دیتا۔ ہر قسم کی دواؤں سے لوگوں کا علاج کرنا شروع کر دیا۔ بادشاہ کے پاس بیٹھنے والے ایک نابینا شخص کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ بہت بڑے تحائف لے کر آیا اور کہنے لگا اگر تم نے مجھے شفا دے دی (یعنی نظر عطا کر دی) تو یہ تمام قیمتی اشیاء تحائف و ہدایا تمہارے سپرد کر دوں گا۔ اس زاہد (نیک) لڑکے نے کہا کہ میں تو کسی کو بھی شفا نہیں دیتا شفا تو صرف اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا وہ تمہیں شفا عطا کر دے گا۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرما دی۔ پھر وہ شخص حسب معمول جیسے پہلے بادشاہ کے پاس بیٹھا کرتا تھا اسی طرح بادشاہ کے پاس آکر بیٹھا۔ بادشاہ نے اس سے کہا تمہیں نظر کس نے عطا کر دی؟ اس نے کہا میرے رب نے۔ بادشاہ نے کہا کیا میرے بغیر اور بھی کوئی تمہارا رب ہے؟ اس نے کہا ہاں! وہ اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا بھی رب ہے۔ بادشاہ نے اسے پکڑ لیا، عذاب (سزا) دینا شروع کر دیا کہ تم بتاؤ کہ تمہیں کس نے کہا کہ میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ سب کا رب تو میں ہوں یہاں تک کہ اس نے اس لڑکے کے بارے میں بتا دیا۔ اس لڑکے کو بادشاہ کے دربار میں لایا گیا بادشاہ نے اس سے پوچھا اے میرے بیٹے کیا تم نے جادو کا اعلیٰ مقام حاصل کر لیا ہے اور اس درجہ پر پہنچ چکے ہو؟ کہ پیدائشی نابینا کو نظر عطا کر دیتے ہو، اور برص کی مرض والے کو شفاء دے دیتے ہو۔ اور فلاں فلاں مرضوں کو ٹھیک کر لیتے ہو؟ لڑکے نے جواب دیا، میں تو کسی کو بھی شفاء نہیں دیتا شفاء تو اللہ دیتا ہے۔ بادشاہ نے اس لڑکے کو پکڑ کر سزا دینی شروع (تاکہ وہ بتائے کہ اسے کس نے بتایا ہے) یہاں تک کہ اس نے راہب کے متعلق بتا دیا۔

راہب کو بادشاہ کے دربار میں لایا گیا۔ اسے کہا گیا کہ تم اپنے دین کو چھوڑ دو۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس کے انکار کرنے پر آری منگوالی گئی۔ آری کو اس کے سر کے درمیان رکھ کر اسے چیرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ پھر بادشاہ کے پاس بیٹھنے والے شخص کو بادشاہ کے پاس پیش کیا گیا۔ اور اسے بھی چیر پھاڑ کر دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔ پھر لڑکے کو لایا گیا۔ اسے کہا گیا تم اپنے دین کو چھوڑ دو۔ اس نے بھی انکار کر دیا۔ بادشاہ نے وہ لڑکا اپنے ساتھیوں (فوجیوں یا پولیس کے سپاہیوں) کے سپرد کر دیا اور کہا کہ اس کو فلاں فلاں پہاڑ پر لے جاؤ۔ پہاڑ کے اوپر چڑھاؤ۔ جب تم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو اسے پھر کہو کہ دین چھوڑ دے، اگر یہ مان لے اور دین سے پھر جائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے پھینک دو۔ جب وہ لوگ پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے، اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ تعالیٰ مجھے ان سے بچالے، جس طرح بھی تو چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول کرتے ہوئے پہاڑ کو زلزلہ سے متحرک کرتے ہوئے ان کو نیچے گرا دیا۔ وہ لڑکا صحیح سلامت بادشاہ کے پاس لوٹ آیا۔ بادشاہ نے اپنے ساتھیوں اور (چچوں) کا حال پوچھا۔ اس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بچا لیا ہے اور ان کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ پھر اس نے اس لڑکے کو اپنے کارندوں کے حوالے کیا اور کہا کہ اس کو ساتھ لے جاؤ، اس کو ایک کشتی میں سوار کرو۔ جب کشتی دریا کے درمیان میں پہنچے اس سے کہو کہ دین چھوڑ دے۔ اگر یہ دین چھوڑ دے تو بہتر ہے ورنہ اس کو دریا میں پھینک دو، وہ لوگ اس لڑکے کو ساتھ لے گئے (کشتی میں سوار ہونے کے بعد) اس نے دعا کی اے اللہ جب تو چاہتا ہے تو مجھے ان سے بچالے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول کیا۔ ان کی کشتی کو الٹا کر دیا وہ سب غرق ہو گئے۔ یہ لڑکا صحیح سلامت بادشاہ کے پاس واپس آگیا۔ بادشاہ نے اپنے ساتھیوں کا حال پوچھا، اس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بچالیا ہے اور ان کو غرق کر دیا ہے۔ پھر اس لڑکے نے اسی بادشاہ کو کہا کہ تو مجھے اس وقت تک قتل نہیں کر سکے گا جب تک میرے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل نہیں کرے گا۔ جیسے میں تمہیں کہوں ایسے کرو تو مجھے قتل کر سکو گے۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا طریقہ ہے؟ اس نے کہا، سب لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کر لو کسی درخت کے تنہ پر مجھے سولی چڑھا دو پھر میرے ہی ترکش سے ایک تیر لے لو۔ پھر وہ تیر کمان کے درمیان رکھ لو پھر کہو!

"بسم اللہ رب الغلام" اللہ کے نام سے شروع جو اس لڑکے کا رب ہے۔

پھر وہ تیر میری طرف پھینک دو۔ جب تم ایسے کرو گے تو مجھے قتل کر لو گے۔ بادشاہ نے لوگوں کو کھلے میدان میں جمع ہونے کا حکم دے دیا۔ اس لڑکے کو درخت کے تنہ پر سولی چڑھا دیا گیا۔ پھر اس کے ترکش سے ایک تیر لے لیا گیا پھر وہ تیر کمان کے درمیان رکھ دیا گیا۔ پھر کہا بسم اللہ رب الغلام۔ پھر تیر اسکی طرف پھینک دیا تیر اس کی کن پٹی پر لگا، لڑکے نے تیر لگنے کی جگہ

پر اپنا ہاتھ رکھا تو فوت ہو گیا۔ (یہ منظر دیکھ کر) سب لوگوں نے کہا: " آمنا برب الغلام، آمنا برب الغلام۔ آمنا برب الغلام " ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے، ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے، ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے، بادشاہ کے پاس کسی شخص نے آکر کہا جس سے تم ڈر رہے تھے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی وہ تو ہو چکا ہے، تمہارا ڈر تو تم پر واقع ہو چکا ہے، لوگ تو ایمان لے آئے ہیں۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ راستوں میں کھائیاں کھودی جائیں۔ اس کے حکم پر کھائیاں کھودی گئیں۔ اور ان میں آگ جلانے کا حکم دیا گیا۔ آگ جلادی گئی تو اس نے کہا جو لوگ دین کو نہ چھوڑیں ان کو ان کھائیوں میں پھینک دو۔ جب ان لوگوں نے اس پر عمل کرنے کے لئے ایک عورت کو لایا جس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا۔ اس عورت نے جب آگ کی کھائی میں چھلانگ لگانے سے توقف کیا ذرا رکی ہی تھی کہ اس کے بچے نے کہا ماں صبر کرو (چھلانگ لگادو) حق پر ہو۔ (مسلم شریف جلد ثانی کتاب الزھد)

مفسرین کرام نے مزید یہ بیان کیا ہے کہ جن مومنین کو آگ کی کھائیوں میں پھینکا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو پہلے ہی قبض کر لیا اور ان کو نجات دی۔ آگ نے کھائیوں سے باہر نکل کر کفار کو جو بادشاہ کی طرف سے مومنین کو آگ میں پھینکنے پر مقرر تھے اپنی لپیٹ میں لے لیا ان کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے باطل کو مٹا کر حق کا بول بالا کر دیا۔

حدیث پاک سے کرامات اولیاء کرام کا ثبوت ملا۔ جو شخص دل سے ایمان لایا وہ کسی کے خوف سے ایمان نہیں لایا پھر خواہ اسے جان ہی قربان کرنی پڑی اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر مصائب و آلام برداشت کرتے ہوئے ان پر صبر کیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ جب مومن سچے اور پکے ایمان دار ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے ان کے دشمنوں کو تباہ و برباد کرتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہو اسے حکومت کے لوگ کبھی مار نہیں سکتے ۔ قدرت باری تعالیٰ کا نظام ہے کہ کبھی مارنے والے خود مر جاتے ہیں۔ جادو ناپیدار حقیقت ہے۔ اس کے خلاف نیکی پائیدار اور لازوال حقیقت ہے۔

تنبیہ :- پہلی امتوں میں بعض لوگ دنیا سے کنارہ کش ہو کر عبادت خانہ میں الگ تھلگ ہو کر عبادت میں مشغول رہتے تھے وہ نیک پرہیزگار ہوتے تھے ان کو "راہب" کہا جاتا تھا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اب اسلام میں راہب بننا ناجائز ہے بلکہ دنیا داری میں مشغول رہتے ہوئے عبادت کرنا ہی اعلیٰ مقام ہے۔

فصل ۔۔ ۴

موت کو یاد کرنا

انسان موت کو یاد کرتا رہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اکثروا ذکر ھاذم اللذات الموت" ۔ لذات کو توڑنے والی یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔

(ترمذی ، نسائی ابن ماجه ، (مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز)

موت سے دنیا کی تمام لذتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لئے موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ موت کو بھولو نہیں۔ یہاں تک کہ قیامت سے غافل نہ ہو۔ اور آخرت کے لئے توشہ کی تیاری کو نہ چھوڑو۔ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا، یا رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے عقلمند کون ہے آپ نے فرمایا: سب سے عقلمند، دانا وہ شخص ہے جو موت کو زیادہ یاد کرے، موت کی تیاری کرے، پس اس قسم کے لوگ ہی عقلمند ہیں جو دنیا کی شرافت بھی حاصل کر لیتے ہیں اور آخرت کی کرامت و عزت بھی ۔

انسان موت کو یاد کر کے اس کی تیاری کرے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ کرام کو فرمایا: " اللہ تعالیٰ سے حیا کرو جیسا کہ حیا کرنے کا حق ہے" صحابہ نے عرض کی، یا نبی اللہ ہم تو الحمدللہ، اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسے نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے کامل حیاء وہ کرتا ہے جو شخص اپنے سر اور جن پر سر مشتمل ہے ان کی حفاظت کرتا ہو۔ اور پیٹ اور جن پر پیٹ مشتمل ہے ان کی حفاظت کرتا ہو۔ اور موت کو اور پرائے ہونے کو یاد کرتا ہو۔ اور جو شخص آخرت کا ارادہ رکھتا ہو اور اسی وجہ سے دنیا کی زیب و زینت کو چھوڑتا ہو۔ جس شخص نے ایسے کیا وہی اللہ تعالیٰ سے کامل حیا کرتا ہے۔

(ترمذی ، مشکوٰۃ باب الجنائز)

نبی کریم ﷺ کے ارشاد، "حیا کرو !" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسے ڈرو، جیسے ڈرنے کا حق ہے۔ اس کے جواب میں صحابہ کرام نے یہ تو عرض کیا کہ یا نبی اللّٰہ !الحمدللہ ہم اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں لیکن یہ نہیں کہا جیسے حیا کرنے کا حق ایسے ہم حیا کرتے ہیں لیکن یارسول اللہ آپ شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق عطا فرمائی ہے۔ ہم اسی کی توفیق سے طاقت کے مطابق ڈر رہے ہیں۔ سر کی حفاظت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سر کو اللہ تعالیٰ کی خدمت کے علاوہ غیر کی خدمت میں استعمال نہ کرے یعنی بتوں کے سامنے سجدہ نہ کرے، کسی کے سامنے بوجہ تعظیم سجدہ نہ کرے، دکھلاوے (ریاکاری) کی نماز نہ ادا کرے۔ غیر اللہ کے سامنے ان کو معظم و معبود سمجھ کر سر نہ جھکائے۔ سر کو تکبر سے اٹھا کر بلند نہ کرے۔ سر جن اعضاء پر مشتمل ہے ان کی حفاظت کرے یعنی زبان، آنکھ اور کان جن کا تعلق سر سے ہے ان کی بھی اسی طرح حفاظت کرے کہ جہاں ان کا استعمال نہیں وہاں ان کو استعمال نہ کرے۔ اسی طرح پیٹ کی حفاظت کا مطلب ہے کہ حرام کھانے سے اجتناب کرے۔ اسی طرح حفاظت کرے کہ جہاں ان کا استعمال نہیں وہاں ان کو استعمال نہ کرے۔ اسی طرح پیٹ کی حفاظت کا مطلب ہے کہ حرام کھانے سے اجتناب کرے۔ اسی طرح پیٹ کے ساتھ جو اعضاء متصل ہیں ان کو ایسے کاموں میں لگائے جن میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی پائی جائے اور ایسے کاموں سے بچائے جن میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی پائے جائے۔ وہ اعضاء جو پیٹ کے ساتھ متصل ہیں یہ ہیں۔ دل۔ فرج۔ دونوں پاؤں دونوں ہاتھ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے کامل ڈرنے والا شخص وہ ہے جو موت سے ڈرتا ہے اور قبر میں ہڈیوں کے گل سڑ جانے (پرانا ہونے) سے ڈرتا ہے جیسا کہ انشاء اللہ قبر کے احوال میں آئے گا کہ بعض جسم قبر میں محفوظ رہتے ہیں اور بعض قبر میں، گل سڑ جاتے ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اکابرین سے نقل فرمایا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اس حدیث کو اکثر طور پر یاد کرتا رہے اس طرح گویا وہ موت کو بھی یاد رکھے گا اور موت کی تیاری بھی کرتا رہے گا۔

ابن ماجہ شریف میں ایک حدیث شریف ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چند لوگوں کو قبر کھودتے ہوئے دیکھا تو آپ اتنا روئے کہ جس جگہ آپ تشریف فرماتھے وہاں کی مٹی آپ کے آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اور آپ نے فرمایا : اے میرے بھائیو! سب اسی مقام کی تیاری کرو۔

(مرقاۃ المفاتیح)

تمام مال سے موت کے بعد کفن ہی حاصل ہوتا ہے

بعض بزرگان دین نے اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿ وَلاَ تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ﴾ کی تفسیر کفن سے کی ہے اور اسی سے پہلے کی آیت میں فرمایا ہے ﴿ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الآخِرَةَ ﴾ دنیا کی چیزوں کو ایسی راہوں پر خرچ کرو کہ اس کے بدلے دار الآخرة میں بھی ملتی ہو اور یادرکھو کہ تم ہر چیز چھوڑ کر چلے جاؤ گے سوائے اپنے حصہ کے، اور وہ ہے کفن۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

نصيبك مما تجمع الدهر كله ☆ رداء ان تلوى فيها وحنوط

ترجمہ:- جو کچھ تم نے زمانہ میں جمع کر لیا ہے اس میں تیرا حصہ وہ دو چادریں جن میں تجھے لپیٹا جائے گا اور خوشبو۔

(شرح الصدور)

یعنی کتنا مال بھی جمع کرلے۔ بڑا جاگیر دار، صنعت کار یا موجودہ زمانے کا لٹیرا سیاستدان، وزیر بن کر مال سمیٹتا پھرے، بہر حال اے انسان تو کسی طرح بھی خواہ حلال ذرائع سے یا حرام طریقوں سے مال کثیر جمع کرلے، تیرا حصہ اس مال سے تیری موت کے بعد تجھے اتنا ہی ملے گا کہ کفن کے لئے دو چادریں اور کفن دیتے وقت جو خوشبو تجھے لگا دی جائے گی۔ یقیناً جب انسان موت کے اس منظر کو تصور میں لائے اپنے آپ کو خالی ہاتھ جاتے ہوئے صرف کفن و خوشبو ورثاء سے لے کر جاتے ہوتے نظر میں رکھے تو ضرور وہ مال حلال ذرائع سے حاصل کرے گا اور زکوٰۃ ادا کرے گا اور دوسرے واجب صدقات ادا کرے گا۔ موت کو کثرت سے یاد کرنے پر انسان برائیوں سے دور رہے گا۔ نیکیوں کی طرف راغب رہے گا وہی شخص ان شاء اللہ العزیز کامیاب و کامران رہے گا۔

صبح شام موت انسان کا پیچھا کر رہی ہے

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے کو پکڑا، پھر فرمایا: دنیا میں مسافر کی طرح رہو یا راہ گذر کی طرح۔

حضرت ابن عمر فرماتے تھے۔" اذا امسیت فلا تنتظر الصباح وإذا اصبحت فلا تنتظر المساء وخذ من صحتک لمرضک ومن حیاتک لموتک "

(رواه البخاری، مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز)

دنیا میں مسافر کی طرح رہو کہ اس کی طرف میلان نہ کرو کیونکہ یہاں سے تم نے آخرت کی طرف کوچ کر جانا ہے اس دنیا کے مقام کو اپنا وطن اصلی نہ سمجھو، اس کی لذتوں سے محبت نہ کرو ،لوگوں سے زیادہ میل جول سے اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کرو بلکہ کچھ آخرت کی تیاری کا سامان تیار کو لو ،اپنے آپ کو لمبی زندگی کی امید میں نہ لاؤ، دنیا سے اس طرح نہ دل لگاؤ بلکہ مسافر کی طرح رہو جس طرح وہ مسافری کے وطن میں دل نہیں لگاتا بلکہ ہر وقت وہاں سے اپنے اھل عیال کی طرف لوٹنے کی طرف راغب رہتا ہے ایسے ہی تم بھی دنیا کو دار مسافرت سمجھتے ہوئے آخرت کی طرف لوٹنے کو ہر وقت مد نظر رکھو۔

خیال رہے کہ ایک روایت بطور حدیث پیش کی جاتی ہے " حب الوطن من الایمان "وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ لیکن اس روایت (حب الوطن من الایمان) کو حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں موضوع (من گھڑت) قرار دیا ہے؛ البتہ یہ کہا ہے کہ " بطور مقولہ " معنی صحیح ہے خاص کر کے اگر وطن سے مراد جنت لے لیا جائے تو معنی زیادہ صحیح ہو سکتا ہے تاہم یہ حدیث نہیں ہے۔

حدیث پاک جو زیر بحث ہے اس میں جو ذکر ہے کہ راہ گذر کی طرح ہو جا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ راہ گذر بھی ہو تا مسافر ہی ہے لیکن مسافر کبھی کسی جگہ چند دن رہنے کے لئے قیام بھی کرتا ہے لیکن اس میں ترقی ہے کہ راہ گذر تو اسی طرح گذر جاتا ہے قیام نہیں کرتا۔ اے انسان تو بھی دنیا سے آخرت کے سفر کی طرف اسی طرح متوجہ رہے کہ اپنے آپ کو دنیا میں راہ گذر ہی سمجھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اے انسان جب شام تیرے سامنے آجائے تو صبح کی انتظار نہ کر یہ نہ کہہ کہ یہ نیکی کا کام صبح کر لوں گا، ہو سکتا ہے صبح آنے سے پہلے ہی تیری موت آجائے۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

سونے والے رب کو سجدہ کر کے سو   کیا خبر اٹھے نہ اٹھے تو صبح کو؟
کیا خبر صبح آئے گی یا نہیں ؟   پہلے ہی تو ہو جائے زیر زمیں؟

اسی طرح صبح جائے تو شام کی تو انتظار نہ کر ہو سکتا ہے تجھے شام نصیب نہ ہو سکے لہذا نیکی کے کام میں تاخیر نہ کر، موت سے غافل نہ رہ۔ موت ہر وقت تیرا پیچھا کر رہی ہے۔ اسی طرح اپنی صحت میں مرض کا خیال بھی کر۔ صحت میں فرائض، واجبات و سنن کے بغیر نفلی عبادات بھی زیادہ کر تاکہ مرض میں جو نیکیوں میں کمی ہو یہ اس کمی کو پورا کر سکیں۔ نیز صحت میں رہ کر متکبر نہ ہو جا! یہ نہ سمجھ کہ میں نے کبھی بیمار نہیں ہونا۔ اسی طرح ہر مریض سے شفقت و محبت سے پیش آ، تاکہ اگر تو بیمار ہو جائے تو تیرے ساتھ بھی کوئی محبت کرنے والا ہو۔ اور صحت میں رہ کر مریض کی عیادت کر! یہ نہ سمجھ کہ تو نے بیمار نہیں ہونا ہے بلکہ جب بھی تو بیمار ہو جائے تو تیری بھی کوئی عیادت کرے، اور اپنی زندگی میں موت کو بھی مد نظر رکھ۔ زندگی میں کوئی اچھا کام کر لے، ہو سکتا ہے موت تجھے گھر نہ آنے دے، تیرے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں۔

موت سے انسان غافل کیوں ؟

جب ہمہ وقت موت انسان کا تعاقب کر رہی ہے، پھر انسان اس سے کیوں غافل ہے ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان دنیا کی لذات و خواہشات میں ایسے مبتلاء ہو جاتا ہے کہ وہ موت سے مکمل غافل ہو جاتا ہے۔ جیسے بعض بزرگان دین نے ایک مثال سے واضح کیا کہ انسان کیسے غافل رہتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک انسان نے دیکھا کہ شیر منہ کھولے دھاڑتا ہوا میرا تعاقب کر رہا ہے وہ خوف کے مارے اپنے آپ کو شیر سے بچانے کے لئے درخت پر چڑھ گیا۔ جس شاخ پر بیٹھا اسے ایک سیاہ چوہا اور ایک سفید کاٹ رہے ہیں۔ اس شاخ کے نیچے ایک گڑھا موجود ہے اگر وہ شاخ کٹتی ہے تو وہ شیر کی گرفت میں بھی آتا ہے اور گڑھے میں بھی گرتا ہے لیکن اس کو شیر اور گڑھے کے خوف سے اس طرح غافل کر دیا گیا کہ اسی شاخ پر جس پر بیٹھا ہے ایک شہد کا چھتا لگا ہوا ہے۔ اس نے شہد کھانا شروع کر دیا۔ شہد کی شیرینی نے اس کو ایسے مست کر دیا کہ اسے نہ یہ خوف رہا کہ جس شاخ پر بیٹھا ہوا ہوں وہ تو سفید اور سیاہ چوہے کاٹ رہے ہیں۔ نہ اسے یہ یاد رہا کہ میں شیر سے ڈر کر بھاگا تھا۔ اور نہ اسے نیچے گڑھے کا کوئی خوف ہے۔

اسی طرح انسان کا شیر کی طرح موت تعاقب کر رہی ہے، قبر ایک گڑھے کی طرح منتظر

ہے اور انسان کی زندگی کی شاخ کو دن سفید چوہے کی طرح اور رات سیاہ چوہے کی طرح کاٹ رہے ہیں لیکن انسان ان تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر دنیا کی لذات و خواہشات میں شہد کی شیرینی کی طرح مست ہے۔ اسے موت کا کوئی غم نہیں۔ قبر کا کوئی ڈر نہیں، زندگی کے اختتام کی کوئی فکر نہیں کیونکہ وہ اپنی زندگی کا ہر دن گذرنے پر خوش ہوتا ہے کہ میں بڑا ہو رہا ہوں لیکن یہ نہیں سوچتا کہ حقیقت میں چھوٹا ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس کی زندگی کا ہر دن گذرنے پر کم ہو رہا ہے۔ انسان کو چاہیے وہ دنیاوی لذات کی طرف توجہ کم کر دے اور مالک الملک کے دربار کی طرف متوجہ ہو۔ بس یہی ایک ذریعہ ہے کہ انسان کو موت بھی یاد ہوگی۔ خوف خدا بھی حاصل ہوگا اور گناہوں سے دور بھی۔ اور نیکیوں کی رغبت بھی حاصل ہوگی۔

موت کو یاد کرنے کے انعامات، بھلانے پر مصیبتیں!

بعض بزرگانِ دین نے کہا کہ جس نے موت کو بکثرت یاد کیا، اسے تین انعامات ملیں گے۔

(۱) توبہ کی جلدی توفیق ہوگی۔
(۲) دل میں قناعت نصیب ہوگی۔
(۳) عبادت میں خوشی ہوگی۔

اور جس نے موت کو بھلا دیا، اس پر تین مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔

(۱) توبہ میں ٹال مٹول۔
(۲) بے صبری۔
(۳) عبادت میں سستی۔

تیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ دو چیزوں نے میرے سامنے دنیا کی لذتوں کو بے حقیقت بنا دیا ہے۔ ایک موت کی یاد اور دوسری بارگاہ ایزدی میں کھڑا ہونا۔ (شرح الصدور)

حقیقت یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو یہ تصور کرے کہ "تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اگر تو یہ تصور نہیں کر سکتا تو یہ خیال کر کہ رب تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے"۔ جب انسان کے یہ تصورات ہوں گے تو یقیناً اس کے سامنے دنیا حقیر ہوگی۔ دنیا کی لذات بے وقعت ہوں گی۔

انسان کی سوچ حقیقت کے خلاف !

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دو چیزوں کو انسان برا سمجھتا ہے، حالانکہ موت اس کے لئے فتنہ سے بہتر ہے ۔مال کی کمی کو برا سمجھتا ہے حالانکہ مال کی کمی سے قیامت میں حساب میں کمی ہو گی ۔
(شرح الصدور)

موت کا فتنہ سے بہتر ہونے پر ایک اور حدیث

" عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا کان امراؤکم خیارکم و اغنیاء کم سمحائکم و امورکم شوریٰ بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا واذا کان امراؤکم شرارکم واغنیائکم بخلاؤکم وامورکم الیٰ نسائکم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا "

(رواہ الترمذی ، مشکوٰۃ شریف باب تغیر الناس)

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ۔آپ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے حکام نیک ہوں اور تمہارے اغنیاء سخی ہوں اور تمہارے معاملات مشاورت سے طے ہوں تو زمین کا اوپر کا حصہ اندرونی حصہ سے تمہارے لئے بہتر ہے (یعنی موت سے زندگی بہتر ہے)اور جب تمہارے حکام شریر، برے ہوں اور تمہارے غنی تم سے بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے پاس ہوں (عورتیں تمہاری حاکمہ بن جائیں وہ تمہارے معاملات کو چلائیں) تو ایسی صورت میں تمہارے لئے زمین کا اندرونی حصہ اوپر سے بہتر ہے (یعنی تمہاری موت، زندگی سے بہتر ہے)گویا کہ حکام کا برا ہونا اور عورتوں کی تحویل میں نظام حکومت کا ہونا۔یہ پر فتن دور ہوتا ہے لہذا فتنہ کی زندگی سے موت بہتر ہے۔

دنیا کی محبت اور موت سے بیزاری بزدلی کا سبب ہیں ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب تم پر مختلف گروہوں کو ایسے دعوت دی جائے گی جیسے ایک برتن پر جمع ہو کر کھانے والوں کو دعوت دی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ کیا

ہم اس وقت تھوڑے ہوں گے ؟ آپ نے فرمایا بلکہ تم اس وقت کثیر ہو گے، لیکن تم پانی کی ندی پر جھاگ کی مانند ہو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے دلوں سے تمہارا رعب و دبدبہ نکال دے گا۔ اور تمہارے دلوں میں وھن (کمزوری) ڈال دے گا۔ ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ وہ "وھن" کیا چیز ہے ؟ آپ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنا۔

(ابوداؤد بیہقی فی دلائل النبوۃ، مشکوٰۃ تغیر الناس)

نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی سے واضح ہوا کہ ایک وقت آنے والا ہے جب کفار بے دین اور گمراہ لوگ ایک دوسرے کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے اس طرح دعوت دیں گے اور ان کو جمع کریں گے جس طرح کسی کھانے پر دعوت دے کر لوگوں کو جمع کیا جائے، باوجود اس کے کہ مسلمان تعداد میں کثیر ہوں گے لیکن جس طرح دریاؤں کے پانی کے بہاؤ پر جھاگ ہے، وہ بے جان ہوتی ہے۔ اس میں کوئی طاقت و مضبوطی نہیں ہوتی، اسی طرح مسلمان بھی دنیا سے محبت کرنے اور موت سے ڈرنے کی وجہ سے بے وقعت اور غیر مضبوط نظر آئیں گے۔ دشمن کے دلوں سے ان کا رعب و دبدبہ، ڈر خطرہ جاتا رہے گا۔ وہ سب مسلمانوں کے خلاف جمع ہو جائیں گے۔ کیونکہ موت سے ڈرنے کی وجہ سے ان کے دلوں سے جذبہ ء جہاد جاتا رہے گا۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ زندگی جاودانی ہے، دنیا کی محبت ان پر غالب رہے گی۔

میرے پیارے مصطفیٰ ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو مد نظر رکھتے ہوئے آج مسلمانوں کی زبوں حالی اور کفار کا مسلمان کے خلاف ایک ہو جانا، خصوصاً خلیج کے حالات کی طرف ذرا غور کریں تو روز روشن کی طرح عیاں ہو گا۔ کہ سو فی صد اس کا وقوع ہو چکا ہے۔ غرضیکہ موت سے نہ ڈرنے والا انسان ہی غالب ہے۔

موت کی تمنا نہ کرنی چاہیئے!

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لا یتمنین احدکم الموت من ضر اصابه "

تم میں سے کوئی شخص بھی مصیبت و ضرر پہنچنے پر موت کی ہر گز تمنا نہ کرے۔ اگر

اس کو بہت ہی مجبوری ہو کہ موت کو طلب کرنا ہی ہے تو پھر اس طرح دعا کرے۔

" اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیَاۃُ خَیْرًا لِّیْ وَ تَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِّیْ"

بخاری و مسلم (مشکوٰۃ باب تمنی الموت و ذکرہ)

یعنی انسان کو کسی قسم کا ضرر بھی پہنچے خواہ مالی ضرر ہو یا بدنی ، اگر وہ اس ضرر و نقصان، مصیبت والم، دکھ درد پر موت کی تمنا کرتا ہے اور یہ کہتا ہے اے اللہ مجھے موت دے دے، تو یہ اس کے جزع و فزع پر دلالت کرے گا اور بے صبری، بے ثباتی پائی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر رضامندی نہیں پائی جائے گی ؛ لہذا یہ جائز نہیں۔ ہاں اگر انسان موت کی تمنا ضرور ہی کرنا چاہتا ہے، صبر کا دامن لبریز ہو چکا ہے، مصائب و آلام پر قائم رہنا نا ممکن ہو چکا ہے تو پھر بھی یہ نہ کہے کہ اے اللہ مجھے موت عطا کر۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا معاملہ سپرد کرتے ہوئے رب کے حضور اس طرح عرض کرے اللہ اس وقت تک مجھے زندہ رکھ جب تک میرے لئے میری زندگی بہتر ہے اور اے اللہ مجھے وفات عطا کر دے جب میرے لئے میری وفات بہتر ہو۔ اسی طرح انسان نے گویا کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر رضامندی کا اظہار کر دیا اور کامل بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک آدمی میں بھی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیک ہوا تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں میں اور زیادتی کرے اور اگر وہ گناہگار ہوا تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق عطا فرما دے۔

(بخاری، مشکوٰۃ باب تمنی الموت و ذکرہ)

اگر انسان کو اللہ تعالیٰ عمر زیادہ عطا فرمائے اور ساتھ ساتھ نیکی بھی عطا فرما دے تو یہ اس انسان کے مراتب و مدارج میں بلندی کا ذریعہ ہو گا۔ لیکن اگر ایک انسان گناہ کی زندگی گذار رہا ہے تو اس انسان کو بھی موت کی طلب کرنا درست نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے موت سے پہلے کسی وقت توبہ کی توفیق عطا فرما دے، جس سے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں تو اس طرح عمر کی زیادتی اس انسان کی لئے بھی مفید ہو گی۔ یہی مقصد ہے حبیب پاک علیہ التحیة والثناء کے ارشاد گرامی کا۔

وہ مقامات جہاں موت کی تمنا جائز ہے!

"وقد افتی النووی انه لا یکره تمنی الموت لخوف فتنة دینیة بل قال مندوب" (مرقاة)

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ اگر ایسے فتنے نمودار ہو جائیں جن سے دین میں خلل آرہا ہو تو ایسی صورت میں موت کی تمنا کرنا مکروہ نہیں، بلکہ مستحب ہے کہ وہ موت کو طلب کرے، کہ دینی فتنوں سے جو اسے پریشانی دامن گیر ہے۔ اس سے وہ راحت حاصل کرے۔

"وکذا یندب تمنی الشهادة فی سبیل الله لانه صح عن عمر رضی اللہ عنہ وغیره" (مرقاة)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت حاصل ہونے کی تمنا کرنا مستحب ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام سے ثابت کہ وہ حصول شہادت کی دعائیں کرتے رہے۔ خود نبی کریم ﷺ دعا فرماتے رہے کہ : اے اللہ مجھے شہید کر دیا جائے پھر زندہ کر دیا جائے پھر شہید کیا جائے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم اطہر کو ظاہراً تو کافروں سے محفوظ رکھا تاکہ ان کو آپ کے جسم اطہر سے توہین آمیز سلوک کرنے کا موقع نہ مل سکے اور یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ ہم نے مسلمانوں کے نبی کو قتل کر دیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء کو اس طرح قبول فرمایا کہ خیبر میں ایک یہودیہ نے آپ کو زہر آلود بکری کا گوشت کھلایا۔ اس وقت گوشت نے خود نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ میں زہر آلود ہوں لیکن آپ جو ایک دو لقمے لے چکے تھے اس زہر کا اثر آپ کے جسم اطہر میں محفوظ رکھا گیا۔ پھر زہر کے اثر کو لوٹایا گیا تو آپ کو شہادت کا درجہ بھی عطا کر دیا گیا۔

دوسری وجہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معروف تصنیف "سر الشہادتین" میں بیان کی ہے کہ آپ کی دعا کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دونوں شہادتوں (ظاہری، سری) کا درجہ نصیب فرمایا۔ وہ اس طرح کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جو نبی کریم ﷺ کے سر مبارک سے لے کر ناف تک آپ کے مشابہ ہیں آپ کو زہر کی وجہ سے شہادت نصیب ہوئی۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جو ناف سے لے کر پاؤں تک نبی کریم ﷺ کے مشابہ ہیں آپ کو ظاہری شہادت میدان جنگ میں نصیب ہوئی۔ اس طرح ان دونوں حضرات کی شہادت سے حبیب پاک علیہ التحیة والثناء کو بھی شہادت کا مرتبہ عطا فرما دیا۔

مسلم شریف میں ہے:

"من طلب الشهادة صادقا ، اعطيها ولو لم تصبه"

(مرقاۃ المفاتیح)

جس شخص نے صدق دل سے شہادت طلب کی اللہ تعالیٰ اسے شہادت کا مرتبہ عطا فرماتا ہے خواہ وہ بظاہر شہید نہ بھی ہو۔

"ويندب ايضا تمنى الموت ببلد شريف لما فى البخارى ان عمر رضی اللہ عنہ قال اللهم ارزقنى شهادة فى سبيلك و اجعل موتى ببلد رسولك فقالت بنته حفصه انى يكون هذا فقال ياتى به الله اذا شاء اى وقد فعل فان قاتله كافر مجوسى"

(مرقاۃ)

مدینہ طیبہ میں موت کی تمنا کرنا بھی مستحب ہے۔ بخاری شریف میں ہے بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا کرتے تھے۔ اے اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور میری موت اپنے رسول ﷺ کے شہر میں مجھے عطا کر آپ کی بیٹی (ام المؤمنین) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یہ کیسے ہوگا؟ (کہ شہادت بھی ملے اور موت بھی مدینہ طیبہ میں آئے) مدینہ طیبہ میں کس سے جنگ ہوگی اور کیسے شہادت آئے گی؟ آپ نے بطور تعجب یہ عرض کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ایسے ہی ہوگا۔ آپ کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح قبول فرمایا جیسے آپ نے عرض کیا کہ مدینہ طیبہ میں ہی آپ کو شہادت نصیب ہوئی۔ کیونکہ آپ کا قاتل کافر، مجوسی تھا۔ سبحان اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس خواہش کا اظہار کیا اور کامل توقع کی اللہ تعالیٰ نے اسے پورا فرمایا ہے۔

کیا شان ہے یارانِ مصطفیٰ ﷺ کی!

موت سے آرام ملتا ہے

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ حدیث شریف بیان فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کے قریب سے ایک جنازہ گذارا جارہا تھا آپ نے فرمایا "مستريح او مستراح منه" (آرام پا گیا یا اس سے اوروں کو آرام دے دیا گیا)۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مستريح او مستراح منه کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر مومن بندہ ہے تو دنیا کی مشقتوں سے نجات پا

کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف چلا گیا اور اگر یہ شخص فاجر و فاسق انسان تھا تو اس سے انسان، شہروں، درختوں اور چوپاؤں کو آرام مل گیا۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ باب تمنی الموت)

یعنی انسان پر موت جب آتی ہے تو اگر وہ مومن انسان ہو تو دنیا کی مشقتوں یعنی ایسے کام جن سے انسان کو تکلیف ہو سکتی ہے، ان سے آرام پا جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی ایذا رساں چیزوں سے آرام حاصل کر لیتا ہے یعنی گرمی، سردی کی صعوبتوں اور اھل وعیال، خویش واقرباء کی طرف سے دی ہوئی تکلیف سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ مجھے کسی پر رشک نہیں آتا۔ جتنا کہ اس شخص پر رشک آتا ہے جو مومن ہو قبر کی لحد میں، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہو اور دنیا کی صعوبتوں سے نجات پا جائے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے تین چیزیں پسند ہیں۔

(۱) موت کی محبت اور اپنے رب سے ملاقات کا اشتیاق۔

(۲) مرض سے محبت کیونکہ وہ میرے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔

(۳) فقر (غریبی) سے محبت کیونکہ اس سے مجھے اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے سے عجز و انکساری حاصل ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں جو فاجر انسان کا ذکر ہے اس سے مراد عام ہے کافر ہو یا مسلمان، کہ فسق وفجور میں مبتلاء شخص کے مرنے سے لوگوں کو راحت مل گئی کیونکہ جب دوسرے مسلمان اسے گناہوں سے منع کرتے تھے یہ انہیں تکلیف پہنچاتا اور ستاتا اور بعض مسلمان اسے برائیوں سے نہ روکتے اور برا نہ سمجھنے کی وجہ سے اپنے دین میں نقصان کر لیتے ہیں اسی طرح دنیاوی نقصان بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ ان نقصانات کا سبب یہی فاسق و فاجر ہے۔ اسی طرح کبھی وہ ظالم ہوتا ہے اپنے اقتدار کو دائمی سمجھ کر وہ فرعون بن بیٹھتا ہے اس کے مرنے سے شرفاء کو اس کی انتقامی کاروائیوں سے نجات مل جاتی ہے۔

مقامِ عبرت ہے

ان نادان علمی دعویداروں کے لئے جو برے کو برا سمجھنے کے بجائے اس کی حمایت میں پیش پیش ہوتے ہیں، ان کے سامنے دین کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ وہ دنیا کے مال کو دین پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں جس طرح کتا روٹی کے حلال ٹکڑے کو چھوڑ کر مردار پر جھپٹتا ہے۔

اس ظالم کے ظلم سے نحوست کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بارشیں روک دیتا ہے، قحط سالی پڑ جاتی ہے کبھی بارشیں حد سے زیادہ ہوتی ہیں جس سے سیلاب آجاتے ہیں جو لوگوں کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ اور اس صورت حال سے شہر، درخت اور جانور بھی متاثر ہوتے ہیں۔ لہذا اس کی موت سے ان تمام چیزوں کو راحت مل جاتی ہے۔

فساد کیوں برپا ہوتا ہے؟

ظالموں کے ظلم اور برے لوگوں کی بد اعمالیوں سے فساد برپا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾

ترجمہ:- پھیل گیا ہے فساد بر اور بحر میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں نے کئے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ چکھائے انہیں کچھ سزا ان کے (برے) اعمال کی شاید وہ باز آجائیں۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ دنیا میں امن و سکون تو تب ہی برقرار رہ سکتا ہے کہ ہر شخص اپنا فرض پوری دیانتداری سے ادا کرے۔ ہر شخص کے حقوق محفوظ ہوں اور ان سے بہرہ اندوز ہونے کی پوری آزادی ہو۔ جب لوگ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور بدیانتی سے کام لینے لگتے ہیں یا جب کسی کے حقوق غصب کر لئے جاتے ہیں تو پھر بحر و بر میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں ہر شخص کے فرائض کیا ہیں جو اسے ادا کرنا چاہیں۔ ہر شخص کے حقوق کیا ہیں جو اسے ہر قیمت پر ملنے چاہیں۔ ان کا تعین دین اسلام نے کیا ہے جو دین فطرت ہے

اور جو اس خالق و مالک کا دین ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کے فطری تقاضوں کو پورا کیا اور ان کی تسکین کے سامان بڑی فیاضی سے مہیا فرما دیئے۔ جہاں بھی کسی قوم نے اس نظام سے روگردانی کی وہاں اسی انداز سے امن و سکون رخصت ہوا۔ بے چینی اور اضطراب کے اندھیرے پھیلنے لگے۔ عقائد کی قوت مسلم ہے۔ عملی زندگی میں ان پر مرتب ہونے والے نیک و بد اثرات کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جب عقائد صحیح ہوتے ہیں تو جہاں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات عالیہ پر ایمان پختہ ہوتا ہے، وہاں قلب و روح کی دنیا میں بہار تو آہی جاتی ہی، عملی دنیا میں بھی دیانتداری، اخلاص، حسن گوئی، جرأت، بے نیازی اور استغناء کے پھول مہکنے لگتے ہیں اور جہاں بندے کا تعلق اپنے رب کریم سے ٹوٹ جاتا ہے اگر وہ طاقت ور ہے تو شتر بے مہار بن کر لوگوں کے حقوق پامال کرنے لگتا ہے۔ اگر وہ کمزور ہے تو گرے ہوئے سوکھے پتے کی طرح ہچکولے کھاتا ہے۔ اسے کہیں قرار نہیں ملتا۔ وہ خسیس ترین حرکات کے ارتکاب سے بھی نہیں شرماتا۔

جس معاشرہ میں انسان کی جان، عزت و ناموس اور مال محفوظ نہ ہو کیا وہاں امن و سکون میسر آسکتا ہے؟ آپ عہد جاہلیت کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔ ہر ملک میں آپ کو اس آیت کی عملی تفسیر دکھائی دینے لگے گی۔ اور اگر آپ عصر حاضر کے حالات کا جائزہ لیں، تو آپ کو پتہ چلے گا کہ انسان کو خدا فراموشی، نوامیس (جمع ناموس) فطرت سے سرتابی اور اسلام کے پیش کئے ہوئے نظام حیات سے روگردانی کی سزا کس طرح مل رہی ہے۔ نہ خشکی پر کہیں امن ہے، نہ سمندر کی بیکراں وسعتوں میں کوئی گوشہ عافیت نظر آتا ہے۔ زمین پر جگہ جگہ میزائل کے اڈے قائم ہیں، جہاں سے ایک براعظم سے دوسرے براعظم پر ایٹم بم برسا کر ہر چیز کو خاک سیاہ بنایا جاسکتا ہے، سمندر کی سطح بلکہ سمندروں کو ابلتے ہوئے جہنم میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ کرۂ ہوائی میں بڑی بلندیوں کا ہوائی بیڑا جو ہزاروں طیاروں پر مشتمل ہے ہر وقت مصروف پرواز رہتا ہے اس میں مہلک قسم کے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم فٹ کر دیئے جاتے ہیں، ایک سگنل سے وہ کہرام رستاخیز برپا کر سکتے ہیں بڑی قوتیں مہلک سے مہلک اسلحہ بنانے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے ملکی ثروت کو پانی کی طرح بہا رہی ہیں۔

خانگی زندگی بھی ہماری بد اعمالیوں سے جنم لینے والے فساد سے محفوظ نہیں۔ میاں بیوی

میں اعتماد جو خانگی زندگی کی مسرتوں کے لئے شرط اول ہے تیزی سے مفقود ہوتا چلا جارہا ہے، ماں باپ اپنی عیش کوشی کے باعث اولاد کی صحیح تربیت سے قاصر ہیں۔ غیر تربیت یافتہ اولاد بڑی ہو کر اپنے والدین کا ادب ملحوظ نہیں رکھتی بلکہ انہیں ایک ناقابل برداشت بوجھ خیال کرتی ہے۔ بڑوں کے دلوں میں چھوٹوں کے لئے رحم اور شفقت نہیں رہی۔ چھوٹوں کی آنکھیں شرم و حیا کی نور سے محروم ہو گئی ہیں اور اپنے سے بڑوں کی پگڑی اچھالنا فیشن بن گیا ہے۔ جب ہمارے گردو پیش، اس قسم کے حالات ہوں تو پھر اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔

(فسادِ بحر و بر کی وجہ یہی ہے کہ) اپنے چمنِ حیات کو جن خار دار جھاڑیوں سے لوگوں نے بھر دیا ہے اس کے کانٹوں کی چبھن تو وہ بھی محسوس کریں۔ اپنے گناہوں اور بد کرداریوں کی سزا وہ بھی تو چکھیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ شاید وہ لوگ اپنے اعمال بد کی تباہ کاریوں سے عبرت حاصل کریں۔ اور موت سے قبل اپنی اصلاح کرلیں۔

(ضیاء القرآن)

ایک نیک آدمی کی ظالم بادشاہ کے لئے دعاء

ایک مستجاب الدعوات درویش کے بغداد میں آنے کا پتہ چلا تو حجاج (حجاج بن یوسف) کو لوگوں نے خبر دی، اس نے درویش کو بلایا اور کہا کہ میرے لئے دعائے خیر (میرے حق میں جو دعا بہتر ہو) کرو، اس نیک آدمی نے دعا کی: اے اللہ اس کی جان لے لے۔ یعنی اس کو مار دے، حجاج نے کہا خدارا خیال کیجئیے یہ کیسی دعا ہے؟ درویش نے کہا یہ دعاء تمہارے لئے بھی اور تمام مسلمانوں کے لئے بہتر ہے۔ یعنی تمہارے مرنے سے لوگوں پر ظلم بند ہو جائے گا یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ تو ظلم سے باز آجائے گا یہ تیرے لئے بہتر ہے۔

اے زبر دست زیر دست آزار
گرم تا کے بماند ایں بازار

اے ظالم حاکم! رعایا کو ستانے والے تیری حکومت کا بازار کب تک بارونق رہے گا۔

حکومت کی ٹھاٹھ باٹھ پہ ناز کرنے والے ظالم، اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ! ہو سکتا ہے ایک دن وہ بھی آجائے جب تجھے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ پابہ زنجیر ہو۔ تختہ دار پہ تجھے لٹکا دیا جائے۔ اس وقت تیرے جیالے، چوری کھانے والے تیرا ساتھ نہیں دیں گے۔

بچه کار آیدت جهانداری ☆ مردنت به که مردم آزادی

یہ حکومت تیرے کس کام کی جس میں تو گناہوں کے انبار لگا رہا ہے۔ ظلم و ستم نے بازار لگا رکھا ہے۔ مظلوموں کے آہ سے تجھے کوئی فکر نہیں، حکومت کے نشے میں تو خدا کو بھول بیٹھا ہے۔ایسے حالات کے ہوتے ہوئے۔ تیرا مر جانا بہتر ہے کیونکہ زندگی میں تو تیرا کام لوگوں کو ستانا ہی ہے اس لئے تیرے جیسے بدترین ظالم کے لئے ایسی دعا ہی بہتر ہے۔

حجاج بن یوسف کے ظلم و ستم کے بھیانک مناظر!

بنی امیه کے بادشاہ عبد الملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو عراق اور حجاز کا عامل (گورنر) بنایا۔

"فظلم ظلما شديدا وقتل ألوفا كثيرة من اهل بيت النبوة والعلماء المجتهدين والزهاد والصالحين"

اس نے شدید ظلم و ستم کیا، ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو اس نے شہید کرا دیا تھا جن میں کثیر اہل بیت نبوی، علمائے مجتہدین ، پارسا اور صالحین تھے۔

مشکوٰۃ شریف میں ترمذی سے روایت ہشام بن حسان نے ذکر کیا :

"قال احصوا ما قتل الحجاج صبرا فبلغ مائة الف وعشرين الفا"

حجاج نے جن لوگوں کو بے قصور، بغیر میدان جنگ کے فقط ظلماً شہید کرایا ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہر امت کا فرعون لایا گیا تو ہم ان کے سامنے حجاج کو لائیں گے جو تمام فرعونوں سے بدتر اور غالب فرعون ہوگا۔

اس نے لوگوں کو کھلے آسمان کے نیچے قید رکھا جہاں گرمی اور سردی سے بچاؤ کے کوئی ذرائع نہیں تھے، بے شمار مخلوق اس بدترین جیل میں شہید ہو گئی ۔

حیوۃ الحیوان میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس قید کے دوران پچاس ہزار مرد شادی شدہ اور تیس ہزار شادی شدہ عورتیں اور سولہ ہزار غیر شادی شدہ شہید ہوئے۔

انسان العیون میں ذکر کیا گیا ہے کہ مرد، عورتوں کے لئے قید میں کوئی علیحدہ انتظامات نہ کئے گئے تھے بلکہ سب کو ایک جگہ رکھا گیا تھا۔ دس دس کو ایک ایک زنجیر میں جکڑا گیا، بدترین ظلم کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ملے گی کہ مرد بے حجاب ہو کر عورتوں کے سامنے، عورتیں بے حجاب ہو کر مردوں کے سامنے پیشاب کر رہی ہوتی تھیں۔

ایک جمعہ کے دن یہ بدترین ظالم (حجاج بن یوسف) گذر رہا تھا، اس نے چیخ و پکار، کراہنے کی آواز سنتے ہوئے کہا کہ یہ کیا آواز ہے؟ اس کو بتایا گیا کہ یہ قیدیوں کی آواز ہے جو کراہ رہے ہیں ہائے ہم گرمی کی شدت سے مرے جا رہے ہیں، اس بدترین شخص نے کہا، جاؤ ان کو کہہ دو یہاں ہی ذلیل ہو کر رہو، لیکن قدرت باری تعالیٰ کا اندازہ لگائیں کہ دوسرے جمعہ سے پہلے ہی یہ مر گیا اور عبدالملک بن مروان کے مرنے پر اس کے بیٹے سلیمان نے حجاج کے قید خانہ سے ایک دن میں اسی ہزار مظلوم قیدیوں کو نکال دیا۔ ایک روایت کے مطابق تین لاکھ قیدیوں کو نکالا۔

جلیل القدر تابعی سعید بن جبیرؒ کو دور دراز مسافت سے طلب کر کے قتل کرنے کا حکم دیا، جب آپ کو شہید کیا جانے لگا، تو آپ نے اس کے لئے دعائے ہلاکت کی۔ ان کی شہادت کے بعد پندرہ دنوں سے پہلے یہ بھی مر گیا۔ جتنے دن زندہ رہا، سوتے ہوئے بڑبڑا کر اٹھ پڑتا، کہتا میں سعید بن جبیر کے خون کی گرفت میں آگیا ہوں۔ کبھی کہتا مجھے سعید کے سامنے کر کے پوچھا جاتا ہے تو نے اس کو کیوں شہید کرایا؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک مردار کو پھینکا ہوا دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے اس نے کہا کہ میں "حجاج" ہوں۔ میں اللہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کو شدید عذاب والا پایا، مجھے ہر قتل کے بدلے قتل کیا گیا۔ قتل کیا جاتا رہا، زندہ کیا جاتا رہا، اب اللہ کے حضور اس کی رحمت کا اس طرح انتظار کر رہا ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دوسرے لوگ انتظار کر رہے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان تھا۔

حضرت اشعث حرانی فرماتے ہیں، میں نے حجاج کو خواب میں بہت برے حال میں دیکھا، میں نے اس سے اس کا حال پوچھا۔ اس نے کہا مجھے ہر قتل کے بدلے میں قتل کیا گیا۔ میں نے جتنے قتل کرائے ہیں۔ ایک ایک کے بدلے مجھے قتل کر کے زندہ کیا جاتا رہا پھر قتل کیا جاتا رہا، میں نے پوچھا پھر کیا ہوا، اس نے کہا پھر آگ میں بھیج دیا گیا، میں نے پوچھا پھر کیا ہوا اس نے کہا اب میں

اللہ کی رحمت کا اس طرح امیدوار ہوں جس طرح دوسرے لا الہ الا اللہ پڑھنے والے امیدوار ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بھی حجاج نے ہی شہید کرایا۔ کیونکہ عبدالملک بن مروان آپ کی تعظیم کرتا تھا۔ اس نے حجاج کو بھی کہا کہ آپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے، اس نے حسد کیا اور ایک شخص کو کہا کہ زہر آلودہ نیزہ حضرت عبداللہ بن عمر کو مارا جائے اس نے حج کے دنوں میں زیادہ ہجوم میں زہر آلودہ نیزہ آپ کے قدم پر مارا، آپ کا قدم اسی زہر کے اثر سے متورّم ہوا (سوج گیا) اور آپ اسی سے ہی شہید ہو گئے۔

(نبراس مع حاشیہ)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بحیثیت امیر المؤمنین مکہ میں قیام پذیر تھے کہ عبدالملک نے حجاج کو چالیس ہزار فوج دے کر مکہ کو محصور کر لیا۔ اور ایک ماہ تک متواتر مکہ کا گھیرا ڈالے ہوئے حجاج منجنیق کے ذریعے مکہ پر پتھر برساتا رہا۔ حضرت ابن زبیر کے ساتھی اس محاصرہ سے عاجز آکر خفیہ طور پر حجاج سے مل گئے غرضیکہ ۱۷ جمادی الاول ۷۳ھ کو منگل کے دن عبداللہ بن زبیر کو پھانسی دے کر شہید کر دیا گیا بعد میں آپ کی لاش مبارک کو ایک درخت سے لٹکا دیا گیا۔ جس پر قریش اور دیگر حضرات گزرتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب گذرے تو آپ نے ان کی لاش کے پاس کھڑے ہو کر آپ سے سلام و کلام کیا۔ پھر آپ چلے گئے، جب حجاج کو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر یہاں کھڑے ہوئے تھے اس نے لاش کو وہاں سے اتار کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینک دیا۔

پھر آپ کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر کو اپنے پاس بلا بھیجا، آپ نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ پھر اس نے پیغام بھیجا کہ اگر نہیں آؤ گی تو ایسے آدمیوں کو بھیجوں گا جو تمہیں گیسوؤں سے پکڑ کر گھسیٹ کر لے آئیں گے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے ایسے آدمی بھیج دو جو مجھے گھسیٹ کر لے جائیں۔ یہ بات سنتے ہی وہ خود وہاں سے چلا کہ یہ مجھے گالیاں دے رہی ہے۔ وہ جب آپ کے پاس آیا تو کہنے لگا تم نے دیکھا ہے میں نے اللہ کے دشمن سے کیا سلوک کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں مجھے معلوم ہے تم نے اس کی دنیا برباد کر دی اس نے تمہاری آخرت برباد کر دی۔ پھر آپ

نے بڑی جرأت سے کہا کہ میں نے سنا ہے تم اسے " ذات النطاقین " (دو کمر بند باندھنے والی) کا بیٹا کہتے تھے۔ خوب سن لو ! قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ۔ میں یقیناً ذات النطاقین ہوں۔ ایک میں اس وقت نطاق باندھ کر حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کھانا پہنچاتی رہی جب آپ ﷺ ہجرت کر کے تشریف لے گئے۔ اور دوسرا وہ نطاق ہے جس کی ضرورت ہر عورت کو در پیش ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بنی ثقیف میں سے ایک کذاب ہوگا اور ایک مبیر (ھلاک کرنے والا) کذاب تو ہم نے دیکھ لیا ہے آپ کا ارشاد "مختار ثقفی "کی طرف تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا کہ میرے پاس جبرائیل آتے ہیں اور مبیر (ھلاک کرنے والا) میرے خیال میں تم ہی ہو۔ آپ کے اس جرأت مندانہ جواب سے یہ بد ترین ظالم آپ کو بغیر تکلیف پہنچائے ذلیل ہو کر لوٹ آیا۔

(ماخوذ تاریخ الخلفاء و مسلم شریف)

قبعثری کی حجاج کے حق میں بد دعا

﴿اور اس کے ظلم سے محفوظ رہنے کا دلچسپ واقعہ﴾

ایک دفعہ قبعثری دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک باغ میں بیٹھا ہوا تھا جب کہ انگور بیلوں کے ساتھ لگے ہوئے تھے لیکن کچے تھے یعنی ابھی سبز تھے۔ وہاں کسی نے حجاج کا ذکر کیا تو قبعثری نے کہا" اللهم سود وجهه واقطع عنقه واسقنی من دمه" اے اللہ اس کا چہرہ سیاہ کر دے۔ اس کی گردن کاٹ دے اس کا خون مجھے پلا دے۔ خون پلانا بامحاورہ لفظ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ وہ مر جائے۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ وہ اس کے خون کا پیاسا ہے۔ یعنی اسے قتل کرنا چاہتا ہے۔ مرا ہوا دیکھنا چاہتا ہے ۔

قبعثری کی اس بد دعاء کا علم جب حجاج کو ہوا تو اس نے اس کو اپنے دربار میں طلب کر لیا اور پوچھا کہ تم نے اس طرح کہا ہے، اس نے کہا کہ ہاں میں نے اس طرح کہا تو ضرور ہے لیکن میری مراد تم نہیں تھے۔ بلکہ انگور تھے۔ اس نے کمال عقلمندی کی وجہ سے نام تو لیا نہیں تھا اور بیٹھا

بھی انگوروں کے باغ میں تھا جب کہ انگور سبز تھے ان کے لئے کہنا کہ انگور سیاہ ہو جائیں اور کٹ کر ہمارے پاس آجائیں تاکہ ہم ان کا نچوڑ (رس) پیئیں۔ بظاہر یہ بات بھی کسی حد تک درست تھی۔ لیکن حجاج کو بھی صحیح رپورٹ ملی تھی کہ قبعثری تمہارے خلاف باتیں کرتا رہتا ہے اور تمہارا تذکرہ جب ہوا اس وقت اس نے یہ دعا کی، اس لئے حجاج نے قبعثری کو کہا لا حملنک علی الادھم ۔ میں تمہیں بیڑیاں پہنا دوں گا۔ یعنی پاؤں میں لوہے کے زنجیر ڈال دوں گا۔ اس کے جواب میں قبعثری نے کہا" مثل الامیر یحمل علی الادھم اوالاشھب " حاکم کی مرضی کی بات ہے سیاہ گھوڑے پر سوار کردے یا چتکبرا گھوڑا عطا کردے۔ چونکہ " ادھم "کا معنی لوہے کی بیڑی بھی ہے اور سیاہ گھوڑا بھی ہے۔ اس طرح قبعثری نے اس کی دھمکی کو انعام میں بدل دیا۔ پھر حجاج نے کہا "ویلک انه لحدید " ۔ تو ہلاک ہو جا وہ تو لوہا ہے جس کی میں بات کر رہا ہوں۔ وہ گھوڑا نہیں، جیسے تو کہہ رہا ہے۔ یعنی میرا مطلب ہے کہ میں تمہیں بیڑیاں لگا دوں گا۔ قبعثری نے پھر کمال فطانت سے اس کی دھمکی کو انعام میں بدلتے ہوئے کہا :" ان یکون حدیدا خیرا من ان یکون بلیدا " ۔ آپ نے بہت اچھا فرمایا کیونکہ اس گھوڑے کا لوہے کی طرح سے مضبوط ہونا اور تیز ہونا، موٹے سست رفتار، پیل گھوڑے سے بہتر ہے۔ حجاج نے غصے میں اپنے کارندوں کو کہا۔ احملوہ اس کو اٹھالو۔ جب انہوں نے اس کے کہنے کے مطابق اسے اٹھایا۔ تو قبعثری نے کہا "سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ "۔ اللہ کی وہ پاک ذات ہے جس نے ان کو میرا مطیع، تابع بنا دیا۔ حجاج نے یہ سنتے ہوئے کہا : "اطرحوہ علی الارض "۔ اس کو زمین پر پھینک دو۔ جب انہوں نے اس کو زمین پر پھینک دیا تو اس وقت قبعثری نے کہا "مِنْهَا خَلَقْنَا كُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ "۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں زمین سے ہی پیدا کیا ہے اور اسی میں لوٹا دیں گے۔ اس مکالمہ کے بعد حجاج نے اس کا جرم معاف کر دیا۔

واللہ اعلم یہ کس طرح اس کے جال میں پھنسنے سے رہ گیا ؟ ورنہ اس بدترین ظالم کے ظلم سے علماء و صلحاء نہ بچ سکے۔ یہ بھی یقینی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو موت سے بچائے اسے کون مار سکتا ہے۔

(حاشیہ ۔ مختصر المعانی)

ایک نیک بزرگ کا ظالم بادشاہ کو سونے کا مشورہ

ایک ظالم بادشاہ نے کسی ولی اللہ نیک و پارساء سے پوچھا، میرے لئے کونَ سی عبادت زیادہ بہتر ہے۔ اس بزرگ نے جواب دیا تمہارے لئے آدھا دن سونا سب سے بڑی عبادت ہے۔ تاکہ تم اتنی دیر کسی کو نہ ستا سکو اور مخلوق تمہارے ظلم سے محفوظ رہے۔

ظالمے را خفتہ دیدم نیمروز گفتم ایں فتنہ ست خوابش بردہ بہ
وآنکہ خوابش بہتر از بیداریست آں چناں بد زندگانی مردہ بہ

ایک ظالم کو میں نے دوپہر کے وقت سوئے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا یہ فتنہ ہے اس کا سونا ہی بہتر ہے وہ شخص جس کا سونا جاگنے سے بہتر ہے، ایسی بری زندگی سے مرنا بہتر ہے۔

(گلستان)

یعنی مقصد یہ ہے کہ بادشاہ کو چاہیے کہ وہ انصاف کرے۔ اگر انصاف کرنے والا نہیں بلکہ ظالم ہے، لوگوں کو ستاتا ہے تو ایسے بھیڑیا نما انسان کو کچھ دیر کے لئے سونا ہی بہتر ہے تاکہ لوگ اس کے ظلم و ستم کے لئے کچھ دیر کے لئے محفوظ رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا بدترین انسان جس کی نیند پر لوگ آرام کا سانس لیں اس کا مرنا اس لئے بہتر ہے کہ لوگوں کو اس کے ظلم سے نجات مل جائے گی اور اس شخص کو ظلم کرنے کی وجہ سے گناہوں کی آلودگی سے آرام ملے گا۔ غور و فکر کا مقام ہے وہ انسان بھی کہلانے کا حق دار ہے جس کی موت کی تمنا لوگوں کے سینوں میں پائی جاتی ہو۔ اس انسان سے تو کتا ہی اچھا ہے جو ناپاک اور حرام بھی ہے لیکن اس کو پہرہ داری کے لئے پال لیتے ہیں بیمار ہو تو اس کے زندہ رہنے کے لئے دعاء بھی کرتے ہیں۔

ظالم! نشہء اقتدار میں عذابِ قدرت سے غافل نہ ہو

ایک ظالم شخص غرباؤ فقراء سے ظلماً لکڑیاں سستی خرید کر امیروں کو جبراً وہ مہنگی بیچتا تھا ایک مرتبہ ایک نیک آدمی گذرا اس نے کہا۔

ماری توکہ ہر کرا بہ بینی بزنی یا بوم کہ ہر کجا نشینی بکنی

تو سانپ ہے ؟ کہ جس کسی کو دیکھتا ہے ڈستا رہتا ہے یا تو اُلو ہے کہ جہاں بیٹھتا ہے اس جگہ کو کھود تا رہتا ہے۔ یعنی اُلو کا خاصہ ہے جہاں بیٹھتا ہے اس جگہ کو ویران کر دیتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ "الو" ہے جہاں بیٹھتا ہے اس جگہ کو ویراں کر دیتا ہے۔

زورت ار پیش میرود باما ☆ با خدا وند غیب داں نرود

تیرا زور اگر چہ ہم پر چل سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جو غیب جاننے والا ہے اس پر تمہارا زور نہیں چل سکتا

زور مندی مکن براہل زمین ☆ تا دعائے بر آسمان نرود

زمین والوں پر ظلم نہ کر! تا کہ وہ تیرے ظلم سے تنگ آکر تیرے لئے بد دعا نہ کر دیں جو قبول ہو جائے حاکم کو درویش کی یہ بات پسند نہ آئی۔ اس کی نصیحت سے اس نے منہ پھیر لیا۔ اس کی طرف توجہ نہ کی بلکہ اپنے مرتبہ پر غرور کرتے ہوئے اور ہی گناہوں میں مبتلاء ہوا۔

اتفاقاً ایک رات باورچی خانہ سے آگ نے اس کی لکڑیوں کے انبار میں پہنچ کر ان کو اپنی لپیٹ میں لیا اور اس کے تمام مکانات اور ہر چیز کو جلا کر رکھ دیا ۔ وہ ظالم نرم بستر سے خاکستر پر آ گیا۔ اسی نیک بزرگ درویش کا اتفاقاً وہاں سے گذر ہوا، دیکھا کہ وہ اپنے یاروں سے کہہ رہا تھا کہ معلوم نہیں یہ آگ کہاں سے آئی جس نے تمام مکانات وغیرہ جلا دیئے ہیں۔ جب اس درویش نے اس کے کلام کو سنا تو کہا "از دود دل درویشاں "درویشوں کے دل دھوئیں سے یہ آگ آئی ہے۔

حذر کن زدود درونہائے ریش ☆ کہ ریش درون عاقبت سر کند

درویشوں کے دل دھوئیں سے بچو کیونکہ ایک نہ ایک دن اندرونی زخم ظاہر ہو جاتے ہیں

بھم بر مکن تا توانی دلے ☆ کہ آھے جھانے بھم سر کند

جب تک تو طاقت رکھتا ہے کسی دل کو پریشان نہ کر کیونکہ جہان کے مظلوم لوگوں کی ایک آہ تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

ایران کے مشہور اور عظیم تر بادشاہ کیخسرو کے محل کی دروازہ کی محراب پر کتنا

اچھا لطیف کلام لکھا ہوا ہے۔

چه سالهائے فراوان و عمر هائے دراز ☆ که خلق بر سر مادرزمین بخواهد رفت
چنانکه دست بدست آمد ست ملک بما ☆ بدستهائے دگر هم جنس بخواهد رفت

کئی سال، لمبی عمر تک لوگ ہماری قبر کی سر زمین کے سرہانے پر آتے جاتے رہیں گے۔ یعنی ہماری بادشاہی جاودانی نہیں بلکہ ہم نے مر کر قبر میں پہنچ جانا ہے، شاید ہمدرد لوگوں کا وہاں ہماری قبر سے گذر ہو جائے۔ جس طرح ہاتھ باہاتھ منتقل ہوتے ہوئے یہ بادشاہی ہمیں ملی تھی ایسے ہی ہمارے ہاتھوں سے نکل کر دوسروں تک بھی پہنچ جائے گی۔

(گلستان سعدی)

مظلوم کو بھی انتقام لینے کا وقت مل جاتا ہے

ایک بادشاہ کا درباری بادشاہ کے تقرب کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں پر ظلم کیا کرتا تھا۔ اس ظالم نے ظلماً ایک نیک شخص کے سر پر ایک مرتبہ پتھر مار دیا۔ درویش کو اس سے انتقام لینے کی طاقت نہ تھی، لیکن اس نے پتھر کو نگاہ میں رکھ لیا۔ آخر کار ایک مرتبہ وہی شخص بادشاہ کے قہر و غضب کا نشانہ بن گیا۔ بادشاہ نے اس کو اس کے جرم کی سزا دینے کے لئے ایک تاریک گڑھے میں ڈال دیا۔

درویش نے جب دیکھا کہ وہ ظالم آج تاریک گڑھے یعنی اندھے کوئیں میں مظلوموں کی آہوں کی سزا میں مبتلاء ہے اس نے وہی پتھر اٹھایا اس کے سر پر جا مارا۔ اس ظالم نے تاریک کوئیں سے سر اوپر اٹھا کر پوچھا تو کون ہے اور یہ پتھر تو نے مجھے کیوں مارا ہے؟ اس نے کہا میں فلاں شخص ہوں جس کے سر پر تو نے فلاں تاریخ کو پتھر مارا تھا، یہ وہی پتھر ہے۔ اس نے کہا تو اتنے دن کہاں رہا؟ درویش نے کہا اس وقت تیرے رعب و مرتبہ کی وجہ سے میں ڈرتا تھا انتقام لینے کی طاقت نہیں تھی۔ آج تجھے کوئیں میں دیکھ کر فرصت کو میں نے غنیمت سمجھا۔ تو انتقام لیا۔

(گلستان)

میدانِ کربلا میں اہل بیت اطہارؓ پر ظلم کرنے والوں کا انجام!

حضرت امام حسینؓ اور آپ کے اقرباء ورفقاء کی شہادت ۶۱ھ کو ہوئی ہے۔ لیکن ۶۶ھ کو وہ ظالم کس انجام کو پہنچے ؟اس کا تصور کرتے ہی انسان کو قرآن پاک کے ان الفاظ مبارکہ :

﴿ وَلاَ تَحْسَبَنَّ اللهَ غَافِلاً عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ ﴾

(ظالموں کے ظلم سے اللہ تعالیٰ کو غافل ہر گزنہ تصور کرو) کی عملی تصویر نظر آجاتی ہے ۔

۶۱ھ کو مختار بن ابی عبید ثقفی اور ابراہیم بن اشتر نے انقلاب برپا کیا اور کوفہ پر قابض ہو گئے ، اس کی خبر جب شام میں پہنچی تو وہاں سے ابن زیاد کی قیادت میں ایک لشکر جرار کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا۔ ادھر مختار ابن عبید ثقفی نے یزید بن انس کو مختصر سا فوجی دستہ دیکر ابن زیاد کے مقابلہ کے لئے بھیج دیا۔ موصل کے مقام پر ان دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ جس میں ابن زیاد کو شکست ہوئی، لیکن اسی دوران یزید ابن انس کا انتقال بھی ہو گیا۔ ان کے نائب ورقاء بن عازب تھے انہوں یہ خیال کیا امیر لشکر بھی فوت ہو گئے اور ہماری فوج کی تعداد بھی کم ہے ،اس لئے انہوں نے مختار ثقفی کی طرف پیغام بھیجا کہ ہمیں مزید فوج دی جائے۔ مختار نے ابراہیم بن اشتر کو مزید فوج دے کر بھیج دیا۔ ان لوگوں کا روانہ ہونا ہی تھا کہ ادھر وہ لوگ بغاوت پر اتر آئے جو حضرت امام حسینؓ کے قتل میں پیش پیش تھے مثلاً شمر ذی الجوشن ، عمرو بن حجاج زبیری، محمد بن اشعث اور یزید بن حارث شیبانی وغیرہ ان لوگوں کا گمان تھا کہ مختار اکیلا ہے چند لوگ اس کے ساتھ ہیں دوسرے تمام کوفہ سے ابن زیاد کے مقابل جاچکے ہیں۔ لیکن مختار نے بھی حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے جلدی سے ابراہیم بن اشتر اور ان کے ساتھ گئی ہوئی فوج کو واپس بلالیا۔ دو تین دن بعد ابراہیم مع فوج واپس کوفہ پہنچ گئے۔

کوفہ میں ابراہیم کے پہنچنے پر قاتلین حسین گھروں میں چھپ گئے۔ لیکن مختار نے کچھ آدمیوں کو مقرر کیا کہ ان کو تلاش کیا جائے ایک ایک کو تلاش کر کے گھروں سے نکالا گیا عمرو بن سعد (جو میدان کربلا میں فوج کا سپہ سالار تھا) کا بیٹا گرفتار ہو کر آیا تو مختار نے اسے پوچھا تمہارا باپ کہاں ہے۔ اس نے کہا وہ گھر میں گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ لیکن مختار نے کہا میدان کربلا میں

نواسہ رسول کو پناہ نہیں دی گئی۔ ان پر تیروں کی بارشیں برسا کر ان کو شہید کیا گیا، اس وقت وہ گوشہ نشین کیوں نہیں ہوا تھا۔ آج اس کی یہ چالبازی اسے بچا نہیں سکتی۔ یہ کہتے ہوئے اس نے فوج کے کچھ جوانوں کو حکم دیا کہ عمرو بن سعد کو گرفتار کر کے لے آؤ گوشہ نشینی اسے بچا نہیں سکتی۔ یہ کہتے ہوئے رسیوں سے جکڑ کر مختار کے سامنے پیش کیا۔

مختار نے حکم دیا کہ پہلے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں پھر اس کے ناک اور کان کاٹ کر اس کو ٹوکرے میں بند کر کے جلا دیا جائے۔ اس طرح میدان کربلا کا یہ جابر و ظالم شخص جو فوجی کمانڈر ہونے کی وجہ سے تکبر و غرور میں مبتلاء تھا اور نواسہ رسول کو بھوکا، پیاسا شہید کرایا۔ کس طرح ذلت کی موت مرا ؟ اس طرح میدان کربلا کے دوسرے شیطانی صفات رکھنے والے ظالموں میں سے ایک ایک کو لایا گیا ان کو ذلت کی موت مارا گیا۔ خولی بن یزید اصبحی، سنان بن انس، قیس بن اشعث، عبداللہ بن قیس خولانی اور عمران بن خالد کو بہت اذیتیں دے کر قتل کیا گیا۔ یہ سب مجرمین ذلت کی موت مر کر اپنے انجام کو پہنچے۔

اسی طرح شمر ذی الجوشن کو تو بہت ہی عبرت ناک طریقہ سے ہلاک کیا گیا، اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر زمین پر ڈال دیا گیا۔ اور پھر جنگی گھوڑے اس پر دوڑا دیئے گئے۔ جنہوں نے اس بدترین ظالم کو روند کر اس انجام تک پہنچا دیا جس کا وہ مستحق تھا۔ خولی بن یزید اصبحی کو جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے یہ وہ شخص ہے جو حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک کوفہ لے کر گیا تھا۔ اس کے بھی پہلے دن ہاتھ کاٹے گئے، دوسرے دن پاؤں پھر سولی پر لٹکا دیا گیا۔ اس کے بعد تمام میدان کربلا میں شریک ہونے والوں کے مکان گرا دیئے گئے۔

(مختصر از طبری جلد هفتم ۱۲۲ تا ۱۳۹)

ابن زیاد جو کوفہ کا گورنر تھا جب میدان کربلا کا واقعہ درپیش آیا یہی سب سے بڑا مجرم تھا۔ اس کی سرکوبی کے لئے ابراہیم ابن اشتر کو فوج دے کر "موصل" میں بھیجا گیا کیونکہ یہ وہاں اپنی فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ چنانچہ خارز کے مقام پر دونوں فوجوں میں خونریز جنگ ہوئی لیکن ابن زیاد کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا، لیکن گرفتار ہوا، ابراہیم نے اس کا سر کاٹ کر مختار کے پاس بھیج دیا۔

فصل سوم :

جان کنی کا بیان

جب موت کا وقت آجائے تو کیا کیا جائے !

مسئلہ :- جب انسان پر موت کا وقت قریب ہو تو اس کی چارپائی کو اس طرح پھیر دیا جائے کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو جائے۔

مسئلہ :- قریب المرگ شخص کے قریب سورہء یٰسین کی تلاوت کی جائے کیونکہ اس سے اس شخص کے لئے آسانی ہوتی ہے۔ حضرت معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من قرأ یسین ابتغاء وجه اللّٰه تعالیٰ غفرله ماتقدم من ذنبه فاقرء وها عند موتا کم"

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان ، مشکوٰۃ شریف باب فضائل القرآن)

جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر سورۃ یٰسین کی تلاوت کرے اللہ تعالیٰ اس کے پہلے (صغائر) گناہ معاف فرماتا ہے (کیونکہ کبائر بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے) اور تم اس سورۃ کو اپنے فوت ہونے والوں کے پاس پڑھو۔ یعنی جو لوگ فوت ہونے کے قریب ہوں ان کے پاس پڑھو ۔یا دوسرا معنی یہ ہے کہ تمہارے جو حضرات فوت ہو جائیں ان کی قبروں کے پاس جا کر سورۃ یٰسین کی تلاوت کرو، کیونکہ وہ اب مغفرت کے محتاج ہیں۔ اس لئے یہ سورۃ پڑھ کر ان کی مغفرت کی دعا کی جائے ۔

خیال کیا جائے کہ سورۃ یسین کا انتخاب ہی کیوں کیا گیا ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ کو قلب قرآن خود نبی کریم ﷺ نے قرار دیا۔ قیامت کے احوال جس طرح اس سورۃ میں ذکر کئے گئے ہیں اس طرح کسی اور سورۃ میں ذکر نہیں کئے گئے ہیں اور اس کا پڑھنا مردہ اور زندہ دلوں کو زندہ کرتا ہے اور اس کا تلاوت کرنا غفلت سے اطاعت و عبادت کی طرف لاتا ہے ان وجوہ کے پیش

نظر اس کو فوت ہونے والوں کے قریب یا فوت شدہ کے قریب پڑھا جاتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح)

مسئلہ :- جس شخص کو موت قریب ہو اس کو " تلقین " کرنی چاہیے۔ یعنی ظاہر اسباب و حالات سے جب یہ پتہ چلے کہ یہ شخص اب فوت ہونے کے قریب ہے تو ایسے شخص کو کلمہ طیبہ اور شہادت کی تلقین کی جائے۔

اس کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی جس کو حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا :

" لقنوا موتا کم لا الہ الا اللہ "

(رواہ مسلم ، مشکوٰۃ باب ما یقال عند من حضرہ الموت)

کہ تم میں سے جو لوگ فوت ہونے کے قریب ہوں ان کو " لا الہ الا اللّٰہ " کی تلقین کرو۔ یعنی ان کو کلمہ توحید کی یاد دلاؤ اسی طرح کلمہ شہادت کا اس کے قریب پڑھنا بھی یہی فائدہ دیتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ میت سن کر کلمہ پڑھ لے۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ بچے کو سب سے پہلے کلمہ توحید " لا الہ الا اللّٰہ " پڑھاؤ اور موت کے وقت اسی کلمہ کی تلقین کرو۔

مسئلہ :- فوت ہونے والے کو تلقین کرنا مستحب ہے۔ بعض فقہائے کرام نے وجوب کا قول بھی کیا ہے۔

مسئلہ :- تلقین کے وقت قریب الموت شخص کے قریب کلمہ پڑھا جائے۔ اسے یہ نہ کہا جائے کہ تو کلمہ پڑھ۔ ممکن ہے وہ آخری وقت میں کلمہ پڑھنے سے انکار کر دے ، اگرچہ سکرات موت میں کلمہ پڑھنے سے انکار کفر نہیں لیکن پھر بھی بظاہر اچھا نہیں۔ اگر اس کو آخری وقت میں کلمہ پڑھنا نصیب ہو گیا تو یہ اس کی خوش قسمتی ہو گی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : " من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ "

(رواہ ابو دؤد ، مشکواۃ باب ما یقال عند من حضرہ الموت)

جس شخص کا آخری کلام یہ الفاظ مبارکہ یعنی کلمہ توحید ہوا (لا الہ الا اللّٰہ) وہ جنت میں داخل ہو گا۔

مسئلہ :- تلقین کرنے والا کوئی نیک شخص ہو کیونکہ آدمی کی موت کے وقت اس کے پاس نیک لوگوں کا ہونا اچھی بات ہے اسی طرح اس کے قریب خوشبو سلگانا بھی مستحب ہے
(از بہار شریعت)

مسئلہ :- موت کے وقت حیض و نفاس والی عورتیں اس کے پاس حاضر ہو سکتی ہیں۔ مگر جس کا حیض ختم ہو گیا ہو اور ابھی اس نے غسل نہ کیا ہو، وہ عورت اور اجنبی عورت کو کسی کے روح نکلنے کے وقت قریب نہیں ہونا چاہیے۔ اور کوشش کی جائے کہ مکان میں کوئی تصویر اور کتا نہ ہو۔ اگر یہ چیزیں مکان میں ہوں تو فوراً ہی ان کو باہر نکال دیا جائے۔ کیونکہ جہاں یہ چیزیں ہوں وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

مسئلہ :- حضرت مروزی، حضرت جابر بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ مرنے والے کے پاس سورۃ رعد کا پڑھا جانا بھی مستحب ہے کیونکہ اس سے مردہ پر آسانی ہوتی ہے۔ اور حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں مرنے والے کے قریب اس کی موت پر یہ دعا بھی پڑھی جاتی ۔

" اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِفُلَانَ (اس کا اور اس کے باپ کا نام یہاں ذکر کیا جائے) وَبَرِّدْ عَلَيْهِ مَضْجَعَهٗ وَوَسِّعْ عَلَيْهِ قَبْرَهٗ وَاَعْطِهِ الرَّاحَةَ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاَلْحِقْهُ بِنَبِيِّهٖ وَتَوَلَّ كَفْنَهٗ وَصَعِّدْ رُوْحَهٗ فِيْ اَرْوَاحِ الصَّالِحِيْنَ وَاجْمَعْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهٗ فِيْ دَارٍ تَبْقٰى فِيْهَا الصِّحَّةُ وَيُذْهَبُ عَنَّا فِيْهَا النَّصَبُ وَاللُّغُوْبُ"

اور حضور ﷺ پر درود پاک پڑھا جاتا اور بار بار اس دعا کو پڑھا جاتا تھا حتیٰ کہ وہ فوت ہو جاتا۔
(شرح الصدور، ابن ابی شیبہ)

بد عقیدہ کو موت کے وقت کلمہ پڑھنا، نصیب نہ ہونا

ابن عساکرؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی کو موت کے وقت کلمہ شریف پڑھنے کو کہا، تو اس نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا، جب وہ ہوش میں آیا، تو اس نے کلمہ شریف نہ پڑھنے کی وجہ بیان کی کہ میں ایسی قوم کے پاس بیٹھا کرتا تھا جو مجھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو برا کہنے کا حکم کرتی تھی۔ یہ اس کی وجہ سے میری زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو رہا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بد عقیدہ لوگوں کی مجلس کی ایک نحوست یہ بھی ہے کہ انسان مرتے وقت کلمہ طیبہ کی نعمت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ ذرا غور کرو کہ جب حضرات شیخین رضی اللہ

عنہ کے دشمنوں کی مجلس کرنے والے کا یہ حال ہے، تو اس کا کیا حشر ہوگا جو خود محبوب خدا ﷺ کے دشمنوں کی صحبت میں رہتا ہو۔

(تذکرۃ الموتی والقبور ثناء اللہ پانی پتی)

ماں کے نافرن کو کلمہ نصیب نہ ہونا

روایت کیا گیا ہے کہ ایک نوجوان کی...... (بعض حضرات نے اس نوجوان کا نام حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ تحریر کیا ہے جیسے تحفہ نصائح وغیرہ میں ہے)...... زبان بند ہو گئی، اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت یعنی کلمہ توحید " لا الہ الا اللہ " جاری نہیں ہو رہا تھا۔ دوسرے صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس صحابی کی زبان پر کلمہ نہ جاری ہونے کی خبر دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے پاس تلقین کی لیکن صحابی رسول کی زبان میں حرکت آتی ہے لیکن پھر اضطراب۔ اس طرح زبان حرکت کر کے بند ہو جاتی ہے اس کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو رہا۔

اس حالت زار کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے پوچھا، کیا یہ شخص نماز پڑھتا تھا؟ عرض کیا گیا ہاں یا رسول اللہ نماز پڑھتا تھا۔ پھر میرے حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء نے پوچھا کیا یہ شخص روزہ رکھتا تھا، آپ کو بتایا گیا کہ ہاں یا رسول اللہ روزہ تو رکھتا تھا۔ پھر میرے آقا و مولیٰ ﷺ نے اس کے متعلق سوال کیا، کہ یہ شخص زکوٰۃ ادا کرتا تھا' عرض کیا گیا یا رسول اللہ زکواۃ بھی ادا کرتا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا یہ والدین کا نافرمان تھا۔ اس سوال کے جواب میں عرض کیا گیا کہ ہاں یا رسول اللہ یہ اپنے والدین کا نافرمان تو تھا۔

اس وقت اس کی والدہ زندہ تھی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کی والدہ کو بلاؤ اس کی والدہ آئی جو ضعیف تھی اور اس کی ایک آنکھ ضائع شدہ تھی۔ اس بڑھیا کو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کیا تم اپنے بیٹے کی غلطیوں، خطاؤں کو معاف کرتی ہو، اس نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ میں اس کے جرم کبھی معاف نہیں کر سکتی ؛ کیونکہ اس نے مجھے ایک مرتبہ تھپڑ لگایا تھا جس سے میری آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔ یہ بات سنتے ہی نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا کہ جلانے کی لکڑیاں لا کر ان کو آگ لگاؤ۔

آپ کے اس ارشاد گرامی کو سننے پر اس شخص کی والدہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ اس آگ کو کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تمہارے اس بیٹے کو اس کے عمل ......(یعنی جو اس نے تمہارے ساتھ سلوک کیا ہے)...... کی وجہ سے اسے جلا دوں۔

یہ سنتے ہی ماں کی محبت و شفقت جوش میں آگئی۔ ماں کہنے لگی۔ یارسول اللہ ﷺ میں نے معاف کر دیا۔ میں نے معاف کر دیا۔

کیا میں نے آگ کے لئے اسے نو ماہ اپنے پیٹ میں اٹھایا تھا؟

کیا میں نے اسے آگ کے لئے دو سال دودھ پلایا تھا؟

سبحان اللّٰہ ! ماں جیسی شفقت کہاں سے ملے گی؟ عبرت پکڑتے ہوئے توجہ کریں، بار بار اس واقعہ کو پڑھیں، قہر خداوندی سے ڈریں۔ دیکھیں ادھر ماں کا معاف کرنا ہی تھا۔ ادھر بیٹے کی زبان پر جاری ہو گیا۔

" اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ "

نکتہ:- ماں رحیمہ ہے جس کو معمولی رحمت حاصل ہے اور بیٹے کی نافرمانی سے اسے ضرر بھی پہنچا، لیکن اس قدر قلیل رحمت کی وجہ سے اس نے بیٹے کو جلنا پسند نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ جو رحمٰن ہے جس کو بے پناہ رحمت حاصل ہے، جس کی رحمت کا اندازہ لگانا بھی انسان کی وسعت سے بالاتر ہے اور اسی کے انعامات کے باوجود بندے اس کے نافرمانی کریں تو اس کا کوئی نقصان بھی نہیں وہ کیسے پسند فرمائے گا کہ وہ مومن جو کلمہ شہادت پر ہمیشہ ایمان رکھتا رہا، اس کے مطابق عمل کرتا رہا، اس کو آگ میں ستر سال جلایا جائے۔ (تفسیر کبیر سورہ فاتحہ)

ملک الموت کا روح قبض کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالنّٰزِعَاتِ غَرْقاً وَالنّٰشِطَاتِ نَشْطاً ﴾

قسم ہے (فرشتوں) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں اور بند آسانی سے کھولنے والے ہیں۔

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ یہ ملائکہ کی صفات ہیں۔ اس قول کے مطابق آیات کا مفہوم یہ ہوگا کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو جسموں میں غوطہ لگا کر بڑی سختی اور شدت سے روحوں کو باہر نکالتے ہیں۔ النزع ، الجذب بالشدة ۔ سختی سے کسی چیز کو کھینچنے کو نزع کہتے ہیں جب اس پر غرقاً کا اضافہ کر دیا جائے تو پھر اس شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ "ای اغرقا فی النزع من اقاصی الاجساد" (روح المعانی)

یعنی جسم کے اندر دور و دراز حصوں میں ڈوب کر روح کو نکالنا۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار کی روحوں کو قبض کرتے ہیں کیونکہ جب موت آتی ہے تو کافر کی روح جسم سے نکلنے سے انکار کرتی ہے۔ فرشتے اس کے رگ و ریشہ میں گھس کر اس کو باہر کھینچ لاتے ہیں۔

النشط :- الاخراج برفق و سھولة ۔ کسی چیز کو نرمی اور آسانی سے باہر نکالنے کو عربی میں نشط کہتے ہیں جیسے کوئیں سے پانی کا ڈول نکالا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومن کی روح کو قبض کرنے آتے ہیں۔ وہ روح پہلے ہی محبوب حقیقی کے وصال کے لئے بے تاب ہوتی ہے اور اس گھڑی کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہوتی ہے۔ کہ کب قفس جسم سے اس کو رہائی ملے۔ چنانچہ فرشتوں کو مومن کی روح قبض کرنے کے لیے کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ اشارہ ملتے ہی وہ بدن کی زنجیروں کو توڑتی ہوئی باہر نکل آتی ہے۔

(ضیاء القرآن)

ملک الموت کا کافر اور مومن کے پاس مختلف صورتوں میں آنا

حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مرتبہ ملک الموت کو کہا کہ تم کبھی وہ صورت دکھاؤ جس صورت میں تم کفار کی روحوں کو قبض کرتے ہو؟ ملک الموت نے کہا کہ یہ آپ کی طاقت سے باہر ہے لیکن آپ کے اصرار پر انہوں نے وہ صورت دکھانی شروع کی اور فرمایا کہ آپ اپنا منہ موڑ لیجئے اب جو دیکھا تو ایک سیاہ شخص ہے سر میں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اس کے جسم سے تمام مساموں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔ اس کے کانوں سے بھی آگ نکل رہی ہے۔ یہ حال

دیکھ کر آپ پر غشی طاری ہوگئی اب جو دیکھا تو آپ اپنی حالت میں موجود تھے۔ آپ علیہ السلام نے ملک الموت کو کہا کہ اگر کافر کو فقط تمہاری شکل ہی دیکھنے کی تکلیف دی جائے تو اس کے لئے یہی تکلیف کافی ہے اگرچہ اسے اور کوئی تکلیف و رنج نہ بھی ہو۔

پھر آپ نے فرمایا کہ وہ صورت دکھاؤ جس میں تم مومن کی روح نکالتے ہو؟ فرشتہ نے کہا آپ ذرا منہ پھیریئے! آپ نے منہ پھیرنے کے بعد جبھی دیکھا تو سامنے ایک حسین و جمیل نوجوان تھا جس کا جسم مہک رہا تھا۔ کپڑے سفید تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر مومن کو اور کوئی راحت نہ ہو صرف تمہارے دیدار کی راحت دے دی جائے تو اس کے لئے کافی ہے

(از شرح الصدور)

مومنوں کو روح قبض کرتے وقت بشارت

﴿ يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ، ارْجِعِي اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ، فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴾

اے نفس مطمئن واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جاؤ میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔

پہلے آپ یہ سمجھیئے! کہ " نفس مطمئنہ " کسے کہتے ہیں۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس طرح مچھلی کو پانی میں سکون اور قرار حاصل ہوتا ہے اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں سکون وہ اطمینان نصیب ہوا سے " نفس مطمئنہ " کہیں گے۔ لکھتے ہیں کہ اس اطمینان کا اس وقت تصور نہیں کیا جاسکتا جب تک انسان سے صفات رذیلہ دور نہ ہو جائیں اور یہ اس وقت تک دور نہیں ہوتیں جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی صفات حمیدہ کی تجلیات سے بہرہ ور نہ ہو ان میں وہ فنا ہو جائے اور ان کے ساتھ اس کو بقاء نصیب ہو اسی وقت انسان کو ایمان حقیقی نصیب ہوتا ہے اور اسی وقت اسے اطمینان کی دولت ارزانی ہوتی ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ گھبراہٹ اور اضطراب کے بعد جو سکون ملتا ہے اسے

اطمینان کہتے ہیں اور نفس کو سکون تب میسر آتا ہے جب وہ یقین، معرفت اور شہود کی اعلیٰ منزل پر فائز ہو جائے اور یہ مقام ذکر الٰہی کثرت اور دوام سے حاصل ہوتا ہے ﴿ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب﴾ جب انسان اس مقام پر فائز ہوتا ہے تو پھر اسے "تمکین "(قرار پکڑنا، مطمئن ہونا۔ایک جگہ قائم ہونا) سے نواز جاتا ہے۔اس کے بعد اسے رد ہونے کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔

علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نفس مطمئنہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

" النفس المطمئنة هى التى تنورت بنور القلب حتى تخلت عن صفاتها المذمومة وتحلت بالا خلاق الحميدة "

یعنی نفس مطمئنہ وہ ہے جو نور قلب سے منور ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی مذموم صفات فنا ہو جاتی ہیں اور وہ اخلاق حمیدہ سے مزین و آراستہ ہو جاتا ہے۔ایسے نفس مطمئنہ کو اپنے خطاب دلنواز سے یوں مشرف کیا جائے گا : واپس آجا اپنے رب کے پاس۔یعنی وہ مخصوص مقام جہاں وہ اپنے بندوں کو اپنی خصوصی عنایات سے سرفراز کرتا ہے۔ تو اس کی محبت میں آنسو بہاتا رہا، تو اس کے عشق کی آگ میں جلتا رہا اور اس کے سوز فراق میں تڑپتا رہا۔لے اب فراق کی طویل رات سحر آشنا ہو رہی ہے۔دوریاں سمٹ رہی ہیں پردے اٹھ رہے ہیں اپنے بے تاب دل اور بے قرار نگاہوں سمیت حاضر ہو جا۔

اور کیسی شان سے آ ؟ اس کا بیان ان دو کلمات میں فرمایا کہ ڈرتے ہوئے نہیں، گھبراتے ہوئے نہیں۔اس خیال سے پریشان ہو کر نہیں کہ جس رب کو راضی کرنے کے لئے تو نے اپنی زندگی وقف کی وہ راضی بھی ہوا یا نہیں۔ان خدشات کو، ان وسوسوں کو دل سے نکال کر باہر پھینک دو۔ حریم ناز میں اس شان سے آؤ کہ تم بھی اپنے رب کریم پر راضی اور وہ بندہ نواز بھی تجھ سے راضی۔کیا بات ہے کیا کرم ہے ؟ کتنی بلند قسمت ہے اس خاکسار بندے کی جس پر یہ عنایت ہوگی ۔

ارشاد ہوتا ہے :

"میرے وہ بندے جن پر شیطان کا کوئی مکر کارگر نہ ہوا ، جو عمر بھر میرے بنے رہے اور میری خاطر سب جہان سے روٹھے رہے۔میری بندگی کے بغیر جن کو اور کوئی کام ہی نہ تھا ۔اے

نفس مطمئنہ تو بھی ان میں داخل ہو جا۔ اور میری ذاتی اور صفاتی تجلیات کے لئے مخصوص ہے اس میں تشریف لے چل ۔

" فالدخول فی الخواص هی السعادة الروحية والدخول معهم فی الجنات ودرجاتها هی السعادة البدنية "

(روح البیان)

یعنی یہاں دو سعادتوں کا ذکر ہوا اک خاصانِ بارگاہِ خداوندی کی رفاقت۔ یہ روحانی سعادت ہے۔ دوسرا ان کی معیت میں دخول، یہ بدنی سعادت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب سے اسی روحانی سعادت کے بارے میں التجا کی تھی۔

" یَا ﴿ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِماً وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴾ "

اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے، تو میرا کام بنانے والا ہے دنیا اور آخرت میں مجھے مسلمان اٹھا اور ان سے ملا جو تیرے قرب خاص کے لائق ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی بعینہٖ یہی دعا مانگی تھی اسی وقت انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا جائے گا ۔ بعض کی رائے ہے کہ مرتے وقت یہ بشارت دی جائے گی، لیکن علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں " هذا يقال لها عند الا حتضار وفی يوم القيامة ايضا " یعنی یہ خوشخبری دونوں وقت اسی دی جائے گی۔ (مرتے وقت بھی اور حشر میں بھی)

یہاں ایک اور روایت بھی سن لیجیے۔

" قال عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما اذا توفی العبد المؤمن ارسل الله ملكين وارسل له بتحفة من الجنة فيقال لها اخرجی ايتها النفس المطمئنة الی روح وريحان و رب عنك راض " الی آخره .

ترجمہ :- حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جب بندہ مومن فوت ہونے لگتا ہے اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو اس کی طرف بھیجتا ہے، وہ اسے کہتے ہیں اے نفس مطمئنہ، اس دار فانی سے نکل اور راحت و آرام اور گل پوش وادیوں کی طرف چل اور اپنے اس پروردگار کی طرف چل جو تجھ سے راضی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر بارگاہ رسالت میں حاضر تھے، عرض کرنے لگے " یارسول اللّٰہ ما احسن ھذا !" اے اللہ کے رسول یہ کتنی ہی اچھی بات ہے۔" فقال اما انہ سیقال لک ھذا " حضور نے فرمایا اے ابو بکر جب تم اس دنیا سے رخصت ہو گے تو تمہیں بھی یہ بشارت دی جائے گی۔

(تفسیر ابن کثیر)

علامہ ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی۔

" ان رسول اللہ ﷺ قال لرجل قل: " اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ نَفْساً بِكَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَاءِكَ وَتَرْضیٰ بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بعطَائِكَ "

اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے نفسِ مطمئن کا سوال کرتا ہوں جو تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو، جو تیری قضا پر راضی ہو اور جو تیری عطا پر قانع ہو۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

اللہ کا سلام سن کر مومن جان کا ہدیہ پیش کرتا ہے

حضرت عزرائیل علیہ السلام جب مومن کی روح قبض کرنے کے لئے آتے ہیں تو اس کے کان میں یہ کہتے ہیں السلام یقرئک السلام، " السلام "اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ہے۔وہ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کا سلام اس مومن کو پہنچاتا ہے کہ "السلام" تجھے سلام کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ میری دعوت کو قبول کرو۔ میں تمہارا مشتاق ہوں، جنتیں اور جنتی حوریں بڑے اشتیاق اور بے تابی سے تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔

مومن جب سلام و بشارت کو سنتا ہوہے تو کہتا ہے میں بشارت دینے والے کو ھدیہ و نذرانہ پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ مومن انسان یہ جانتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے۔ فرشتوں کو کھانے، پینے کی اشیاء کی ضرورت نہیں۔ مال و متاع کی طرف ان کی نظر نہیں اس لئے وہ مومن کہتا ہے کہ میں ھدیہ پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس سوائے میری روح کے کوئی اور ایسا ھدیہ نہیں جو عزیز ہو یعنی تمہارے پاس ھدیہ پیش کرنے کے لائق بھی ہو اس لئے اپنے ھدیہ کے لئے میری روح کو ہی قبض کر لو۔

(کبیر پ ۵ زیر آیت واذا حییتم بتحیۃ)

اللہ تعالیٰ مومن کو شیطان کے آخری مکر و فریب سے محفوظ رکھتا ہے

اس بات کو سمجھنے سے پہلے سمجھا جائے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، پھر یہ کہ انسان کو بوقت موت شیطان کیسے دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ ﴿ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ﴾ یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کرو۔ شیطان تمہاری خیر خواہی کے ہزار دعویٰ کرے وہ تم سے دوستی کے عہد و پیمان کرتے ہوئے کتنی سخت قسمیں کھائے۔ لیکن وہ جھوٹا ہے، وہ تمہارا ازلی دشمن ہے، تمہاری وجہ سے جو چوٹ اس کو لگی ہے، اس کی ٹیسیں کم نہیں ہوئیں، تم اس کی میٹھی میٹھی باتوں میں آجاتے ہو، وہ تو ہر لحہ ایسے موقع کی تلاش میں ہے کہ فرصت ملے تو تمہیں ایسی لڑھکتی دے کہ تم اپنے بلند مقام سے منہ کے بل خاک مذلت پر پٹاخ سے آگرو۔ اور وہ زور زور سے قہقہہ لگائے اور تمہارا مذاق اڑائے۔

نادان نہ بنو! ایسے خطرناک دشمن سے ہمیشہ چوکنے رہو، جب وہ تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اس کو اپنا دشمن سمجھو، تب ہی تم اس کے فریب سے بچ سکو گے، سب سے بڑا دھوکہ باز شیطان ہے اس لئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ (اس سے پہلی) آیت میں غرور سے مراد شیطان ہے۔ بے شک شیطان دھوکہ بازی کے فن میں بے نظیر ہے، وہ ہر شخص کو ایک قسم کے دام فریب میں پھانسنے کی کوشش نہیں کرتا، وہ ہر شخص کی نفسیات کو جانتا ہے وہ ہر انسان کے کمزور پہلوؤں سے خوب واقف ہے اور ہر انسان پر اس کا حملہ اس کے کمزور پہلو سے ہوا کرتا ہے عقل کے پجاریوں کو وہ ایسے چکر دیتا ہے کہ وہ کبھی تو خدا کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں کبھی اس کا شریک ٹھہرانے لگتے ہیں، اور کبھی اس کائنات کے کارخانہ سے اس کو لاتعلق قرار دیتے ہیں اور کبھی نزول وحی اور وقوع قیامت کو عقل کے منافی ثابت کرتے ہیں۔

اور جو لوگ علم و عقل سے اتنی دلچسپی نہیں رکھتے، انہیں کبھی دولت کا لالچ دے کر، کبھی اقتدار کے سہانے خواب دکھا کر، کبھی شہرتِ دوام کے چکر میں اسیر کر کے ان سے ایسی خسیس سفاکانہ اور مروت سے گری ہوئی حرکتیں کراتا ہے کہ اسے دیکھنے والے بھنا کر رہ جاتے ہیں اور جو خدا پر اور قیامت پر ایمان محکم رکھتے ہیں۔ ان کی شمع ایمان اگر بجھا نہیں سکتا تو ان کے کانوں میں

چپکے سے یہ افسوں پھونک دیتا ہے کہ تیرا رب غفور رحیم ہے بے شک نماز نہ پڑھو، بیشک داد عیش دیتے رہو، اس کی مغفرت کے سامنے تیرے گناہوں کی کیا حقیقت ہے ؟

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے کہ اس جملہ کی بہترین تشریح حضرت سعید بن جبیر نے فرمائی :

" قال الغرور باللہ ان یعمل بالمعاصی ثم یتمنی علی اللہ تعالی المغفرة "

ترجمہ :- یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ غرور کا مطلب یہ ہے کہ انسان دھڑا دھڑ گناہ کرتا رہے اور تمنا یہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے گا۔

(ضیاء القرآن مع تقدیم و تاخیر)

شیطان اپنی دھوکہ بازی کا آخری وار بھی مومن پر کرنے سے باز نہیں رہتا، بلکہ آخری پنجہ آزمائی کر کے منہ کی کھا کر ذلت سے لوٹتا ہے کیونکہ مومن اس وقت اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم کی آغوش میں ہوتا ہے۔

موت کے وقت شیطان کا دھوکہ :

انسان کی موت کا وقت جب قریب ہوتا ہے انسان پر پیاس کا اتنی شدت سے غلبہ ہوتا ہے کہ انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے، اور کہتا ہے کہ کاش مجھے تمام دریاؤں کے پانی مل جائیں تو میں پی جاؤں۔ ایسے حال میں شیطان اپنے ہاتھ میں پانی کا پیالہ لے کر آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ پانی کا پیالہ میں تجھے دیتا ہوں صرف تو ایک لمحہ کے لئے خدا کا منکر ہو جا۔ لیکن پختہ ایمان والا مومن اسے کہتا ہے کہ اے شیطان مردود یہاں سے بھاگ جا، مجھے تیرے پانی کی ضرورت نہیں۔ شیطان یہ جھڑکی سنتے ہی بھاگ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مومن پر کیا ہوا شیطان کا آخری وار بھی خطا ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ کا شیطان کے دھوکہ سے محفوظ رہنے پر مطلع کرنا

حضرت ابو زکریا زاہد رحمہ اللہ تعالیٰ پر نزع کی حالت میں سکرات موت کے وقت ان کے ایک

دوست نے آپ کے پاس آکر آپ کو کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ﷺ" کی تلقین کی تو آپ نے منہ پھیر لیا، جب دوسری مرتبہ پھر تلقین کی تو آپ نے پھر منہ پھیر لیا۔ جب تیسری مرتبہ تلقین کی تو آپ نے کہا: "میں نہیں کہتا" دوست کو یہ کلمہ شاق گذرا، اس ظاہری حالت پر بہت پریشان تھا۔ وہ بزرگ تھوڑی دیر کے لئے ہوش میں آئے تو پوچھا کہ تم مجھے کوئی بات کہہ رہے تھے؟

حاضرین نے کہا ہم نے آپ پر تین مرتبہ کلمہ شریف پیش کیا، لیکن آپ نے پہلے دو مرتبہ منہ پھیر لیا اور تیسری مرتبہ کہا، میں نہیں کہتا آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ مجھے آپ کے کلمہ شریف پیش کرنے کے متعلق تو علم نہیں، البتہ منہ پھیرنے یا انکار کرنے کا واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس شیطان آیا تھا اور پانی کا پیالہ لے کر میری دائیں جانب آیا اور پانی کو حرکت دے کر مجھے کہنے لگا کیا تجھے پانی کی ضرورت ہے؟ میں نے کہا ہاں اس نے کہا صرف اتنا کہہ دو (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے، تو میں تجھے پانی پلادوں گا، تو میں نے اس سے منہ پھیر لیا دوسری مرتبہ وہ میرے پاؤں کی طرف آگیا اور کہنے لگا کہ پانی کی ضرورت ہے؟ میں نے کہا "ہاں" اس نے پھر کہا صرف اتنا کہہ دو کہ (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔ تو میں تمہیں پانی دے دوں گا، میں نے منہ پھیر لیا۔ پھر اس نے تیسری مرتبہ کہا صرف اتنا کہہ دو کہ خدا کوئی نہیں، میں نے اسے کہا "میں نہیں کہتا" تو یہ سن کر اس نے پیالہ توڑ دیا، اور پشت پھیر کر بھاگ گیا۔

یہ میرا منہ پھیرنا اور یہ کہنا کہ میں نہیں کہتا، شیطان لعین سے تھا، نہ کہ تم سے۔ پھر انہوں نے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنی جان، جانِ آفرین (جان کا پیدا کرنے والا) کے سپرد کر دی۔

(دقائق الاخبار ۹۔۱۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سنتے ہی جان پیش کی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرشتوں نے کہا کہ اے اللہ تیرے بندے ابراہیم علیہ السلام کو موت سے بہت ڈر لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ جب دوستوں کو ملے ہوئے زائد عرصہ ہو جاتا ہے تو ایک دوسرے کی ملاقات کے مشتاق ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے بارگاہ قدوس میں عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ

میں تیری ملاقات کا مشتاق ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک پھول بھیجا، آپ نے وہ سونگھا اور سونگھتے ہی روح قبض ہو گئی۔ (کتاب الشدائد، شرح الصدور)

حضرت ادریس علیہ السلام اور ملک الموت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک فرشتے نے اجازت چاہی کہ وہ ادریس علیہ السلام کے پاس جائے۔ چنانچہ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہو اور سلام کیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا۔ کہ کیا آپ کا ملک الموت سے بھی کوئی تعلق ہے، اس نے کہا جی ہاں وہ میرے بھائی (کیونکہ ہم دونوں فرشتے ہیں) ادریس علیہ السلام نے پوچھا۔ کیا مجھے ان سے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہو فرشتے نے کہا کہ اگر آپ چاہیں کہ موت آگے پیچھے ہو جائے تو یہ ممکن نہیں ہے، البتہ میں ان سے یہ کہوں گا کہ موت کے وقت آپ پر نرمی کریں۔

چنانچہ فرشتہ نے ادریس علیہ السلام کو اپنے بازوں پر بٹھایا اور آسمان پر پہنچا۔ یہاں ملک الموت سے ملاقات ہوئی فرشتے نے کہا مجھے آپ سے کام ہے۔ ملک الموت نے کہا مجھے آپ کا مقصد معلوم ہے، آپ ادریس علیہ السلام کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہوں گے۔ ان کا نام تو زندوں سے مٹ چکا ہے۔ اب ان کی زندگی کا آدھا لمحہ باقی رہ گیا ہے۔ چنانچہ ادریس علیہ السلام فرشتے کے بازوں میں انتقال کر گئے۔

(ابن ابی حاتم، شرح الصدور)

عزرائیل علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ داؤد علیہ السلام بہت ہی غیرت مند انسان تھے، جب آپ گھر سے باہر نکلتے تو دروازوں کو تالے لگا دیتے تاکہ کوئی گھر میں نہ جائے۔ ایک دن جب واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر میں ایک شخص کھڑا ہے۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو۔ اس نے کہا میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے نہیں ڈرتا، کوئی میرے لئے حجاب نہیں داؤد علیہ السلام نے کہا بخدا (قسم ہے خدا کی) تم تو ملک الموت (موت دینے والا فرشتہ

) معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ نے کمبل اوڑھا اور آپ کی روح قبض ہو گئی۔

(مسند احمد، شرح الصدور)

بوقت موت نیک و بد کی علامات

موت کے وقت بعض ایسی علامات پائی جاتی ہیں جن سے انسان کا پتہ چلتا ہے یہ نیک ہے یا بد ان علامات پر حدیث پاک شاہد ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ مرنے والے میں تین علامتیں دیکھو، اگر اس کی پیشانی پر پسینہ آئے، آنکھوں میں آنسو آئیں۔ اور نتھنے پھیل جائیں تو یہ اللہ کی رحمت ہے۔ اور اگر وہ اس طرح آواز نکالے جس طرح نوجوان اونٹ جس کا گلا گھونٹا گیا ہو۔ رنگ پھیکا پڑ جائے اور جھاگ ڈالنے لگ جائے تو یہ اللہ کے عذاب نازل ہونے کی علامات ہیں۔

(نوادر الاصول، حاکم شرح الصدور)

(۱) موت کے وقت مومن کی پیشانی پر پسینہ آنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ مومن کو بوجہ شدت موت کے پسینہ آجاتا ہے جو اس کی پیشانی پر نمودار ہوتا ہے اس کی وجہ سے اسے گناہوں سے آزادی ملتی ہے اور اس کے مدارج بلند ہوتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پسنہ آنے سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اس شخص نے دنیا میں مشقت برداشت کر کے پسینہ پسینہ ہو کر رزق حلال حاصل کیا اور اپنے نفس کو تنگی میں ڈال کر پسینہ پسینہ ہو کر نمازیں ادا کیں اور روزے رکھے یہی کام اللہ کو پسند ہیں اور اس کی مقبولیت کی علامات ہیں۔ جن سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے حضور نیک اعمال لے کر جا رہا ہے۔

(۲) آنکھوں میں آنسو آنا اس پر دلیل ہے کہ یہ شخص جب دنیا میں عبادات کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اس کے آنسو بہتے تھے۔ خیال رہے کہ آدم علیہ السلام توبہ کی قبولیت سے پہلے اتنا زیادہ روئے کہ اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی، تفسیر عزیزی میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی ان پر رونا آگیا اور انہوں نے بھی بارگاہ الٰہی میں آدم علیہ السلام کی سفارش اور شفاعت کی، تب رحمت الٰہی نے ان کی دستگیری کی اور ان کو رحمۃ للعلمین ﷺ کا نام یاد دلایا

اور اس نام گرامی کے طفیل توبہ قبول فرمائی۔

پانچ آدمی بہت روئے ہیں ایک تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ دوسرے حضرت یعقوب علیہ السلام جو یوسف علیہ السلام کے فراق میں بہت زیادہ روئے یہاں تک کہ آپ کی بینائی بھی چلی گئی۔ تیسرے حضرت یحیی علیہ السلام خوف الٰہی سے بہت زیادہ روئے چوتھے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جو حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد بہت زیادہ روئیں یہاں تک کہ آپ خود اپنی اس پریشانی کی حالت کو اپنے ہی الفاظ سے اس طرح بیان فرماتی ہیں۔

صبت علی مصائب لو أنھا ☆ صبت علی الأیام صرن لیا لیا

ترجمہ : مجھ پر اتنی مصیبتیں آگئیں کہ اگر وہ مصیبتیں دنوں پر آئیں تو دن بھی راتیں بن جائیں۔ نبی کریم ﷺ کے جمال کا مشاہدہ نہ کرنا یقیناً سیاہ راتوں سے آپ کے لئے کچھ کم نہ تھا۔

پانچویں زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ جیسا صابر کہاں ملے گا؟ جن کے سامنے، بھائی بچے، باپ اور کتنے ہی اقرباء و احباب شہید ہوئے ہوں، لیکن آپ نے بغیر جزع و فزع کے، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغولیت اور رونے میں مصروفیت رکھی۔

خیال رہے کہ یہاں تک بحث کہ پانچ حضرات زیادہ روئے تفسیر نعیمی (پ ا) سے اخذ کی گئی ہے لیکن میرے (مصنف) نزدیک حضرت مفسر قرآن مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ تعالیٰ سے سہو واقع ہوا ہے ورنہ چھٹی ہستی جن سے اللہ تعالیٰ کے خوف اور امت کے غم میں رونا ثابت ہے۔ وہ سید الانبیاء افضل الکائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

حدیث شریف ہے کہ حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

" اتیت رسول اللہ ﷺ وھو یصلی ولجوفہ ازیز کازیز المرجل "

کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نماز ادا فرما رہے تھے۔ آپ نے رونے کی وجہ سے اس طرح آواز آرہی تھی جیسے دیگ یا ہنڈیا سے جوش مارتے وقت آواز آتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے :

" قالت قام رسول الله ﷺ بآية من القرآن ليلة "
آپ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ساری رات کھڑے ہو کر ایک آیۂ کریمہ کی تلاوت کرتے رہے۔

اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو آیت آپ تلاوت فرما رہے تھے وہ ہے۔

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حضور عرض کیا تھا کہ اے مالک الملک اگر تو ان بندوں کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کی مغفرت فرما تو تو عزیز و حکیم ہے۔ آپ ﷺ اس آیت کی کیوں تلاوت فرماتے رہے۔ اس لئے کہ آپ کی وہ امت جس نے ایمان قبول کیا اس کی مغفرت اور رحمت اور امت سے عذاب کو اٹھا لینے کی دعاء کرنے کی غرض سے آپ اس آیت کریمہ کی تلاوت فرماتے رہے۔ بار بار اس لئے تلاوت کرتے رہے کہ آپ اس کے معنیٰ میں تفکر کرتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار اس کی عزت کے اسرار اور اس کی حکمت کے انوار میں غور وفکر فرماتے رہے۔

آپ ﷺ کے رونے اور ساری ساری عبادت میں گذارنے کی وجہ دوسری حدیث شریف میں دیکھی جائے۔ آپ فرماتے ہیں: " وثمرة فؤادي في ذكره وغمي لاجل امتي وشوقي الى ربي عزوجل " (شفاء شریف جلد اول فصل فی خوف النبی ﷺ)

میرے دل کی معرفت کا نتیجہ اللہ کے ذکر میں ہے، مجھے ہر وقت جو غم لاحق ہے وہ میری امت کا غم ہے اور میرے اعلیٰ مراتب میں میرا شوق میرے رب کی طرف ہے۔

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور امت کے غم کی وجہ سے جتنا نبی کریم ﷺ روئے اس کی بھی مثال نہیں ملتی۔ اس لئے یہ کہنا چاہیئے کہ جو شخص اس دنیا میں بہت زیادہ روئے۔ نبی کریم ﷺ اس امت کے غم میں رونا اور امت کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہنا کہ " اللہ میری امت کو جہنم کی آگ سے بچا اس کی بھڑکتی ہوئی آگ اور شدید حرارت سے میری امت کو محفوظ رکھ " اس مفہوم کو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ یوں بیان

فرماتے ہیں۔

اللہ رے کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا ☆ رو رو کے مصطفٰی نے دریا بہا دیئے ہیں

مومن کی بوقت موت تیسری علامت، نتھنے پھیل جانا

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خشیت و خوف کی وجہ سے اور رونے کی وجہ سے ناک سے سانس کی آواز نکلنے کی وجہ سے اس کی نتھنے پھولتے تھے وہی صورت موت کے وقت بھی ہوگئی کافر کی تینوں علامتیں (یعنی آواز نکالنا جیسے اونٹ کا گلا دبا دیا جائے تو ہو آواز نکالتا ہے اور رنگ پھیکا پڑ جانا اور منہ سے جھاگ نکالنا) عزرائیل کی خوفناک شکل کو دیکھ کر اس کے رعب اور ڈر کی وجہ سے ہوں گی۔

نیک روحوں کا ایک دوسرے سے ملاقات کرنا

طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت مسلمانوں کی روح قبض کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو جنت میں رہتے ہیں ملاقات کرتے ہیں اور آپس میں کہتے ہیں کہ اپنے دوست کو فرصت دو تاکہ یہ آرام کرے؛ کیونکہ وہ بڑی شدت و رنج میں ہوتا ہے۔ پھر پوچھتے ہیں فلاں شخص کیا کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ وہ شخص تو مجھ سے پہلے فوت ہو چکا ہے۔ تو وہ افسوس کرتے ہیں۔ اور ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے یقینی طور پر واضح ہو گیا کہ وہ دوزخ میں لے جایا گیا ہے (یعنی اگر وہ جنتی ہوتا تو ہمارے ساتھ اس کی ملاقات ضرور ہوتی۔ جب اس کی ملاقات نہیں ہوئی تو اس سے یقینی طور پر واضح ہو گیا کہ وہ دوزخ میں ہے)

(شرح الصدور . تذکرہ الموتی والقبور)

ایک روایت میں ہے کہ اگر کسی شخص کا بیٹا پہلے فوت ہو چکا ہو۔ تو جب اس کے باپ کی روح جاتی ہے تو بیٹے کی روح اس کا استقبال کرتی ہے۔ جیسے کہ غائب شخص کے آنے پر اس کا استقبال کیا جاتا ہے۔

(شرح الصدور، تذکرہ الموتی والقبور)

اہل علم کا فوت ہونے والوں کے ذریعے فوت شدہ کی طرف سلام بھیجنا

صحابہ کرام رضوان اللہ عیلھم اجمعین کا ایمان تھا کہ جو شخص اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اس سے ان حضرات کی ملاقات ہو گی جو اس دنیا سے پہلے رخصت ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے فوت ہونے والے کے خدمت میں عرض کیا جاتا کہ ہمارا اسلام فلاں ہستی کو پہنچانا۔ اس مسئلہ کا دارومدار ہی روحوں کے ملنے پر ہے۔

حضرت محمد بن منکدر (جو بہت بڑے مشہور تابعین سے ہیں، بہت بڑے عالم، زاہد اور عابد ہیں) سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں: " دخلت علی جابر بن عبداللہ وھو بموت فقلت اقرأ علیٰ رسول اللہ ﷺ السلام "

(رواہ ابن ماجہ مشکواۃ باب ما یقال عند من حضرہ الموت)

کہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (دونوں باپ بیٹا جلیل القدر صحابہ کرام سے ہیں) کے پاس ان کی وفات کے وقت قریب حاضر ہوا تو میں نے انہیں کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس میرا سلام پیش کرنا۔

یعنی مقصد یہ تھا کہ تم اب دنیا سے تشریف لے جا رہے ہو تمہاری ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہو گی، ملاقات ہونے پر آپ کی خدمت عالیہ میں میرا سلام پیش کرنا۔

اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علامہ محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خالدہ بنت عبداللہ بن انیس سے حدیث بیان فرمائی۔

" قالت جاء ت ام انیس بنت ابی قتادہ بعد موت ابیھا بنصف شھر الیٰ عبد اللہ بن انیس وھو مریض فقالت یا عم اقرأ ابی السلام "

حضرت خالدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ام انیس بنت ابی قتادہ اپنے باپ کی وفات کے پندرہ دنوں بعد حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوتی ہیں جب کہ مرض الموت میں تھے، تو انہوں نے کہا کہ اے چچا جی میرا سلام میرے باپ کی خدمت میں پیش کرنا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا موت پر خوش ہونا

حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر وفات کا وقت قریب ہوا تھا تو آپ کی زوجہ نے آپ کو قریب الموت دیکھ کر پیشانی کے عالم میں کہا "واحزناہ "کتنا ہی افسوس ہے! کہ آپ دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا : "وا طرباہ القی غدا الاحبة محمدا وصحبه" کتنی ہی خوشی کا مقام ہے کہ میں اس دنیا سے جا رہا ہوں کل اپنے مہربانوں، احباب سے ملاقات ہو گی۔

یعنی حبیب پاک ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے ملاقات ہو گی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بھی اپنی موت پر خوش ہونا صرف اسی وجہ سے تھا کہ روحوں کی ملاقات ہوتی ہے۔ تو میری ملاقات نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے ہو گی، یہ میرے لئے کتنی خوشی کا مقام ہو گا۔

(شفا شریف جلد ثانی باب علامات محبت)

کروں تیرے نام پہ جاں فدا ، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

ایک عورت کا نبی کریم ﷺ کے شوقِ ملاقات پر جان قربان کرنا

ایک عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ آپ مجھے نبی کریم ﷺ کی قبر انور سے پردہ اٹھا کر بلا حجاب دکھا دو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے مزار انور سے اس عورت کی خاطر پردہ اٹھا دیا۔ اس نے جبھی آپ کے مزار پر انوار کو بلا حجاب دیکھا تو رونے لگی۔ روتے روتے آپ پر جان قربان کر دی۔ اس کے رونے کی وجہ کو ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"حتی ماتت ای حزنا علی فراقه او شوق إلی لقائه"

وہ عورت وہیں نبی کریم ﷺ کے فراق کے غم میں اور آپ کے ساتھ ملاقات کرنے کے شوق میں فوت ہو گئی۔ سبحان اللہ ! محبت کا عالم کیا ہی تھا۔

(وفاء شریف جلد باب علامة محبت)

ایک عورت کی نبی کریم ﷺ کی ملاقات کی شاندار الفاظ میں تمنا!

حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رات کو رعایا کے حقوق کی حفاظت اوران کے احوال کی خبر گیری کے لئے نکلے تو آپ نے ایک گھر میں چراغ جلتا ہوا دیکھا اور اندازہ ہوا کہ گھر میں ایک عورت صوف دھننے کا کام کررہی ہے۔ ساتھ یہ کہہ رہی ہے۔

علی محمد صلوۃ الابرار　　صلی علیه الطیبون الاخیار
قد کنت قواما بکاء بالاسحار　　یالیت شعری والمنا یا اطوار
هل تجمعنی وحبیبی الدار　　تعنی النبی ﷺ المختار

(وفاء شریف جلد ثانی باب علامات محبت)

نبی محترم محمد مصطفیٰ ﷺ پر نیک لوگوں کی صلوات اور آپ پر نیک بزرگ لوگوں کے درود پاک ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بہت زیادہ قیام کرنے والے تھے اور سحری کے وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں اور امت کے غم میں بہت زیادہ رونے والے ہیں، میرا علم و شعور ہمہ وقت آپ کی تمنا میں ہی رہتا ہے۔ کیا کبھی موت آئے گی۔ جو مجھے اور میرے حبیب پاک نبی کریم ﷺ کو ایک دار میں جمع کردے۔ یعنی کاش کہ موت آجائے اور نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لئے مشتاق ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار تھے تو وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد میرے جنازہ کو نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارکہ کے سامنے رکھ کر عرض کرنا کہ یہ ابو بکر ہے جو آپ کے قریب دفن ہونے کی تمنا کرتا ہے اگر وہاں سے اجازت ہو جائے تو مجھے وہاں دفن کردینا اور اگر اجازت نہ ملے تو پھر مجھے جنت البقیع میں دفن کردینا۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا جنازہ نبی کریم ﷺ کے مزار پر انوار کے سامنے رکھ کر یہی عرض پیش کردی گئی۔ وہاں سے ہمیں ایک آواز آئی بظاہر کلام کرنے

والا کوئی آدمی نظر نہیں آرہا لیکن آواز آئی کہ اعزاز واکرام کے ساتھ اندر لے آؤ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے مجھے اپنے سرھانے بٹھا کر کہا کہ جن ہاتھوں سے آپ نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا ہے ان ہاتھوں سے مجھے بھی غسل دینا اور خوشبو لگانا، اور مجھے اس حجرہ کے قریب لے جانا جس میں نبی کریم ﷺ آرام فرما ہیں یعنی جہاں آپ کی قبر مبارک ہے۔ پھر اجازت طلب کرنا، اگر اجازت مانگنے پر حجرہ کا دروازہ کھل جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان بقیع میں دفن کر دینا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنازے کی تیاری کے بعد سب سے پہلے میں آگے بڑھا اور میں نے جا کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ ابو بکر ہیں جو آپ کے پاس دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں۔ تو میں نے دیکھا ایک دم حجرہ کا دروازہ کھل گیا اور ایک آواز آئی :

" ضموا الحبیب الی الحبیب " دوست کو دوست کے ساتھ ملا دو۔

(خصائص کبریٰ، فضائل حج)

اس سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشتاق تھے کہ آپ کو میرے پاس پہنچا دو۔ کیونکہ میں آپ کا شدت سے منتظر ہوں۔ ساتھ ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ سے ملاقات کے انوار سے مستفیض ہونا چاہتے تھے۔

کافروں کی موت کیسے واقع ہوئی ہے ؟

کافروں کی موت اور روح کو نکالتے وقت ان کے اعمال کی جزاء کے طور پر ان کو دی جانے والی سزا ملاحظہ کریں اور عبرت پکڑیں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کتنا شدید ہوتا ہے ؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ وَلَوْ تَرٰى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ☆ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ☆ ﴾

اور کبھی تو دیکھے فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں ان کے منہ پر ان کی پیٹھ پر مار رہے ہیں اور (کہہ رہے ہیں) آگ کا عذاب چکھو۔ یہ اس کا بدلا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

یعنی فرشتوں کا کافروں کی جان نکالتے وقت ان کے چہروں اور پیٹھوں کو مارنا ...... معاذ اللّٰہ ...... یہ اللہ تعالی کی طرف سے کوئی ظلم نہیں بلکہ یہ ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے اور ان کے اعمال کی ان کی جزاء مل رہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب موت کے فرشتے برے شخص یعنی کافر کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں۔

" اخرجی ایتها النفس الخبیثة اخرجی ذمیمة والبشری بحمیم وغساق و آخر من شکله ازواج"

(ابن ماجه مشکواة شریف)

اے خبیث روح نکل جا! تو خبیث جس میں تھی بڑے برے طریقے سے ذلیل ہو کر نکل! تجھے گرم کھولتے ہوئے پانی کی بشارت ہو۔ اور جہنمیوں کی پیپ کی اور اس طرح کے مختلف عذابوں کی۔

موت کے فرشتے بڑی درشتی سے ناپاک روح کو نکلنے کا حکم دیں گے، ساتھ ہی اسے قیامت میں شدید عذابات کے اندر مبتلاء ہونے کی بشارت بھی دیں گے۔ شدید گرم کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا۔ دوزخیوں کے زخموں سے بہنے والی پیپ ایک دوسرے کو پلائی جائے گی۔ وہ اس طرح کی بدبو دار ہو گی کہ اگر اس کا ایک قطرہ مشرق میں ڈالا جائے تو مغرب والے اس کی بدبو کو محسوس کریں۔

عزرائیل علیہ السلام اس روح کو ایسے کھینچتے ہیں جس طرح گرم میخ گیلی پشم سے کھینچتے ہیں۔ ملک الموت جب روح کو قبض کرتے ہیں تو دوسرے فرشتے اس ناپاک، بدبو دار روح کو ٹاٹ میں لپیٹ کر آسمانوں پر لے جائیں گے تو دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اس طرح اس کی توہین و تذلیل ہو گی۔ کیونکہ ملائکہ جب اس روح کو لے جائیں گے اور آسمان پر پہنچیں گے، اس کے لئے دروازہ کھولنے کی درخواست کریں گے تو پوچھا جائے گا یہ کون

شخص ہے، یہ بتائیں گے کہ یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے تو جواب ملے گا یہ ناپاک جسم کی ناپاک روح کا یہاں آنا اچھا نہیں۔ ہم اس کو خوش آمدید نہیں کہتے۔ روح کو براہ راست خطاب ہوگا۔ اے بری روح آج تیرے لئے دروازے نہیں کھولے جاسکتے۔ آسمان سے واپس چلی جا اور قبر میں پہنچ جا۔ اس طرح یہ اسفل السافلین میں قید رہے گی۔

بخلاف مومن کی روح کے کہ وہ زمین و آسمان کے ملکوت میں سیر کرے گی۔ جہاں سے چاہے جنت کے پھل حاصل کرے گی۔ عرش کے نیچے قندیلوں (لالٹین)...... جن کی حقیقی کیفیت اللہ ہی بہتر جانتا ہے...... کے ساتھ قرار پکڑے گی۔

" ولها تعلق بجسده ايضا تعلقا كليا بحيث يقرأ القرآن فى قبره ويصلى و يتنعم و ينام كنوم العروس وينظر إلىٰ منازله فى الجنة بحسب مقامه ومرتبته فامر الروح احوال البرزخ والآخرة كلها على خوارق العادات فلا يشكل شىء عنها على المؤمن بالآيات "

(مرقاۃ باب مایقال عند من حضرہ الموت)

مومن کی روح کا جسم سے تعلق کامل طور پر قائم رہتا ہے یہاں تک کہ وہ انسان اپنی قبر میں قرآن پڑھتا ہے۔ نعمتیں اس کو حاصل ہوتی ہیں۔ دلہن کی طرح آرام سے وہ سوتا ہے وہ جنت میں اپنے مرتبہ و مقام کے مطابق منازل و مدارج کو دیکھتا ہے۔ روح کے معاملات۔ برزخی حالات تمام کے تمام عادت کے خلاف ہوتے ہیں لیکن مومن کے لئے ان کو سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں اس لئے اس پر کئی علامات شاہد ہیں۔

کافر کی روح کو سختی سے نکالنا

ابو یعلی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کافر کی موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملک الموت (حضرت عزرائیل علیہ السلام) کو حکم دیتا ہے کہ میرے دشمن کی طرف جاؤ اور اس کو میرے پاس لاؤ، میں نے دنیا میں اس کو وسیع رزق عطا کیا ہوا تھا اور اپنی نعمتوں سے اس کو راحت عطا کر کے سرفراز کیا ہوا تھا، لیکن اس نے سوائے نافرمانی کے اور کچھ نہ کیا۔ تو اس کو لے آ، تاکہ میں اس سے انتقام لوں۔ تو ملک

الموت اس کے پاس بہت بری شکل میں جاتے ہیں کہ اس نے اس سے پہلے اتنی بری شکل کبھی نہ دیکھی تھی اور اس کے ساتھ کثیر تعداد میں اور فرشتے بھی ہوتے ہیں جن کے پاس آگ کا دھواں اور آگ کے کوڑے ہوتے ہیں۔ اور خود ملک الموت کے پاس ایک سیخ ہوتی ہے جو آگ کی طرح گرم اور خاردار، کھردری ہوتی ہے۔ اسے ملک الموت سیخ اس طرح مارتا ہے کہ اس کا ہر ایک ایک کانٹا اس کے جسم میں پیوست ہو جاتا ہے پھر اس کو بڑے زوردار طریقے سے کھینچتا ہے جس کے درد و الم سے وہ اللہ کا دشمن بے ہوش ہو جاتا ہے اور دوسرے فرشتے اس کے منہ اور پیٹھ پر کوڑے مارتے ہیں۔ پھر اس کی روح کو اس کی کمر تک کھینچتا ہے پھر اس کے سینہ تک اور پھر حلق تک پھر وہ فرشتے دوزخ کی آگ اور دھواں اس کی ٹھوڑی کی نیچے پہنچاتے ہیں اور پھر ملک الموت کہتا ہے۔

" اخرجی ایتھا النفس اللعینۃ الملعونۃ الیٰ سموم وحمیم و ظل من یحموم لابارد ولا کریم "

اے ملعون روح نکل آ ! گرم پانی کی طرف اور دھوئیں کے سایہ کی طرف۔ جو نہ ٹھنڈا ہے اور نہ ہی نفع مند۔

جب ملک الموت روح قبض کرتے ہیں تو روح، جسم سے کہتی ہے اللہ تعالیٰ تجھے سزا دے تو گناہوں کی طرف جلدی کرنے والا تھا اور نیکیوں کی طرف دیر کرتا تھا۔ تو خود تو ہلاک ہو گیا لیکن مجھے بھی تو نے ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔ جسم بھی یہی فریاد روح سے کر رہا ہوگا۔ غرضیکہ جسم روح کو موردِ الزام ٹھہرا رہا ہوگا اور روح جسم کو۔ وہ خبیث زمین کے جس حصہ میں گناہ کرتا تھا وہ زمین کا حصہ اس پر لعنت کرتا ہے اور ابلیس کا لشکر ابلیس کو خوش خبری دیتا ہے کہ ہم نے اس کو دوزخ میں گرا دیا ہے۔

(تذکرۃ الموتیٰ والقبور)

کافر کے لئے " موت " عذاب اور مومن کے لئے راحت ہے

الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر ۔ دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن موت کو اپنے لئے راحت سمجھتا ہے کہ اسے قید خانہ سے آزادی مل

رہی ہے ۔ وہ اس طرح خوشی سے جاتا ہے جیسے جیل سے کسی کو رہائی مل جائے ، یا کسی شخص کی سزائے موت کو ختم کر دیا جائے۔ وہ ہنستا ہوا اس طرح جاتا ہے جس طرح کوئی دوست ، دوست کو ملنے جاتا ہے ، لیکن کافر کے لئے تو دنیا ہی جنت ہے ۔ آخرت میں تو اس کے لئے عذاب ہی عذاب ہے۔ اس لئے اس کے لئے موت تو ایسے ہے جیسے کسی کو قید کیا جارہا ہو۔ پھانسی کے تختہ کی طرف لے جایا جارہا ہو۔ کیونکہ جس طرح جبراً کسی کو جلاء وطن کیا جائے تو جو حال اس کا ہوتا ہے وہی حال کافر کا موت کے وقت ہوتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی شاہد ہے۔

" من اراد لقاء اللہ اراد اللہ لقاء ہ و من کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاء ہ "

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا ارادہ رکھتا ہو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند رکھتا ہو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتا۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ مومن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے موت پر خوش ہوتا ہے کافر جب رب تعالیٰ کو ملنا ہی پسند نہیں کرتا تو موت کو بھی اپنے لئے عذاب سمجھتا ہے۔

غمراتِ موت

ارشاد خداوندی ہے :

﴿ وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِکَۃُ بَاسِطُوْا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْا اَنْفُسَکُمْ ﴾

اور اگر تم اس وقت کو دیکھتے جب ظالم لوگ سختیوں میں موت کی ہونگے اور فرشتے پھیلائے ہوں گے ہاتھ اپنے (کہیں گے) اپنی جانیں نکالو۔

جہاں تک موت کے وقت تکلیف کا تعلق ہے وہ تو ہر مرنے والے شخص کو حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن کافروں پر شدت ہوگی ان کو ذلت ورسوائی بھی حاصل ہوگی۔ مومنوں کو صرف ظاہری تکالیف ہوں گی لیکن تعظیم و تکریم سے ان کی روحوں کو نکالا جائے گا۔ جس طرح کسی کا اپریشن کیا جائے تو وہ شخص اس تکلیف کو بعد میں حاصل ہونے والی راحت کی وجہ کچھ محسوس نہیں کرتا۔

شہادت کے حصول کی خوشی میں جنگ میں حاصل ہونے والے زخموں کو مومن خاطر میں نہیں لاتا۔ یہی حال مومن کی موت کا ہے، باوجود موت کی تکالیف کے اسے کوئی شدت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ اس کے سامنے عظیم مقصد دیدارِ الٰہی و دیدارِ مصطفیٰ ﷺ ہوتا ہے۔

"غمرة" کسی چیز کی کثرت اور عظمت کو کہتے ہیں آیۂ کریمہ میں جو کافروں کی موت کے ذکر میں "غمراتِ موت" کا تذکرہ ہے اس سے مراد موت کی شدتیں اور بوقتِ موت کفار کی ذلت مراد ہے۔

" قال ابن عباس ملائكة العذاب باسطوا ايديهم يضربونهم ويعذبونهم "

کفار کی موت کے وقت عذاب کے فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوں گے ان کو مار رہے ہوں گے اور ان کو عذاب دے رہے ہوں گے۔

جس طرح کسی شخص نے کسی سے قرض لینا ہو تو وہ اسے گریبان سے پکڑ کر شدت سے جنجھوڑ کر نہایت کرخت انداز میں اس کو ذلیل کرتے ہوئے اپنے حق کا مطالبہ کرے۔ یہی حال فرشتے کفار سے کریں گے ان کو ذلیل کرتے ہوئے مارتے ہوئے، عذاب دیتے ہوئے کہیں گے۔ اور عام محاورہ کے مطابق جس طرح کسی سے کوئی چیز سختی سے اس کو ذلیل کرتے ہوئے چھین لی جائے اور کہا جائے "ادھر دو مجھے"۔ بس یہی حال کفار کا ہوگا۔ فرشتے سختی سے جان نکالتے وقت کہیں گے ادھر اپنی جان ہمارے حوالے کرو۔

(از تفسیر کبیر)

سکرات موت اور کراماً کاتبین

﴿ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ☆ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ☆ وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ☆﴾
(۵۰/۱۷۔۱۹)

جب (اس کے اعمال کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (ان میں سے) ایک دائیں جانب اور (دوسرا) بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے۔ وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک

نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار ہوتا ہے اور آپہنچی موت کی بے ہوشی سچ مچ (اے نادان) یہ ہے وہ جس سے تو دور بھاگا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہر انسان کے جمیع احوال سے خود بخود آگاہ ہے۔ لیکن اس نے اپنی حکمت کے پیش نظر اس کے لئے دو فرشتے مقرر کر دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک اس کے دائیں جانب بیٹھا رہتا ہے اور دوسرا بائیں جانب۔ عبارت میں ذرا غور فرمایئے عن الیمین اور عن الشمال جار مجرور ہیں اور قعید کے ساتھ متعلق ہیں۔ قعید، متلقیان کا بدل ہے۔ (معنوی لحاظ سے) اصل عبارت یوں ہوئی عن الیمین قعید و عن الشمال قعید۔ لیکن آخری قعید پر اکتفاء کیا گیا اور عن الیمین کے ساتھ صراحۃً قعید کی ضرورت نہ رہی۔ یعنی انسان جس وقت بھی کوئی لفظ بولتا ہے وہ دونوں فرشتے فوراً اسے لکھ لیتے ہیں۔ "رقیب" نگہداشت کرنے والا "عتید" الحاضر المھیا۔ یعنی جو ہر وقت حاضر و مستعد ہو۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا کہ انسان کی کوئی بات اور اس کی کوئی حرکت ایسی نہیں جس پر وہ فرشتے مطلع نہ ہوں۔ اس سے جس قسم کا فعل جس وقت صادر ہوتا ہے وہ فرشتے اسے فوراً ریکارڈ کر لیتے ہیں۔ قیامت کے روز جب انسان پرسش اعمال کے لئے بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جائے گا تو سب کچھ جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم دیں گے کہ اس شخص کے دفاتر اعمال کو بطور دستاویز ثبوت پیش کیا جائے گا۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن کی اختراع نے ثابت کر دیا کہ انسان کی آواز کو ہو بہو مقید کرنے کے لئے قدرت نے ہر جگہ ٹیپ لگائے ہیں جب بھی اللہ تعالیٰ چاہے گا انسان کو ہو بہو اس کی آواز بعینہ اس کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرا دے گا اور اس میں انکار کی ہمت نہ ہو گی۔ یہاں تک تو علم انسانی کی رسائی ہو چکی ہے، لیکن فرشتے ہمارے زندگی کے ڈرامہ کو جس خوبی اور دقت سے محفوظ کر رہے ہیں اس کا اندازہ کرنا اس دنیا میں ہمارے لئے بہت مشکل ہے البتہ سائنس کے ان انکشافات کے بعد "عقلِ حیلہ جُو" کو انکار کی ہمت نہیں رہی۔

موت کی سختی اور شدت کو سکرۃ الموت کہتے ہیں یعنی جب انسان مرنے کے قریب ہوتا ہے، اس پر جان کنی کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو اس وقت حقیقت حال عیاں ہو جاتی ہے جو لوگ آج تک انکار اور نافرمانی کی روش پر گامزن رہے تھے وہ اپنی آنکھوں سے آنے والے جہاں کا

مشاہدہ کرنے لگتے ہیں اور دوزخ کے لپکتے ہوئے سرخ شعلے انہیں نظر آنے لگتے ہیں۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ عالم آخرت جس سے تم منہ موڑ رہے اور جس کو تسلیم کرنے سے گریز کرتے رہے، اب یہ حق اور سچ بن کر تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اس وقت کیا تم اس کا انکار کرنے کی جرأت کر سکتے ہو۔

(تفسیر ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ)

(۲) ﴿ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ ☆ كِرَاماً كَاتِبِيْنَ ☆ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ☆ ﴾

تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں۔ جو معزز ہیں (حرف بحرف) لکھتے ہیں۔ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

یعنی ہم نے ایسے فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو تمہارے جملہ اعمال کی یاداشت تیار کر رہے ہیں۔ ہمارے یہ کارندے جن کو یہ اہم کام تفویض کیا گیا ہے معمولی قسم کے اہلکار نہیں بڑے بزرگ اور بلند پایہ حضرات ہیں۔ نہ انہیں رشوت دی جاسکتی ہے نہ انہیں مرعوب کیا جاسکتا ہے اور نہ تمہارے اعمال کو ضبط تحریر میں لانے میں وہ کاہلی کر سکتے ہیں۔ نہ ان کی کسی سے ذاتی دوستی ہے اور نہ عداوت، جو کچھ تم کرتے ہو، بلا کم و کاست وہ حرف بحرف لکھ رہے ہیں، ان کا علم ادھورا اور ان کی معلومات ناقص نہیں۔ تمہاری ہر بات، تمہارا کام بلکہ اس کے پس پردہ تمہارے جذبات اور نیتیں ہیں۔ وہ ان سے بھی باخبر ہیں۔ تم خود غور کرو ایسے غیر جانبدار، دیانتدار اور ہر بات سے خبر دار تمہارے اعمال کا جو ریکارڈ تیار کریں گے ان کو تم کس طرح جھٹلاؤ گے۔

(ضیاء القرآن فی تفسیر القرآن)

موت کے وقت کم از کم تکلیف

حضرت شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے موت کی تکلیفوں کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ موت کی آسان تر تکلیف کی مثال یہ ہے کوئی شخص کانٹے دار شاخ کو اون میں ڈالے اور پھر اسے کھینچے تو اس شاخ کے ساتھ اون بھی نکل آئے گی۔

(ابن ابی الدنیا، شرح الصدور)

ابن ابی الدنیا سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کے بیٹے نے ان سے کہا کہ اے ابا جان آپ کہا کرتے تھے کہ کوئی عقلمند آدمی مجھے

نزع کے عالم میں مل جائے تو میں اس سے موت کے حالات دریافت کروں۔ تو آپ سے زائد عقلمند کون ہوگا۔ برائے مہربانی اب آپ ہی مجھے موت کے حالات بتایئے! آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اے بیٹے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے دونوں پہلو ایک تخت پر ہیں۔ اور میں سوئی کے سوراخ کے برابر سے سانس لے رہا ہوں اور ایک کانٹے دار شاخ میرے قدم کی طرف سے سر کی جانب کھینچی جارہی ہے یہ ہی حدیث ابن سعد نے عوانہ ابن الحکم سے روایت کی ہے۔

(ابن ابی الدنیا ، شرح الصدور)

حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ " موت " دنیا و آخرت کی ہولناکیوں میں سب سے زائد ہولناک ہے۔ یہ آروں کے چیرنے سے ، قینچیوں کے کاٹنے سے ، ہانڈیوں کے ابالنے سے زائد ہے۔ اگر مردہ زندہ ہو کر موت کی تنگی لوگوں کو بتادیتا تو ان کی عیش و عشرت اور نیند ختم ہو جاتیں۔ ابن ابی الدنیا نے ایسی ہی روایت وھب بن منبہ سے بھی کی ہے۔

(ابن ابی الدنیا ، شرح الصدور)

مردہ کو زندہ کر کے موت کی تلخیوں کے بارے میں سوال

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے واقعات بیان کیا کرو، کیونکہ ان میں عجب عجب باتیں ہوئی ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت قبرستان میں گئی اور انہوں نے مشورہ کیا کہ دو رکعت پڑھ کر خدا سے دعاء کرنی چاہیئے کہ وہ کسی مردہ کو زندہ کر دے، جو ہم کو حالات بتائے، چنانچہ انہوں نے اسی پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ اچانک ایک سیاہ شخص نمودار ہوا۔ اس کی پیشانی پر سجدوں کے نشانات تھے۔ اس نے کہا کہ اے لوگو تم نے مجھے پریشان کیا، مجھے مرے ہوئے سو سال ہوئے ہیں لیکن موت کی تکالیف ابھی تک محسوس کر رہا ہوں، اب تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے (بغیر تکلیف کے) پہلی حالت پر لوٹا دے۔ اس قسم کی حدیث احمد نے عمر بن حبیب سے روایت کی

(ابن ابی شیبہ وغیرہ شرح الصدور)

ہر ہر رگ میں موت کا درد محسوس ہوتا ہے

حضرت سلیمان سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام ایک قریب الموت انصاری کی عیادت

کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا محسوس کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ بہتر ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ میرے پاس دو فرشتے آئے ہیں ایک سیاہ اور دوسرا سفید۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے تمہارے قریب کونسا ہے؟ انہوں نے کہا کہ سیاہ میرے قریب ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ خیر (نیکی) کم ہے اور شر زیادہ۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ مجھے اپنی دعا سے سرفراز فرمائیں۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ اس کی زیادہ برائیوں کو معاف فرمادو اور تھوڑی نیکیوں کو مکمل فرماؤ۔ پھر آپ نے پوچھا، اب کیا دیکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یارسول اللہ اب تو بھلائی کو بڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور برائی کو ختم ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب سیاہ فرشتہ دور ہو چکا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: کہ تمہارا کونسا عمل ایسا عمل ہے جس پر بہتر جزاء کی امید کی جاسکے۔ عرض کیا کہ میں پانی پلاتا تھا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی موت کے وقت لاحق ہونے والی تکالیف کا ذکر اسی طرح فرمایا کہ اس شخص کو جو تکلیف ہو رہی ہے میں اسے جانتا ہوں۔ اس کی کوئی رگ ایسی نہیں جو موت کا درد محسوس نہ کرتی ہو۔

(طبرانی، شرح الصدور)

رسول اللہ ﷺ پر سکرات موت اور کیوں؟

حضور ﷺ پر سکرات موت اتنی دشوار تھیں کہ کبھی آپ کا رنگ سرخ ہو جاتا اور کبھی زرد۔ کبھی آپ اپنے دائیں ہاتھ مبارک سے اور کبھی دوسرے ہاتھ مبارک سے اپنے رخسار پر انوار سے پونچھتے جاتے تھے۔

(مدارج النبوت جلد ثانی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وفات کی تکلیف دیکھنے کے بعد میں کسی آسانی سے مر جانے پر رشک نہیں کروں گی۔ امام بخاری نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔

(ترمذی شریف)

حضور ﷺ کو موت کی شدت اس لئے ہوئی کہ قیامت میں آپ کی امت کے لئے آسانی ہو کہ ہر مردہ مرتے وقت تکلیف پا کر خیال کرے کہ یہ تکلیف بھی سنت رسول اللہ ﷺ ہے اس خیال

سے اس کے لئے یہ تکلیف راحت بن جائے گی ورنہ حضور ﷺ کے صدقہ سے آپ کے بعض غلاموں کو سکرات موت نہیں ہوئی۔ نہایت آسانی سے جان نکلتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ شہید کی جان کنی ایسی ہوتی ہے جیسے چیونٹی کا کانٹا۔ حضور ﷺ کی تکلیف فقر و فاقہ امت کے نمونہ بننے کے لئے ہیں حضور ﷺ کے امتی بھی آپ کے صدقہ سے بڑے آرام سے زندگی گذارتے ہیں

(نعیمی پ ۷)

سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کو بے قراری اس وجہ سے تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لئے بہت ہی زیادہ خواہش مند تھے ؛ اسی لئے آپ یہ عرض کررہے تھے :

" اللھم بالرفیق الاعلیٰ "

اے اللہ! مجھے اپنے آپ سے ملالے ! کیونکہ سب سے اعلیٰ تو ہی رفیق ہے۔

(ماخوذ از مدارج النبوۃ)

نبی کریم ﷺ کا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو وفات کی خبر دینا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی ازواج (مطہرات) آپ کے پاس تھیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی طرف متوجہ ہوئیں جن کی چال نبی کریم ﷺ کی چال سے مختلف نہیں تھی (یعنی آپ کا چلنا نبی کریم ﷺ کے چلنے کے مشابہ تھا) جب نبی کریم ﷺ نے آپ کو دیکھا تو فرمایا اے میری بیٹی مرحبا (خوش آمدید) پھر آپ نے انہیں اپنے پاس بٹھالیا اور ان سے آہستگی میں کوئی گفتگو فرمائی (آپ وہ سن کر) بہت شدید روئیں۔ جب آپ نے ان کو غمناک دیکھا تو دوسری مرتبہ پھر آپ سے آہستہ کوئی کلام فرمایا تو وہ مسکرانے لگیں ۔ نبی کریم ﷺ کی مجلس سے اٹھ جانے کے بعد میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا بات تھی جو نبی کریم ﷺ نے تمہارے ساتھ فرمائی تو انہوں نے کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کا راز افشاء نہیں کر سکتی۔ جب نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو میں نے کہا کہ میں تمہیں اپنے اس حق جو میرا تم پر ہے...... کی قسم دلا کر کہتی ہوں...... تم مجھے وہ خبر بتاؤ (آپ نے جس حق کی طرف اشارہ کیا، اس سے مراد آپ کا ماں ہونا اور حضرت فاطمۃ الزہرا کا بیٹی ہونا ہے)۔

تو حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا نے کہا ٹھیک ہے اب میں بتا سکتی ہوں۔ جب نبی کریم ﷺ نے پہلی مرتبہ میرے ساتھ آہستہ کلام فرمایا اس میں آپ نے مجھے بتایا کہ جبرائیل نے اس مرتبہ

میرے ساتھ دو مرتبہ دور کیا جبکہ وہ اس سے پہلے ہر سال ایک مرتبہ قرآن پاک کا دور فرماتے تھے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ میری وفات کا وقت قریب آگیا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرنا۔ میرا پہلے جانا تمہارے لئے بہتر ہے۔ (یہ سن کر) میں رونے لگی۔ جب آپ نے میری پریشانی کو دیکھا تو دوسری مرتبہ آپ نے میرے ساتھ آہستہ گفتگو فرمائی اور فرمایا کہ اے فاطمہ کیا تو نہیں چاہتی کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہو یا راوی کو شک ہے کہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں کہ کیا تو نہیں چاہتی کہ تو مسلمانوں کی عورتوں کی سردار ہو (مقصد دونوں کا ایک ہے کیونکہ مسلمانوں کی عورتوں نے ہی جنت میں جانا ہے)

دوسری روایت میں یہی خبر آپ نے مرض وصال میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو خبر دی اور اس کے متعلق حضرت فاطمہ فرماتی ہیں کہ میرے ساتھ آہستہ کلام فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں (بیماری کی وجہ سے) اسی تکلیف میں دنیا سے جارہا ہوں تو میں رونے لگی۔

"ثم سارنی فاخبرنی انی اول اهل بیته اتبعه فضحکت"

پھر دوسری مرتبہ آپ نے مجھے آہستہ یہ ارشاد فرمایا کہ تمام اہل بیت میں سب سے پہلے میری ملاقات آپ سے ہوگی آپ کے پیچھے پیچھے میں نے جانا ہے تو میں ہنسنے لگی۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب فضائل اهل النبی ﷺ)

حدیث شریف سے واضح ہو رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے دو مرتبہ کلام فرمایا ایک دفعہ صحت میں اور ایک مرض وصال میں اور آپ نے انہیں دو بشارتیں دیں۔ ایک جنتی عورتوں کی سردار ہونے کے متعلق اور دوسرا نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد تمام خاندان نبوی میں سب سے پہلے آپ کا دنیا سے تشریف لے جانا۔ اور نبی کریم ﷺ سے ملاقات کرنا۔

نبی کریم ﷺ کا اپنی زوجہ مطہرہ حضرت زینب کی وفات کی خبر دینا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" اسرعکن لحاقا بی اطولکن یدا قالت فکن یتطاولن ایتهن اطول یدا قالت

فکانت اطولنا یدا زینب لا نھا کانت تعمل بیدھا و تصدق "

(مسلم شریف جلد ثانی فضائل زینب ام المومنین)

کہ تم میں سے سب سے پہلے مجھے وہ ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ تمام ازواج مطہرات ایک دوسرے کے ہاتھ کسی کانے وغیرہ سے ناپتی تھیں کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں؟ ازواج مطہرات نے ظاہری لمبے ہاتھ سمجھے تھے۔اس طرح تمام سے لمبے ہاتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے تھے۔ لیکن زینب اپنے ہاتھوں سے کسب کر کے مال حاصل کر کے صدقہ دینے میں سب سے زیادہ فوقیت رکھتی تھیں۔ سخاوت کے لحاظ سے ان کے ہاتھ لمبے تھے، جب تمام ازواج مطہرات سے پہلے ان کی وفات ہوئی تو سب کو معلوم ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ نے لمبے ہاتھوں سے مراد کیا لیا تھا؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یلغار کی خبر

(اور حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم)
(کی قبروں کی قدرتی نشاندہی)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک دن اپنے گھر میں وضوء کیا اور پھر گھر سے نکلا۔ خیال کیا کہ آج سارا دن میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہی گذاروں گا۔ وہ فرماتے ہیں اسی ارادہ سے میں مسجد میں آیا، نبی کریم ﷺ کے متعلق پوچھا کہ آپ کہاں ہیں تو صحابہ کرام نے بتایا کہ آپ اس جانب تشریف لے گئے ہیں میں بھی اسی سمت چل پڑا آپ کے متعلق پھر آ کر سوال کیا، اس طرح معلوم ہوا کہ آپ بئرِ اریس (کنویں کا نام) میں ہیں۔ یعنی جس باغ میں بئر اریس ہے اس میں داخل ہو گئے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں دروازے پر نبی کریم ﷺ کی انتظار کرنے لگا۔ دروازہ کھجور کی چھڑیوں کا بنا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے (کیونکہ آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تھے) اور آپ نے وضوء فرمایا پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، آپ بیر اریس پر آکر بیٹھ گئے، آپ اس طرح تشریف فرما تھے کہ آپ کوئیں کے درمیان میں اپنے پنڈلیوں سے کپڑا ہٹا کر، پاؤں مبارک کوئیں میں لٹکا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے

آپ کے خدمت میں حاضر ہونے پر سلام پیش کیا۔ پھر میں وہاں سے واپس باغ کے دروازے پر آگیا، خیال کیا کہ آج میں نبی کریم ﷺ کا دربان بن کر رہوں گا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر تشریف لے آئے، دروازے کو دھکیلا، میں نے کہا: کون؟ آپ نے فرمایا میں ابو بکر ہوں۔ میں نے عرض کیا ٹھہر جائیں میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا، یارسول اللہ ابو بکر آئے ہیں اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اجازت دے دو اور انہیں جنت کی بشارت بھی دے دو۔ پھر میں نے آکر حضرت ابو بکر کو کہا اندر آجائیں، آپ کو رسول اللہ ﷺ جنت کی بشارت دے رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر اندر تشریف لائے اور کوئیں پر نبی کریم ﷺ کی دائیں جانب نبی کریم ﷺ کی طرح ہی پاؤں کو لٹکا کر پنڈلیوں کو ننگا کر کے بیٹھ گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں پھر واپس آکر دروازہ پر بیٹھ گیا۔

حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں جب گھر سے چلا تھا اپنے بھائی کو وضوء کرتے ہوئے چھوڑا تھا اب خیال کر رہا تھا کاش کہ اللہ تعالیٰ کی ان پر بھی مہربانی ہوتی کہ آج وہ نبی کریم ﷺ کی اس رحمت سے فائدہ اٹھاتے۔ اسی خیال میں ہی تھا کہ کسی شخص نے دروازے کو حرکت دی۔ میں نے کہا کون، انہوں نے کہا میں عمر بن خطاب ہوں میں نے کہا ٹھہر جایئے میں پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا یارسول اللہ عمر آئے ہیں اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انہیں اجازت دے دو اور جنت کی بشارت بھی دے دو، پھر میں حضرت عمر کے پاس آیا، عرض کیا آپ کو اجازت ہے اور نبی کریم ﷺ آپ کو جنت کی بشارت بھی دے رہے ہیں۔ حضرت عمر اندر آگئے اور نبی کریم ﷺ کی دوسری جانب کوئیں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔

آپ کہتے ہیں پھر میں دروازے پر آکر بیٹھ گیا پھر ارادہ یہی کر رہا تھا کہ اللہ کرے میرا بھائی بھی آجائے۔ یہاں تک کہ ایک اور شخص نے آکر دروازہ کو حرکت دی۔ میں نے کہا کون اس نے کہا میں عثمان بن عفان ہوں۔ میں نے کہا ٹھہر جایئے میں نے نبی کریم ﷺ کو آکر خبر دی، آپ نے فرمایا انہیں اجازت دے دو اور جنت کی بشارت دے دو اور انہیں جو "بلویٰ" (مصیبت و دکھ) پہنچے گا اس کی خبر دے دو (یعنی مصائب کی یلغار میں مبتلاء ہوں گے)۔ آپ کہتے ہیں میں نے

واپس آکر حضرت عثمان کو خبر دی کہ آپ اندر داخل ہو جائیں، نبی کریم ﷺ جنت کی بشارت دے رہے ہیں ساتھ ساتھ مصائب کی یلغار میں مبتلا ہونے کی خبر بھی دے رہے ہیں۔ آپ کہتے ہیں حضرت عثمان اندر داخل ہو گئے کوئیں کی جس جانب نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے وہ پر ہو چکی تھی جگہ نہ ہونے کہ وجہ سے دوسری جانب سامنے بیٹھ گئے۔ حضرت شریک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن میسّب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے اس سے قبروں کی طرف اشارہ سمجھا

(مسلم شریف جلد ثانی باب فضائل عثمان رضی اللہ عنہ)

حدیث پاک سے جو یہ سمجھ رہا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دربان تھے ۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ہمیشہ معمول نہیں تھا بلکہ ممکن ہے کہ حضرت اشعری خود اپنی مرضی اور خدمت گذاری کے ارادہ سے دربان بنے ہوں اور پھر اس بشارت کے ارادہ سے ان کی اس خدمت کو بر قرار رکھا ہو یا خود نبی کریم ﷺ نے اسی مقصد کے لئے دربان بننے کا حکم دیا ہو۔

اور فائدہ یہ حاصل ہوا کسی نیک کام میں اپنے بھائی یا رشتہ داروں کی شرکت کی تمنا سنت صحابہ کرام ہے جیسا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بار بار خواہش کر رہے تھے کہ کاش میرے بھائی بھی آجائیں اور نبی کریم ﷺ کی وسعت رحمت سے فائدہ حاصل کر لیں۔

اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ تینوں صحابہ کرام کے بیٹھنے کے انداز سے ان کی قبروں کی طرف اشارہ تھا یعنی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دونوں کا نبی کریم ﷺ کی جانب بیٹھنا اس طرف اشارہ تھا کہ ان دونوں کو مقام آپ کے پہلو میں حاصل ہو گا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سامنے بیٹھنا اشارہ تھا کہ ان کو سامنے یعنی مسلمانوں کے عام قبرستان بقیع میں جگہ حاصل ہو گی۔

اور نبی کریم ﷺ نے جس طرف اشارہ فرمایا کہ تمہیں مسلمانوں کے عام قبرستان بقیع میں جگہ حاصل ہو گی۔ اور نبی کریم ﷺ نے جس طرح خبر دی کہ تمہیں بلوی میں مبتلاء ہونا پڑے گا یعنی مصیبتوں کے انبار ہوں گے۔ ظالمین کی یلغار ہو گی۔ ایسے حال میں تم نے شہادت حاصل کرنی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی حرف بحرف سچا ثابت ہوا۔

نبی کریم ﷺ کا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دینا

حضرت ام فضل کا اسم گرامی لبابہ ہے۔ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔ عورتوں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد ایمان قبول کرنے والی ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں یہ روایت کرتی ہیں کہ وہ ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ بہت ہی برا خواب رات کو دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ بہت ہی برا ہے۔ آپ نے پھر فرمایا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یارسول اللہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ " آپ کے جسم کا ٹکڑا کٹ کر میری گود میں آگیا ہے"۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ تو بہت مبارک خواب ہے کیونکہ انشاء اللہ حضرت فاطمہ کا ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تمہاری گود میں آئے گا۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا تولد ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق میری گود میں آگئے۔ اس کے بعد میں ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بچے کو آپ کی گود میں رکھا۔ کچھ دیر بعد میں نے توجہ کی تو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ آپ کہتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں، باپ آپ پر قربان ہوں آپ کو کیا ہوا؟ تو آپ نے فرمایا:

" اتانی جبرائیل علیہ السلام فاخبرنی ان امتی تقتل ابنی فقلت ھذا قال نعم واتانی من تربة حمراء "

(مشکوۃ فضائل اھل بیت)

کہ میرے پاس جبرائیل امین علیہ السلام آئے انہوں نے مجھے خبر دی کہ بے شک میری امت کے لوگ اس میرے بیٹے کو شہید کر دیں گے۔ میں نے کہا اس کو آپ نے کہا ہاں۔ اور وہ میرے پاس سرخ مٹی بھی لائے ہیں۔

یوم شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کا خون جمع کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک دن دوپہر کو سوتے ہوئے نبی

کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے بال مبارک بکھرے ہوئے، غبار آلود ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے میں عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ یہ کیا ہے آپ نے فرمایا۔

" هذا دم الحسين واصحابه ولم ازل التقطه منذ اليوم فاحصى ذالك الوقت فاجد قتل ذالك الوقت "

(مشکواۃ فضائل اهل البیت)

کہ یہ امام حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے۔ میں آج یہی خون ہی جمع کر تا رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ وقت یاد کر لیا کہ آج کون سی تاریخ ہے اور کونسا دن ہے کونسا وقت ہے ؟ بعد میں جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کی شہادت ملی تو پتہ چلا کہ یہ وہی وقت تھا جس میں نبی کریم ﷺ سے میری ملاقات ہوئی ۔ آپ پریشان حال، میدان کربلا کی گرد و غبار سے آلودہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کی اصحاب کے خون کو جمع کر رہے تھے۔

ممکن ہے کہ وہ آپ ﷺ نے رب تعالیٰ کے دربار میں پیش کرنا ہو کہ اے اللہ یہ میری امت کے ظالموں کا کارنامہ ہے۔



فصل چہارم :

روح قبض ہونے کے بعد کے مسائل و حالات

مسئلہ :- جب انسان فوت ہو جائے اس کے جبڑے باندھ دیئے جائیں اور آنکھیں بند کر دی جائیں اس لئے کہ منہ اور آنکھوں کا کھلا رہنا بد صورت بناتا ہے لھذا مسلمان کا بعد از وفات بھی کسی کے نزدیک حقیر ہونا رب تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ لہذا منہ اور آنکھیں بند کر دی جائیں تاکہ یوں معلوم ہو کہ بندہ سویا ہوا ہے آنکھیں بند کرنے والا شخص یہ دعا پڑھے۔

" **بِسْمِ اللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ وَسَهِّلْ عَلَيْهِ مَابَعْدَهٗ وَسَعِّدْهُ بِلِقَائِكَ وَاجْعَلْ مَا خَرَجَ اِلَيْهِ خَيْرًا مِمَّا خَرَجَ عَنْهُ** "

(در مختار)

حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابو سلمۃ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت کے قریب ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے۔ ان کی نظر کھڑی ہو چکی تھی۔ تو حضور نے ان کی آنکھیں بند کر دیں اور فرمایا :

" **ان الروح اذا قبض تبعه البصر فضح ناس من اهله فقال لا تدعوا علىٰ انفسكم الا بخير فان الملائكة يؤمنون على ماتقولون** "

کہ روح کو جب قبض کر لیا جاتا ہے تو نظر اس کا پیچھا کرتی ہے اس کے اہل و عیال رو رہے ہوتے ہیں پھر آپ نے فرمایا جب تمہارا کوئی شخص فوت ہو تو اس کا اچھے الفاظ سے تذکرہ کرو کیونکہ ملائکہ اس پر آمین کہتے ہیں جو بھی تم کہتے ہو پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو سلمہ کے لئے یہ دعا فرمائی۔

" **اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِىْ سَلْمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِى الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِى عَقِبِهٖ فِى الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهٗ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِىْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْلَهٗ فِيْهِ** "

(مسلم ، مشكوٰة باب ما يقال عند من حضره الموت)

اے اللہ ابو سلمۃ کی مغفرت فرما اور ان کے درجات بلند فرما ان لوگوں میں جن کو تو نے ہدایت

عطا فرمائی (یعنی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام میں سبقت رکھنے والے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کرنے والے) اور ان کا بہتر جانشین بنا۔ اے رب العلمین ان کی اور ہماری مغفرت فرما۔ ان کی قبر کو کشادہ فرما اور ان کی قبر کو منور فرما۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کیا تم دیکھتے نہیں کہ انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کی نظر ایک جگہ کھڑی ہو جاتی ہے ہم نے کہا ہاں ! یا رسول اللہ ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کی نظر اس کا پیچھا کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ جو چیز اس کو پہلے نظر نہیں آ سکتی تھی اب اس کو دکھا دے۔ دعاء کرتے وقت انسان کو چاہیئے کہ وہ دعاء میں وسعت کو پیش نظر رکھے جیسے نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو سلمۃ کے لئے دعا کرتے ہوئے اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے دعا فرمائی اور کہا واغفرلنا (ہماری مغفرت فرما) فوت شدہ انسان کے لئے بد دعاء نہ کی جائے اگر وہ اس بد دعا کا مستحق نہ ہوا تو اس کی بد دعاء اسی کی طرف لوٹ آئے گی۔

مسئلہ :- فوت ہونے پر انسان کے تمام اعضاء کو سیدھا کر دیا جائے اور اس کے پیٹ پر لوہے کی کوئی چیز رکھ دی جائے تاکہ اس کا پیٹ سوج نہ جائے۔ اس کے پاس خوشبو وغیرہ سلگا دی جائے اور قرب و جوار کے لوگوں کو اس کی موت کی اطلاع دی جائے۔ اگر فوت ہونے والا عالم، نیک بزرگ ہو تو بازاروں میں اور ارد گرد جہاں تک ممکن ہو اعلان کرایا جائے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس کے جنازے میں شریک ہو کر سعادت حاصل کریں۔ حیض و نفاس والی عورتیں اور جنبی شخص میت سے دور رہیں اس کے قرب سے نکل جائیں۔

(کتب فقہ)

قریب الموت انسان کا ایک جگہ نظر لگا کر دیکھنا کیوں ؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص جنت یا جھنم اپنا مقام دیکھے بغیر دنیا سے رخصت نہیں ہوتا، پھر آپ نے فرمایا کہ جب وہ مرنے کے قریب ہوتا ہے تو فرشتوں کی دو صفیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ان کے چہرے آفتاب کی طرح چمکتے

ہیں تو مردہ ان کو دیکھتا ہے، دوسرے لوگ نہیں دیکھ سکتے تم یہ سمجھتے ہو کہ شاید مرنے والا شخص تمہاری طرف دیکھ رہا ہے۔ ہر فرشتے کے پاس جنتی کفن اور خوشبوئیں ہوتی ہیں اگر مرنے والا شخص مومن ہو تو فرشتے اس کو جنت کی بشارت دے کر کہتے ہیں کہ اے مطمئن نفس اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی جنت کی طرف نکل آ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے وہ انعامات رکھے ہیں جو دنیا وما فیھا سے بہتر ہیں فرشتے نہایت ہی نرمی اور مہربانی سے اس کو یہ خوشخبریاں سناتے ہیں اور پھر یکے بعد دیگرے ہر ناخن اور ہر جوڑ سے اس کی روح نکال لیتے ہیں اور یہ اس پر آسان ہوتا ہے اگرچہ اسے سخت سمجھتے ہو۔ یہاں تک کہ روح ٹھوڑی تک پہنچ جاتی ہے اب وہ جسم سے نکلنے کو اس سے زائد برا جانتی ہے جتنا کہ بچہ اپنی ماں کی رحم سے نکلنے کو اچھا نہیں سمجھتا تو فرشتے آپس میں جھگڑتے ہیں کہ کون اس کی روح کو اٹھانے کا شرف حاصل کرے۔ آخر کار ملک الموت اس کو لے لیتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی :

" قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ "

یعنی آپ کہہ دیجیے کہ تمہیں وہ ملک الموت وفات دیتے ہیں جس کو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔

ملک الموت اسے سفید کپڑوں میں لے کر اپنی گود میں ایسا دباتے ہیں کہ ماں بھی اپنے بچہ کو اتنی محبت سے نہیں دباتی ، پھر اس سے مشک سے بہتر خوشبو نکلتی ہے جسے فرشتے سونگھتے ہیں، اور کہتے ہیں : اے پاک روح اور اے پاک خوشبو! "خوش آمدید" ۔ اور اس کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو بشارت دیتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھلتے ہیں جس دروازہ پر پہنچتا ہے اس کے فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں یہاں تک کہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوتا ہے تو وہ ارشاد فرماتا ہے : اے پاک نفس اور اے پاک جسم جس سے نکل کر آئی ہے "خوش آمدید" ۔ اور جب خدا تعالیٰ کسی کو مرحبا کہتا ہے۔ تو کائنات کی ہر چیز مرحبا کہتی ہے۔ اور اس کی تمام تنگی دور ہوتی پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس نفس کو جنت میں لے جا کر اس کی قیام گاہ دکھاؤ اور اس کو تمام وہ نعمتیں دکھاؤ جو میں نے اس کے لئے تیار کی ہیں۔ اور پھر اسے زمین کی طرف لے جاؤ کیونکہ میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں ان کو زمین سے پیدا کروں گا، زمین میں داخل کروں گا۔ اور پھر زمین سے ہی لوٹاؤں گا۔ پس اب وہ روح زمین کی طرف جانے کو جس

سے نکلنے سے بھی زیادہ برا سمجھے گی اور پوچھے گی کہ کیا اب تم مجھ کو پھر اس جسم کی طرف لے چلے ہو جس سے میں نے چھٹکارا حاصل کیا ہے؟ فرشتے کہیں گے کہ ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے۔ وہ فرشتے اس روح کو اتنی دیر میں واپس لے آئیں گے جتنی دیر میں لوگ جس کے غسل و کفن سے فارغ ہوں گے۔ پھر اس روح کو اس کے جسم اور کفن میں داخل کریں گے۔

(ابن مردویہ ابن مندہ . شرح الصدور)

خیال رہے! کہ مومنین کی روحوں کو اعلیٰ علیین میں رکھا جائے گا۔ البتہ روح کا تعلق قبر میں جسم سے ہوگا یا برزخی حالت میں جس کے ذرات جہاں کہیں بھی ہوں گے ان سے بھی روح کا تعلق ہوگا۔ جسم کی طرف زمین میں روح کے لوٹانے کا یہی مطلب ہے۔

حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کا موت کے بعد کلام کرنا

حضرت ربعی سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم چار بھائی تھے اور میرا بھائی ربیع ہم سے زیادہ روزہ اور نماز کا پابند تھا۔ اس کا انتقال ہو گیا۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ) ہم لوگ اس کے ارد گرد تھے کہ اچانک اس نے کپڑا اٹھا کر کہا السلام علیکم۔ ہم نے کہا۔ وعلیکم السلام۔ پھر ہم نے کہا کیا موت کے بعد بھی سلام؟ یعنی ہمیں ان کے سلام پر تعجب ہوا کہ موت کے بعد سلام کیسے؟ اس نے کہا جی ہاں ۔ موت کے بعد سلام کیا جاتا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ میں نے اپنے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی جو مجھ پر خوش اور راضی تھا تو اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا اور استبرق کا لباس زیب تن کرایا۔ سنو ابو القاسم (محمد ﷺ) نماز کے لئے میرے منتظر ہیں۔ جلدی کرو۔ پھر وہ یہ کہہ کر حسب معمول خاموش ہو گئے۔

یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میری امت میں ایک شخص مرنے کے بعد بھی کلام کرے گا۔ ابو نعیم کہتے ہیں یہ حدیث مشہور ہے۔ بیہقی نے اس حدیث کو دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی صحت میں کوئی شک نہیں ۔

(ابو نعیم ، شرح الصدور)

میت کے دفن کی تیاری جلدی کی جائے

" ویسرع فی جهازه لما رواه ابو داؤ عنه ﷺ لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال ما اری طلحة إلا قد حدث الموت فاذا مات فآذنونی حتی اصلی علیه وعجلوا به فانه لا ینبغی لجیفة مسلم ان تحبس بین ظهرانی اهله "

(فتاوی شامی)

میت کے کفن دفن کی تیاری جلدی کی جائے کیونکہ ابو داؤد شریف میں نبی کریم ﷺ سے حدیث شریف روایت کی گئی ہے۔ کہ آپ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے اور واپس ہوتے فرمایا کہ طلحہ کی وفات کا وقت اب قریب آگیا ہے اس لئے جب یہ فوت ہو جائیں تو مجھے مطلع کرنا تاکہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھ سکوں۔

اور ان کے کفن و دفن کی تیاری جلدی کرنا اس لئے کہ کسی مسلمان کی لاش کو اس کے اہل و عیال کے پاس زیادہ دیر رکھنا مناسب نہیں۔

مسئلہ :- بعض اوقات انسان سکتہ وغیرہ کی مرض میں مبتلاء ہوتا ہے یا اس طرح بے ہوش ہوتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص فوت ہو چکا ہے حالانکہ وہ زندہ ہوتا ہے اس لئے کم از کم اتنی تاخیر ضرور کی جائے جس سے اس کی موت کا یقین ہو جائے۔

(فتاوی شامی)

نبی کریم ﷺ کی تدفین میں تاخیر کیوں ؟

رسول اللہ ﷺ کی وفات روز دو شنبہ (پیر کے دن) ہوئی اور روز سہ شنبہ (منگل کا دن) پورا گزر گیا اور آپ کا تخت شریف آپ کے گھر میں رہا اور لوگ نماز (دعاء) پڑھتے رہے اور آپ کو شب چہار شنبہ (بدھ کی رات) کو دفن کیا گیا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی علالت سے پہلے لوگوں کو اپنی وفات کی خبر دے دی تھی، لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو کون غسل دے گا فرمایا میرے اہل بیت میں سے وہ جو میرے زیادہ قریب ہوگا۔ لوگوں نے دریافت کیا کن کپڑوں میں ہم آپ کو کفن دیں گے۔ فرمایا ان کپڑوں میں جو زیب تن کئے ہوئے ہوں، یا مصری کپڑوں

میں یا یمانی چادروں میں یا سفید کپڑوں میں ....

(آپ کو یمنی دھاریدار چادروں میں کفن دیا گیا) سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

لا ہو مکھ تھیں مخطط بُردِ یمن ☆ من بھانوری جھلک دکھاؤ سجن
اوھو مٹھیاں گالیں الاؤ مٹھن ☆ جو حمراء وادی سن کریاں

یعنی اپنے چہرہ مبارک سے دھاریدار یمنی چادر اتاریں، اے میرے پیارے محبوب ﷺ میری پسندیدہ جھلک دکھاؤ۔ (نورانی چہرہ کی زیارت کراؤ) وہی پیاری پیاری باتیں میرے میٹھے محبوب میرے ساتھ کرو جو مقامِ حمراء میں اپنے دیدار سے مشرف فرما کر آپ نے کی تھیں۔

.... مطلب یہ کہ جو بھی میسر ہو ۔ پھر لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ پر کون نماز پڑھے؟ یہ کہہ کر سب رونے لگے اور خود حضور پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ حضور اکرم نے فرمایا، صبر کرو جزع فزع نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے اور تمہارے گناہوں کو بخشے اور میری قبر کے پاس اس حجرے میں چھوڑ دینا اور کچھ عرصہ کے لئے میرے پاس سے باہر چلے جانا سب سے پہلے جو میری نماز جنازہ پڑھے گا وہ میرے دوست جبرئیل امین ہوں گے۔ پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت عزرائیل ملائکہ کے گروہ کے ساتھ۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ سب سے پہلے جو مجھ پر نماز پڑھے گا میرا رب ہے اس کے بعد یہ فرشتے جن کا ذکر ہوا ۔اس کے بعد تم فوج در فوج آنا اور نماز پڑھنا۔ اور مجھ پر فریاد اور نوحہ نہ کرنا اور نماز کی ابتداء میرے اہل بیت کریں۔ اس کے بعد اہل بیت کی عورتیں اس کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ قبر شریف میں آپ کو کون اتارے گا۔ فرمایا۔ میرے اہل بیت فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ جو ان کو دیکھتے ہوں گے۔ اور وہ انہیں نہ دیکھ سکیں گے۔

(مدارج النبوۃ جلد ثانی)

مسئلہ :- میت کو غسل دیا جائے پھر اس کے قریب قرآن پاک پڑھا جائے۔ بہتر صورت یہ ہی ہے۔ اگرچہ غسل نہ دینے کی صورت میں بھی میت کے قریب قرآن پاک پڑھنے میں حرمت

نہیں تاہم بہتر نہیں۔ خیال رہے کہ یہ صورت نتیجۂ ذکر کی ہے کیونکہ فقہاء کرام کی اس میں طویل بحثیں ہیں۔

مسئلہ :- میت کی چارپائی جس طرح اس کی وفات کے قریب رکھنے کا حکم تھا اسی طرح وفات کے بعد بھی حکم ہوگا۔ یعنی ہمارے ملک میں چارپائی شمالاً، جنوباً رکھے اور منہ قبلہ کی جانب کر لیا جائے۔ یا چارپائی شرقاً غرباً، رکھی جائے۔ پاؤں قبلہ کی جانب ہوں۔ اور منہ بھی قبلہ کی جانب ہوگا۔ اسی قیاس کے مطابق فرق اندازہ کر لیا جائے جہاں قبلہ شریف شمال یا جنوب یا مشرق کی طرف ہے۔ چونکہ ہمارے علاقہ میں مغرب کی جانب ہے اس کا طریقہ بیان کر دیا گیا۔ قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا منع ہے لیکن دو صورتیں بیان کی جاچکی ہیں یعنی ایک وفات سے تھوڑا پہلے دوسری۔ وفات کے بعد، تیسری صورت یہ ہے کہ جب مریض انسان بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو بلکہ اس نے لیٹ کر نماز ادا کرنی ہو تو پاؤں قبلہ کی طرف کر کے پیچھے سہارا لگا کر نماز ادا کرے تاکہ منہ قبلہ کی طرف رہے۔

والد مکرم نے وفات سے دو دن قبل چارپائی کا رخ تبدیل کرا لیا

بندہ ضعیف سراپا تقصیر کا خاندان بفضلہ تعالیٰ علماء و صلحاء پر مشتمل رہا۔ میرے مکرم والد قاضی عبد العزیز بھترالوی، حطاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بیماری کے ایام میں وفات سے دو دن پہلے ارشاد فرمایا کہ میری چارپائی شمالاً جنوباً کر دی جائے کیونکہ اس طرح دروازہ سامنے ہوگا روشنی آئے گی، آپ جس کمرہ میں سوتے تھے اس کا دروازہ مغربی جانب تھا پہلے آپ کی چارپائی شرقاً غرباً تھی آپ کا سر مغرب کی جانب اور پاؤں مشرق کی جانب ہوا کرتے تھے۔ وفات سے پہلے دن آپ نے دھلے ہوئے کپڑے پہن لئے۔ آپ کی وفات تین رمضان المبارک بروز جمعہ سحری کے وقت ہوئی جب کہ آپ نے بدھ کے دن سے گاؤں کے ملاقات کرنے والے حضرات کو کہنا شروع کر دیا مجھے جمعہ کو ظہر کے وقت ضرور دفن کر دینا "عبد الرزاق" (راقم الحروف) کی انتظار نہ کرنا وہ نہیں پہنچ سکے گا۔ میں اس وقت لاہور حزب الاحناف میں پہلے سال کا مدرس تھا اور محلہ کرشن نگر کھوکھر روڈ کی ایک مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ چونکہ

ہمارے گاؤں سے راولپنڈی تک پہنچنے کے لئے اس وقت کئی گھنٹے صرف ہوتے تھے اگرچہ سفر صرف بتیس میل ہے لیکن ذرائع آمدورفت مخدوش حالت میں تھے۔ سڑک کچی تھی صرف دو بسیں تھی کبھی سفر ان سے مکمل ہوتا اور کبھی راستہ میں خراب۔ کبھی راستہ میں کیچڑ میں پھنسی ہوئی ہیں۔

گاؤں کے لوگ سن کر حیران ہوتے تھے کہ استاذ جی ابھی تک ہشاش بشاش ہیں کہ یہ جمعہ جو آرہاہے اس کی ظہر کو مجھے دفن کرنا۔ یہ کہتے کیا ہیں؟ ایک دن درمیان میں ہے۔ ایسی بیماری ہے نہیں کہ ایک دن میں چل بسیں ۔ لیکن ایسے ہی ہوا کہ جمعہ کو ہی سحری کے وقت ہمارے پڑوسی راجہ محمد نواز (مرحوم) کو بلوالیا اور میری والدہ مکرمہ اور ہمشیرہ کو پردہ کرنے کی وجہ سے دوسرے کمرے میں بھیج دیا اور کلمہ شریف از خود ہی پڑھ رہے تھے۔ والد مکرم سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ تعالی کے مرید تھے۔ وفات سے چند لمحات پہلے چارپائی سے اٹھ کر پاؤں نیچے کر کے عرض کرنے لگے میرے حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ تعالی وہ آگئے حضرت جی آپ نے کیوں تکلیف کی ؟ آپ وہاں ہی کھڑے ہو جائیں میں آپ کے قدموں میں آرہا ہوں۔ یہی کہتے ہوئے پھر چارپائی پر پیچھے آگئے، کلمہ شریف پڑھتے ہوئے۔ اللہ تعالی کا یہ مقبول بندہ صاحب علم و زہد و تقوی، اپنے پیر کا مرید خاص، نیاز مند اپنے بیٹے کو تازندگی روگ لگا کر دنیا سے حیات جاودانی کی طرف کوچ کر گیا۔

تاریخ وفات ۱۴ نومبر ۱۹۶۹ء۔

آپ کے ارشاد کے مطابق ہی گاؤں کے لوگوں نے آپ کو جمعہ کے دن ظہر کے وقت ہی نماز جنازہ ادا کر کے دفن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ انتظام کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں ہفتہ کے دن صبح کی نماز گاؤں کے باہر ہی ادا کر کے گاؤں سے باہر ہی قبرستان میں قبر کی زیارت کر کے روتے ہوئے گھر پہنچا۔ باربار خیال آرہا تھا میں کتنا بد نصیب ہوں کہ اپنے والد مکرم کے جنازے میں نہیں شریک ہو سکا۔ میری کسی نے انتظار کیوں نہیں کی؟ لیکن سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہی تھا۔ والد مکرم کی وصیت کے مطابق عمل ہو رہا تھا۔ شریعت مطہرہ کے مطابق تجہیز و تکفین جلدی ہو گئی۔

وفات کی خبر ملنے پر کیا کرے

وفات کی خبر پر ﴿ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ﴾ (تحقیق ہم واسطے اللہ کے ہیں اور تحقیق ہم طرف اس کے لوٹنے والے ہیں) پڑھے۔ اللہ تعالیٰ نے صابرین کے لئے بشارت دینے کا حکم فرمایا اور صابرین کی شان بیان کی کہ جب ان کو مصیبت پہنچے تو وہ انا للّٰہ الخ پڑھتے ہیں۔ یعنی وہ بجائے بے قراری اور ناشکری کے یہ کہتے ہیں کہ ہم خود اپنے جان و مال کے مالک نہیں بلکہ۔ انا للّٰہ۔ اللہ کی ملک اور اسی کے قبضہ میں ہیں ہر چیز اسی کی ہے اگر مالک اپنی چیز لے لے تو بندہ کو کیا شکایت، نیز اس کا مصیبت بھیجنا ہمارے حق میں مصلحت اور حکمت ہے جیسے مہربان طبیب بد ہضمی میں کھانے سے روکتا اور پھر بہتر دوا دیتا ہے یا اولاً کڑوی دوائیں پلاتا ہے جس سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ہی ہمارا رب اس کا اچھا بدلہ فرمائے گا۔ اگرچہ یہاں بدلہ نہ بھی ملے تو کیا وانا الیہ راجعون۔ ہم تو اسی کی طرف رجوع کریں گے۔ وہ جس میں راضی ہم بھی اس میں راضی، اس کی رضاء بہترین جزاء ہے ...... یا ...... یہ کہ ہم آخرت میں وہاں پہنچیں گے جہاں کسی کا کھٹکا اور خطرہ نہ ہو گا اور بلاواسطہ ہر طرح اس کے قبضہ میں ہوں گے یقیناً جو کچھ صبر پر وعدے فرمائے گئے ہیں وہاں سب ملیں گے اور وہاں کی بخشش کے مقابل یہاں کی مصیبت کی کوئی حقیقت نہیں۔

فائدہ :-

دنیا مصیبتوں کی جگہ ہے، یہاں آرام کی طلب بیکار ہے۔ ان مصیبتوں میں چند فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر مصیبتیں نہ ہوں تو انسان خدائی کا دعوی کر بیٹھے۔ دیکھو فرعون نے راحت پاکر دعویٰ خدائی کیا اور دریا کی مصیبت دیکھ کر آواز دی کہ میں رب موسیٰ و ہارون پر ایمان لاتا ہوں۔

دوسرے یہ کہ اس میں کھرے کھوٹے کی پہچان ہے کہ کون نفس کا پجاری ہے اور کون رب کا۔ ہر حال میں راضی بہ رضاء رہنے والا کھرا ہے اور دینوی انقلابات سے پھسلنے والا کھوٹا۔

تیسرے یہ کہ بغیر بھٹی کی آگ اور کاریگر کے ہتھوڑے کے نہ تو میلا لوہا صاف ہو سکتا ہے اور نہ سونا سج دھج کر محبوب کے گلے میں آنے کے قابل، سونا اگرچہ خود قیمتی ہے اور ریشمی کپڑا اگرچہ

خود نفیس مگران دونوں کو وصال جب ہی ہو گا جب سنار کی بھٹی اور درزی کی مشین کی مصیبتیں برداشت کرلیں گے۔ ایسے ہی گناہگار کی صفائی اور نیک کار کی رب تعالیٰ تک رسائی بغیر مصائب ناممکن ۔اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ مصیبت بقدر رتبہ ہوتی ہے۔

چوتھے یہ کہ آخرت میں نہ تو سب جنت کے قابل ہیں اور نہ تمام دوزخ کے لائق، پھر جنت بھی ایک درجہ نہیں۔ مصیبتوں ہی کے ذریعہ ہر شخص اپنے اپنے درجہ میں پہنچے گا۔

پانچویں یہ کہ مصیبتوں ہی کے ذریعہ کوئی بھی رب پر طرفداری کا الزام نہیں لگا سکتا۔ ورنہ کوئی گستاخ کہہ سکتا تھا کہ ہم پر ظلم اور دوسروں کی طرفداری ہوئی۔

چھٹے یہ کہ مصیبتوں کی برکت سے دنیا سے دل سرد ہوتا ہے اور آخرت کی خواہش رب کی طلب، جنت کی قدر حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ :

مصیبت کے وقت اناللہ ضرور پڑھنی چاہیے حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ چراغ گل ہونے، نعلین کا تسمہ ٹوٹ جانے اور ہاتھ پر پھانس لگ جانے پر بھی انا للہ الخ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ بھی مصیبت ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضور یہ تو معمولی باتیں ہیں۔ فرمایا کہ کبھی معمولی بات بھی بڑی ہو جاتی ہے۔

(در منشور ، عزیزی وغیرہ)

"انا للہ" پڑھنے میں عقلی اور نقلی بہت فائدے ہیں۔

۱- طبرانی اور بیہقی میں ہے کہ انا للہ ہماری ہی امت کو ملا۔ اس سے پہلے پیغمبروں کو بھی عطاء نہ ہوا۔ دیکھو یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے غم میں یَآ اَسفٰی عَلٰی یُوْسُفَ (ہائے افسوس یوسف پر) تو فرمایا مگر "انا للہ" نہ کہا۔

۲- نیز بیہقی میں ہے کہ جس میں چار باتیں ہوں اس کا گھر جنت میں ہے ایک یہ کہ ہر کلام میں رب سے التجا کرے دوسرے یہ کہ مصیبت پر اناللہ پڑھے تیسرے یہ کہ نعمت پر الحمد للہ

پڑھے چوتھے یہ کہ گناہ پر استغفر اللّٰہ پڑھے۔

۳- احمد اور بیہقی نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب پرانی مصیبت یاد آئے تب بھی انا للّٰہ پڑھے تو نئے صبر کا ثواب پائے گا۔

۴- جو شخص مصیبت پر انا للّٰہ پڑھے تو رب تعالیٰ ثواب کے علاوہ یا تو گئی ہوئی نعمت واپس فرماتا ہے یا اس سے بہتر بدلہ۔ (عزیزی و کبیر وغیرہ)

۵- انا للّٰہ پڑھنے سے رب کی طرف دھیان ہو جاتا ہے جس سے اس کا غم غلط ہو جاتا ہے کیونکہ دھیان کا بٹنا بھی تکلیف کو ہلکا کر دیتا ہے۔

۶- انا للّٰہ کا مضمون نہایت نفیس ہے جیسا کہ مذکورہ بالا تفسیر سے واضح ہو رہا ہے کہ اگر ہمارا فلاں قرابت دار مر گیا تو ہمیں بھی یہاں نہیں رہنا۔ ہم بھی اللہ کی ملک میں ہیں جب چاہے بلالے اور اسی کی طرف جانے والے ہم بھی ہیں تو ہم دوسروں کو کیا روئیں اپنی فکر کریں۔

شعر

ہم دیکھیں جگجات (جارہا) ہے اور دیکھے ہم جائیں
ہم خود بیٹھ راہ پر اوروں کو پچھتائیں

یا یہ کہ ہم اور ساری چیزیں اللہ کی امانت ہیں مالک اپنی امانت لے لے تو اس پر غم کیسا؟ یا یہ کہ ہم اللہ کے بندے ہیں وہ ہمارا رب ہے رب کے ہر کام میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔ اس میں بھی صدہا حکمتیں ہوں گی۔ جیسے کہ کڑوی دوا کا انجام شفاء ہے اور پرہیز کا انجام صحت ہے۔ ایسے ہی اس مصیبت کا انجام بھی بہت عمدہ ہوگا۔ ان مضامین سے ان شاء اللّٰہ غم ہلکا پڑ جائے گا۔

۷- انا للہ پڑھنے سے شیطان مایوس ہو جاتا ہے اور اس کو وہاں سے بھاگنا ہی پڑتا ہے اور ہائے وائے کہنے میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے۔

۸- " انا للّٰہ " سن کر دوسرے بھی اس کی پیروی کرتے ہیں اور صابرین کے دفتر میں نام لکھاتے ہیں۔

۹- جو زبان سے انا للّٰہ کہتا ہے اس کے دل میں اچھا اعتقاد اور رضاء بالقضاء پیدا ہوتی ہے۔

۱۰- مصیبت سے انسان کا ہوش اڑ جاتا ہے ممکن ہے کہ اس حالت میں کچھ غلطی کر بیٹھے انا للہ سے

ہوش ٹھکانے آتے ہیں۔ حالت درست ہوتی ہے۔

(تفسیر نعیمی پ ۲)

بلبل کی حکایت

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص نے ہزار درہم میں ایک بلبل خریدی۔ جو بولتی تھی۔ ایک دن اس کے پنجرے پر طوطا کچھ بول کر اڑ گیا اور اس بلبل نے بولنا چھوڑ دیا۔ اس شخص نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے بلبل کا پنجرا منگا کر اس سے خاموشی کا سبب پوچھا وہ بولی کہ میں اپنے وطن اور اولاد کو یاد کر کے روتی تھی اور لوگ اسے گیت سمجھتے تھے۔ مجھے طوطے نے سمجھایا کہ تیری بے صبری ہی اس قید کا باعث ہے اگر تو خاموش ہو جائے تو چھوٹ جائے۔ لہذا اب میں کبھی نہیں بولوں گی۔

حضرت سلیمانؑ نے اس کے مالک سے کہا کہ تو اس کے بولنے سے ناامید ہو جا۔ وہ بولا پھر مجھے اس کے پالنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں تو اس کے آواز کا عاشق تھا۔ یہ کہہ کر اس نے اسے آزاد کر دیا۔ وہ یہ کہتی ہوئی اڑ گئی کہ پاک ہے وہ جس نے مجھے انڈے میں بنایا اور ہوا میں اڑایا اور پنجرے میں صبر دے کر وہاں سے چھڑایا۔

یہ ہی ہمارا حال ہے جب تک بے صبری ہے تب تک ہی قید اور دنیا کی خوشی ہزار مصیبتوں کا پیش خیمہ اور یہاں کی نامرادی وہاں کی کامیابی ہے، مولانا روم رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

دانہ باشی مرغگانت بر چنند غنچہ باشی کودکانت بر کنند
ہر کہ کردار حسن خود را مزاد صد قضائے بد سوئے او رونہاد

یعنی اگر تم دانہ ہو گے تو پرندے چگ جائیں گے اگر پھول کی طرح ہنسو گے تو کہیں بچے تمہیں توڑ ڈالیں گے۔ جتنی اپنے میں خوبی پیدا کرو گے اتنی ہی مصیبتیں تم پر آئیں گی۔ لہذا بجائے راحت طلب کرنے کے یہاں سے چھوٹنے اور وطن چلنے کی فکر کرو!

(روح البیان، تفسیر نعیمی پ ۲)

مسئلہ :- اگر مرنے والے شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد پر رونا چلانا اور

نوحہ کرنا یا ان کاموں سے باز رہنے کی وصیت نہ کی تو فوت ہونے والی کو زندہ لوگوں کے رونے چلانے، جزع وفزع کرنے اور نوحہ کرنے سے عذاب ہوگا۔ ورنہ اسے عذاب ان کے رونے سے نہیں ہوگا۔ البتہ صبر کا دامن چھوڑنے والے گناہگار ہوں گے۔

(نووی شرح مسلم)

یعنی زندگی میں اپنے اھل وعیال واقرباء کو بتاتے رہنا کہ کوئی انسان فوت ہو جائے تو صبر کیا جائے جزع وفزع نہ کیا جائے یہی وصیت ہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ عین موت کے وقت ہی وصیت ہو۔

میت پر ماتم کرنا، پیٹنا حرام ہے۔

حدیث مبارکہ ہے:

" عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب و دعا بدعوی الجاھلیة"

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ باب البکا، علی المیت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ شخص ہم سے نہیں جس نے رخساروں پر ضرب لگائی، گریبان پھاڑے اور زمانہ جاہلیت کے الفاظ کا (بے صبری) میں استعمال کیا۔

حدیث شریف میں لیس منا کا مطلب ہے کہ وہ ہماری سنت اور طریقہ پر نہیں۔ وہ ہمارے ائمہ سے نہیں۔ وہ ہمارے دین پر نہیں ان الفاظ میں وعید شدید (بہت زیادہ ڈرایا گیا ہے) اور نہایت سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔

مصیبت کے وقت جس شخص نے بھی اپنے رخساروں پر طمانچے مارے اور گریبان پھاڑا یا (طرح العمامة وضرب الرأس وقطع الشعر) پگڑی کو اتار پھینکا، اپنے سر کو دیوار پر مارا، بال کاٹ دئے، یا زمانہ جاہلیت کی طرح ہائے مصیبت، ہائے ہلاکت اس طرح ہائے ہائے کرتے ہوئے سینہ کوبی یہ سب دین سے دور ہونے کی علامات ہیں۔

" عن ابی بردة قال اغمی ابی موسی الاشعری فاقبلت امرأته ام عبداللہ تصیح برنة ثم افاق فقال الم تعلمی و کان یحدثها ان رسول اللہ ﷺ قال انا بریٔ ممن حلق و صلق و خرق"

(مسلم، مشکوٰۃ البکاء علی المیت وفی البخاری حکذا)

حضرت ابو بردۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے آپ کی زوجہ ام عبداللہ نے زور زور سے رونا شروع کر دیا یعنی چلانا، جزع و فزع شروع کر دیا ، آپ کو جب افاقہ ہوا، آپ نے فرمایا : کیا تمہیں معلوم نہیں (میں نے جو حدیث تمہیں بتائی تھی) ...... آپ ہمیشہ انہیں ایک حدیث پاک بیان فرماتے رہتے تھے ...... کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس شخص سے بیزار ہوں جس نے بال منڈاوئے ، بلند آواز سے رویا، چلایا اور کپڑے پھاڑے۔

یعنی جس شخص نے مصیبت کے وقت سر کے اور داڑھی کے کل بال یا بعض کٹائے تو رسول اللہ ﷺ اس سے بری ہوں گے یعنی اس سے ناراض ہوں گے اور خصوصی شفاعت اس کے لئے نہیں فرمائیں گے۔ اسی طرح جس شخص نے مصیبت کے وقت نوحہ کیا اور بلند آواز سے رویا، چلایا ایسے لفظ بولے جو زمانہ جاہلیت کی طرح کپڑے پھاڑ دیئے ، رسول اللہ اس سے بری ہوں گے۔

" وعن ابی مالک الاشعری قال قال رسول اللہ ﷺ اربع فی امتی من امر الجاھلیة لا یترکونھن الفخر فی الاحساب والطعن فی الانتساب والا ستقاء بالنجوم والنائحه اذا لم تتب قبل موتھا یوم القیامة وعلیھا سر بال ھو قطران ودرع من جرب"

(مسلم . مشکواۃ باب البکاء علی المیت)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلت کی چار رسمیں رہیں گی جن کو وہ کبھی چھوڑیں گے نہیں۔ حسب میں فخر کرنا۔ (غیروں کے) نسب میں طعن۔ ستاروں سے بارش کا حساب لگانا۔ نوحہ کرنا نوحہ کرنے والی اگر موت سے پہلے توبہ نہیں کرے گی تو قیامت کے دن اسے کھڑا کیا جائے گا اسے سیاہ رنگ کے تیل کی قمیص اور خارش زدہ کو پہنائی جانے والی کرتی پہنائے جائے گی۔

حسب میں فخر کرنے سے مراد اپنے کمالات یعنی شجاعت و فصاحت وغیرہ بیان کرنا۔ اسی طرح اپنے آباء واجداد کے کمالات بیان کرنا۔ ابن سکیت رحمہ اللہ تعالی نے بیان فرمایا کہ حسب و کرم وہ کمالات ہیں جو انسان کی اپنی ذات میں پائے جائیں۔ مجد و شرف وہ کمالات ہیں جو اس کے آباء و

اجداد میں پائے جائیں۔ عمدہ یہی ہے کہ اس کی ذات میں کمالات بھی پائے جائیں اور آباء و اجداد میں بھی۔ جس آدمی کا اپنا حسب نہ ہو اس کو آباء کے حسب کا کیا فائدہ۔ اپنے حسب کے ساتھ آباء کا حسب بھی مفید ہو گا۔ اپنا اپنے آباء کا حسب بیان کرنے میں فخر بوجہ تکبر یا غیر کو حقیر سمجھنے کے لئے کرنا ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ذکر کرنے کی غرض سے یا اس لئے کہ کوئی شخص میرے دینی کمالات سے فائدہ حاصل کرلے اس غرض سے بیان کرنا جائز ہے۔

نسب میں طعن کرنے سے مراد یہ ہے کہ کسی کے آباء کو حقیر سمجھنا یا اپنے آباء کو غیر کے آباء پر فوقیت دینا افضل سمجھنا ناجائز ہے۔ لیکن اسلام کی وجہ سے کفار پر برتری بیان کرنا جائز ہے ہاں اگر اس میں بھی کسی مسلمان کو ایذاء پہنچانی مقصود ہو تو ناجائز ہو گا جیسے کوئی شخص نو مسلم کو کہے میرے آباء مسلمان تھے، تمہارے آباء کافر تھے۔

ستاروں سے بارش حاصل کرنے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح کفار کا طریقہ تھا کہ اب ستارہ فلاں جگہ ہے فلاں جگہ ہو گا۔ تو بارش ہو گی۔ یہ ناجائز ہے بلکہ یہ کہے کہ بارش اللہ تعالیٰ کے فضل کرم سے ہوتی ہے۔

نوحہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ محاسن بیان کر کے "بین" کر کے رونا : ہائے شجاع، ہائے شیر، ہائے پہاڑ کی طرح مضبوط شخص وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا اور ہائے حسرت، ہائے مصیبت وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرنا اور بے قراری، شور و غل وغیرہ، چلانا نوحہ کرنے والی وہ عورت جو پیشہ ور ہو جب موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اس کو سب کے سامنے کھڑا کر کے ذلیل کیا جائے گا۔ یہ اس کی رسوائی جنتیوں، جہنمیوں تمام کے سامنے اس کے نوحہ کی سزا ہو گی۔

اسی طرح اس کے جسم پر سیاہ رنگ کا تیل اس طرح لگایا ہو گا جیسے اس نے سیاہ قمیص پہنی ہو یا تو حقیقتاً اسے خارش اور جسم کے رگڑنے، کھرچنے کی مرض میں مبتلاء کر دیا جائے گا۔ اور اونٹوں کی طرح خارش والے جس پر تیل لگایا جائے گا۔ یا اس کو سیاہ تیل لگا کر اس کو اسطرح ذلیل کیا جائے گا کہ یہ دنیا میں اس طرح کا ماتمی لباس پہنتی تھی۔

" وضعت ایضا سرابیل من قطر ان لانها کانت تلبس الثیاب السود فی الما تم فالبسها اللہ تعالیٰ السرابیل لتذوق وبال امرھا "

(مرقاۃ المفاتیح)

سیاہ رنگ کے تیل کی قمیص اس کو کیوں پہنائی جائے گی ؟ اس لئے کہ وہ دنیا میں مصیبت کے وقت سیاہ رنگ کا ماتمی لباس پہنتی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس لئے سیاہ تیل کی قمیص پہنائے گا تاکہ یہ اپنے کئے ہوئے کا مزہ چکھنے یعنی یہ اس کی سزا ہو گی۔

نتیجہ حدیث

اس حدیث پاک سے ائمہ کرام نے یہ نتیجہ حاصل کیا نوحہ کرنا حرام، میت کے کمالات گن گن کر بلند آواز سے آہ و بکا حرام ہے۔ رخسار پر طمانچے مارنا حرام۔ گریبان پھاڑنا حرام۔ بال بکھیرنا حرام، مصیبت کو برداشت نہ کرنے کی وجہ سے بال منڈانا یا بال اکھیڑنا حرام۔ چہرہ کو سیاہ کرنا حرام۔ چہرہ پر مٹی یا خاکستر ملنا حرام۔ عام عادت کے خلاف مصیبت میں علیحدہ لباس پہننا حرام۔ غرضیکہ ہر وہ کام جو اس کی بے صبری پر دلالت کرے وہ حرام ہو گا۔ ہاں البتہ صبر کا دامن تھامتے ہوئے تین دنوں تک سوگ منانا جائز ہے۔

بغیر آواز کے رونا، آنسو بہانا جائز! بلکہ رحمت ہے۔

حضرت اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بیٹی نے آپ کے طرف پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا وفات کے قریب ہے آپ تشریف لائیں۔ نبی کریم ﷺ نے سلام کے ساتھ پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ جو چیز عطا فرماتا ہے وہ واپس بھی لے لیتا ہے لھذا صبر کیا جائے اور ثواب کی امید کی جائے۔ آپ کی بیٹی نے پھر قسم دے کر پیغام بھیجا کہ آپ ضرور تشریف لاؤ۔

تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے آپ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادۃ، حضرت معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور کچھ حضرات بھی تھے، جب آپ تشریف لائے تو بچے کو آپ سامنے لایا گیا بچے کا سانس مضطرب تھا یعنی وفات کا وقت بہت قریب تھا کہ (آپ نے جب اس حالت کو

دیکھا) : ففاضت عینا ہ فقال سعد یارسول اللہ ما ھذا ؟ فقال ھذہ رحمۃ جعلھا اللہ فی قلوب عبادہ فانما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء "

(مسلم ، بخاری ، مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت)

تو آپ کی آنکھوں نے آنسو بہانے شروع کر دیئے تو سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ، یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا؟ (یعنی رونے کی وجہ کیسے) اس کے جواب میں آپ نے فرمایا یہ وہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر ہی رحم فرماتا ہے جو رحم کرنے والے ہوں۔

حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کی جس بیٹی کا ذکر ہے وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا۔ آپ کے بیٹے جو قرب الوفات تھے ان کا نام علی بن ابی العاص ہے۔ جو بالغ ہونے کے قریب عمر میں فوت ہوئے۔

اسی طرح حدیث شریف میں ذکر ہے۔ ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی : بے شک اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے جو اس نے لے لیا اور اسی کے لئے ہی جو اس نے عطا کر دیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو لینے کا ارادہ فرماتا ہے یہ وہ ہی چیز ہے جو اسنے خود ہی عطا کی ہے ، لھٰذا وہ اسی چیز کو لے رہا ہے جو اس کی اپنی ہے ، پس جزع و فزع کرنا مناسب نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی ہی رکھی ہوئی امانت واپس لوٹا لے تو امین کو جزع و فزع کرنے کا کوئی حق نہیں۔

اور حدیث شریف میں الفاظ مبارکہ ہیں۔ وکل عندہ بأجل مسمی۔ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے ہاں وقت مقرر ہے۔ عطا کرنے اور لینے کا بھی ایک وقت مقرر ہے۔ اسی طرح ہر ذی روح چیز کی موت و حیات کا وقت مقرر ہے۔ حدیث شریف میں اور الفاظ آتے ہیں ، فلتصبر ولتحتسب ...... یا ...... پیغام لے جانے والے کو فرمایا کہ زینب کو چاہیئے کہ وہ صبر کرنے اور اجر طلب کرے۔ یا یہ فرمایا ہو کہ ان کو کہو کہ صبر کرو اور اجر طلب کرو۔ قرآن پاک کی ایک قرأت میں فبذالک فلتفرحوا ہے جس میں فلتفرحوا کو امر حاضر کیا گیا ہے۔ نحویوں کے اسی ضابطہ کے مطابق یہ دونوں صیغے بھی امر حاضر کے ہو سکتے ہیں۔

اس حدیث پاک کے ان الفاظ مبارکہ سے یہ مسئلہ حاصل ہوا کہ صبر کرنے سے ثواب حاصل ہوتا ہے اور مصیبت کے وقت جزع وفزع سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث پاک تعزیت کے لئے کسی کے پاس جانے کے لئے ایک قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ تعزیت کا معنی ہے کسی شخص کو صبر دلانا، تسلی دینا، اس لفظ کو پیٹنے کے معنی میں لینا اور اس کا معنی جزع وفزع کرنا۔ حقیقت میں اس لفظ کے معنی سے بے خبری کی علامت ہے۔ اسی وجہ سے تعزیت کے لئے جانے والے شخص کو چاہئے کہ وہ وہاں جا کر پہلے سلام پیش کرے یعنی السلام علیکم کہے پھر انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ پڑھ کر ان کو تسلی دے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی وفات پر نبی کریم ﷺ کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد رسول اللہ (ﷺ) الی معاذ بن جبل

سلام علیکم فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ہو اما بعد ! فاعظم اللہ لک الاجر والھمک الصبر ورزقنا وایاک الشکر فان انفسنا واموالنا واھلنا واولادنا مواھب اللہ عزوجل الھنیئۃ وعواریہ المستو دعۃ متع بھا الی اجل معدود ویقبضھا لوقت معلوم ثم افترض علینا الشکر اذا اعطی والصبر اذا ابتلی فکان ابنک من مواھب اللہ الھنیئۃ و عواریہ المستودعۃ متعک بہ فی غبطۃ وسرور و قبضہ منک باجر کثیر الصلاۃ والرحمۃ والھدی ان احتسب فاصبر ولا یحبط جزعک واجر ک فتندم واعلم ان الجزع لا یرد شیئا ولا یدفع حزنا وما ھو نازل فکان "﴿ والسلام ﴾

(رواہ الحاکم ، مرقاۃ باب البکاء علی المیت)

ترجمہ :- اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ (یہ خط) محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے معاذ بن جبل کی طرف۔ تم پر سلام ہو۔ بے شک میں تمہاری طرف اس ذات کی حمد پیش کر رہا ہوں جس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں۔ (حمد) کے بعد۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عظیم اجر عطا فرمائے۔ اور تمہیں صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ (صبر سے تمہاری غیبی امداد فرمائے) ہمیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ بے شک ہماری جانیں، مال، اہل و عیال سب اللہ تعالیٰ

کی مبارک عطا سے ہیں۔ ہمارے پاس ایک وقت تک عاریۃً بطور امانت ہیں۔ ایک وقت مقرر تک اللہ تعالیٰ ان سے ہمیں نفع عطا فرماتا ہے اور پھر مقرر وقت پر ان کو واپس لے لیتا ہے۔ جب وہ ہمیں عطا کرے تو ہم پر شکر کرنا فرض ہے۔ اور اگر ہمیں آزمائش میں مبتلاء کرے تو ہمیں صبر کرنا لازم ہے۔ تمہارا بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک عطا تھی اور تمہارے پاس عاریۃً امانت تھی۔ تمہیں اس سے ایک وقت مقرر تک قابل رشک خوشی عطا کر کے نفع پہنچایا۔ اب تم سے وہ لے کر تمہیں کثیر انعامات و رحمت و ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے۔ اگر تم اجر چاہتے ہو تو صبر کرو۔ جزع و فزع سے اپنے اجر کو ضائع نہ کرو (اس فعل پر) تمہیں ندامت ہو گی۔ یہ یقینی طور پر جان لو جزع و فزع کسی تقدیر کو ٹال نہیں سکتے اور نہ ہی کسی غم کو دور کر سکتے ہیں۔ جس چیز نے واقع ہونا ہے وہ ہو کر رہے گی۔ والسلام۔

سبحان اللہ ! حبیب پاک علیہ والتحیۃ والثناء کا کیسا پیارا خط ؟ مختصر بھی، جامع بھی۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے ابتداء۔ جسے خط لکھا اسے سلام بھی، اپنا اور اس کا تعارف بھی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد، وہ بھی مطلق نہیں بلکہ فرمایا وہ حمد تمہاری طرف پیش کر رہا ہوں، یعنی تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد کر کے تمہیں رب کی وحدانیت اور قابل حمد ہونے کا تصور دلا رہا ہوں، پھر اس خط میں اپنے اور اسی کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا بھی۔ ان کے بیٹے کی وفات پر تعزیت نامہ لیکن حقیقی طور پر تعزیت کہ نصیحت بھی صبر کی دعا بھی اور بتایا گیا کہ سب چیزیں اللہ کی تعالیٰ کی ہیں وہی دیتا ہے وہی لیتا ہے۔ مالک اپنی امانت واپس لوٹائے تو اس پر واویلا کرنا سود مند نہیں بلکہ نقصان دہ۔ لیکن رب تعالیٰ کتنا کریم ہے کہ وہ امانت رکھے پھر نفع حاصل کرنے کی اجازت دے صرف حفاظت کے لئے نہیں اور اپنی چیز واپس لیتے وقت بھی امین کو اپنی مہربانیوں اور رحمتوں سے نوازے کیونکہ انسان صبر پر عظیم اجر رحمت پاتا ہے۔ اگر اپنی ہی کوتاہیوں سے انسان رب تعالیٰ کے فیضان کو ضائع کر دے تو خود اپنی غلطیوں پر نادم ہوتا ہے کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے خود ہی اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں اور نوازشات کو ضائع کر دیا ہے۔ جب تقدیر ٹل نہیں سکتی اور جزع و فزع سے غم غلط ہو نہیں سکتے تو چیخیں مار کر رونا۔ پیٹنا، گریبان پھاڑنا، بال بکھیرنا، سیاہ کپڑے پہننا، چہرے پر طمانچے مارنا، زنجیریں مارنا اور آگ میں کودنے کی شعبدہ بازیاں کس مقصد کے لئے ؟

خدارا ! انصاف کا دامن تھامتے ہوئے سید الانبیاء ﷺ کے اس خط کو مشعل راہ سمجھتے ہوئے، مصائب و آلام میں، کسی کی موت و شہادت پر ایسا ہی عمل کریں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنی پند و نصائح سے عمل کرنے کا حکم فرمایا۔

نبی کریم ﷺ کا اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی وفات پر رونا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ حضرت ابراہیم نزع کے عالم میں ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آپ کے پاس موجود تھے حضور اکرم ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور حضرت ابراہیم کے سرہانے پہنچے اور ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم جانکنی میں ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو اپنی آغوش میں لے کر کہا۔ پھر آپ کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمایا اے ابراہیم ہم تیری جدائی کے سبب غمگین ہیں۔ میری آنکھیں روتی ہیں اور دل جلتا ہے، اس کے سوا کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جس سے اللہ کی ناراضگی ہو۔ حضرت ابراہیم ستر ۷۰ دن کے تھے جیسا کہ ابو داؤد نے ذکر فرمایا کچھ اور روایات بھی ہیں اتنی بات واضح ہے کہ ڈیڑھ سال سے زائد نہیں تھے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو روتے ہوئے دیکھ کر عرض کیا، یارسول اللہ آپ بھی روتے ہیں آپ نے تو میت پر رونے سے منع فرمایا ہے۔ حضور نے فرمایا اے عوف کے فرزند جس حالت کا تم نے مشاہدہ کیا یہ میت پر رحمت و شفقت کا اظہار ہے، جو کہ ایسی حالت کو دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور میں نے جو ممانعت فرمائی وہ دو آوازوں کی بناء پر ہے ایک وہ آواز جو گانے، لہو و لعب اور شیطانی مزامیر سے ہو اور دوسری وہ آواز جو مصیبت کے وقت ہو۔ اور میں منع کرتا ہوں منہ نوچنے، چہرہ پیٹنے، کپڑے پھاڑنے اور بین کرنے سے۔ لیکن آنکھوں سے آنسو جاری ہونا رحم و شفقت کی وجہ سے ہے اور جو رحم و شفقت نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں ہوگا۔

ایک روایت میں آیا ہے جب رسول اللہ ﷺ کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہوئے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا۔ آپ نے انہیں منع فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے تو آپ کو بھی روتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ البکاء من الرحمة والصراح من الشیطان۔ (رونا آنسو بہانا) رحمت ہے اور چیخنا، چلانا شیطان عمل ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد ثانی)

قبر میں نیک عمل فرشتے مکمل کراتے ہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے فرزند ابراہیم کی مدت رضاعت (دودھ پلانے کی مدت) پوری نہیں ہوئی تھی اس طرح وہ دنیا سے رخصت ہو گیا، اس لئے اس کے لئے دودھ پلانے والی دایہ مقرر کی گئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ جنت میں ہے تاکہ مدت رضاعت پوری کرے لیکن ممکن ہے کہ جنت سے مراد بھی برزخ ہی ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد قبر جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں سے ایک گڑھا۔ اس طرح نیک لوگوں کی قبر بھی جنت ہوتی ہے۔ انشاء اللہ تفصیلی بحث قبر کے احوال میں آئے گی۔

بعض مشائخ جو اس کے قائل ہیں کہ "مرنے کے بعد بھی ترقی ہوتی ہے۔ ان کا تمسک اسی حدیث کے ساتھ ہے جو کسی کو پورا کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بندہ (یعنی شیخ محقق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی) بھی اسی کا قائل ہے اور اسی حدیث کو بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو قرآن کریم کے حفظ میں کوشش کرتا ہے اور وہ تکمیل سے پہلے ہی دنیا سے گزر جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی قبر میں ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو اس کے حفظ کو مکمل کراتا ہے۔

یہ حدیث مبارکہ پہلی حدیث سے زیادہ ظاہر ہے اور سمجھنا چاہیے کہ مرنے کے بعد کتنے پردے اٹھتے ہیں اور کیسی نعمتیں منکشف و مشہور ہوتی ہیں ان سے بڑھ کر اور کیا ترقی ہو گی ؟

(مدارج النبوۃ جلد ثانی)

فائدہ

نبی کریم ﷺ کے یہ بیٹے حضرت ابراہیم جن کا ذکر ہو رہا ہے صرف یہ آپ کی لونڈی حضرت ماریہ قبطیہ کے بیٹے ہیں جن کی وجہ سے ان کی ماں کو ام ولد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ باقی آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی کل اولاد تین بیٹے چار بیٹیاں ہیں۔ بیٹے۔ قاسم۔ ابراہیم۔ عبداللہ۔ بیٹیاں۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ فاطمہ رضی اللہ عنہم

بیٹے تینوں بچپن میں فوت ہو گئے۔

حضرت عبداللہ کا ہی لقب طیب و طاہر ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ایک بیٹا علی ابن ابی العاص جو قریب البلوغ ہو کر فوت ہوا اور ایک بیٹی ۔ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا جو حضرت فاطمہ الزہرا کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں ان سے حضرت علی مرتضٰی کے فرزند محمد اوسط پیدا ہوئے۔

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں پہلے حضرت رقیہ پھر ان کی وفات کے بعد حضرت ام کلثوم ان دونوں کی اولاد بھی زندہ نہ رہی۔ حضرت ام کلثوم کے دو فرزند پیدا ہوئے جو بچپن میں ہی فوت ہو گئے اور حضرت رقیہ کا ایک فرزند دو سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں، ان کی اولاد، امام حسن، امام حسین، محسن، زینب، ام کلثوم اور رقیہ رضی اللہ عنہما ہے ان میں سے محسن اور رقیہ بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ اور سیدہ ام کلثوم کا حضرت فاروق اعظم سے ایک فرزند پیدا ہوا اور اس کا نام زید تھا۔

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات

☆ ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ
☆ ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ
☆ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر
☆ ام المؤمنین سیدہ حفصہ بنت عمر
☆ ام المؤمنین سیدہ زینب بنت خزیمہ
☆ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان
☆ ام المؤمنین سیدہ صفیہ بنت حُیی
☆ ام المؤمنین سیدہ میمونہ
☆ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ
☆ ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش
☆ ام المؤمنین سیدہ جویریہ بنت الحارث
رضی اللہ عنھن اجمعین

نبی کریم ﷺ کے چچا :

حضور ﷺ کے دادا حضرت عبد المطلب کے تیرہ یا بارہ لڑکے تھے ایک حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ جو حضور کے والد مکرم ہیں۔ آپ کی پیدائش سے پہلے وفات پاگئے۔ زمانہ فترت (عیسیٰؑ اور نبی کریم ﷺ کے درمیان والا زمانہ) میں اللہ کی وحدانیت پر ایمان تھا، بت پرست نہیں تھے۔ ہونا بھی یہی تھا جب کہ سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کا باپ ہونے کا شرف حاصل ہونا تھا۔

حضرت عبد المطلب کے باقی بیٹے۔ (حضرت عبد اللہ والد حضور) حارثہ۔ ابو طالب ان کا نام عبد مناف ہے زبیر اس کی کنیت ابو الحارث تھی۔ حمزہ رضی اللہ عنہ ابو لہب اس کا نام عبد العزیٰ ۔ عیداق۔ مقوم۔ ضرار۔ عباس رضی اللہ عنہ۔ قثم۔ عبد الکعبۃ۔ حجل۔ بعض نے کہا کہ گیارہ چچا ہیں وہ مقوم کو ساقط کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے چچاؤں سے صرف دو حضرات۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔

نبی اکرم ﷺ کی پھوپھیاں :

☆ ام حکیم ان کا نام بیضاء ہے۔ ☆ برہ ☆ عاتکہ۔ یہ ایک ماں سے ہیں۔ جن کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عایذ بن عمران بن مخزوم ہے۔ ☆ صفیہ۔ یہ اور حمزہ، مقوم اور حجل ایک ماں سے ہیں جن کا نام ہالہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ ہے۔

آپ کے پھوپھیوں میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بالاتفاق مسلمان ہوئیں اور ہجرت کرنے والی عورتوں میں ان کو شمار کیا جاتا ہے۔ یہ غزوہ خندق میں موجود تھیں، ان کو ایک یہودی نے شہید کیا۔ حضور ﷺ نے اسے قتل کیا آپ کی پھوپھی عاتکہ کے ایمان لانے میں اختلاف ہے امیمہ جو عبد اللہ بن جحش، ام المومنین زینب بنت جحش کی ماں ہیں۔ اس طرح آپ کی پھوپھی برہ، ابو سلمہ بن عبد الاسد کی ماں ہے جو سیدہ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ سے پہلے شوہر تھا۔ اور ایک پھوپھی کا نام اروی ہے۔

میت کی پیشانی کو چومنا

" عن عائشه قالت ان رسول الله ﷺ قبل عثمان بن مظعون وھو میت وھو یبکی حتی سال دموع النبی ﷺ علی وجه عثمان "

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ مشکوٰۃ باب ما یقال عند من حضرہ الموت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ (کی پیشانی) کو ان کے فوت ہونے کے بعد چوما ایسے حال میں کہ آپ رو رہے تھے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کے آنسو مبارک حضرت عثمان بن مظعون کے چہرہ پر گر رہے تھے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے رضاعی (دودھ شریک) بھائی تھے۔ انہوں نے دو ہجرتیں کیں ایک حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ طیبہ کی طرف۔ بدر کی جنگ میں شریک ہوئے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی انہوں نے اپنے آپ پر شراب حرام کیا ہوا تھا۔ ہجرت کے تیس ماہ بعد مہاجرین میں سے سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں فوت ہونے والے یہی ہیں۔ آپ کو جب دفن کیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " نعم السلف ھو لنا" ہم سے پہلے جانے والا ہمارے لئے بہتری کا سبب ہے۔ آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ آپ عابد۔ مجتہد اور جلیل القدر صحابہ کرام سے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نبی کریم ﷺ کی پیشانی کو چومنا

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: "اتاہ من قبل رأسه فحدر فاہ وقبل جبهه" ۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آپ کی وفات کے بعد حاضر ہوئے۔ آپ کے سر مبارک کی جانب سے آکر اپنا منہ نیچے کر کے آپ کی پیشانی کو چوما۔ یہی عمل آپ نے تین مرتبہ کیا۔

(مرقاۃ المفاتیح از ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالی)

ابن ابی شیبہ نے اس واقعہ کی روایت بیان کی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے۔ وہ

فرماتے ہیں :

" فوضع فاه علی جبین رسول الله ﷺ فجعل یقبله ویبکی ویقول بابی انت وامی طبت حیا و میتا "

(کذا فی المواهب ، مرقاۃ)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے آپ نے اپنا منہ رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک پر رکھا اور چومنا شروع کیا اور آپ رو رہے تھے، یعنی فقط آنسو بہا رہے تھے۔ کوئی چلانا، واویلا کرنا نہیں تھا۔ اور یہ کہہ رہے تھے :

" میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کی موت و حیات کیسی ہی پاکیزہ ہے ؟"

فصل پنجم

غسل میت کا بیان

میت کو غسل دینے کے مسائل

مسئلہ :- غسل دیتے وقت میت کے کپڑے اتار دئے جائیں ایک کپڑا اس کی عورت (ننگیز) پر رکھ دیا جائے یعنی گھٹنے سے ناف تک۔ یہ کپڑا کیوں رکھا جائے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرمایا: " لا تنظر الی فخذ حی و لا میت " تم کسی زندہ یا مردہ کی ران کو نہ دیکھو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ موت سے انسان کا ننگیز ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ زندہ کی طرح ہی رہتا ہے۔ غسل دیتے وقت کپڑوں کو اتارنا اس لئے ہوتا ہے کہ اچھے طریقہ سے اس انسان کو صاف، ستھرا کیا جاسکے کیونکہ غسل سے اصل مقصد ہی پاک کرنا، صاف ستھرا کرنا ہے۔ یہ مقصد کپڑوں کے ہوتے ہوئے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

نبی کریم ﷺ کو قمیص میں غسل دینا آپ کی خصوصیت ہے۔ اس لئے کہ آپ کو جب غسل دینے کا وقت آیا تو صحابہ کرام نے خیال کیا کہ کپڑوں میں غسل دیا جائے۔

(صحابہ کرام اسی سوچ میں تھے) کہ...... " فسمعوا من ناحیة البیت اغسلوا رسول اللہ ﷺ وعلیه ثیابه " ...... انہوں نے گھر کے ایک زاویہ (کونہ) سے غیبی آواز سنی کہ " رسول اللہ ﷺ کو کپڑوں میں ہی غسل دو "۔

اس طرح آپ ﷺ کو قمیص پہننے کی حالت میں ہی غسل دیا گیا۔ خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کو صرف اس لئے غسل دیا گیا کہ امت کو صحابہ کرام کی سنت کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کی سنت کا ثواب بھی حاصل ہو۔ اور آپ کو غسل پاک کرنے کے لئے دیا ہی نہیں گیا:

" لانه ﷺ کان طاهرا حیا و میتا "

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی پاکیزہ۔
(شامی)

مسئلہ :- غسل دینے والا شخص اپنے ہاتھوں پر کپڑا چڑھالے کیونکہ جس طرح انسان کے بعض جسم کو دیکھنا منع ہے اسی طرح اس حصہ کو ننگے ہاتھوں سے چھونا بھی منع ہے۔ امام اعظم اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میت کو پہلے استنجا کرا یا جائے خیال رہے کہ کپڑے اتارنے یا غسل کے وقت عورت کا بقیہ جسم عورت کو دیکھنا جائز ہوگا۔ البتہ ولادت کے وقت دایہ کو مقام استنجاء دیکھنا یا عذر کی وجہ سے چھونا یا طبیب کا چھونا جائز ہوگا۔ دیہاتوں میں عورتیں ایک دوسری عورتوں کے سامنے ننگے ہو کر کپڑے دھوتی رہتی ہیں غسل کرتی رہتی ہیں یہ ناجائز ہے۔ عورت کا عورت کے سامنے بھی جسم کا ننگا نہ کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ :- غسل دیتے وقت سب سے پہلے وضوء کرایا جائے جیسے نماز میں وضوء کیا جاتا ہے۔ البتہ کلی کرانا اور ناک میں پانی ڈالنا مشکل ہے کیونکہ میت کی طاقت میں نہیں کہ وہ پانی باہر نکالے، البتہ جیسے عمل اس پر ہو رہا ہے وہ ہی صورت بہتر ہے کہ کوئی کپڑا وغیرہ تر کر کے اس کے دانتوں اور ہونٹوں کے اندرونی حصہ پر ملا جائے اور اسی طرح پانی سے تر کیا ہوا کپڑا ناک کے سوراخوں میں مل دیا جائے۔

وضوء ہر میت کو کرایا جائے گا خواہ وہ پاکیزگی کے حال میں فوت ہوا ہے یا جنابت کے حال میں اسی طرح خواہ عقلمند تھا یا مجنون (پاگل) کیونکہ جس طرح میت کو پاکیزہ کرنے کے لئے غسل دیا جاتا ہے اسی طرح میت کو غسل دینے اور کفن دفن کے انتظام کرنے میں میت کا زندہ پر حق ہوتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص دریا میں غرق ہو کر فوت ہو گیا ہو تو پھر بھی اسے غسل دیا جائے گا اس لئے کہ زندہ لوگ اپنا حق ادا کریں۔

مسئلہ :- میت کو جس پانی سے غسل دیا جائے، مستحب یہ ہے کہ اس میں بیری کے پتے ڈال کر پانی کو جوش دیا جائے کیونکہ اس سے میل اتارنے، چمڑے کو نرم کرنے، اور جسم کو کیڑے مکوڑے سے بچانے میں مدد ملتی ہے۔

اگر پتے آسانی سے دستیاب ہوں تو بہتر ورنہ خالص پانی ہی ابال لیا جائے۔ اسی طرح گل خطمی (عراق میں ایک پودا پایا جاتا ہے) اگر میسر ہو تو اس سے سر اور داڑھی کو دھویا جائے ورنہ صابون ہی استعمال کرنا کافی ہے۔

میت کو غسل دینے کا طریقہ:

مسئلہ:- میت کو غسل دیتے وقت اس طرح لٹایا جائے کہ میت کی بائیں جانب تختے کی طرف ہو اور دائیں جانب اوپر تاکہ غسل کی ابتداء دائیں جانب سے ہو سکے، یعنی وضوء کرانے اور سر پر پانی بہانے کے بعد دائیں جانب پر پانی ڈالا جائے کہ وہ پانی بائیں جانب نیچے تک پہنچ جائے۔ پھر دائیں جانب کو نیچے کیا جائے اور بائیں جانب کو اوپر اب بائیں جانب پر اس طرح پانی بہائے کہ نیچے حصہ تک پانی پہنچے۔ دائیں یا بائیں جانب سے مراد پوری کروٹ پاؤں تک مراد ہے۔ دونوں جانبوں کو دھونے کے بعد میت کو سہارا دے کر سیدھا کیا جائے جیسے کسی کو بٹھایا جاتا ہے۔ پھر میت کو آہستہ آہستہ ملا جائے، اگر پیٹ سے کوئی چیز خارج ہو تو اسے دھو دیا جائے۔ وضوء یا غسل لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اگر کفن دینے کے بعد کوئی چیز خارج ہو تو اسے دھونے کی بھی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اگر کفن دینے کے بعد کوئی چیز خارج ہو تو اسے دھونے کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میت کو وضوء اس لئے نہیں دیا جاتا کہ وہ بے وضوء ہے بلکہ اس کو نجاست سے پاک کرنے کے لئے وضوء اور غسل دیا جاتا ہے۔ لھذا میت کے وضوء کو زندہ کے وضوء کی طرح نہ سمجھا جائے۔ عام طور پر میت کے ناک وغیرہ سے خون نکل آئے تو کہا جاتا ہے کہ میت کا وضوء قائم نہیں رہا یہ غلط ہے میت کو ایک مرتبہ وضوء اور غسل دینا کافی ہے۔ اگر ناک یا منہ سے خون نکل آئے تو صاف کر لیا جائے کافی ہے۔

مسئلہ:- غسل دینے کے بعد میت کے جسم کو کسی رومال وغیرہ سے صاف کر لے تاکہ کفن پانی سے تر نہ ہو۔ پھر میت کے سجدہ والے اندام پر خوشبو لگائی جائے یعنی پیشانی، ناک، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں، دونوں پاؤں پر خشبو لگائی جائے۔ البتہ زعفران اور ورس (ایک پودے کا نام) کو بطور خوشبو استعمال نہ کیا جائے کیونکہ ان میں خوشبو کے ساتھ ساتھ رنگ بھی ہوتا ہے جو زیب

وزینت پر دلالت کرتا ہے۔ میت کو زینت کی ضرورت نہیں اسی وجہ سے کنگھی نہ کی جائے، ناخن نہ کاٹے جائیں، بال نہ کاٹے جائیں۔

مسئلہ:-اگر عورت فوت ہو جائے تو اسے غسل دینے کے لئے کوئی عورت نہ ہو بلکہ ایسی جگہ اس کی وفات ہوئی جہاں تمام مرد ہی ہیں تو دیکھا جائے اگر کوئی محرم مرد ہے تو وہ اپنے ہاتھوں سے اس عورت کو تیمّم کرادے۔ اور اگر اجنبی آدمی ہے تو وہ اپنے ہاتھوں پر کپڑا چڑھالے اور تیمم کرادے اور کلائیوں پر مسح کرتے وقت اپنی آنکھوں کو بند کر لے۔ یہی صورت ہو گی اگر مرد فوت ہو جائے وہاں کوئی مرد نہ ہو تو محرمہ عورت یا اجنبیہ عورت اسی مذکورہ صورت پر تیمّم کرائیں۔

مسئلہ:-خاوند اپنی زوجہ کو نہ غسل دے سکتا ہے اور نہ اسے چھو سکتا ہے کیونکہ زوجہ کی وفات سے خاوند کے حقوق زوجیت ختم ہو جاتے ہیں وہ اجنبی کی حیثیت ہو جاتا ہے جو حکم عام اجنبی مرد کا ہو گا۔وہی خاوند کا ہو گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینا؟

صحیح روایت تو یہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو غسل حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے دیا۔ جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی پرورش بھی کی ہے۔اور نبی کریم ﷺ بھی ان کا ادب واحترام فرماتے تھے۔ حضرت علیؓ نے آپ کے غسل، کفن ودفن کے انتظامات کئے تھے اس لئے آپ کی طرف غسل دینا منسوب ہو گیا۔ جیسے کسی بادشاہ کے متعلق کہا جائے یہ محل اس نے بنایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے اس نے حکم دیا ہے تعمیر راج حضرات نے کیا ہے۔ایسے آپ نے حکم دیا اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے غسل دیا۔

لیکن اگر روایت غسل دینے والی ثابت ہو بھی جائے تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تخصیص ہے کیونکہ اس روایت کے مطابق ہی جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کہ آپ نے غسل کیوں دیا؟ تو آپ نے جواب دیا:

"اما علمت ان رسول اللہ ﷺ قال ان فاطمة زوجتك فی الدنيا والآخرة"

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فاطمۃ تمہاری زوجہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے باوجود بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح ختم نہیں ہوا تھا بلکہ آپ کا نکاح باقی تھا:

" لقوله علیه السلام کل سبب و نسب ینقطع بالموت الاسببی و نسبی "

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر سبب و نسب موت سے ختم ہو جاتا ہے سوائے میرے سبب و نسب کے۔ یعنی تعلق سببی اور نسبی کے۔ تعلق سببی سے مراد زوجیت کا تعلق اور مصاہرت کا تعلق۔ داماد کا تعلق سسرال سے اور سسرال کا تعلق داماد سے مصاہرت کا تعلق کہلاتا ہے۔ نسبی تعلق سے مراد خاندانی تعلق یعنی آباء واجداد سے تعلق۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا تھا کہ نبی کریم ﷺ سے تعلق سببی قائم ہو جائے جو منقطع نہیں ہو گا۔

خیال رہے کہ یہ مزید تعلق کے استحکام کے ارادہ سے کیا ورنہ آپ کو نبی کریم ﷺ سے سسر ہونے کا تعلق پہلے ہی حاصل تھا کیونکہ ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا آپ کی بیٹی ہیں۔

(شامی)

مسئلہ :- عورت کا خاندان فوت ہو جائے تو کوئی مرد غسل دینے والا نہیں تو زوجہ اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے اس لئے کہ خاوند کے فوت ہونے کے بعد زوجہ چار مہینے دس دن تک حکم نکاح میں ہوتی ہے لیکن زوجہ کے فوت ہونے پر خاوند اجنبی کی حیثیت میں ہو جاتا ہے جیسے پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

(شامی)

مسئلہ :- اگر خاوند نے زوجہ کو طلاق بائن دے دی یا تین طلاقیں دیں اس کے بعد خاوند فوت ہو تو اب اسے غسل نہیں دے سکتی؛ اس لئے کہ اسے تین طلاقوں یا طلاق بائن سے مکمل جدا کر دیا گیا تھا۔ اب وفات کے بعد احکام نکاح جاری نہیں ہوں گے۔

(شامی)

مسئلہ :- اگر جسم کا نصف حصہ بمع سر کے مل جائے تو غسل دیا جائے گا اور جنازہ بھی پڑھا جائے گا۔ اگر نصف سے کم حصہ جسم کا بمع سر حاصل ہوا یا بغیر سر کے جسم حاصل ہو تو غسل اور جنازہ نہیں ہو گا۔

(شامی)

فوائد متفرقہ

☆ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے غسل دیا۔ وہی سنت تا قیامت آپ کی مسلم اولاد میں جاری رہے گی۔

☆ اگر مسلمانوں کے ملک میں کوئی لاش ملے، اس کے متعلق معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمان ہے یا کافر تو اسے غسل دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ مسلمانوں کے ملک میں پایا جانا دلالت کرتا ہے کہ غالب گمان اس کے مسلمان ہونے کا ہی ہے۔ اگر مسلمانوں کا ملک نہ ہو تو پھر نہیں کیونکہ اب غالب خیال یہی ہوگا۔ کہ یہ کافروں کا ملک ہے اس لیئے میت بھی کافر ہی ہوگا۔

☆ اگر کفار اور مسلمانوں کی لاشیں مل جل جائیں تو دیکھا جائے اگر مسلمانوں کی کوئی علامات پائی جائیں تو ان کو غسل بھی دیا جائے گا اور جنازہ بھی پڑھا جائے گا۔ اگر مسلمانوں والی نہیں لیکن اتنا معلوم ہے کہ یہاں کتنے مسلمان تھے اور کتنے کافر؟ اور لاشوں سے پتہ چل گیا کہ ان میں مسلمان زیادہ ہیں تو ان کا جنازہ پڑھا جائے گا۔

جنازہ چونکہ مسلمان کفار تمام کو سامنے رکھ کر پڑھا جائے گا اس لئے نماز جنازہ اور دعا میں فقط مسلمانوں کی نیت کرے گا کفار کی نہیں۔

☆ جو شخص میت کو غسل دے بعد میں اسے خود غسل کرنا مستحب ہے یعنی غسل کرنے سے اسے ثواب ہوگا، اگر غسل نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔

☆ میت کو جنبی آدمی یا حیض والی عورت کا غسل دینا مکروہ ہے۔ (در مختار)

☆ میت کو غسل دینے والا میت کا قریبی رشتہ دار ہو تو بہتر ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کو غسل حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے دیا، ایک آپ کے چچازاد اور دوسرے چچا ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت تھی کہ تمہارے سوا کوئی اور غسل نہ دے اور نہ کوئی میرا ستر دیکھے، اگر خلاف ورزی ہوئی تو اس کی بینائی جاتی رہے گی۔ غسل دیتے وقت آپ کے جسم اطہر سے کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی جیسے کہ دوسرے لوگوں کے پیٹ وغیرہ سے خارج ہوتی ہے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کتنی صفائی اور

کتنی خوشبو ہے حیات میں بھی اور وفات میں بھی۔

☆ مروی ہے کہ غسل کے وقت حضور اکرم کی پلکوں کے نیچے اور ناف کے گوشہ میں پانی جمع ہو گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پانی کو اپنی زبان سے چوسا اور اٹھایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے مجھ میں علم کی کثرت اور حافظہ کی قوت زیادہ ہے۔

☆ مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے کسی قدر مشک اور عطر اپنے فرزندوں کے سپرد کیا اور وصیت کی کہ اس کو میرے کفن میں لگانا کیونکہ یہ خوشبو رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے بچائی ہوئی ہے۔
(مدارج النبوۃ)

☆ میت کو غسل دیتے وقت اگر اس کے جسم کا وہ حصہ ننگا ہو جائے جس کو ڈھانپنا ضروری ہوتا ہے تو اس کو ڈھانپ دیا جائے۔

☆ میت کے جسم پر کوئی عیب نظر آئے تو وہ لوگوں کے سامنے نہ بیان کیا جائے۔

☆ اگر میت کا چہرا سیاہ ہو جائے لیکن وہ میت بدعتی ہونے میں، گناہوں میں مبتلاء ہونے میں۔ گستاخی اولیاء کرام میں۔ گستاخی صحابہ کرام میں۔ گستاخی رسول اللہ ﷺ میں مشہور نہیں تھا تو اس کا لوگوں کے سامنے تذکرہ نہ کیا جائے۔

☆ لیکن اگر وہ ان مذکورہ عیوب میں مشہور تھا پھر اس کا موت کے وقت چہرا سیاہ ہو گیا ہو تو لوگوں کو بتانا چاہیے تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ اگر کسی گستاخ رسول اللہ ﷺ کے موت پر اعلان کیا جائے کہ حضرت شیخ القرآن کے چہرا کی زیارت کرائی جائے گی۔ پھر کہا جائے کہ جنازہ کے وقت زیارت کرائی جائے گی۔ پھر کہا جائے دفن کے وقت زیارت کرائی جائے گی۔ لیکن کسی ایک وعدہ کو بھی پورا نہ کیا جائے بلکہ بغیر منہ دکھانے کے دفن کر دیا جائے تو اس کے متعلق لوگوں کو بتانا یہ بہتر ہے تاکہ دوسرے سبق حاصل کریں کہ ہاں واقعی !

یہ میت ہے کسی گستاخ رسول کی ☆ چہرہ دکھانے کے قابل نہیں ہے

☆ اگر کوئی نیک آدمی فوت ہو تو اس کا چہرا چمک رہا ہو یا بوقت غسل وغیرہ بعد از موت چہرے پر تبسم ہو تو اس کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا جائے تاکہ دوسرے لوگ بھی اسی طرح عمل کریں۔
(شامی)

راقم الحروف (مصنف) لاہور محلّہ کرم نگر باعقب بادامی باغ کھوکر روڈ مسجد نورانی محمدیہ میں امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ مسجد کے ساتھ ملحق مکان کے مالک میاں سراج صاحب جنہوں نے اپنا تعمیر شدہ مکان مسجد کی توسیع کے لئے دے کر اپنی ہی متصل زمین میں پچھلی جانب نیا مکان بنالیا تھا۔ اسی مکان میں وہ رہائش پذیر تھے، سحری جاگ کر بلند آواز سے ......

الصلوٰة والسلام عليك يارسول الله
وعلى آلك واصحابك يا حبيب الله

...... پڑھتے تھے۔ گرمیوں میں وہ مسجد کے متصل اپنے مکان کی چھت پر سوتے تھے جب کہ میرا (مصنف کا) کمرہ بھی مسجد کے وضوء خانہ کے اوپر تھا آمنے سامنے ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے جاگنے سے باخبر ہوتے تھے کبھی وہ پہلے جاگتے تو صبح کی نماز میں مسکراتے ہوئے فرماتے "آج پچھے چھوڑ دتا نہ جی" آج میں نے آپ کو پیچھے چھوڑ دیا۔

ایک دن صبح کی اذان کے بعد اور نماز سے پہلے مجھے گھر بلایا گیا اور مجھے اس اللہ کے نیک بندے نے کہا کہ مولوی صاحب میرے پاس بیٹھ کر پڑھو۔ میں نے پڑھنے سے پہلے پوچھا کیا بات ہے کوئی تکلیف ہے تو فرمایا کہ ہاں سینہ پر درد ہے، یہ کہہ کر پھر اپنے معمول کے مطابق......

"الصلوة والسلام عليك يارسول الله وعلى آلك واصحابك ياحبيب الله"

...... پڑھنا شروع کر دیا ایک مرتبہ درود شریف پڑھتے دوسری مرتبہ کہتے:

"مدینہ والی سوہنی سرکار میں بڑا گناہگار آں میرے وَلے (طرف) نظر کرم فرماؤ!"

میں نے سورۃ یسین کی چند ابتدائی آیات مبارکہ پڑھیں تو دیکھا کہ یہ اللہ کا نیک بندہ صحیح سچا اور پکا عاشق رسول درود پاک پڑھتے ہوئے ایک بلغمی قے سے خالق حقیقی سے جاملا۔

﴿انا لله وانا اليه راجعون﴾

اللہ تعالیٰ اس شخص کے مدارج بلند فرمائے، مغفرت، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور میرے جیسے گناہگار سیاہ کار کو بھی ایسا ہی مقام عطا فرمائے۔ اور دوسرے حضرات کو بھی اللہ تعالیٰ ایسے ہی اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

مردے کا غسل سے قبر تک کے حالات کا سننا اور جاننا

" عن ابی سعید الخدری ان النبی ﷺ قال ان المیت یعرف یغسله و من یحمله و من یکفنه و من یدلیه فی حفرته "

(بحواله مرقاة باب المشی بالجنازة و الصلوة علیها)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت اپنے غسل دینے والے، اٹھانے والے، کفن دینے والے اور قبر میں اتارنے والے کو پہچانتی ہے۔

(احمد، طبرانی، شرح الصدور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردہ اپنے غسل دینے والے کو پہچانتا ہے اور اگر مرتے وقت اس کو روح و ایمان کی بشارت دی گئی ہے تو اپنے اٹھانے والے سے جلدی چلنے کی گذارش کرتا ہے اور اگر جہنم رسید ہونے کی اسے اطلاع دی گئی ہے تو وہ اسے روک کر رکھنے کی درخواست کرتا ہے۔

(کتاب الروح، شرح الصدور)

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میت ہر چیز کو پہچانتی ہے حتی کہ وہ اپنے غسل دینے والے سے کہتی ہے کہ آہستہ غسل دو۔ اور فرشتہ اس کو چارپائی پر کہتا ہے کہ تو لوگوں کی زبانی تعریف سن۔ (وہ تیرے متعلق کیا کہتے ہیں)

(ابن ابی الدنیا، شرح الصدور)

حضرت عبید بن مرزوق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک عورت تھی جو مسجد کی صفائی کرتی تھی۔ وہ فوت ہو گئی۔ صحابہ کرام نے جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ حضور ﷺ کو اطلاع نہیں دی گئی تھی ایک دن آپ اس کی قبر سے گذرے تو پوچھا یہ کس کی قبر ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا ام محجن رضی اللہ عنہا کی، آپ نے فرمایا وہی جو مسجد کی صفائی کرتی رہتی تھی؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ، تو آپ نے صف باندھ کر اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائی کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کے افراد کے تمام ولیوں سے زیادہ قریبی ولی تھے۔ ولی کی اجازت کے بغیر اگر نماز جنازہ پڑھ لی جائے تو ولی کو جنازہ لوٹانے کا اختیار ہے۔ پھر آپ نے فرمایا، اے عورت کونسا عمل اچھا پایا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ سنتی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تم اس

سے زیادہ سننے والے نہیں۔ مروی ہے۔ کہ اس نے جواب دیا سب اعمال سے اچھا عمل مسجد کی صفائی ہے۔

(از شرح الصدور)

حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب دشمنوں پر غلبہ اور فتح پاتے تو تین روز اسی میدان میں قیام فرماتے، چنانچہ بدر میں بھی آپ نے تین دن قیام فرمایا۔ تیسرے دن حکم فرمایا کہ آپ کی سواری لائی جائے۔ پھر آپ سوار ہوئے، اور صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی آپ کے ہمراہ ہو گئی، وہ خیال کرتے تھے کہ شائد کسی کام کے لئے تشریف لے جارہے ہیں یہاں تک کہ آپ اس کنویں پر تشریف لائے، جس میں کفار کی لاشوں کو ڈالا گیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے ایک ایک کا نام لے کر آواز دی اور فرمایا اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں، بعض روایتوں میں مزید وضاحت ہے کہ فرمایا: اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے بو جہل بن ہشام، مثلاً اسی طرح کچھ نام لئے، فرمایا کہ تمہیں یہ خوش معلوم نہیں ہوتا کہ تم خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے، اب جب کہ پردہ اٹھ گیا ہے اور خدا کے عذاب کو دیکھ لیا ہے تو تم مسلمان ہونے کی آرزو کرتے ہو، پھر فرمایا کہ بلاشبہ ہم نے اسے حق سے پالیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا، کیا تم نے بھی اسے حق سے پالیا ہے جو تم سے عذاب کی وعید فرمائی گئی تھی۔

ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا، اے کنویں میں پڑے ہوئے لوگو، تم بد خویش اور عاقبت نااندیش ہو کہ تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگ تصدیق کرتے ہیں۔ اس پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ان جسموں کو مخاطب فرمارہے ہیں، جن میں روحیں نہیں، حضور نے فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ اس بات کے سننے والے نہیں، جو کچھ میں خطاب کر رہا ہوں۔ وہ خوب سن رہے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔

فائدہ:

جاننا چاہیے کہ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ (بخاری و مسلم کا اس پر اتفاق) ہے اور مردوں کے

سننے اور ان کو علم و شعور حاصل ہونے کا صریح ثبوت موجود ہے۔ کیونکہ جو کچھ حضور نے خطاب فرمایا ان کا علم ان کو حاصل ہوا، اسی طرح صحیح مسلم حدیث میں ہے کہ دفنانے والے جب مردہ کو دفن کر کے لوٹتے ہیں تو مردہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان اہل بقیع کی زیارت کے سلسلہ میں مروی ہے کہ ان کو سلام کرو اور اس میں ان کو خطاب کرو اور کہو کہ اے رہنے والو اتم پر سلام ہو، اے مسلمانوں تمہیں وہ سب کچھ مل گیا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور انشاء اللہ ہم بھی تمہارے ساتھ شامل ہونے والے ہیں۔

(از مدارج النبوة)

مزید بحث انشاء اللہ زیارت قبور کی بحث میں آئے گی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب جنازے کو لوگ اپنے کاندھوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ جلدی چلو اور اگر برا ہوتا ہے تو کہتا ہے افسوس کہاں لئے جاتے ہو انسان کے علاوہ ہر چیز اس کی آواز کو سنتی ہے اور اگر انسان اسے سن لے تو بے ہوش ہو جائے

(بخاری، مسلم، شرح الصدور)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب میت کو اس کے تخت پر رکھ کر تین قدم چلا جاتا ہے، تو وہ بات کرتی ہے۔ انسان و جن کے سوا جو چاہے اس کے کلام کو سن سکتا ہے، مردہ کہتا ہے اے میرے بھائیو، اے میری نعش کو اٹھانے والو دنیا تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے جیسے مجھکو ڈالا اور زمانہ تم سے کھیل نہ کرے جیسے مجھ سے کیا، جو کچھ میرے پاس تھا وارثوں کے لئے چھوڑ دیا اور قرض لینے والے قیامت کے دن مجھے جھگڑا کریں گے اور حساب کریں گے اور تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو۔

(ابن ابی الدنیا، شرح الصدور)

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور تاریخ ابن نجار میں ابو محمد بن نجار سے (یہ مروزی کے ساتھیوں میں تھے، بلکہ خلال ان کو مروزی سے افضل کہتے تھے) مروی ہے انہوں نے کہا میں نے ایک مردہ کو غسل دیا، میں غسل دے رہا تھا کہ اچانک اس نے آنکھیں کھولیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا، اے ابو محمد اس دن کے لئے اچھی تیاری کر لو۔ واللہ اعلم۔

(شرح الصدور)

فصلِ ششم

﴿میت کے کفن کا بیان﴾

مرد کا کفن تین کپڑے ہیں۔ ازار۔ قمیص۔ لفافہ۔

ازار اگرچہ کمر میں باندھنے والی چادر کو کہتے ہیں۔ جیسے عام طور پر دیہاتوں میں سلوار کی جگہ چادر استعمال ہوتی ہے وہ ازار ہے۔ لیکن میت کے کفن میں استعمال ہونے والی ازار وہ چادر ہے جو انسان کے سر سے لے کر قدم تک ہو۔

قمیص :- یہ گردن سے لے کر قدم تک ہوتی ہے۔ اس میں آستین اور طرفوں میں عام قمیص کی طرح سلائی نہیں ہوتی۔

لفافہ :- یہ وہ چادر ہے جو انسان سے بڑی ہوتی ہے یعنی پاؤں اور سر کی جانب سے تھوڑی زائد ہونی چاہیئے۔ تاکہ میت کو صحیح لپیٹا جا سکے اور اوپر نیچے سے باندھا جا سکے۔

عمامہ :- یعنی پگڑی کا استعمال مکروہ ہے اگرچہ متاخرین فقہاء کرام نے علماء واشراف کے لئے پگڑی کا استعمال جائز قرار دیا ہے تاہم تین کپڑوں میں کفن دینے پر اکتفاء کرنا بہتر ہے لیکن علماء، بزرگان دین، دینداری میں جاہ و جلال رکھنے والوں کو اگر پگڑی باندھ دی جائے کسی حد تک جواز ملتا ہے۔

مسئلہ :- اگر میت نے وصیت کی ہو کہ مجھے صرف دو کپڑوں میں کفن دیا جائے تو اس کی وصیت پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ سنت کے مطابق اسے تین کپڑوں میں ہی کفن دیا جائے گا۔ ہاں اگر اس نے وصیت کی ہو کہ مجھے چار کپڑوں میں کفن دینا یعنی مجھے پگڑی بھی باندھنا تو اس کی وصیت پر عمل کیا گیا۔ کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے واقد رضی اللہ عنہ کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا۔ تین چادریں۔ ایک قمیص اور ایک پگڑی۔ آپ کی ٹھوڑی کے نیچے کو گھما کر لپیٹا گیا۔

(شامی)

کفن سفید، صاف ستھرا ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

" اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ "

(رواہ مسلم، مشکوۃ باب غسل المیت و تکفینہ)

جو تم اپنے بھائی کو کفن دو تو اچھا کفن دو۔ ایک اور روایت میں ہیاین عدی رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔

" احسنوا اکفان موتاکم فانھم یتزاوررون فی قبورھم "

(مرقاۃ)

اپنے مردوں کو اچھا کفن پہناؤ کیونکہ وہ قبروں میں ایک دوسری کی زیارت کرتے ہیں۔ لیکن ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لاتغالوا فی الکفن فانہ یسلب سلبا سریعا۔ میت کو بہت مہنگا کفن نہ پہناؤ کیونکہ یہ جلدی ہی ضائع ہو جانے والی چیز ہے۔

اب ان دونوں حدیثوں کا اتفاقی مضمون اس طرح ہوگا کہ کفن سفید ہو۔ صاف ستھرا ہو، مقدار کے مطابق ہو کیونکہ مردے قبروں میں جب ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہین تو اپنے اپنے اچھے کفنوں پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن بہت قیمتی کفن نہ خریدا جائے۔ لوگوں کو دکھانے کے لئے اس پر چرچا کیلئے کہ فلاں نے اتنا مہنگا کفن اپنے مردہ کو پہنایا ہے اس طرح کی حرکات سے اجتناب کیا جائے۔ بعض فقہاء کرام نے ذکر فرمایا کہ مرد کو ایسا کفن پہنایا جائے جیسے کپڑے وہ جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں استعمال کرتا تھا۔ اور عورت کو ایسا کفن پہنایا جائے جیسے وہ والدین کی زیارت کے لئے کپڑے پہنا کرتی تھی۔

(شامی، مرقاۃ)

عورت کا کفن

عورت کا کفن پانچ کپڑے ہیں۔ ازار، قمیص، لفافہ، خمار، خرقہ۔

پہلے تین کپڑوں کی وضاحت مرد کے کفن میں ہو چکی ہے۔ عورت کے وہ تین کپڑے بھی اسی

طرح ہوں گے۔

خمار :- دوپٹہ جس کی مقدار تین ذراع (ڈیڑھ میٹر) ہ جس کو سر پر اور چہرہ پر رکھا جائے گا، لپیٹا نہیں جائے گا۔

خرقہ :- اس کو سینہ بند کہا جاتا ہے یہ سینہ سے لیکر رانوں تک ہو گا۔ جو لپیٹ دیا جائے گا۔

تنبیہ :- یہاں تک مرد اور عورت کا کفن جو بیان کیا گیا ہے وہ کفن سنت ہے۔ یعنی کفن کی تین قسمیں ہیں۔

کفن سنت ۔ کفن کفایہ ۔ کفن ضرورۃ۔

کفن سنت :۔ کا ذکر ہو چکا ہے۔ مرد کے لئے تین کپڑے اور عورت کے لئے پانچ کپڑے۔

کفن کفایہ :- یہ ہے کہ کپڑا میسر ہونے کے باوجود مقدار کم کی جائے یہ سنت کے خلاف ہو گا۔ لیکن جائز ہو گا۔

مرد کا کفن کفایہ :- دو کپڑے ہیں یعنی ازار اور لفافہ (دونوں چادریں)

عورت کا کفن کفایہ :- تین کپڑے ہیں دو چادریں اور ایک دوپٹہ۔

بغیر کسی مجبوری کے مرد اور عورت دونوں کا کفن اس سے کم کرنا مکروہ ہو گا۔ اتنی مقدار میں یعنی مرد کو دو چادروں کا کفن پہنانا اور عورت کو دو چادروں اور دوپٹہ کا کفن پہنانا جائز ہو گا۔ لیکن سنت کے خلاف ہو گا۔

کفن ضرورۃ

خواہ مرد ہو یا عورت ہو کپڑا میسر نہ ہو تو جتنی مقدار میں بھی کپڑا مل جائے وہ استعمال کر لیا جائے۔ اس مجبوری اور عذر کے پیش نظر یہ کفن جائز ہو گا، مکروہ نہیں ہو گا۔ سنت کے خلاف نہیں ہو گا۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس افطار کے لئے طعام لایا گیا کہ آپ روزہ دار تھے۔ اس وقت آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا

کہ وہ مجھ سے بہتر تھے۔ کہ حالت فقر میں ان کو شہادت نصیب ہوئی،۔ یہ آپ نے عاجزی و انکساری کے طور پر کہا کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ سے ہیں اور عشرہ مبشرہ دوسروں سے افضل ہیں۔ آپ نے ان کی شہادت کا تذکرہ فرماتے ہوئے یوں فرمایا کہ ان کو جب شہید کیا گیا۔

" کفن فی بردة ان غطی راسه بدت رجلاه وان غطی رجلاه بدا رأسه "

(مشکوة . باب الغسل و تکفینه)

ان کو ایک چادر میں کفن دیا گیا وہ بھی جب چادر کو پاؤں کی طرف کیا جاتا سر ننگا ہو جاتا اور جب سر کی طرف کیا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے آخر کار چادر سے سر کو ڈھانپ دیا گیا۔ اور اذخر (ایک گھاس کا نام) کو پاؤں پر ڈالا گیا۔

اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی جب میدان احد میں شہید کر دیا گیا۔ تو آپ کو بھی...... ایک ہی کپڑے میں کفن دیا گیا۔ جیسا کہ روایت میں مذکور ہے۔

" لماروی ان حمزة رضی الله عنه کفن ثوب واحد "

(طحطاوی)

کفن پہنانے کا طریقہ:

چارپائی پر پہلے بڑی چادر بچھائی جائے پھر چھوٹی چادر اس کے بعد قمیص کو اس طرح رکھا جائے کہ نیچے والا حصہ چادر پر ہو۔ اوپر والا حصہ چارپائی کے سرہانے کی طرف کر دیا جائے پھر میت کو چارپائی پر لٹایا جائے قمیص کو پھاڑ کر جو حصہ گلہ بنایا گیا تھا اس سے میت کے سر کو گذار دیا جائے پھر قمیص کی ایک طرف جو سرہانے کی جانب کی تھی وہ میت کے سینہ اور پیٹ وغیرہ پر کر دی جائے پھر چادروں کو پہلے بائیں جانب سے لپیٹا جائے پھر دائیں جانب سے تاکہ کفن کی دائیں جانب لپیٹ میں اوپر رہے۔

عورت کو تین کپڑے پہناتے وقت تو اسی طرح رکھے جائیں۔ البتہ جب قمیص پہنائی جائے تو اس کے اوپر عورت کے بال دو حصے کر کے ان کی مینڈھیاں بنا کر ایک حصہ کے ایک طرف اور دوسرا حصہ دوسری طرف کیا جائے۔ پھر دوپٹہ بالوں کے اوپر کر دیا جائے۔ سینہ بند قمیص اور چھوٹی

چادر کے اوپر کیا جائے اور بڑی چادر کے نیچے کیا جائے۔

(شامی)

مسئلہ :-اگر کفن کے کھلنے کا خطرہ ہو تو اسے گرہ لگادی جائیں۔ جیسے عام طور پر میت کے وسط میں کپڑے کے ایک دھاگے سے باندھ دیا جاتا ہے لیکن دفن کے وقت درمیان والے بند کو کھول دیا جائے۔

مسئلہ :-مرد اور عورت دونوں کا کفن سفید ہونا چاہیئے۔ تاہم عورت کا اگر رنگدار ہو جائے کوئی حرج نہیں۔

جنازہ اٹھانے کا بیان

میت کی چارپائی کو چار آدمی اٹھائیں ۔ بہتر یہ ہے کہ ہر آدمی چالیس قدم اٹھائے۔ یعنی پہلے اپنے دائیں کندھے کو میت کے سر کی جانب رکھ کر دائیں قدم چلے پھر اسی جانب پاؤں کی طرف آجائے۔ پھر دوسری جانب سر کی طرف آجائے پھر اسی جانب پاؤں کی طرف آجائے، اس طرح دس دس قدم چلے تو چالیس قدم مکمل ہو جائیں گے۔

مسئلہ :- جنازہ اٹھا کر لے جانے والے جلدی جلدی چلیں لیکن دوڑیں نہیں۔ کیونکہ دوڑنے میں ایک میت کو اضطراب ہوگا اور دوسرا دوڑنے میں میت کی حقارت نظر آئے گی۔ جلدی چلنے کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

" اسرعوا بالجنازة فان تك صالحة فخير تقدمونها اليه وان تك دون ذالك فشر تضعونه عن رقابكم "

(بخاری، مسلم، مشکوۃ باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیھا)

جنازہ کو جلدی لے کر چلو اگر وہ نیک ہے تو اس کے بہتر ثواب اور اعلیٰ مقام کی طرف اسے پہنچادو اور اگر وہ اس کے سوا ہے تو اس کی جزاء شر ہے وہ خود بھی شر ہے اسے جلدی اپنے کندھوں سے اتار دو۔

مسئلہ :-مرنے والا چھوٹا بچہ ہو یا اسی طرح چھوٹی بچی ہو تو ان کے جنازے کو ہاتھوں میں ہی اٹھا لیا جائے۔

مسئلہ : جنازہ کے پیچھے پیچھے چلنا اس طرح افضل ہے جس طرح فرائض کو نوافل پر فضیلت حاصل ہے۔ جب یہی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو حق سے مبعوث فرمایا بے شک جنازہ کے پیچھے پیچھے چلنے والے پر ایسے افضلیت حاصل ہے جیسے فرائض کو نوافل پر فضیلت حاصل ہے۔ تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کیا یہ آپ اپنی رائے سے بیان فرما رہے ہیں۔ یا کہ آپ نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے۔ تو آپ نے غصہ میں آکر فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں نے حضور سے سنا ہے ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ نہیں اس طرح آپ نے سات مرتبہ تک گنا۔ یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ سے کئی مرتبہ سنا۔ تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جنازے کے آگے چلتے ہوئے دیکھا تو حضرت علیؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان دونوں کے مدارج بلند فرمائے۔ انہوں نے بھی نبی کریم ﷺ سے ایسے ہی سنا ہے جیسے میں نے سنا ہے۔......

" وانهما واللہ لخیر هذه الامة "

...... قسم ہے اللہ تعالیٰ کی بے شک وہ دونوں اس امت کے تمام لوگوں سے افضل ہیں، انہوں نے لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے راستہ کو کشادہ کرنے کی غرض سے آگے چلنا شروع کیا تھا۔

(طحطاوی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے پتہ چلا کہ اگر اس قسم کا کوئی عذر ہو تو جنازہ کے آگے چلنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ :- جنازہ کے پیچھے سوار ہو کر چلنے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ اس کی سواری سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ مستحب یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ والے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ اور موت کی فکر کریں اور یہ سوچیں کہ دنیا میں رہنے والوں کی انتہاء ہے۔ بے مقصد باتوں سے انسان کو اجتناب کرنا چاہیے۔ جب یہ وقت ذکر و فکر کا ہے تو اس میں غافل رہنا بہت ہی بری بات ہے۔ لہذا جنازہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ سبحان اللہ اور کلمہ طیبہ کا ورد کرے۔ دنیاوی کلام نہ کرے، غافل رہ کر ادھر ادھر نہ دیکھے کیونکہ اس حال سے دل سخت ہوتا ہے، اللہ کی یاد سے غافل رہتا ہے۔

مسئلہ :- جنازہ کے ساتھ عورتوں کا چلنا منع ہے، ابو یعلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے تو آپ نے کچھ عورتوں کو بھی جنازہ

کے ساتھ دیکھا تو آپ نے فرمایا:

" اتحملنه قلن لا ، قال اتدفنه قلن لا قال فارجعن "

کیا تم جنازہ کو اٹھاؤ گی؟ عورتوں نے عرض کیا نہیں، پھر آپ نے فرمایا کیا تم اسے دفن کرو گی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ! تمہارے ساتھ چلنے سے تمہارے لئے گناہ ہے، ثواب نہیں۔

(طحطاوی)

عورتوں کا جنازہ میں شرکت کرنا اس لئے منع ہے کہ وہ جزع و فزع زیادہ کرتی ہیں۔ صبر نہیں کرتیں۔

دوسری وجہ یہ ہے: کہ عورتوں کا مردوں کے سامنے بغیر پردہ کے جانا منع ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے: کہ عورت کا ساتھ جانا فتنہ سے خالی نہیں ہاں اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ جنازہ کے ساتھ سارے محرم مرد ہوں ان عورتوں کے اور صبر کے ساتھ عورتیں جا سکیں۔ تو منع نہیں ہو گا۔ لیکن ایسی صورت کا پایا جانا کہیں نظر نہیں آتا۔



فصل ہفتم:

نمازِ جنازہ کا بیان

جنازہ میں چار تکبیریں ہیں پہلی میں نیت دوسری میں ثناء۔ تیسری میں دورد شریف۔ چوتھی میں دعاء۔

نیت :- نیت کرتا ہوں نماز جنازہ کی چار تکبیر نماز جنازہ، فرض کفایہ، ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے درودواسطے نبی کریم ﷺ کے، دعاء واسطے اس حاضر میت کے، پیچھے امام صاحب کے، منہ کیا کعبہ شریف کی طرف، اللہ اکبر۔

ثناء :- سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلاَ اِلٰهَ غَیْرُكَ۔ اَللّٰهُ اَکْبَرُ

درود شریف :- اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰیٓ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَسَلَّمْتَ وَبَارَکْتَ وَرَحِمْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ۔ اللہ اکبر

دعاء :- اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ۔ وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔ اللہ اکبر

نابالغ بچہ کے لئے دعاء :- اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطاً وَاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعاً وَّمُشَفَّعاً۔ اللہ اکبر۔

نابالغ بچی کے لئے دعاء :- اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطاً وَاجْعَلْهَا لَنَا اَجْراً وَّذُخْراً وَاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَّمُشَفَّعَةً۔ اللہ اکبر۔

مسئلہ :- چوتھی تکبیر کے فوراً بعد دونوں ہاتھ کھول دے پھر سلام کہے۔

خلاصۃ الفتاوی ص ۲۲۵ میں ہے ہے

" فالصحیح . انه یحل الیدین ثم یسلم بتسلیمتین هکذا فی الذخیرة "

(فتاوی نوریہ جلد اول)

نماز جنازہ کے بعد دعاء

قرآن کریم اور احادیث شریفہ واجماع امت سے بالخصوص بلا کسی قید زمانی و مکانی و تعدادی کے ثابت ہے کہ دعاء احیاء اموات مؤمنین (زندہ کی دعاء مردہ مؤمنین) کے لئے نفع مند اور مفید ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ اور تمام ایمان والوں کا عمل اس پر رہا، اور یہ تسلیم شدہ دستور ہے۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں :

" قد نقل غیر واحد الا جماع علی ان الدعا ء ینفع المیت و دلیله من القرآن قوله تعالیٰ ﴿ وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ﴾

(شرح الصدور مصر ص ۱۳۷)

یعنی متعدد حضرات نے اس پر اجماع نقل فرمایا کہ بے شک دعا میت کو نفع دیتی ہے اور دلیل اس کی قرآن کریم سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے اور وہ لوگ جو آئے ان کے پیچھے (یعنی مہاجرین وانصار کے بعد) عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے بخشش فرما اور ہمارے ان بھائیوں کے لئے جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اسی پر اجماع ودلیل بیان فرماتے ہیں۔

(تذکرہ الموتی مجتبائی ص ۳۵)

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں :

" ان دعاء الاحیاء للاموات نفع لهم "

ترجمہ : بے شک زندوں کی دعائیں مردوں کے لئے نفع مند ہیں۔

(شرح فقہ اکبر طبع مصر ص ۱۱۸، ص ۱۱۹)

اس عبارت سے کچھ آگے اس طرح بیان فرمایا:

" وقد تواراته واجمع علیه الخلف " یعنی اگلوں اور پچھلوں سب کا اس پر اتفاق ہے۔
پھر آیات کثیرہ واحادیث سے استدلال کے بعد فرماتے ہیں :۔
" اتفق اهل السنة ان الاموات ينتفعون من سعي الاحياء "
یعنی اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ مردے زندوں کی کوشش (دعاء واستغفار وغیرہ) سے نفع اٹھاتے ہیں۔

اور یونہی عقائد نسفیہ و شرح تفتازانی طبع مجیدیہ ص ۳۴ اور تکمیل تصنیف حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۷۶ / ۱۷۷ مطبع مجتبائی میں ہے ۔ بلکہ ابن قیم جوزیہ کی " کتاب الروح " طبع حیدر آباد ص ۱۸۸ اور نواب صدیق حسن خان بہادر بھوپالی کی " ثمار التنکیف " طبع بھوپال۔ ص ۱۰۰ میں ہے :

" مجمع عليهما بين اهل السنة من الفقهاء واهل الحديث والتفسير احدهما ماتسبب اليه الميت فى حياته والثانى دعاء المسلمين له واستغفارهم "
یعنی تمام گروہ اہل سنت وجماعت فقہاء و محدثین و مفسرین اس پر متفق ہیں کہ میت کو دو چیزوں کا فائدہ ہوگا ۔ ایک وہ اعمال جو اس نے اپنے حیات میں کئے ہوں، جیسے مسجد، سرائے، کنواں وغیرہ بنائے ہوں جو اس کی طرف منسوب ہوں وہ بعد از وفات بھی اس کے لئے نفع مند ہیں اور دوسرا مسلمانوں کی دعاء اور استغفار سے مردے نفع اٹھاتے ہیں۔

نیز ابن قیم کی اسی کتاب کے ص ۱۹۱ میں ہے :۔

" دعاءِ النبی ﷺ للاموات فعلا و تعليما ودعاء الصحابة والتابعين والمسلمين عصرا بعد عصر اكثر من ان يذكر واشهر من ان ينكر "
یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کی دعاء مردوں کے لئے جو آپ نے خود کی اور امت کو تعلیم اور صحابہ کرام، تابعین، تمام اہل اسلام کا زمانہ بعد از زمانہ اموات کے لئے دعاء کرتے رہنا اس سے زیادہ ہے کہ اس کا ذکر کیا جاسکے اور اس سے زیادہ مشہور ہے کہ اس کا انکار کیا جاسکے۔ یہ دونوں

صاحب معترضین کے مسلّمہ امام ہیں۔

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

حضرت امام شعرانیؒ "کشف الغمہ" طبع مصر ص ۱۷۴ جلد اول میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت بیان کرتے ہیں :۔

" کان رسول اللہ ﷺ یحث علی الدعاء والصدقة والقرب المهدات للاموات من اقاربهم واخوانهم ویقول ان ذالك ینفعهم "

یعنی رسول اللہ ﷺ شوق دلایا کرتے تھے کہ ان دعاؤں اور خیراتوں اور نیکیوں پر جو اموات کے لئے ان کے رشتہ داروں اور بھائیوں کی طرف سے بطور تحفہ بھیجی جائیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ بے شک یہ سب کچھ انہیں نفع دیتا ہے۔

"وقد صرح الشعرانی بتصحیح جمیع الاحادیث المذکورة فی کتابه . ص۵، ۹ "

اور استدلال بعموم واطلاق نصوص طریقہ ائمہ قدیم وحدیث بالاتفاق ہے اور امام شعرانی نے تمام مذکورہ احادیث کو صحیح قرار دیا۔ لہذا اب ان احادیث کو ضعیف کہنا ہی قول ضعیف ہوگا۔

وذا ممالاینکر من رأی کلماتهم العالیة ۔اس دعاء کے مسئلہ میں ان لوگوں کا اتفاق ہے جن کے ارشادت وملفوظات عالیہ کو بطور سند پیش کیا جاتا ہو، ایسے حضرات کی رائے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

حتی کہ معترضین کے مسلم امام نواب صدیق حسین خان بہادر اپنے رسالہ " حل سوالات مشکلہ " مطبوعہ نظامی کے ص ۵ میں بعد از نماز فرض ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے ثبوت میں کہتے ہیں کہ مطلقاً ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے مگر بعد از نماز کی قید نہ نفیاً ہے اور نہ اثباتاً یعنی نماز کے بعد دعا کی نفی بھی نہیں کہ منع کیا گیا ہو یا ثابت کیا گیا ہو ۔(یہ بھوپالی کے نزدیک ہے ورنہ فرائض کے بعد دعا کرنا ثابت ہے)

" پس عموم ادلہ و مطلقات آں شامل فریضہ خواہد بود تاآنکہ دلیل برتخصیص وے قائم شود "

یعنی ان دلائل جواز کا عموم واطلاق دعاء بعد از نماز فرض کو بھی شامل ہوگا دلیل پر تخصیص

ثابت کرے کہ بعد از نماز جائز نہیں۔

ہمارے ائمہ کرام بھی یونہی فرماتے ہیں کہ بلا دلیل تخصیص حکم عام سب افراد کو شامل ہے لہذا بعد از نماز فرض جنازہ بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا جواز ان کے ہی مسلم پیشوا کے دلائل سے بھی ثابت ہو گیا۔ اور جواز شرعی واضح و ہویدا۔ مگر اطمینان سائلاں کے لئے اور توضیح کی جاتی ہے۔

بالخصوص دعاء بعد از نماز جنازہ کی تصریح بھی بلاشبہ ثابت ہے۔ سنن ابو داؤد مجیدی۔ ۱۰۰ جلد ۲۔ سنن بیہقی طبع حیدر آباد ص ۴۰ جلد ۴، سنن ابن ماجہ اصح المطابع ۱۰۹ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے۔

" اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء "

یعنی جب میت پر نماز پڑھ چکو تو اخلاص کے ساتھ اس کے لئے دعا کرو۔

مرقاۃ المفاتیح۔ ۵۹ جلد میں ہے :۔

" قال ابن حجر و صححه ابن حبان "

یعنی ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔

بدائع صنائع۔ ۳۱۱ جلد اول طبع مصر میں ہے :

کہ حضور پر نور ﷺ ایک جنازہ پر نماز پڑھا چکے تو حضرت عمر حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ ایک جماعت بھی تھی۔ دوبارہ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا : الصلوٰة علي الجنازة لاتعاد ولكن ادع للميت واستغفرله۔ یعنی جنازہ پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جاتی مگر اس میت کے لئے (جس پر ابھی ابھی نماز جنازہ پڑھی گئی ہے) دعاء اور استغفار کر لو۔ وهذا نص في الباب كما قال ملك العلماءؒ اس دعاء کے مسئلہ میں یہ بہت واضح حدیث ہے جیسا کہ ملک العلماءؒ نے بیان فرمایا ہے۔

نیز بدائع کے اسی صفحہ اور مبسوط سرخسی طبع مصر ص ۶۷ جلد ۲ میں ہے کہ حضرت ابن عباس اور ابن عمرؓ ایک جنازہ پر نماز سے رہ گئے تو اسی جنازہ پر حاضر ہو کر اس کے لئے استغفار کی۔ نیز ان دونوں کتابوں کے ان صفحات میں ہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ سے رہ گئے تو حاضر ہو کر بولے۔

" ان سبقتموني بالصلوٰة عليه فلا تسبقوني بالدعاء له "

آپ لوگوں نے اگر حضرت عمرؓ پر نماز میں مجھ سے پہل کرلی ہے تو ان کے لئے دعا کرنے میں تو مجھ سے پہل نہ کرو۔

اس سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام بعد از نماز جنازہ دعاء کیا کرتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز طبع ملتان ص ۱۳۲ میں ہے کہ حضرت مولیٰ علیؓ نے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں۔

" ثم مشی حتی اتاہ وقال: اَللّٰھُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ نَزَلَ بِكَ الْیَوْمَ فَاغْفِرْ لَهٗ ذَنْبَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ فَاِنَّا لاَ نَعْلَمُ مِنْهُ الاَّخَیْرَاتٌ وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ "

یعنی بعد از نماز جنازہ چل کر میت کے نزدیک ہو کر یہ دعاء فرمائی۔ اے اللہ ! یہ تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا، آج تیری خدمت میں حاضر ہو رہا ہے، اس کے گناہوں کی مغفرت فرما اور اس کی قبر کی کشادہ فرما، بے شک ہم تو صرف اس کی نیکیوں کو ہی جانتے ہیں۔ اور اے اللہ [redacted] سے بہتر جانتا ہے۔

شرح الصدور ص ۵۳ میں بحوالہ بزاز حضرت معاذؓ سے حدیث مرفوع طویل میں ہے کہ فرشتے مومن شخص قرآن کریم پڑھنے والے کی روح پر روحوں میں نماز جنازہ ادا کرتے ہیں "ثم تستغفرلہ الیٰ یوم یبعث" پھر اس کے لئے قیامت کے دن تک استغفار کرتے رہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء ایسی عبادت ہے جو فرشتے اس کے لئے کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ استغفار عموم آیات مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔

قرآن کریم میں ہے۔

﴿ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾

یعنی وہ فرشتے جو حاملین عرش ہیں۔ اور وہ جو عرش کے ارد گرد ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔ اور ایمان لاتے ہیں ساتھ اس کے اور استغفار کرتے رہتے ہیں ایمان داروں کے لئے۔

نیز قرآن کریم میں ہے :۔

﴿وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾

فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ میت تو پھر میت ہے اور محتاج بھی ہے۔ میت کے احسان کرنے والے پر بھی بعد از نماز جنازہ دعاء فرمائی حدیث طویل مرفوع سے ثابت ہے ۔

سنن دارِ قطنی ص ۳۰۸ طبع دھلی ، کشف الغمه ص ۱۲ جلد ۲ ، عمدةالقاری علی البخاری ۲۶۵ ، ص۲۶۶ جلد۵ فتح الباری ص۳۶۹ جلد۴ مطبوعات مصر میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت مولیٰ علیؓ نے میت کا قرض اپنے ذمہ لیا تو حضور پاک ﷺ نے اس پر نماز پڑھائی۔ پھر حضرت علیؓ کیلئے یہ دعاء فرمائی۔

" جزاكَ الله خيرا فك الله رهانك كما فككت رهان اخيك "

اللہ تعالیٰ تمہیں جزاء خیر عطا فرمائے اور تمہیں اس طرح (گناہوں سے) آزاد فرمائے جس طرح تم نے اپنے بھائی کو قرض سے آزاد کیا۔ (چونکہ دعاء میں بظاہر الفاظ کا ترجمہ تمہیں گروی (رہن رہنے سے آزاد فرمائے)اس لئے اس دعاء کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ جو مرنے والا اس حالت میں مرے کہ اس رہن (قرض وغیرہ) ہو تو وہ اپنے دین کے بدلے رھن (گروی) ہی رکھا ہوتا ہے پھر ہر اس شخص کے لئے جو میت کے دین کو ادا کر کے اسے رھن (گروی) سے آزاد کرائے یہ دعاء۔

" ومن فك رهان ميت فك الله رهانه يوم القيامة "

جو شخص میت کے رھن کو چھڑائے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے رھن کے چھوڑائے۔ تو آفتاب نیمروز و ماہ (دوپہر کے روشن سورج اور چودھویں کے چاند) کی طرح واضح ہوا کہ بعد از نماز جنازہ دعاء جائز ہے۔ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر آخر نماز جنازہ میں بھی کھڑے ہو کر ہی دعاء کیا کرتے ہیں اور کسی آیات یا حدیث بلکہ کسی امام معتمد کی تصریح کسی کتاب مستند میں قطعاً کوئی نہیں دکھا سکتا کہ بعد از نماز جنازہ کھڑے ہو کر ایسی مختصر دعائیں ناجائز ہیں۔ ہاں یوں کھڑے رہنا جائز نہیں کہ کھڑے ہی رہیں اور دفن میں دیر کر دیں، یوں کھڑے رہنا تو بلا دعاء بھی منع ہے مگر یہ اور چیز ہے، فوری دعاء جس سے دیر نہ ہو، دلائل مذکورہ بالا کی روشنی میں یقیناً جائز ہے۔

ازالہ شبہ :

اور بعض لوگ جو یہ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ جب جنازہ میں دعاء ہو گئی تو دوبارہ کیوں کی جائے ؟ تو ان کا یہ شبہ بھی دلائل مذکورہ بالا سے اٹھ گیا۔

نیز کثرت و تکرار دعاء یقیناً جائز و مستحب ہے۔ جب کہ نماز میں دعاء پہلے ہی ہو جاتی ہے لیکن نماز کے بعد پھر دعاء کرنا مستحب ہے اور وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ نماز میں ایک دفعہ سورۃ فاتحہ میں دعاء کی پھر نماز کے آخر میں دعاء کی لیکن پھر فرض نماز کے بعد دعا کرنے کا ارشاد گرامی نبی کریم ﷺ کی زبانی سنئے !

مشکوۃ شریف باب الذکر بعد الصلوٰت میں ہے :

" عن ابی امامة قال قیل یارسول اللہ ﷺ ایّ الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخر ودبر الصلوٰت المکتوبات "

(ترمذی)

حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے آپ نے کہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ کون سی دعاء زیادہ مقبول ہوتی ہے ؟ آپ نے فرمایا جو دعاء رات کے آخری حصہ (سحری کے وقت) میں کی جائے اور فرض نمازوں کے بعد کی جائے۔ اب یہاں سے واضح ہوا کہ فرض نمازوں کے بعد دعاء زیادہ مقبول ہوتی ہے، اگرچہ نمازوں کے اندر بھی دو مرتبہ واضح طور پر دعاء اور تیسری مرتبہ **السلام علینا وعلیٰ عباده الصالحین** کے ضمن میں دعا پائی گئی۔

اسی طرح نماز جنازہ کے بعد دعاء زیاد مقبول ہوتی ہے کیونکہ نماز جنازہ بھی فرض نماز ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فقط فرض نمازوں کا ذکر فرمایا جس میں فرض عین یا فرض کفایہ کا کوئی فرق بیان نہیں فرمایا، اپنی طرف سے فرض کفایہ کی نفی کرنا اور فرض عین کی قید لگانا حدیث پاک پر زیادتی ہے۔ حدیث پاک پر اپنی طرف سے زیادتی ناجائز ہے۔

(فتاویٰ نوریہ بتصرف)

نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار کون ؟

نماز جنازہ کی امامت کا سب سے پہلا حق بادشاہ کا ہے پھر اس کے نائب کا۔ نائب سے مراد صوبائی حاکم یا ضلعی حاکم پھر قاضی۔ لیکن ہر امام کیلئے امامت کرانے کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے وہ

باشرع ہو فاسق و فاجر نہ ہو۔

ضروریات دین کے مسائل سے باخبر ہو۔ موجودہ زمانہ میں حکام سے کوئی امامت کے قابل ہو جائے تو غنیمت ہوگی۔ ورنہ اکثر طور پر نااھل ہی نظر آئیں گے۔ خواہ نماز کی امامت ہو یا ملک کی امامت (حاکمیت) ہو اس کے لئے مرد ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ کوئی جاہل مولوی عورت کی حاکمیت کو برداشت کرلے تو اس سے عورت کی سربراہی یا نماز کی امامت جائز نہیں ہو جائے گی۔

ہاں البتہ حاکم اگر امامت کا اھل ہے تو اس کا حق مقدم ہوگا جیسا کہ حضرت حسینؓ نے حضرت امام حسنؓ کی نماز جنازہ کا امام حضرت سعید ابن العاص کو بنایا کیونکہ وہ والئی مدینہ (حاکم مدینہ) تھے۔ اور ان کو امام بناتے وقت حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ اگر ایسا کرنا سنت نہ ہوتا تو شائد میں تمہیں امام نہ بناتا۔

پھر امامت کا حق امام الحی کا ہے یعنی جو محلّہ کی مسجد کا امام ہے اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ مرنے والا شخص اس امام کی امامت پر راضی تھا اگر وہ اس امام کی امامت پر راضی نہیں تھا۔ اس کی اقتداء میں نماز ادا نہیں کرتا تھا تو یہ امام حقدار نہیں ہوگا ہاں البتہ میت کا ولی اسی امام کو اجازت دے دے تو یہی حقدار ہو جائے گا۔ محلّہ کے امام کو ولی سے اجزت لینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کا حق ولی سے اگرچہ درمختار نے نیک ولی کا حق محلّہ کے امام سے مقدم ذکر کیا ہے لیکن عام فقہائے کرام نے مطلقاً محلّہ کے امام کا حق پہلے ذکر کیا ہے۔

پھر اس کے بعد میت کے ولی کا حق ہوگا۔ ولی سے مراد وہ ولی ہے جس کو نابالغ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کرنے کی ولایت حاصل ہو۔ عورتوں کو ولایت حاصل نہیں۔ عورت کے خاوند کو ولایت حاصل نہیں کیونکہ وہ زوجہ کی وفات کے بعد اجنبی ہو گیا۔ وہ ولی جو قریبی رشتہ رکھتا ہو۔ اس کی غیر موجودگی میں (جب وہ ساڑھے ستاون میل دور ہو) اس ولی کو حق حاصل ہوگا جو بنسبت اس کے دور ہے۔

مسئلہ :- ایک میت کا باپ بھی اور بیٹا بھی ہو تو اس صورت میں باپ کو نماز جنازہ پڑھانے کا پہلے حق حاصل ہوگا۔ اگر یہی صورت نکاح میں ہوتی جیسے مجنونہ عورت کا نکاح کرنا ہو تو عورت کا باپ

بھی ہو اور بیٹا بھی کسی پہلے خاوند سے ہے تو بیٹے کو نکاح کرنے کا حق باپ سے زیادہ حاصل ہوگا کیونکہ معاملہ میں شفقت کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ اور شفقت بنسبت باپ کے بیٹے کو زیادہ حاصل ہے۔ لیکن جنازہ میں عمر اور وقار کو پیش نظر رکھا جائے گا جو باپ میں زیادہ ہے بیٹے سے۔ البتہ باپ اگر جاہل ہو اور بیٹا عالم ہو تو اس صورت میں میت کے بیٹے کو میت کے باپ پر پہلے سمجھا جائے گا۔

مسئلہ :- اگر عورت فوت ہو جائے اس کا اور کوئی والی نہ ہو تو زوج کو حق حاصل ہوگا۔ یعنی ایسی صورت میں خاوند اوروں سے بہتر ہوگا اگرچہ یہ بھی ایک عام آدمی کی حیثیت میں ہے۔ اور اگر کوئی بھی والی نہ ہو تو پڑوسیوں کا حق ہوگا۔

مسئلہ :- ولی کو حق حاصل ہے کہ وہ خود جنازہ پڑھائے یا کسی کو اجازت دے۔ لیکن جن کا حق ولی سے بھی پہلے ہو ان کا حق پہلے ہی رہے گا، ان کو چھوڑ کر دوسرے کو امامت کے لئے اگر ولی کہے تو جائز نہیں ہوگا۔

مسئلہ :- جن حضرات کا حق ولی سے مقدم ہے ان کے بغیر کسی اور نے ولی کی اجازت کے بغیر نماز جنازہ پڑھادی تو ولی کو دوبارہ پڑھانے کا حق حاصل ہوگا لیکن اگر ولی خود نماز جنازہ میں شریک ہو بظاہر الفاظ سے اس نے نہ اجازت دی اور نہ ہی اسے اجازت طلب کی گئی۔ اس صورت میں دوبارہ ادائیگی نہیں ہوگئی۔ یہاں سے ہی یہ بات سمجھ آئی کہ اگر ولی نے اجازت دے دی کہ تم نماز جنازہ ادا کر لو میں بعد میں دوسری جگہ نماز جنازہ ادا کروں گا تو اس صورت میں نماز جنازہ پہلی ہی ہوگی۔ کیونکہ اس میں ولی کی اجازت پائی گئی۔ دوسری نہیں ہوگی۔ (اسی طرح ولی نے پہلی نماز جنازہ میں شرکت کرلی تو پھر بھی دوسری نماز جنازہ نہیں)

خیال رہے کہ تمام ولیوں کی علیحدہ علیحدہ اجازت ضروری نہیں ہوگی بلکہ ان سے جو قریبی ہوگا اس کا حق پہلے ہوگا اگر ایک جیسا مرتبہ ہو جیسے دونوں بھائی ہوں تو بڑے کا حق پہلے ہوگا۔ اگر چھوٹا عالم ہے تو حق پہلے ہوگا۔ لہٰذا ولیوں کی موجودگی میں کئی بار جنازہ پڑھنا ایک رسم ہی ہے حقیقتاً جنازہ نہیں۔

مسئلہ :- اگر بغیر نماز جنازہ کے کسی کو دفن کر دیا گیا ہو یا بغیر غسل دینے کے نماز جنازہ پڑھ کر

دفن کر دیا گیا ہو یا ولی کی اجازت کے بغیر کسی ایسے آدمی نے نماز جنازہ پڑھائی جس کو ولی سے پہل حاصل نہیں تھی اور اس ولی کے بغیر کوئی اور ولی بھی شریک نہیں تھا اس طرح اس کو دفن بھی کر دیا گیا ہو تو ان تمام صورتوں میں قبر پر نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہوگا ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ غالب گمان یہ ہو کہ میت سوجا اور پھٹا نہیں ہوگا ۔ اگر غالب گمان اس کے خلاف ہو تو قبر پر نماز جنازہ ادا نہیں ہوگی ۔ سوجنے یا پھٹنے کا اندازہ گرمی اور سردی کے موسم میں مختلف ہوگا۔ اسی طرح میت کے موٹے ہونے اور پتلے ہونے میں بھی فرق پڑے گا۔ موسم اور میت کے اعتدال کی صورت میں عام طور پر تین دنوں کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ تین دنوں تک قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکے گی۔

نماز جنازہ سے متعلق دیگر مسائل

مسئلہ :- نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اگر کوئی شخص اس کی فرضیت کا انکار کرے تو کافر ہو جائے گا۔ اگر بعض لوگوں نے ادا کر دیا تو کوئی بھی گناہگار نہیں ہوگا۔ اگرچہ ثواب ان لوگوں کو ہی ہوگا جو ادا کریں گے۔

مسئلہ :- جنازہ کا اعلان کیا جائے جتنے زیادہ آدمی ہوں گے اسی قدر بہتر ہوگا۔ حضرت کریبؓ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بیٹا مقام قدید یا عسفانؓ میں انتقال کر گیا۔ آپ نے مجھے کہا دیکھو کیا لوگ جنازہ کے لئے جمع ہو گئے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھ کر بتایا کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں، آپ نے پوچھا کیا چالیس کی مقدار ہو چکے ہوں گے ؟ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اب جنازہ نکال لو کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ فرماتے :

" مامن رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازته اربعون رجلا لایشرکون بالله شیئا الا شفعهم الله فیه "

(مسلم . مشکواة)

جس مسلمان شخص کی نماز جنازہ میں چالیس مؤمن...... یعنی جو اللہ تعالیٰ سے شریک نہ ٹھہراتے ہوں...... شریک ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

" ما من ميت تصلى عليه امة من المسلمين يبلغون مائة كلهم يشفعون له الاشفعوا فيه "

(مسلم ۔ مشکواۃ)

جس مسلمان میت کی نماز جنازہ ایک سو مسلمان آدمی ادا کریں اور اس کے لئے شفاعت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔

مسئلہ :۔شہید کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی لیکن غسل نہیں دیا جائے گا اور جو کپڑے اس نے پہنے ہوئے تھے وہی بطور کفن رہیں گے اگر کپڑے کم تھے تو پورے کر لئے جائیں گے اور اگر زیادہ تھے تو پھر کم کر کے پورے کئے جائیں گے۔

شہید وہ ہے جو میدان جنگ میں شہید ہو جائے اگر زخمی ہونے کے بعد دوا حاصل کی، نماز کا وقت گذر گیا، اس طرح کے کچھ منافع حاصل کئے تو شہید کا مرتبہ تو حاصل رہے گا لیکن فقہ کی رو سے اس پر احکام شہید جاری نہیں ہوں گے بلکہ اس کو غسل و کفن دیا جائے گا۔ اسی طرح جس شخص کو باغی قتل کر دیں یا مسلمان تیز دھار آلہ سے ظلماً قتل کر دیں اسے بھی غسل نہیں دیا جائے گا اور پہنے ہوئے کپڑوں کو ہی کفن بنایا جائے گا۔

مسئلہ :۔ نماز جنازہ کے فرض کفایہ ہونے کی چھ شرطیں ہیں۔ میت کا مسلمان ہونا۔ میت کا طاہر ہونا یعنی غسل دیا ہوا ہونا میت کا ننگیز ڈھانپا ہوا ہونا غائب نہ ہونا اور زمین پر یا ہاتھوں پر رکھا ہوا ہونا۔ نمازیوں کے آگے ہونا پیچھے نہ ہونا۔

میت مسلمان ہو کافر نہ ہو کیونکہ کافر کی نماز جنازہ ادا کرنا منع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ ﴾

اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا، بے شک اللہ اور رسول سے منکر ہو گئے۔ اور فسق ہی میں مر گئے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ کافر کے جنازے کی نماز کسی حال میں جائز نہیں اور کافر کی قبر پر دفن اور زیارت کے لئے کھڑا ہونا بھی ممنوع ہے۔ اور یہ فرمایا (اور فسق سے مراد کفر ہے۔ قرآن

کریم میں اور جگہ بھی فسق بمعنی کفر استعمال ہوا ہے جیسے کہ آیت افمن کان مومنا کمن کان فاسقا میں۔(کیا مومن اور کافر برابر ہیں)

مسئلہ :-کافر نہ ہو بلکہ صرف فاسق ہو تو اس کی نماز جنازہ جائز ہے اس پر صحابہ کرام اور تابعین کا اجماع ہے اور اسی پر علمائے صالحین کا عمل اور یہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔

مسئلہ :-جب کوئی کافر مر جائے اور اس کا ولی مسلمان ہو تو اسے وہ غسل دے لیکن صرف اس طرح جس طرح ناپاک چیز کو دھویا جاتا ہے۔اس میں سنت طریقہ سے غسل دینا ضروری نہیں۔ اسی طرح اسے کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے۔ سنت کے مطابق کفن نہ دیا جائے۔ نماز جنازہ نہ ادا کی جائے۔ مسلمانوں کے قبرستان میں نہ دفن کیا جائے بلکہ عام گڑھا کھود کر اسے دفن کر دیا جائے۔ جیسے کسی مردہ چیز کو بدبو سے بچنے کے لئے دفن کر دیا جائے۔ (از خزائن العرفان)

نبی کریم ﷺ نے "عبداللہ ابن ابی منافق" کی نماز جنازہ کیوں پڑھی؟

عبداللہ بن ابی سلول منافقوں کا سردار تھا جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ ہی ہے وہ مسلمان صالح مخلص صحابی اور کثیر العبادت (بہت زیادہ عبادت کرنے والے) تھے انہوں نے یہ خواہش کی کہ سید عالم ﷺ ان کے باپ عبداللہ بن ابی سلول کو کفن کے لئے اپنی قمیص مبارک عطا فرما دیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔اسی خواہش کا اظہار خود ابن ابی نے بھی نبی کریم ﷺ سے کیا تھا جب آپ اس کی عیادت کے لئے تشریف لائے تھے۔

حضرت عمرؓ کی رائے اس کے خلاف تھی لیکن چونکہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے منافقین کی نماز جنازہ ادا کرنے سے نبی کریم ﷺ کو منع نہیں فرمایا تھا اور حضور ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ آپ کے اس فعل سے ایک ہزار آدمی ایمان لائیں گے ۔اس لئے حضور ﷺ نے اپنی قمیص بھی عطا فرما دی اور جنازہ میں بھی شرکت فرمائی۔ خیال رہے کہ آپ نے اس دن دو قمیصیں پہن رکھی تھیں اوپر والی قمیص عطا فرمائی تھی ۔

اور قمیص دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سید عالم ﷺ کے حضرت عباس جو بدر میں اسیر

(قیدی) ہو کر آئے تھے تو عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتہ انہیں پہنایا تھا۔ حضور ﷺ کو اس کا بدلہ دینا بھی منظور تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس کے بعد کبھی نبی کریم ﷺ نے کسی منافق کے جنازے میں شرکت نہیں فرمائی۔ اور حضور ﷺ کی وہ مصلحت بھی پوری ہوئی۔ چنانچہ جب کفار نے دیکھا کہ ایسا شدید العداوت شخص جب سید عالم ﷺ کے کرتے کی برکت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے عقیدہ میں بھی آپ اللہ کے حبیب اور سچے رسول ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اسے سچے دل سے قبول کرنا نصیب نہ ہوا ۔ یہ سوچ کر ایک ہزار کافر مسلمان ہو گئے۔ یہ ہی سب سے عظیم مقصد نبی کریم ﷺ کا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے منافقوں کی نماز جنازہ سے روکا نہیں تو کیوں نہ نماز جنازہ ادا کی جائے تاکہ آپ کی اس شان رحیمی اور رئیس المنافقین کی بھی آپ کی احتیاجی کو دیکھ کر کئی کافر مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا جیسے ذکر کیا جاچکا ہے۔

(خزائن العرفان، مدارج النبوۃ)

غائبانہ نماز جنازہ ناجائز ہے:

ہمارے دور میں غائبانہ نماز جنازہ کا رواج ہو گیا لیکن "فقہ حنفی" کی رو سے نماز جنازہ غائبانہ مشروع (جائز) نہیں۔ اور سراج امت امام اعظمؒ کی تحقیق یہی ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ فروعی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ سیدنا امام اعظمؒ کا موقف دلائل شرعیہ کی روشنی میں بہت ہی مضبوط و مستحکم ہے اس مسئلہ کے دلائل یہ ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کو جنازہ مسلمین میں شرکت کا اس درجہ خیال تھا کہ آپ نے صحابہ کو ہدایت فرمادی تھی کہ جب بھی کسی مسلمان کا انتقال ہو تو مجھے ہر حال میں اطلاع دی جائے آپ نے فرمایا کہ میت مسلم پر میرا نماز پڑھنا رحمت و برکت ہے۔ میں ان کی قبروں کو نماز پڑھ کر روشن و منور فرما دیتا ہوں (ابن ماجہ) مگر بایں کمال اہتمام ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ نبوت میں صدہا صحابہ کرام مدینہ شریف کے علاوہ دیگر مقامات پر انتقال کر گئے، مگر کسی صریح و صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ آپ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو، حتی کہ واقعہ بیر معونہ میں ستر جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو کفار نے دھوکہ سے شہید کر دیا نبی کریم ﷺ کو ان کی شہادت کا اسقدر شدید صدمہ ہوا کہ آپ نے پورے ایک ماہ خاص نماز کے اندر ان کفار کے لئے بد دعاء کی اور لعنت فرمائی، مگر ان تمام وجوہ کے باوجود یہ ثابت نہیں کہ آپ نے ان ستر صحابہ کی غائبانہ نماز پڑھی ہو، نبی کریم کا بلاعذر

بالقصد ان تمام صحابہ کا غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھنا اس امر کی روشن دلیل ہے۔ کہ غائب کا جنازہ پڑھنا امر شرعی و مشروع نہ تھا۔ نیز حضور اقدس ﷺ نے بھی کسی صریح و صحیح حدیث میں نماز جنازہ غائبانہ کا حکم نہیں دیا۔

غائبانہ نماز جنازہ کے جواز کی تین دلیلیں اور ان کا رد

نماز جنازہ غائبانہ کے جواز کے لئے تین واقعوں سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اول نبی کریم ﷺ نے حضرت نجاشی کا نماز جنازہ پڑھا حالانکہ ان کی وفات حبشہ میں ہوئی تھی۔ (بخاری)

اس استدلال کے متعدد جواب ہیں، ایک جواب یہ ہے، صحیح ابن ابو عوانہ میں ہے کہ نجاشی کا جنازہ حضور اقدس ﷺ کے لئے ظاہر کر دیا گیا تھا، لہذا یہ جنازہ حاضر پر ہے غائب پر نہیں۔
(عینی شرح بخاری ج ٤ ص ٢٥ و فتح الباری)

اسی طرح البحر الرائق میں ہے کہ حضرت نجاشی کی حضور ﷺ نے جو نماز جنازہ پڑھائی تو ابن ہمامؒ نے فرمایا یہ نماز جنازہ غائبانہ نہ تھی بلکہ حضور کے لئے اس کی میت ظاہر کر دی گئی تھی اگر میت سامنے حاضر ہو اور مقتدیوں کو نظر نہ آئے تو جواز میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ کا معنی دعائے مغفرت بھی ہے اس لئے ممکن ہے کہ حدیث پاک کا مطلب یہ ہو اکہ حضور ﷺ نے نجاشی کیلئے دعائے مغفرت کی۔

اس کے علاوہ غیر مقلد اہل حدیث ابن قیم جوزی نے لکھا ہے کہ اہل اسلام میں سے خلق کثیر کی وفات ہوئی مگر نبی کریم ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی اور نجاشی کی جو نماز جنازہ غائبانہ آپ نے ادا فرمائی اس میں تین اختلافی اقوال ہیں۔ امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا قول ہے کہ اس کی روشنی میں ہر غائب کی نماز جنازہ ہے۔

اصحاب امام ابو حنیفہ اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ حضرت نجاشیؓ کی نماز جنازہ چونکہ آپ کی خصوصیت ہے اس لئے دوسروں کے لئے جائز نہیں۔ اور خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا ہو۔ اور آپ نے "حاضر میت" کے طور پر نماز جنازہ پڑھی

ہو۔اس صورت میں صحابہ کے نہ دیکھنے کا عذر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ نماز جنازہ میں آپ کے تابع تھے۔ لہٰذا امام کا دیکھنا کافی تھا۔ اگرچہ انہوں نے نہ دیکھا ہو۔ اور چونکہ کسی اور کے لئے اتنی مسافت سے ایسا مشاہدہ نہیں ہو سکتا، اس لئے وہ غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔ اس کے علاوہ دیگر غائبین (دوسرے غائب لوگوں) کے لئے نماز جنازہ آپ سے منقول نہیں۔ اور حضرت نجاشی کے علاوہ حضرت معاویہ لیثی کی غائبانہ نمازہ جنازہ کی جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

دوسری دلیل :- غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کی یہ ہے کہ معاویہ مزنی کا انتقال مدینہ میں ہوا۔ اور حضور نے ان کی نماز جنازہ تبوک میں پڑھی۔ لیکن ان کی یہ دلیل بھی صحیح نہیں کیونکہ ائمہ حدیث، عقیلی، ابن حبان بیہقی۔، ابو عمر ابن عبد البر ابن الجوزی، علامہ ذہبی اور نوویؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا، ضعیف حدیث سے احکام ثابت نہیں ہوتے۔ اگرچہ فضائل میں معتبر ہوتی ہے۔ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور ائمہ حدیث نے اس کے راویوں کو مجہول، کذاب ضعیف، منکر الحدیث اور متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ علامہ عبد البر نے فرمایا کہ اس روایت کی سب سندیں ضعیف ہیں۔ اور احکام کے بارے میں حجت نہیں۔

(اصابہ، میزان۔ استعیاب)

تیسری دلیل :- غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کی یہ ہے کہ جنگ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ یکے بعد دیگر شہید ہوئے ہیں یہ تینوں اسلامی فوج کے کمانڈر تھے۔ پہلے زید بن حارثہ ان کی شہادت کے بعد جعفر طیار ان کی شہادت کے بعد عبداللہ بن رواحہ ان کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید کی زیر قیادت فتح ہوئی۔ بہر حال ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ جنگ موتہ میں شہید ہونے والے قائدین کی نماز جنازہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ادا کی۔

لیکن ان کی یہ دلیل بھی درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ حدیث دو طریقوں سے ثابت ہے اور دونوں طرق سے مرسل ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی واقدی ہیں۔ اور امام ذہبی نے بیان کیا ہے کہ واقدی کے متروک (سند میں اعتبار نہ کرنا) ہونے میں اجماع ہے۔

اور یہ ہے کہ اس حدیث میں صلوۃ صرف دعائے مغفرت کی معنی میں ہے جیسا کہ اس حدیث کے قرائن سے واضح ہے ہم نے یہاں بہت ہی مختصر اور مبہم گفتگو صرف اظہار مسئلہ کے لئے کی ہے، تفصیلی بحث کے لئے فیوض الباری شرح بخاری کی جلد سوم ملاحظہ فرمایئے!

وما علینا الا البلاغ۔

غائبانہ نماز جنازہ میں ابن تیمیہ کا قول

ابن تیمیہ کے نزدیک صحیح مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر کسی غائب کی کفار کے علاقہ میں وفات ہوئی اور وہاں اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہے تو ایسے شخص کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی جائے گی۔ لیکن جس کی وفات ایسی جگہ ہوئی کہ وہاں اس پر نماز جنازہ پڑھی گئی تو ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ وہاں لوگوں کے اس پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ سے فرض ساقط ہو گیا ہے۔

(زاد المعاد، ابن قیم ج ۱ ص ۱۴۵ ملخصاً)

اہل حدیث مسلک کے مشہور عالم عبد القادر روپڑی کا فتویٰ

روپڑی صاحب نے اپنے فتویٰ میں لکھا ہے کہ

"جنازہ غائبانہ کی بابت بہت اختلاف ہے، حنفیہ وغیرہ کے علاوہ کئی اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں، نجاشی کی حدیث کی بابت کہتے ہیں کہ وہ غیر ملک میں فوت ہوا، اس کے والی وارث کافر تھے، ظاہر یہی ہے کہ وہاں اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں پڑھا۔ خطابی نے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور محقق مقبلی نے اسی کو اختیار کیا۔ وریانی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ اور ابو داؤد نے اس پر باب باندھا ہے۔ غرضیکہ جنازہ غائب کی بابت اس قسم کے اختلاف ہیں۔ میری کسی طرح تسلی نہیں اس لئے میں خود جنازہ غائب نہیں پڑھا کرتا۔"

(تنظیم اھل حدیث ۱۱ جون ۱۹۶۵ء)

نوٹ :- غائبانہ نماز جنازہ پر یہ مذکورہ بالا مضمون شارح بخاری مولانا محمود احمد رضوی مدظلہ

العالی کا ہے جو ماہنامہ رضوان اکتوبر ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا جس کو میں نے کچھ تصرفات کے ساتھ یہاں نقل کیا ہے۔

اہم وضاحت :- بریلوی اور دیوبندی دونوں حنفی ہیں ۔ حنفی مسلک میں غائبانہ نماز جنازہ کا کوئی وجود نہیں اس لئے ان دونوں مکاتب فکر کے علماء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے اور اہلحدیث غیر مقلد معتبر علماء کے فتاویٰ سے بھی واضح ہوا کہ وہ بھی جواز کے قائل نہیں ۔ پاکستان میں اب صرف غائبانہ نماز جنازہ پڑھانے والے بے ضمیر علمائے سوء، سیاسی شعبدہ باز، بکاؤ مال، منافقین ہیں جو اپنی مجالس میں اور منبر رسول پر بیٹھ کر کسی کو گالی دیتے ہیں۔ کافر کہتے ہیں۔ پھر ان کی محافل میں پیسے بٹورنے کے لئے شریک بھی نظر آتے ہیں۔ بس صرف یہ ان لوگوں کا کام رہ گیا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ جہاں ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں علمائے ربانیین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے دین متین کے علمبردار ہیں۔ تقویٰ ان کا شیوہ ہے سچ بولنا ان کا وطیرہ ہے، رزق حلال حاصل کرنا ان کا خاصہ ہے۔ اگر کسی کو ازروئے شریعت فی الواقع حقیقتہً کافر سمجھ کر کافر کہا تو اس پر قائم رہنا ان کا نشان امتیاز ہے۔ وہاں چند مٹھی بھر جھوٹے، فریبی، حرام خور، بکاؤ مال منافق، شعبدہ باز بھی ہیں جنہوں نے عام علماء کرام کی عزت کو خاک میں ملایا ہوا ہے۔ ان کا کام صرف مال جمع کرنا ہے۔ خواہ کافر سے ملے یا مسلمان سے ملے یا نصرانی سے ملے، ہندو سے ملے یا سکھ سے۔ بس یہی لوگ "قیامِ پاکستان" کے بھی مخالف تھے اور اب " بقائے پاکستان" کے بھی مخالف ہیں۔ کلاشنکوف کلچر علماء کا شیوہ ہی نہیں، بلکہ یہ لوگ جہلاء ہیں جو علماء کے لباس میں نظر آتے ہیں۔ اشقیاء ہیں جو صلحاء کی شکل میں نظر آتے ہیں ۔ یہ حرام خور ہیں جو ہاتھوں میں تسبیح لئے پھرتے ہیں ۔ پیشاب پینے، سور کھانے کو حرام تو سمجھتے ہیں۔ لیکن اسے برداشت کر کے ہڑپ کر جاتے ہیں۔

حضرات محترم ! خدارا اپنے ازلی دشمنوں کو پہچانئے!

☆ وہ کون تھے جو حیثیت جماعت کانگرس کے پٹھو تھے ؟

☆ گاندھی کو "منبر رسول" پر بٹھانے والے کون تھے ؟

☆ قائد اعظم کو " کافر اعظم " کہنے والے کون تھے ؟
☆ "ہزار جینا (جناح) نہرو کے جوتے کی نوک پہ قربان" یہ کہنے والے کون تھے ؟
☆ یہ انگریز کے غلام کا لبادہ اوڑھنے والے کون تھے ؟

یقیناً وہی آج پاکستان کو توڑنے پر لگے ہوئے ہیں۔ یہ قیام پاکستان کے وقت جس طرح انگریز کے آلہ کار تھے ۔ آج بھی انگریز کا پیسہ لے رہے ہیں۔ یہ بھی ان کا کہنا غلط ہے کہ اگرچہ پاکستان بننے کے مخالف تھے آج بھی ہمارے وہی نظریات ہیں لیکن ہم نے پاکستان بننے کے بعد پاکستان کو تسلیم کر لیا ہے۔ کون سا عمل ان کا اس پر دلیل ہے آج تک وہی چالبازیاں ، ملک میں تخریب کاری کے اڈے قائم کئے ہوئے ہیں۔ اپنے ملک کے باشندوں کو قتل کر رہے ہیں۔ یہ کونسا دین ہے؟ کیسی ملک کی خدمت ہے ؟ کچھ نہیں! صرف اسلام سے لوگوں کو دور کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

آج کے دور میں انسان ایسے چند فریب کار ملاؤں سے نفرت کرتے ہوئے ہر مولوی کو یہی سمجھ رہا ہے اور اسلام سے دور ہو رہا ہے۔ لیکن خدارا! پاکستان کے عقلمند عوام! غیور مسلمانو! کھرے کھوٹے میں تمیز کیجئے۔ حق و باطل کو سمجھئے! شریف و شریر کا فرق کیجئے۔ چند بد معاشوں کی وجہ سے تمام علمائے کرام کو ایک جیسا نہ سمجھئے ۔

مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا منع ہے

مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا مطلقاً منع ہے۔ موطا امام محمد میں " لا یصلی علی جنازة فی المسجد " نماز جنازہ مسجد میں ادا نہ کیا جائے۔ اس کو مطلق ذکر کیا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جنازہ مسجد کے اندر رکھا جائے یا جنازہ باہر ہو لیکن نمازی مسجد کے اندر ہوں۔ حکم ایک ہی ہو گا۔ امام طحاوی نے بیان کیا ہے کہ پہلے جواز تھا لیکن بعد میں منسوخ کر دیا گیا۔

اسی طرح ابن ابی شیبہ کی حدیث میں مطلقاً اس طرح مذکور ہے :

" من صلی علی میت فی المسجد فلا صلوة له "

جس شخص نے مسجد میں میت پر نماز جنازہ ادا کی اس کی نماز (کامل) ادا نہیں ہوئی۔

اسی طرح ابو داؤد اور مسند احمد میں ہے فلا شئی لہ اور ابن ماجہ میں ہے فلیس لہ شئی۔ دونوں قسم کے الفاظ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص میت پر مسجد میں نماز ادا کرے گا اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

یہ تمام صورت اس وقت ہے جب تک کوئی عذر نہ ہو اگر عذر ہو تو مسجد میں جنازہ جائز ہوگا۔ جیسے بارش ہو یا ولی میت مسجد میں معتکف ہو یا وہ شخص جس کا حق مقدم ہے۔ (جیسے بادشاہ، بادشاہ کا نائب، قاضی وغیرہ) مسجد میں اعتکاف میں ہو۔ ان صورتوں میں بغیر کسی کراہیت کے مسجد میں جنازہ جائز ہوگا۔

قبر اور دفن کے متعلق مسائل

میت کے قد کے مطابق قبر کا طول ہو اور میت کے نصف قد کے برابر عرض (چوڑائی) ہو۔ اور نصف قد کے برابر ہی گہرائی ہو۔ لیکن عورت کی قبر کی گہرائی اس کے سینہ کے برابر ہو۔ اسی طرح مرد کی قبر کا گہرا ہونا بھی مستحب ہے۔ تاہم آج کل مکمل قد کے نصف برابر مرد اور عورت کی قبر بنائی جاتی ہے بلکہ اس سے کم ہی رکھی جای ہیں۔ جواز ہے، تاہم استحباب کے خلاف ہے۔

مسئلہ :- قبر کا "لحد" بنانا مستحب ہے۔ قبر "شق" نہ بنائی جائے۔ "لحد" اس قبر کو کہتے ہیں جس کے ایک کنارے پر کھود کر میت کو رکھنے کی جگہ بنائی جاتی ہے جس کو عام طور پر بغلی قبر کہا جاتا ہے۔ "شق" اس قبر کو کہتے ہیں جس کے درمیان میں کھود کر میت کو اس میں رکھا جاتا ہے جس کو عام طور پر "چیرویں" قبر کہتے ہیں۔

مسئلہ :- اگر زمین نرم ہو وہاں "لحد" نہ بن سکے تو "شق" بنالی جائے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ لحد بنانا بہتر ہے واجب نہیں۔ اگر ایسی زمین ہو جہاں لحد بن سکتی ہے لیکن پھر بھی شق بنالی جائے تو جائز ہے اگرچہ بہتر نہیں۔ لحد بنانی چونکہ مشکل ہے اس لئے آسانی کو مد نظر رکھتے ہوئے شہروں میں عام طور پر شق ہی بنائی جارہی ہیں۔ تاہم دیہاتوں میں ابھی تک اس مستحب طریقہ پر بفضلہ تعالیٰ عمل ہو رہا ہے یعنی دیہاتوں میں قبر لحد ہی بنائی جاتی ہے۔

[illegible]

مدینہ طیبہ میں دو شخص قبر کھودنے والے تھے، ایک حضرت عبیدہ بن الجراحؓ جو بطریق شق (جسے سامی یا چیرویں قبر کہتے ہیں) قبر کھودتے تھے اور دوسرے حضرت ابو طلحہ انصاریؓ جو بطریق لحد قبر کھودتے تھے، اس پر حضرت عباسؓ نے فرمایا، اے خدا اپنے حبیب کے لئے وہ چیز اختیار فرما جو محبوب و مختار ہو، اور آدمی بھیجے ایک کو حضرت ابو عبیدہؓ کو بلانے کے لئے اور دوسرے کو حضرت ابو طلحہؓ کو بلانے کے لئے، اور فرمایا جو پہلے آجائے وہی اپنے طریقہ پر کام کرے، حضرت ابو عبیدہ اس شخص کو نہ ملے جو انہیں بلانے گیا تھا اور حضرت ابو طلحہ آگئے، اس کے بطریق لحد قبر تیار کی گئی۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

" اللحد لنا و الشق لغيرنا "

لحد ہمارے لئے ہے اور شق ہمارے غیروں کے لئے۔

حدیث میں " لنا " سے مراد مدینہ طیبہ والے اور " لغیرنا " سے مراد اہل مدینہ کے غیر ہیں یعنی مکہ مکرمہ وغیرہ کے لوگ۔ اس کی توجیہ میں علماء فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی زمین سخت ہے اور وہ لحد کی صلاحیت رکھتی ہے اور چونکہ مسنون بھی بلکہ اپنی اپنی پسند کا معاملہ ہے، اس کے باوجود یہ یقینی بات ہے کہ افضل وہی کام ہو گا جو نبی کریم ﷺ کے لئے کیا گیا۔ بعض علماء کے نزدیک اگر زمین سخت ہو جہاں لحد بن سکے وہاں لحد افضل ہے اور جہاں زمین نرم ہو لحد نہ بن سکے قبر کے گرنے کا خطرہ ہو وہاں شق افضل ہے۔

اور بعض علماء کرام نے " لنا " سے مراد ملت اسلامیہ کے لوگ لیا ہے کہ ہم مسلمان لوگوں کے لئے قبر لحد ہے اور " لغیرنا " سے مراد اہل کتاب (یہود و نصاری) ہیں کہ شق ہمارے غیروں کے لئے ہے۔ تاہم مسئلہ بہتری کا ہے وجوب کا نہیں۔

(مدارج النبوۃ جلد ثانی)

مسئلہ:- جہاں نرم زمین ہو وہاں تابوت بنانے میں کوئی حرج نہیں، تابوت پتھر کا ہو یا لوہے کا۔

لیکن اگر نرم زمین نہ ہو تو بلاوجہ تابوت میں دفن کرنا درست نہیں۔ البتہ بعض علمائے کرام نے عورت کے لئے ہر حال میں تابوت بنانے اور اس میں دفن کرنا پسند کیا ہے کہ اس میں عورت کا پردہ زیادہ ہے اور قبر میں اتارنا بھی اس طرح آسان ہو گا کہ اس کے جسم کو ہاتھ نہیں لگیں گے۔

خیال رہے کہ اب جس طرح بیرون ممالک سے نعشیں آتی ہیں لکڑی کے تابوت میں بند ہوتی ہیں ان میں کیمیائی اجزاء ملے ہوتے ہیں جن سے جسم صحیح رہتا ہے اور باہر نکالنے سے جسم کے خراب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے ان کو اسی لکڑی کے تابوت میں دفن کر دیا جائے، اگرچہ عام حالات میں لکڑی کا استعمال درست نہیں۔

مسئلہ :۔ اگر سمندر میں کشتی میں کوئی آدمی فوت ہو جائے، کشتی کے کنارے پر پہنچنے میں کئی دن درکار ہیں۔ اتنی دیر میں میت کے جسم کے خراب ہونے کا خطرہ ہو تو میت کو غسل و کفن دے کر نماز جنازہ پڑھ کر سمندر میں ڈال دیا جائے۔

مسئلہ :۔ جس گھر میں آدمی فوت ہو جائے، بڑا ہو یا چھوٹا، مرد ہو یا عورت، وہاں ہی دفن نہ کیا جائے بلکہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے، تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس کے لئے دعا کرتے رہیں۔ جس جگہ فوت ہو اسی جگہ دفن کرنا یہ انبیاء کرام کا خاصہ ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرمایا ہر نبی کو وہاں ہی دفن کیا گیا جہاں اس کی روح کو قبض کیا گیا۔

دفن کرتے وقت یہ دعائیں پڑھی جائیں :

☆ قبر میں دفن کرنے والا پڑھے!

" بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ "

☆ یا اس طرح پڑھے!

" بِسْمِ اللّٰهِ وَضَعْنَاكَ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ "

☆ بزاز نے حضرت علیؓ سے روایت بیان کی کہ جب جنازہ قبر پر پہنچ جائے اور لوگ بیٹھ

جائیں، تو تم نہ بیٹھو بلکہ اس قبر کے کنارے کھڑے ہو جاؤ۔ جب مردے کو قبر میں اتارا جائے تو پڑھو۔

" بِسْمِ اللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ نَزَلَ بِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ مُنْزَلٍ بِهٖ خَلَفَ الدُّنْيَا ظَهْرَهٗ مَاجَعَلَ مَا قَدَّمَ عَلَيْهِ خَيْرًا فَمَا خَلَفَ فَاِنَّكَ قُلْتَ مَاعِنْدَ اللهِ خَيْرٌ لِلْاَبْرَارِ "

☆ ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی ہے کہ وہ دفن کے وقت پڑھتے تھے۔

" بِسْمِ اللهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَللّٰهُمَّ افْسَحْ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ وَاَلْحِقْهُ بِنَبِيِّهٖ "

☆ ابن ابی شیبہ نے اپنی، مصنف میں حضرت خثیمہ سے روایت کیا ہے کہ بزرگان دین مردہ کو قبر میں اتارتے وقت پڑھتے ہیں :

" بِسْمِ اللهِ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ "

چند مسائل گذشتہ سے پیوستہ

مسئلہ :- جو آدمی بعد میں آئے تکبیر کی انتظار کرے۔ امام جب تکبیر کہے اس کے ساتھ اس وقت ملے۔ جو تکبیریں۔ چھوٹ گئی تھیں وہ بعد میں ادا کر لے لیکن شرط یہ ہے کہ میت کو اٹھانہ لیں۔

مسئلہ :- درج ذیل لوگوں کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی۔

(۱) باغیوں کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا۔ باغی اسے کہتے ہیں جو خلیفہ حق کی ناحق طور پر مخالفت کریں۔ اس کے خلاف ہتھیار اٹھائیں اور قتل ہو جائے باغی جب دوران بغاوت قتل ہو جائے تو یہ حکم اس وقت ہے اگر وہ طبعی موت مرے تو پھر حکم نہیں ہو گا۔ اسی طرح باغی کو کسی اور نے قتل کر دیا ہے بغاوت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے تو اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ ایسے ہی ظالم پر امداد کرنے والا جب اس کے ظلم کی امداد کرتے ہوئے قتل ہو جائے اس کی

نماز جنازہ بھی ادا نہیں کی جائے گی وہ بھی باغی کے حکم میں ہے۔

(۲) ڈاکو ہتھیار لے کر لوگوں کا راستہ روکے ہوئے ہو مال لوٹ رہا ہو، لوگوں کو قتل کر رہا ہو یا وہ شہر میں ہتھیار لے کر لوگوں کی مال و جان و عزت کا لٹیرا بنا ہوا ہے وہ دوران ڈاکہ قتل ہو گیا تو اس کے نماز جنازہ بھی نہیں ادا کی جائے گی۔ اس طرح لوگوں کے گلے گھونٹ کر مارنے کا عادی ہو ایسا فعل جب اس سے دو مرتبہ ثابت ہو جائے تو اس کا حکم بھی یہی ہو گا کہ وہ اپنے اس فعل پر عمل کرتے ہوئے کسی کی گرفت میں آکر قتل ہو گیا تو اس کی نماز جنازہ بھی ادا نہیں کی جائے گی۔

خیال رہے یہاں تین شخصوں کا ذکر ہوا شہر سے باہر ڈاکہ مارنے والا...... اس کو فقہائے کرام قاطع الطریق کہتے ہیں۔ شہر کے اندر ڈاکہ مارنے والا...... اس کو مُکابر کہتے ہیں۔ گلہ گھونٹ کر مارنے والا اس کو خنّاق کہتے ہیں۔

(۳) اپنے ماں باپ کا قاتل ......جب قاضی اسے قصاصاً قتل کرادے تو اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا، اس کے غلط فعل کی وجہ سے یہ اس کی توہین و تذلیل کی جائے گی ہاں اگر یہی خود مر جائے تو نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔

مسئلہ :- خودکشی کرنے والے کا جنازہ ادا کیا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ فاسق ہوا ہے، فاسق کا جنازہ ادا کیا جاتا ہے یعنی یہ صرف فاسق ہے۔ باقی روئے زمین پر اس کا فساد نہیں پایا گیا، زیادہ سے زیادہ یہ اپنی ذات پر ہی باغی ہے جیسے دوسرے فاسق تمام بھی اپنی ذاتوں پر بغاوت کرنے والے ہیں، لیکن فاسقوں کا جنازہ ادا کرنے پر اجماع امت ہے۔

مسئلہ :- جب کئی جنازے جمع ہو جائیں تو ہر ایک کا جنازہ علیحدہ علیحدہ پڑھنا افضل ہے اگر تمام پر ایک مرتبہ ہی جنازہ ادا کریں تو پھر بھی صحیح ہے اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ جو ان سے افضل ہو وہ امام کے قریب ہو اس کا سینہ امام کے سامنے اس کے دوسرے مرتبہ والا اس کے آگے اسی طرح تیسرا آگے۔ جتنے جنازے بھی ہوں تمام کو اسی ترتیب سے امام کے آگے رکھا جائے گا تمام کی چارپائیاں یا بغیر چارپائیوں کے جنازے زمین پر ہوں وہ عرضاً ہوں طولاً نہیں۔

یہی حکم دفن کا بھی ہے سب کو علیحدہ علیحدہ دفن کرنا بہتر ہے اگر ایک ہی قبر میں دفن کرنا پڑے تو اس صورت میں ترتیب جنازے کی ترتیب الٹ ہو گی جو افضل ہو گا وہ قبلہ کی طرف ہو گا پھر پیچھے ہوتے چلے آئیں گے۔

مسئلہ :-بغیر عذر کے نماز جنازہ بیٹھ کر جائز نہیں، کھڑا ہونا ضروری ہے۔ نماز جنازہ میں قرأت اور تشہد نہیں۔

مسئلہ :- میت کو دفن کرنے کے لئے قبر کی قبلہ کی جانب رکھا جائے، پھر آہستہ آہستہ بغیر ضرر پہنچانے کے قبر میں اتارا جائے۔ میت کا منہ قبلہ کی جانب کیا جائے، اگر میت کا منہ قبلہ کی جانب نہیں کیا گیا تھا اسی طرح دفن کر دیا گیا تو اسی حال پر رہنے دیا جائے۔ قبر کو دوبارہ کھول کر منہ قبلہ کی طرف کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ :-لحد میں یا شق میں قبر کے اندر پختہ اینٹیں، لکڑی استعمال نہ کی جائے کیونکہ اینٹیں آگ میں پک کر آئی ہیں اور لکڑی اکثر اوقات بطور ایندھن استعمال ہوتی ہے اس لئے یہ نیک ارادہ مد نظر رکھتے ہوئے کہ اے اللہ جس طرح ہم نے اس کو آگ سے بچایا ہے تو بھی اس کو آگ سے محفوظ رکھ۔ لیکن جہاں زمین نرم ہو یا تابوت میں دفن کرنے کی مجبوری ہو وہاں بخارا کے مشائخ نے کہا ہے کہ ہمارے شہروں میں پختہ اینٹوں کا استعمال جائز ہو گا۔

" وقال مشائخ بخارا لا یکرہ الاجر فی بلد تنا للحاجة الیه نصعف الاراضی "
(شامی)

بخارا کے مشائخ نے کہا ہے کہ ہمارے شہروں میں پختہ اینٹوں کا استعمال جائز ہے کیونکہ مجبوری در پیش ہے اس لئے کہ اس علاقہ کی زمینیں نرم ہیں۔

مسئلہ :- دفن کرتے وقت عورت کی قبر پر پردہ کیا جائے یعنی چادر وغیرہ تان لی جائے جتنا ممکن ہو اتنا عورت کے پردہ کا لحاظ کیا جائے لیکن مرد کی قبر کو ڈھانپنا ضروری نہیں۔

مسئلہ :- دفن کے وقت جتنے لوگ موجود ہوں ...... تمام کا دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالنا مستحب ہے۔

فصل ہشتم:

قبر دفن کا بیان

مسئلہ :- قبر اونٹ کے کوہان کی طرح بنائی جائے یعنی اوپر سے گول ہو۔ چوڑائی میں نہ ہو۔ اگر قبر چوڑائی میں بنا ہی دی گئی تو گناہ نہیں گولائی میں بنانا مستحب ہے اسی پر زیادہ فقہائے کرام ہیں۔ یعنی بعض حضرات نے اگرچہ یہ بھی کہا ہے کہ کوہان کی طرح بنانا واجب ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ مستحب ہے۔ مستحب کے چھوڑنے سے گناہ لازم نہیں آتا۔

قبر پر پانی چھڑکا جائے

حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں رش قبر النبی ﷺ۔ نبی کریم ﷺ کی قبر شریف پر پانی چھڑکا گیا۔ آپ کی قبر شریف پر پانی چھڑکنے والے بلال بن رباحؓ تھے۔ انہوں نے ایک مشکیزہ سے پانی چھڑکا: بدأ من قبل راسه حتی انتهی الیٰ رجلیه۔

(بیهقی، مشکوٰة باب دفن المیت)

آپ کے سر انور کی جانب سے قبر پر پانی چھڑکنے کی ابتداء کی یہاں تک پاؤں مبارک کی جانب انتہاء کی۔ پانی چھڑکنے کی حکمت کیا ہے اس پر ملا علی قاریؒ مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔

قال الطیبی لعل ذالك اشارة الیٰ استنزال الرحمة الالهیة والعوطف الربانیة.

حضرت طیبیؒ فرماتے ہیں کہ پانی چھڑکنے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں اللہ کی رحمت اور رب تعالیٰ کی مہربانیوں کے نزول کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ قبر پر نبی کریم ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعاء یہ ہے:

" اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَایَاهُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ "

اے اللہ اس کے گناہوں کو پانی اور برف اور ژالہ (اولے) سے دھودے۔

اسی طرح بزرگان دین، علمائے شرح متین یہ دعاء کرتے چلے آئے ہیں :

" سقی الله ثراه وبرد مضجعه"

اللہ تعالیٰ اس کی قبرت کو سیراب کرے اور اس کے لیٹنے کے مقام (قبر) کو ٹھنڈا کرے۔

بعض حضرات نے پانی کے چھڑکنے کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ پانی اس لئے چھڑکا جاتا ہے کہ قبر زیادہ دیر باقی رہتی ہے مٹی پختہ ہو جاتی ہے قبر کا نشان جلدی مٹتا نہیں۔ لیکن اس کے متعلق ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :

" هذا الامر ظاهرحسی لایحتاج الیٰ نقل وهو ماخوذ من العبارة . واما ما ذکره الطیبی من الاشارة فهو فی غایته اللطافة و نهایة من الشرافة "

یہ تو ایک ظاہر بات ہے جو واضح طور پر محسوس ہو رہی ہے، یہ نقل کی محتاج نہیں البتہ جو طیبیؒ نے ذکر فرمایا وہ انتہائی لطافت و شرافت کا حامل ہے ، حدیث پاک سے یہی اشارہ مل رہا ہے اسی مسئلہ پر تائید کے لئے ایک واقعہ مرقاۃ میں تحریر کیا گیا کہ بعض اوقات نیت ایک چیز کی ہوتی ہے دوسری چیز خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے یہاں نیت پانی کے چھڑکنے سے قبر کو ٹھنڈا کرنے کی دعاء ہے۔ اور قبر کی مٹی کا پانی سے منجمد ہونا خود ہی حاصل ہو جائے گا ۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ

کسی بزرگ کے مرید نے ایک گھر تعمیر کیا پھر اپنے شیخ کامل کو اس مکان میں مدعو کیا یعنی ان کی دعوت کی جب وہ بزرگ تشریف لائے تو انہوں نے پوچھا کہ مکان میں تم نے کھڑکیاں اور روشن دان کیوں رکھے ہیں تو آپ کے مرید نے جواب دیا کہ اس لئے تاکہ ان سے ہوا اور روشنی آسکے ،بزرگ فرمانے لگے ، یہ تو ایک ظاہری بات ہے ان چیزوں نے تو حاصل ہونا ہی ہے......

" لکن کان ینبغی ان تقصد بالا صالة سماع الاذان ویکون الباقی تبعه "

...... لیکن مناسب یہ تھا کہ تم اصل میں ان کھڑکیوں کے بناتے وقت یہ ارادہ کرتے کہ ان سے آذان کی آواز سنائی دے گی تو اس سے تمہیں ثواب حاصل ہونا، روشنی اور ہوا خود بخود اسکے تابع ہو کر حاصل ہو جاتیں۔

قبر پر نشان کے لئے پتھر لگا دیا جائے

حضرت عبدالمطلب بن ابی وداعہ فرماتے ہیں کہ جب عثمان بن مظعونؓ فوت ہو گئے تو ان کا جنازہ اٹھایا گیا اور انہیں جب دفن کر دیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ وہ پتھر اٹھا کر لاؤ، لیکن اس صحابی سے وہ پتھر نہ اٹھایا جا سکا، **فقام الیھا رسول اللہ ﷺ وحسر عن ذراعیہ۔** نبی اکرم ﷺ خود ہو کھڑے ہوئے آپ نے اپنے بازو چڑھائے مطلب کہتے ہیں مجھے جس نے خبر دی انہوں نے فرمایا کہ میں گویا کہ آپ بھی نبی کریم ﷺ کی کلائیوں کی سفیدی کو دیکھ رہا ہوں جب آپ نے بازو چڑھائے ہوئے تھے۔

" ثم حملها فوضعها عند رأسه وقال أعلم بها قبر أخي و أدفن إليه من مات من أهلي "
(رواہ ابو داؤد ، مشکواۃ باب دفن المیت)

پھر نبی کریم ﷺ نے خود ہی وہ پتھر اٹھایا اور قبر کے سرہانے کے پاس آکر لگا دیا اور فرمایا کہ مجھے اس کے ذریعے اپنی بھائی کی قبر کا علم ہوتا رہے گا اور اگر میرے اھل و عیال سے کوئی فوت ہوا تو میں اس کے قریب دفن کروں گا۔ حدیث پاک سے واضح طور پر حاصل ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے پتھر قبر پر علامت کے لئے طلب کیا۔

نبی کریم ﷺ کی بہادری کا پتہ چلا کہ جو پتھر صحابی سے نہ اٹھایا جا سکا وہ خود نبی کریم ﷺ نے اٹھایا ۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے بوقت ضرورت خود اپنے ہاتھ مبارک سے کام کیا کسی کے ہاتھوں کی طرف نہیں دیکھا۔ ان علماء کے لئے مقام عبرت ہے جو اپنا کام خود نہیں کرتے کیونکہ وہ عار محسوس کرتے ہیں کہ میرے ہاتھوں میں دو چار چھٹانک کا وزن ہو، میں نے تھیلا اٹھایا ہوا اچھا نہیں لگے گا۔ بلکہ یہ طالب علم کو دوں وہی چھوڑ کر آئے۔ کاش کہ یہ سمجھ آئے وہ بھی انسان ہے ہو سکتا ہے میرے خاندان جیسے یا اس سے بھی اعلیٰ خاندان کا فرد ہو۔

حدیث پاک سے اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ کسی کام کے لئے بازو چڑھانا کہ قمیص کی آستینیں میلی نہ ہو جائیں یا کام میں رکاوٹ نہ بنیں جائز ہے۔ نہ ہی مکروہ ہے اور نہ ہی ادب کے خلاف ہے بیشک لوگوں کے سامنے ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر ادب اور شریعت کا

لحاظ کون کرے گا۔ہاں یہ خیال رہے کہ یہ حکم مرد کے لئے ہے عورت کے لئے نہیں وہ غیر محرم مردوں کے سامنے بازو ننگے نہیں کر سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کو بھائی کہا کیونکہ وہ آپ کے رضاعی (دودھ شریک) بھائی ہیں اور وہ اہل صفہ سے ہیں اور مہاجرین سے پہلے پہلے بقیع میں دفن ہونے والے اور پہلے پہلے ہجرت کرنے والوں سے ہیں ۔ آپ نے دو ہجرتیں کیں ۔

حدیث پاک سے اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ خاندان کے افراد کو ایک جگہ دفن کرنا مستحب ہے جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے اہل وعیال کو ان کے ساتھ دفن کروں گا آپ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کو ان کے ساتھ ہی دفن فرمایا کیونکہ آپ کے خاندان سے سب سے پہلے حضرت عثمان بن مظعونؓ کے بعد فوت ہونے والے یہ ہی تھے۔

قبر میں مٹی ڈالنے والے کی حکایت

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ قبر پر مٹی ڈالنا مستحب ہے اسی طرح مستحب یہ ہے کہ تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالے کہ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ مٹی ڈالی جب کہ میت کو دفن کیا جارہا تھا۔ کسی شخص کو خواب میں دیکھا گیا، دیکھنے والے نے اس سے پوچھا کہ مرنے کے بعد تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا ہے ؟ تو اس نے جواب دیا کہ میری نیکیوں کا وزن کیا گیا تو میرے گناہ میری نیکیوں پر بھاری ہو گئے لیکن میری نیکیوں کے پلڑے میں ایک تھیلی کو ڈال دیا گیا، جس سے میری نیکیاں بڑھ گئیں۔ جب تھیلی کو کھولا گیا تو اس میں وہ مٹی تھی جو میں اپنے ایک مسلمان بھائی کے دفن کے وقت اس کی قبر پر ڈالی تھی۔ یعنی اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کسی مسلمان بھائی کے دفن کے وقت قبر پر مٹی ڈالنا مستحب ہے۔ باعث ثواب ورحمت ہے۔ بخشش کا ذریعہ ہے، نیکیوں کے بڑھانے کا سبب ہے۔

(مرقاۃ باب دفن المیت)

قبر پر نام لکھنا مستحب ہے

ویسن کتابة اسم المیت لاسیما الصالح لیعرف عند تقادم الزمان لأن النھی عن الکتابة منسوخ .

(مرقاۃ باب دفن المیت)

قبر پر میت کا نام لکھنا مسنون ہے۔ خصوصاً اگر نیک آدمی ہو تو اس کا نام لکھنا اس لئے بہتر ہے کہ اس کا نام یاد رہے گا۔ اس کی قبر کا علم رہے گا۔ کیونکہ وقت گذرنے سے کہیں اس کا نام مٹ نہ جائے لوگوں کو قبر کا علم ہی نہ رہے جن روایات میں لکھنے سے منع کیا گیا ہے وہ منسوخ ہیں۔ اب اگر انسان عناد وبغض اور حسد۔ ضد، ہٹ دھرمی کی عینک کو اتار کر مرقاۃ کے ان الفاظ "لیعرف عند تقادم الزمان" پر غور کرے تو سمجھنا مشکل نہیں رہے گا کہ نیک آدمی کی قبر پر لکھنا خصوصی طور پر مستحب کیوں ہے؟ تاکہ وہ وقت کے گذرنے پر بھی پہچانا جائے۔ اس کے پہچاننے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس کی قبر مبارک سے فائدہ حاصل کیا جائے۔ تبرک حاصل کیا جائے ورنہ اگر صرف یہ مقصود ہو کہ قبر کی پہچان رہے تاکہ آنے والے لوگ اس کے لئے دعاء مغفرت کریں تو اس دعاء کا تو گناہگار بنسبت نیک کے زیادہ محتاج ہے۔

مٹی ڈالتے وقت اور دفن کے بعد دعائیں:

ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز جنازہ ادا کی اور پھر قبر کے سرہانے کی جانب تین مرتبہ مٹی ڈالی۔ جوہرۃ میں ذکر ہے پہلی مرتبہ مٹی ڈالتے ہوئے پڑھے مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ اور دوسری مرتبہ مٹی ڈالتے وقت پڑھے وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور تیسری مرتبہ مٹی ڈالتے ہوئے پڑھے وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى۔

اور بعض فقہاء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ پہلی مرتبہ یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ جَافِ الْاَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهِ۔ اور دوسری مرتبہ یہ پڑھے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ اَبْوَابَ السَّمَاءِ لِرُوْحِهٖ۔ اور تیسری مرتبہ پڑھے اَللّٰهُمَّ زَوِّجْهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ۔ یہ تیسری مرتبہ والی دعاء مرد کے لئے ہے۔ اور عورت کیلئے تیسری دفعہ اس طرح پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ ادْخِلْهَا الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِكَ۔

(فتاوی شامی)

خیال رہے کہ تینوں مرتبہ دونوں دونوں دعائیں پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔

دفن کے بعد

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرمارہے تھے کہ تم میں سے جب بھی کوئی فوت ہو جائے تو اس کے دفن میں دیر نہ کرو (یعنی بغیر عذر کے بہت تاخیر نہ کی جائے) اس کو جلدی قبر کی طرف لے جاؤ۔

" ولیقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجلیه بخاتمة البقرة "

(مشکواۃ باب دفن المیت)

(دفن کے بعد) اس کے سر کے قریب سورۃ بقرۃ کی ابتدائی آیات مبارکہ اور اس کے پاؤں کی طرف سورۃ بقرہ کی آخری آیات پڑھی جائیں۔

تلقین بعد از دفن

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث مبارکہ ......

" لقنوا موتاکم بلااله الا الله محمول علی حقیقته "

میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ اپنے فوت شدہ کو تلقین کرو، اس کا ظاہری، حقیقی معنی ہی معتبر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے قبر میں زندگی عطا فرماتا ہے اور وہ سنتا ہے، حدیث شریف میں واضح طور پر دفن کے بعد تلقین کا ذکر ہے۔

" وقد روی عنه علیه الصلوٰة والسلام انه امر بالتلقین بعد الدفن فیقول یا فلان بن فلان اذکر دینك الذی کنت علیه "

تحقیق نبی کریم ﷺ سے آپ کا ارشاد گرامی روایت کیا گیا ہے کہ آپ دفن کے بعد تلقین کا حکم فرماتے تھے۔ دفن کے بعد یہ کہے، اے فلاں بن فلاں تم اپنے دین کو یاد کرو جس پر تم قائم تھے

" من شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله وان الجنة حق والنار حق وان البعث حق وان الساعة آتیة لا ریب فیها وان الله یبعث من فی القبور وانك رضیت بالله ربا وبالاسلام دینا و بمحمد ﷺ نبیا و بالقرآن اماما و بالکعبه قبلة وبالمومنین اخوانا "

وہ دین جس پر تم قائم تھے وہ یہ تھا کہ اس کی گواہی دینا کہ اللہ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں اور بے شک جنت حق ہے۔ دوزخ حق ہے۔ اور بے شک قیامت حق ہے۔ اور بے شک قیامت یقیناً آنی والی ہے۔ اس میں کوئی شک کا مقام نہیں۔ جو بھی قبروں میں ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ان کو ضرور زندہ کرے گا۔ اور بے شک تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر اور قرآن کے امام ہونے پر اور کعبہ کے قبلہ ہونے پر اور مومنوں کے بھائی ہونے پر راضی رہا۔

ابو داؤد شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب دفن سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے :

"استغفروا لا خیکم واسألوا اللہ له التثبیت فانه الآن یسئل"

اپنے بھائی کے لئے بخشش طلب کرو اور اس کے ثابت رہنے کی دعا کرو کیونکہ اس سے اب سوال کئے جائیں گے۔

حضرت عمرو بن العاص ؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنی وفات کے قریب اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی عورت نہ ہو اور آگ نہ ہو، جب تم مجھے دفن کر لو اور قبر پر مٹی ڈال لو۔

" ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمها حتی استأنس بکم واعلم ماذا اراجع به رسل ربی "

(رواہ مسلم ۔ مشکواۃ باب الدفن)

پھر میری قبر کے اردگرد اتنی دیر کھڑے رہو جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ تاکہ میں تم سے اُنس پکڑ سکوں اور مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میں نے اپنے رب تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے منکر و نکیر کا کیا جواب دینا ہے۔

نوحہ کرنے والی عورت کو ساتھ لیجانے سے منع کیا کیونکہ اسکے چلاچلا کر رونے اور پکار پکار کر بین کرنے سے مردہ اور زندہ کو تکلیف ہوتی ہے، موت کی یاد اور دنیا کے فناء ہونے کی یاد سے لوگ غافل ہوتے ہیں آخرت کے حالات اور درپیش آنے والے معاملات کی فکر سے انسان غافل ہو جاتا ہے حالانکہ میت کو دفن کرتے وقت زندہ کی فکر و سوچ صرف اخری معاملات پر ہونی چاہئے۔

آگ کو ساتھ لے جانے سے اسی لئے منع کیا کہ زمانہ جاہلیت میں آگ کا ساتھ لے جانا فخر اور ریاء کاری کا سبب تھا اس لئے منع کیا۔

خیال رہے کہ بعض دیہاتوں میں جنگلی جانوروں یعنی بجو وغیرہ کا قبر کو نقصان پہنچانے کا خطرہ ہوتا ہے اس کے بچاؤ کے لئے قبر پر کانٹے دار جھاڑیوں کی شاخوں کو رکھا جاتا ہے اور چند دن تک شام کو آگ جلائی جاتی ہے کہ اس دھوئیں اور کانٹوں سے ڈر کر وہ موذی جانور قبر کو نقصان نہ پہنچائیں۔ یہ صورت جائز ہے کیونکہ یہ ایک خاص عذر ہے زمانہ جاہلیت کی رسم نہیں۔

اونٹ کے ذبح کرنے اور گوشت کی تقسیم تک ٹھہرنے کی وجہ یہ ہے :

" استأنس بکم ای بدعائکم واذکارکم وقراءتکم واستغفارکم "

(مرقاۃ المفاتیح)

کہ تم وہاں ٹھہر کر دعا کرو گے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو گے۔ قرآن پاک پڑھو گے۔ بخشش طلب کرو گے تو اس طرح مجھے تم سے اُنس حاصل ہونے کی وجہ سے فرشتوں کے سوالوں کے جواب دینے میں آسانی ہو گی۔ اور اس سے پہلے ابو داؤد شریف کی حدیث بیان ہو چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کے دفن سے فارغ ہو جاؤ تو وہاں ٹھہر کر اپنے مسلمان بھائی کے لئے استغفار کرو یعنی اس کی بخشش کی دعا کرو اور اس کے ثابت رہنے کی دعا کرو کیونکہ اس شخص سے اس وقت سوال کئے جائیں گے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں،

" وبھذا الخبر و قول عمرا عتضد حدیث التلقین المشھور فمن ثم عملوا بہ "

اس حدیث پاک اور حضرت عمرؓ کے قول سے تلقین والی مشہور حدیث کو تائید ملتی ہے۔ اسی وجہ سے اس پر آج تک فقہائے کرام کا عمل جاری و ساری ہے۔

حضرت محمد بن احمد مروزیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت احمد بن حنبلؒ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں :

" اذا دخلتم المقابر فاقرأا بفاتحۃ الکتاب والمعوذتین وقل ھو اللہ احد واجعلوا ثواب ذالک لاھل المقابر فانہ یصل الیھم والمقصود من زیارۃ القبور للزائر

الاعتبار والمزور الانتفاع بدعائه"

(مرقاۃ المفاتیح)

جب تم قبرستان میں جاؤ تو قرآن پاک سے سورۃ فاتحہ اور سورۃ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اور سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھو اس کا ثواب قبرستان والوں کو پہنچاؤ کیونکہ قرآن پڑھنے کا ثواب ان کو پہنچتا ہے اور قبروں کی زیارت کا مقصد ہی یہ ہے کہ زیارت کرنے والا عبرت پکڑے کہ میں نے بھی ایک دن مرنا ہے موت کو یاد کرے۔ گناہوں سے بچے، نیک کام کرے، اور جس کی قبر کی زیارت کی جائے اسے زیارت کرنے والے کی دعا سے فائدہ حاصل ہو۔

حضرت خلال نے اپنی جامع میں "شعبی" سے نقل فرمایا کہ

" کانت الانصار اذا مات لهم الميت اختلفوا الیٰ قبره يقرء ون القرآن "

(مرقاۃ المفاتیح)

مدینہ طیبہ کے انصار صحابہ کرام کا یہ طریقہ تھا کہ ان کا کوئی شخص بھی جب فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر اکثر طور پر آتے جاتے تھے۔ اور قرآن پاک پڑھتے یعنی اس کا ثواب صاحب قبر کو پہنچاتے۔

ابو محمد سمرقندیؒ قل ھو اللہ احد کے فضائل بیان کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰؓ سے مرفوع حدیث بیان فرماتے ہیں:

" من مر على المقابر وقرأ قل هو الله احد احدیٰ عشرة مرة ثم وهب اجره للاموات اعطى من الاجر بعدد الاموات "

(مرقاۃ المفاتیح)

جو شخص بھی قبرستان سے گذرے اور قل ھو اللہ احد (سورۃ اخلاص) گیارہ مرتبہ پڑھ کر اس کا ثواب فوت شدہ لوگوں کو پہنچائے تو جتنے فوت شدہ حضرات وہاں ہوں گے ان تمام کی تعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو بھی اجر عطا فرمائے گا۔

ابو القاسم سعد بن علی زنجانی قل ھو اللہ احد کے فوائد بیان کرتے ہوئے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

" من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب وقل هو الله احد والهٰكم التكاثر ثم قال

انی جعلت ثواب ما قرأت من کلامك لاھل المقابر من المؤمنین والمؤمنات کانوا شفعاء له الیٰ اللہ تعالیٰ"

(مرقاۃ المفاتیح)

جو شخص قبرستان میں داخل ہوا پھر اس نے قرآن پاک کی سورۃ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد (سورۃ اخلاص) اور الھکم التکاثر (پوری سورۃ) پڑھیں، پھر اس نے کہا (اے اللہ) میں نے تیرے کلام پاک سے جو کچھ بھی پڑھا ہے اس کا ثواب میں اس قبرستان کے تمام مومن مرد اور مومن عورتوں کو پہنچاتا ہوں تو تمام فوت شدہ حضرات قیامت کے دن اس شخص کی شفاعت کریں گے

قاضی ابو بکر بن عبد الباقی انصاریؒ نے سلمۃ بن عبیدؒ سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں ۔

" قال حماد المکی خرجت لیلة الیٰ مقابر مکة فوضعت رأسی علیٰ قبر فنمت فرأیت اھل المقابر حلقة فقلت قامت القیامة ؟ قالوا لا ولکن رجل من اخواننا قرأ قل ھو اللہ احد وجعل ثوابھا لنا فنحن نقتسمه منذ سنة"

(مرقاۃ المفاتیح)

حماد مکیؒ فرماتے ہیں میں ایک رات کو مکہ مکرمہ کے قبرستان میں چلا گیا۔ وہاں میں نے قبر پر سر رکھا تو سو گیا۔ پس اسی حال میں قبرستان والوں کو میں نے مختلف حلقے بنائے ہوئے دیکھا، تو میں نے ان سے پوچھا کیا قیامت قائم ہو گئی ہے۔ انھوں نے کہا نہیں (یعنی قیامت تو قائم نہیں ہوئی) لیکن ہمارے مسلمان بھائیوں میں سے ایک شخص نے قل ھو اللہ احد (سورۃ اخلاص) پڑھ کر اس کا ثواب ہمیں پہنچایا ہے ہم وہ ایک سال سے تقسیم کر رہے ہیں۔

حضرت انسؓ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" من دخل المقابر فقرأ سورة یسین خفف اللہ عنھم وکان له بعدد من فیھا حسنات"

(مرقاۃ المفاتیح)

جس شخص نے قبرستان میں داخل ہو کر سورۃ یٰسین پڑھی اللہ تعالیٰ ان قبرستان والوں سے (عذاب میں) تخفیف فرمائے گا۔ جتنی تعداد میں وہاں فوت شدہ حضرات ہوں گے ان کی تعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے بھی نیکیاں عطا فرمائے گا۔

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا کہ حدیث پاک " اقرء وا علی موتاکم یسین " میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جو شخص فوت ہونے کے قریب ہو اس کے پاس سورۃ یٰسین پڑھی جائے ، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اس کی قبر کے قریب پڑھی جائے۔

ایصالِ ثواب کی بحث اس کتاب میں نہیں آسکی ۔ اس موضوع پر میں نے ایک مستقل رسالہ بنام " ایصال ثواب مستحب امر ہے " لکھا ہے جس میں میت کو ثواب پہنچانے کے مسائل و دلائل کو بیان کیا ہے۔

قبر پر چراغ جلانے کا حکم

اصل میں ہر چیز مباح اور جائز ہے۔ اگر شرعی دلیل سے کسی چیز کو منع کیا جائے تو وہ ناجائز ہو گی۔ حقیقت میں حکم کی دار مدار " نیت " پر ہے چراغ جلانے والے کی نیت اگر صاحب قبر کو معبود سمجھنا ہے تو یقیناً حرام اور کوئی فاسد غرض ہو تو اسی کے مطابق ممانعت کا حکم بھی ہو گا۔ اور اگر اس چراغ سے لوگوں کو نفع پہنچانا مقصود ہو تو جائز ہو گا۔ جیسا کہ مجمع البحار میں مذکور ہے

"وان کان ثم مسجدا و غیرہ ینتفع فیه للتلاوۃ والذکر فلابأس بالسراج فیه"
(مجمع البحار جلد سوم ص ۱۰۴)

اگر قبر کے نزدیک مسجد ہو کہ قبر کے چراغ سے اس میں تلاوت قرآن پاک اور ذکر کرنے والوں کو فائدہ پہنچتا ہو تو ایسی حالت میں چراغ جلانے میں کوئی حرج نہیں۔

اس طرح "وغیرہ" کے لفظ سے یہ سمجھ آرہا ہے کہ کسی طرح بھی وہ چراغ فائدہ پہنچائے تو جائز ہو گا ورنہ نہیں۔ جیسے قبر کے قریب سے راستہ گذر رہا ہو۔ اس چراغ سے راہ گذر کو فائدہ ہو یا وہ قبر گاؤں کے قریب ہو اس کا چراغ گاؤں کا پتہ دے رہا ہو تو یقیناً اس کا فائدہ لوگوں کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ دیہاتوں میں رات کو چلنے والے مسافر اکثر طور پر بھٹک جاتے ہیں، کسی گاؤں کے چراغ سے وہ اپنی راہ متعین کرتے ہیں۔

رات کو تدفین کیلئے چراغ لے جانا جائز ہے :

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ :

" ان النبی ﷺ دخل قبرا لیلا فاسرج فاخذ من قبل القبلة وقال رحمك الله ان کنت لاواها تلاء القرآن "

(ترمذی . مشکواة باب دفن المیت)

نبی کریم ﷺ ایک رات ایک قبر پر تشریف لے گئے آپ کے ساتھ چراغ بھی تھا۔ قبلہ کی جانب سے میت کو قبر میں اتارا اور فرمایا بے شک تم اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے اور بہت ہی قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔

نبی کریم ﷺ رات کو قبر پر میت کو دفن کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے تھے، آپ کے اسی فعل سے یہ بھی فائدہ حاصل ہو گیا کہ رات کو دفن کرنا بھی جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح دوسرا مسئلہ یہ حاصل ہوا کہ میت کی چارپائی کو قبلہ کی جانب رکھا جائے پھر اس کو قبر میں اتارہ جائے "وقال رحمک اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے میت کے حق میں دعاء رحمت فرمائی۔ حدیث شریف میں "ان کنت" میں لفظ ان اصل میں انّ ہے یعنی مخففة من الثقیلة ہے۔ جس کا معنی ہے بے شک تم تھے۔ اسی طرح آپ کے الفاظ مبارکہ " لاوّاها" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے زیادہ اوہ اوہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت سے زیادہ عجز کا اظہار کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے زیادہ رونا، اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب کرنے کی زیادہ دعاء کرنا۔ اس لئے کہ عربی میں لفظ الاواہ اور المتأوہ کے معانی، عاجزی کرنا۔ زیادہ رونا، زیادہ دعا کرنا آئے ہوئے ہیں۔ آپ کے ارشاد گرامی میں جو لفظ "تلاء" استعمال ہے اس کے لام پر شد ہے اس کے دو معنی آتے ہیں زیادہ تلاوت کرنا اور زیادہ تابعداری کرنا یہاں دونوں معنی ممکن ہیں کہ تم زیادہ تلاوت قرآن پاک پڑتے رہے ، یا تم زیادہ قرآن پاک کی تابعداری کرتے رہے اس کے مطابق عمل کرتے رہے۔

نبی کریم ﷺ کی دعاء کا مقصد یہ ہے کہ ہم تمہارے لئے رحمت کی دعاء کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے رحمت کاملہ اور اس کی عام مغفرت کی قوی امید کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے

فضل و کرم سے تمہیں ایسے اعمال کی توفیق دے رکھی تھی جو اس کی رحمت و مغفرت کا ذریعہ ہیں کیونکہ بے شک تم اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے آہ وزاری کرتے رہے اور اس کی محبت کی وجہ عاجزی کرتے رہے اور اسکے خوف کی وجہ سے بہت ہی روتے رہے اور اس سے رحمت کی طلب کی بہت دعائیں کرتے رہے اور بہت ہی زیادہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہے اور قرآن پاک کے احکام کے مطابق عمل کرتے رہے یقیناً یہ اعمال اس کی رحمت و مغفرت کا ذریعہ ہیں ہم بھی اس کی رحمت کی امید کرتے ہوئے تمہارے لئے دعا کر رہے ہیں۔

میت کے گھر کھانا بھیجا جائے

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت جعفر کی وفات کی خبر آئی (یعنی جب آپ کی شہادت کی خبر مدینہ طیبہ میں پہنچی کیونکہ آپ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تھے) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

"اصنعوا لاهل جعفر طعاما فانه قد جاء هم مایشغلهم"
(ترمذی کتاب الجنائز)

اہل جعفر کے لئے طعام تیار کرو (یعنی طعام تیار کر کے ان کے گھر بھیجو) اس لئے کہ ان کے پاس وہ خبر آچکی ہے جس نے ان کو (پریشانی میں) مشغول کر دیا ہے۔ اسی حدیث پاک کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :

"وفی الحدیث دلیل علیٰ انه یستحب للجیران والاقارب تهیة طعام لاهل المیت"
(لمعات)

حدیث پاک میں یہ دلیل ہے کہ پڑوسیوں اور قریبی رشتہ داروں کا میت کے گھر والوں کے لئے کھانا بھیجنا مستحب ہے۔ خیال رہے کہ بعض رسم و رواج شریعت کے مخالف ہیں ان سے علماء کرام کا کوئی تعلق نہیں تمام مسلک کے علماء کرام ان سے منع فرماتے ہیں۔ ان رسوم سے ہی ایک رسم یہ ہے کہ میت کے دفن سے پہلے ہی بیل وغیرہ ذبح کر دئے جاتے ہیں عام دعوت کا اعلان ہوتا ہے تمام گاؤں والے لوگوں کو روٹی کھلائی جاتی ہے اگر جنازہ میں شرکت کے لئے کوئی شخص قریبی گاؤں سے ہی کیوں نہ آجائے اسے بھی دعوت میں شریک کیا جاتا ہے۔ یہ صورت حال

سراسر شریعت کے مخالف ہے۔ لیکن اس کے بر خلاف اگر دور و دراز سے مہمان آئے ہوئے ہیں ان کو کھانا کھلانا ایک عذر ہے اس میں بھی بہتر تو یہ ہے کہ رشتہ دار تین دن تک یا سات دن تک کھانے کا اہتمام کریں۔ لیکن عام یہی ہے کہ پڑوسی یا رشتہ دار اتنا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوتے اب میت کے اھل و عیال مجبور ہوتے ہیں کہ مہمان کے لئے وہ خود ہی کھانا تیار کریں۔ مجبوری کی صورت میں تو عذر کو قبول کرنا عقل کا تقاضا ہے۔ لیکن بغیر کسی مجبوری کے دعوت عام جہاں شریعت کے مخالف ہے وہاں عقل کے بھی منافی ہے۔ البتہ صدقہ و ثواب کی غرض سے کھانے کا اہتمام کرنا جائز ہوگا۔ جیسا کہ میں نے ایصالِ ثواب کے رسالہ میں واضح کیا ہے۔ تاہم ایسی صورت میں...... جب کہ اہتمام ترکہ سے کیا جارہا ہو...... حدود قیود کا خیال رکھا جائے۔

پختہ قبر بنانے اور ان پر روضہ بنانے کا حکم

پختہ قبر بنانے اور روضہ بنانے کا حکم نیت پر موقوف ہے اگر نیت اسی صاحب قبر کو معبود بنانے کی ہے یا فخر کے طور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ لوگ دیکھیں اس صاحب قبر کے اھل و عیال کتنے مالدار ہیں اور ان کو صاحب قبر سے کتنا تعلق ہے یا قبرستان کی جگہ وقف ہو اور اس میں صاحب قبر کی طرف سے قبر کو پختہ بنانا منع کیا گیا ہے اس قسم کی کوئی بھی فاسد غرض ہو تو منع ہے۔ لیکن اگر نیت یہ ہو کہ قبر کا نشان باقی رہے، قبر بھول نہ جائے، قبر کے نشان مٹ نہ جائیں۔ یہاں لوگ قرآن پاک پڑھیں گے، ان کے سایہ حاصل کرنے اور دھوپ سے بچنے کیلئے روضہ تیار کیا گیا تو یقیناً جائز ہوگا۔ اس لئے کہ نیت پاک صاف ہے، غرض نیک ہے۔ مقصد عظیم ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ ایک حدیث پاک دوسری حدیث پاک کا بیان ہوتی ہے۔ جب ایک حدیث میں ایک کام سے منع کیا گیا ہو اور دوسری میں اس کی وجہ بھی بیان کردی گئی ہو تو دونوں کا مقصد ایک ہی ہوگا۔ ایک حدیث پاک ہے۔

" نھی رسول اللہ ﷺ ان یجصص القبر وان یبنی علیه وان یقعد علیه "

نبی کریم ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے، چونہ گچ کرنا اور ان پر تعمیر کرنے اور ان پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

اور دوسری حدیث پاک میں ہے۔

" الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاء هم وصالحیهم مساجد الا فلاتتخذوا القبور مساجد انی انهاکم عن ذالك "

خبر دار بے شک جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ انبیاء کرام اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں (عبادت گاہیں) بنایا کرتے تھے آگاہ ہو جاؤ پس تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا، بے شک میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔

کہ قبر کی مٹی کو پختہ کرنے کے لئے پانی چھڑکنا، نشان کو باقی رکھنے کے لئے ان پر کنکریاں ڈالنا اور سر کی جانب بڑے پتھر لگانا یہ سب کام نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت ہیں تو یقیناً جائز بھی ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے افعال ہی تو شریعت ہیں۔ خود نبی کریم ﷺ کے روضہ مطہرہ پر آج تک علماء کرام صلحاء کبار اولیاء عظام، فقہاء ذی وقار سے کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حجرہ شریف نبی کریم ﷺ کو کچی اینٹوں سے تعمیر کرایا، اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ولید بن عبدالملک کے حکم سے اسے شہید کر کے منقش پتھروں سے تعمیر کرایا ۔ جذب القلوب کی اصل عبارت جس کا ترجمہ بیان کیا گیا ہے یہ ہے۔

" و بعد ازاں که امیر المؤمنین عمر در مسجد زیارت کرد حجره را ازخشت خام بناء کرد و تا زمانِ حدوثِ عمارت ولید این حجره ظاهر بود عمربن عبدالعزیز بحکم ولید بن عبدالملك آں را هدم کرد وبحجاره منقوشه بر آورد و برظاهر آن حطیره دیگر بناء کرد "

(جذب القلوب ص ۱۲۱)

مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۲ میں بخاری شریف سے ہے۔ جب حضرت حسن بن امام حسن بن علیؓ کا وصال ہوا تو آپ کی زوجہ شریفہ نے آپ کی قبر پر " قبہ "(گنبد) بنایا اور ایک سال تک رکھا اور بعد ازاں اٹھایا۔ حدیث شریف کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں۔

" وعن البخاری تعلیقا قال لما مات الحسن بن الحسن بن علی رضی اللہ عنہ ضربت امرأته القبة علیٰ قبرہ سنة ثم رفعت "

تو مائی صاحب تابعیہ ہیں۔ اہل بیت کرام سے ہیں اور آپ نے تابعین کے زمانہ میں یہ کام کیا، آپ کو کسی نے منع نہیں کیا۔ صرف ایک دو دن نہیں بلکہ ایک سال تک اسے رکھا۔ معلوم ہوا کہ کسی صحیح غرض، درست مقصد کے لئے بنایا گیا تھا جب تک اس مقصد کا حصول رہا۔ قبہ بھی موجود رہا، جب غرض موجود نہ رہی قبہ بھی ہٹالیا گیا۔ اتنی لمبی مدت یقیناً وہ کسی سے او جھل تو نہیں رہا اور نہ ہی کسی نے ہٹانے کے لئے کہا۔ غرضیکہ جب تک مناسب سمجھا کہ لوگ بیٹھتے ہیں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں ذکر کرتے ہیں اس وقت تک قبہ موجود رہا۔ جب لوگوں نے معمول ترک کر دیا تو قبہ کی ضرورت خود بخود ختم ہوئی تو اس صورت میں قبہ کو اٹھالیا گیا۔

اسی طرح جذب القلوب ص ۱۸۰ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

" قبور ازواج النبی ﷺ ورضی اللہ تعالیٰ عنہن نیز قریب دار عقیل است کہ چوں عقیل بن ابی طالب چاهی در دار خود حفر کرد ازا نجا سنگے بر آمد کہ دروے نوشتہ اند قبرام حبیبہ بنت صخر بن حرب ، عقیل آں چاه رابانباشت و عمارتے بر بالا قبر بنا کرد "

حضرت علیؓ کے بھائی حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کے گھر کے قریب نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کی قبریں تھیں۔ حضرت عقیلؓ نے اپنے گھر کنواں کھودنا شروع کیا تو ایک پتھر نکلا جس پر لکھا ہوا تھا ام حبیبہ بنت صخر بن حرب کی قبر۔ حضرت عقیل نے وہ کنواں کھودنا بند کر دیا اور اس کے اوپر ایک عمارت تعمیر کرادی۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ، مومنوں کی ماں کی قبر کے سرہانے پتھر لگا ہوا تھا اور اسی پر ان کا نام بھی تحریر تھا۔ اور صحابہ کرام اور تابعین سے روضے بنانا بھی ثابت ہو گیا۔ لہذا اب اس میں کوئی خدشہ باقی نہ رہا کہ انسان تردد میں رہے کہ جائز ہے یا جائز نہیں؟ صحابہ کرام اور تابعین سے بڑھ کر شریعت کا پاسدار کون ہو سکتا ہے؟

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے :

صحیح حدیث شریف ہے "انما الاعمال بالنیات" اعمال کی دار ومدار نیتوں پر ہے

بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی کہ اگر ایک کام نیک نیت سے پایا جائے تو وہ کام نیک ہو جائے گا اور اگر بری نیت سے پایا جائے تو برا ہو جائے گا۔ مثلاً ایک مثال کی طرف توجہ کریں کہ اگر کسی کو ملتے وقت رکوع کی حد تک انسان اس لئے جھکے کہ یہ شخص معبود ہے تو یہی کام شرک اور حرام ہو گا۔ اگر صرف تعظیم کی خاطر جھکے تو مکروہ ہو گا، اگر کوئی شخص معذور ہو اور محتاج ہو کہ کوئی اس کی اٹھانے میں امداد کرے تو اس غرض سے اس کو ملتے وقت اسے اٹھانا بھی مقصود ہو تو جھکنا واجب ہو گا۔ اگر کسی شخص کے ہاتھ پاؤں چومنے مقصود ہوں، ارادہ صرف ہاتھ، پاؤں چومنے کا تھا لیکن ہاتھ، پاؤں چومنے کے لئے جھکنا پڑا تو ایسا جھکنا جائز، مستحسن ہے کیونکہ ارادہ ہاتھ، پاؤں چومنے کا تھا۔ کیونکہ ہاتھ پاؤں کا چومنا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ امام بخاریؒ الادب المفرد ص ۳۳۹ میں وازع بن عامر سے روایت بیان فرماتے ہیں۔

" قال قدمنا فقیل ذاک رسول اللہ ﷺ فاخذنا بیدیہ ورجلیہ نقبلھا "

کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہمیں بتایا گیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں (یہ ان کی پہلی ملاقات تھی) تو ہم نے نبی کریم ﷺ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں پکڑ کر چومے۔

اب اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ ہاتھ، پاؤں کا چومنا جائز ہے۔ اگر جائز نہ ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضرور منع فرماتے۔ آپ کا منع نہ فرمانا، جائز ہونے پر بہت بڑی قوی دلیل ہے کہ یہ کام یقیناً جائز ہے۔ اب ہر انسان جو عقل و دانش کا مالک ہو صاحب شعور ہو معمولی سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہو تو وہ سمجھے گا کہ ہاتھ پاؤں کے چومتے وقت جھکنا بھی پایا جاتا ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے بالکل منع فرمایا ہی نہیں۔ یہاں تک بھی نہیں فرمایا کہ اگرچہ ہاتھ، پاؤں کا چومنا تو جائز ہے لیکن اس میں جھکنا پڑتا ہے، جھکنا تو ناجائز ہے۔ لہٰذا اس فعل سے بچنا ضروری ہے۔ اب مسئلہ نکھر کر سامنے آگیا کہ ارادہ صرف ہاتھ پاؤں کے چومنے کا ہو تو جھکنا جائز ہے۔

ایک اور حدیث شریف کی طرف توجہ کیجئے ! حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں۔

" رایت علیا یقبل ید العباس ورجلیہ "

میں نے حضرت علیؓ کو حضرت عباسؓ کے ہاتھ پاؤں چومتے ہوئے دیکھا۔

اب ان احادیث سے واضح ہوا کہ قبروں پر روضے بنانے میں جب نیت نیک ہوگی تو روضے بنانے جائز ہوں گے۔ ایک اور حدیث پاک کی طرف غور کریں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے " ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن " جس کام کو مسلمان اچھا، نیک سمجھیں وہ اللہ کو بھی پسند ہوتا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا اور نیک ہوگا۔

اب مسئلہ کو سمجھنا مشکل نہ رہا کہ نیک لوگوں کے روضے مسلمان اس لئے بناتے ہیں کہ یہ کام اچھا اور مستحسن ہے تو یقیناً اللہ کو بھی پسند ہوگا کہ یہ کام مستحسن ہے کیونکہ روضے بنانے والوں کی نیت نیک ہوتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مدارج النبوۃ جلد اول ص ۴۲۰ میں فرماتے ہیں :

" و در مطالب المومنین گفتہ اند کہ مباح داشتہ اند سلف کہ بناء کردہ شود بر قبور مشائخ و علماء مشہور تا زیارت کنند ایشاں را مردم واستراحت یا بند دراں و نشیند در سایہ آں ، نقل کردہ است آں را از مفاتیح شرح مصابیح"

مطالب المومنین میں بیان کیا گیا ہے کہ سلف صالحین نے مشہور مشائخ عظام اور علماء کرام کی قبروں پر روضے بنانا جائز سمجھا ہے کیونکہ ان کو دیکھ کر لوگ ان کی زیارت کریں گے۔ (دعا کریں گے، ان سے فیضان حاصل کریں گے) وہاں بیٹھنے میں راحت محسوس کریں گے، روضے کے سایہ میں بیٹھیں گے، مفاتیح شرح مصابیح سے اسے نقل کیا گیا ہے۔

اسی طرح اسواط العذاب کے آخر میں حضرت ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری سے منقول ہے۔

"ضرب الفسطاط ان کان الغرض صحیح کالتستر من الشمس للحی لا لاظلال المیت فقد جاز "

قبر پر خیمہ لگانا یا کوئی تعمیر کرنا میت کو سایہ پہچانے کی غرض سے نہ وہ بلکہ اس نیک ارادہ سے ہو کہ یہاں زندہ لوگ آکر سایہ حاصل کریں گے تو جائز ہے کیونکہ قرآن پاک پڑھنے کی غرض

سے، دعاء اور ذکر کی غرض سے بیٹھنے کے لئے آرام میسر ہوا تو وہ انسان دیر تک بیٹھ سکے گا۔ اگر زمین گرم ہوئی، کانٹے اور سنگریزے ہوئے تو وہ جلدی وہاں سے چلا آئے گا۔ دل جمعی سے نہ دعاء کر سکے گا نہ قرآن پڑھ سکے گا۔

اسی طرح اصحاب قبور کو حقارت سے بچانے کے لئے روضے تعمیر کرنا جائز ہے۔ اسواط العذاب کے آخر میں تفسیر روح البیان سے منقول ہے:

" بناء القباب علیٰ قبور العلماء والاولیاء والصلحاء امر جائز اذا قصد بذالک التعظیم فی اعین العامة حتی لایحقتروا صاحب هذا القبر "

علمائے کرام، اولیائے عظام، بزرگان دین نیک لوگوں کی قبروں پر روضے بنانا جائز ہے جب کہ نیت یہ ہو کہ لوگ ان کی قبروں کو گھٹیا نہ سمجھیں بلکہ یہ عوام الناس کی نظروں میں معظم نظر آئیں۔

(از فتاویٰ نوریہ)

ایک صاحب کشف کا دلچسپ واقعہ

حضرت قبلہ عالم سید الاولیاء پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی ڈیرہ غازی خان میں ایک فقیر سے ملاقات ہوئی آپ فرماتے تھے کہ وہ فقیر بڑا صاحب کشف تھا اور واقعات کو نیہ (آنے والے واقعات) کی اطلاع پہلے دے دیا کرتا تھا۔ میرے متعلق اس نے کئی پیشین گوئیاں کیں جو پوری ہو رہی ہیں اور اس کے مکاشفات ہمیشہ درست ثابت ہوتے رہے ہیں۔ ڈیرہ غازیخان سے ملتان آتے وقت وہ میرے ساتھ ہو لیا، غازی گھاٹ سے ہم جہاز میں سوار ہو کر دریائے سندھ کو عبور کر رہے تھے کہ ایک عورت کافی فاصلہ پر دودھ کا برتن لئے مشک پر تیرتی نظر آئی۔ میری توجہ ایک لمحہ کے لئے ادھر ہو گئی اور خیال آیا کہ یہ عورت اپنے کام میں کیسی باہمت ہے۔ معاً (اسی وقت) وہ فقیر تالی بجا کر کہنے لگا ...... وہ تار ٹوٹ گئی، وہ تار ٹوٹ گئی ...... یعنی تمہاری توجہ ذکر الٰہی کے شغل سے ہٹ کر اس عورت کے کام کی طرف مبذول ہو گئی ہے۔ پھر وہ جہاز ہی میں کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بگھی میں لے جائیں گے اور مجھے پیدل چلائیں گے۔ بلا تم اسؐ کے لاڈلے جو ہوئے۔

تاہم ریل گاڑی میں اکھٹا سفر کریں گے۔ میں نے کہا نہیں دونوں اکھٹے بگھی میں چلیں گے۔ میرے پاس کرایہ دینے کو رقم ہے وہ بولا پیسے تو میرے پاس بھی ہیں، مگر خدا کی مرضی یہی ہے کہ میں پیدل چلوں۔

حضرت پیر مہر علی شاہؒ فرماتے ہیں کہ جہاز سے اتر کر میں نے ایک اچھا سا تانگہ دیکھا اور اس میں سوار ہو کر اس فقیر سے کہا میرے برابر اگلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ، میں یہ بات ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ ایک شخص جلدی سے آکر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا، اور وہ جگہ روک لی، وہ پچھلی سیٹ کی طرف پلٹا تو دو اور آدمی لپک کر اس سے پہلے سوار ہو کر بیٹھ گئے اور تانگہ میں سواریاں پوری ہو گئیں، پھر وہ جس تانگے یا بگھی کی طرف جاتا، اس کے پہنچنے سے پہلے ہی سواریوں سے بھر جاتا اور چونکہ اس روز وہاں تحصیلدار آیا ہوا تھا، اس لئے کوچوان قانون شکنی کے خوف سے چار سے زیادہ سواریاں نہیں بٹھا رہے تھے چنانچہ اس فقیر کو پیدل ہی چلنا پڑا۔ جب کئی میل سفر طے کرنے کے بعد یہ تانگوں کی سواریاں ریلوے اسٹیشن غازی گھاٹ پہنچیں تو ریل گاڑی کی روانگی کا وقت ہو چکا تھا اور وہ تیار کھڑی تھی۔ مجھے خیال گذرا کہ اب یہاں اس فقیر کا کشف ضرور غلط ثابت ہو گا۔ لیکن گاڑی نہ چلی اور کھڑی رہی، معلوم ہوا کہ انجن میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے کوئی دو گھنٹہ بعد وہ فقیر ریلوے اسٹیشن پہنچا اور سیدھا میرے ڈبہ میں چلا آیا اور جیسے ہی اس نے گاڑی میں قدم رکھا گاڑی چل دی (اس طرح اس کی وہ بات سچی ثابت ہو گئی کہ میں پیدل چلوں گا لیکن گاڑی میں اکھٹا سفر کریں گے)

حضرت فرماتے تھے کہ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ نعمت تم نے کہاں سے پائی کیونکہ تمہارے کسب کا نتیجہ تو معلوم نہیں ہوتی۔ اس نے جواب دیا کہ میں پولیس میں سپاہی تھا۔ ایک مرتبہ ہم دو سپاہی گرفتار شدہ ملزم کو حراست میں لئے جا رہے تھے کہ اثنائے راہ (دوران راہ) ایک قبرستان آیا، جہاں ایک شکستہ سی قبر (کچی، ٹوٹی پھوٹی قبر) پر وہ ملزم دعا مانگنے کے لئے رکا۔ میں نے کہا جیسی قبر کی حالت ہے ویسی ہی قبر والے کی ہو گی۔ کیوں وقت ضائع کر رہے ہو، جلدی چلو، رات کو خواب میں ایک بزرگ صورت شخص نظر آئے، اور مجھے حضرت غوث اعظم کی خدمت میں لے گئے، میری سفارش کی اور میرے لئے دعا کرائی، پھر مجھ سے کہا، کہ میاں ہماری قبر تو ٹوٹی پھوٹی سہی مگر تمہارا کام تو بنا دیا۔ صبح کے وقت جب جاگا تو صاحب کشف تھا ملازمت سے

استعفیٰ دے کر آزاد ہو گیا۔

مولانا محب النبیؒ سابق مدرس جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف راقم الحروف (مولف) کے استاذ محتشم ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مدارج بلند فرمائے ! کہتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے ایک روز سبق پڑھانے کے دوران اس فقیر کے مزید کچھ حالات بیان فرماتے ہوئے کہا تھا کہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ آخری عمر میں گولڑہ شریف آکر آپ سے ملوں گا۔ ابھی تک وہ نہیں آیا۔ اس وقت میری عمر ستر سال سے اوپر ہے معلوم ہوتا ہے وہ ابھی تک زندہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا کیونکہ میں نے اس کی کوئی بات غلط نہیں پائی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس روز حضرت نے ہمیں آخری سبق پڑھایا تھا اور اس کے دو تین ماہ بعد آپ عالم استغراق میں چلے گئے تھے۔ آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اس فقیر کے کئی اور مکاشفات بھی آپ کو اپنے متعلق معلوم تھے جن کا ذکر آپ مناسب خیال نہ فرماتے تھے۔ (مہر منیر ص ۱۱۳)

حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کے مکاشفات :

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا مسلک تھا کہ اپنے حال یا مکاشفات عالیہ کو پردہ اخفاء میں (چھپا کر) رکھتے تھے، اور کسی قسم کا دعویٰ کرنے سے اجتناب فرماتے تھے۔ آپ سے بے شمار خوارق (کرامات) کا ظہور ہوا لیکن آپ نے صرف انہی چیزوں کو ظاہر فرمایا، جن کے لئے کوئی شرعی حجت یا اشد ضروری وجہ اظہار ہوتی۔ مثلاً قادیانی معرکہ میں آنحضرت ﷺ کا کشفی ارشاد کی وجہ یہ ہی تھی (جو کہ آپ کی اپنی تحریر میں فارسی میں ہے جس کا ترجمہ صرف نقل کیا جا رہا ہے، فارسی تحریر مہر منیر کے۔ ۲۰۳ میں دیکھی جائے)

"جن دنوں مرزا غلام احمد قادیانی نے بظاہر تحقیق حق کی غرض سے اشتہارات کے ذریعہ دعوت دی تھی اور میں اسے منظور کرنے کا ارادہ کر رہا تھا، مجھے اس نعمت عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا، میں اپنے حجرہ میں حالت بیداری (جاگتے ہوئے) آنکھیں بند کئے ہوئے تنہا بیٹھا تھا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ "قعدہ کی حالت میں جلوس فرما ہیں" اور یہ عاصی بھی چار بالشت کے فاصلہ پر اسی حالت میں باادب تمام شیخ کی خدمت میں مرید کی حاضری کی طرح بالمقابل بیٹھا ہے۔

اور "غلام احمد" اس جگہ سے دور مشرق کی طرف منہ کئے اور آنحضرت ﷺ کی طرف پشت کر کے بیٹھا ہے"

اس روئیت (دیکھنے) کے بعد مع احباب لاہور پہنچا لیکن مرزا اپنے تاکیدی وعدہ سے (بمثل انکار کرنے اور پھر جانے والے خدا کی لعنت ہو) پھر گیا اور لاہور نہ آیا۔

اسی طرح مرزا قادیانی کے تکبر کو رد کرنے کے لئے آپ کا ایک اور ارشاد گرامی بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔ مہر منیر ص ۲۴۷ میں ہے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے اس موقع پر ایک اور بات بھی فرمائی تھی جو بہت مشہور ہوئی اور مدت تک اس کا چرچا رہا۔ آپ نے مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت اور ان کی فصیح عربی اور زود نویسی (جلدی لکھنے) کی تعلیٰ (تکبر و شیخی) کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ :

" علمائے اسلام کا اصل مقصود تحقیق حق اور اعلاء کلمة الله ہے۔ امت میں اس وقت بھی ایسے خادم دین موجود ہیں کہ اگر قلم پر توجہ ڈالیں تو خود بخود کاغذ پر تفسیر قرآن لکھ جائے "

ظاہر ہے کہ اس سے اشارہ اپنی جانب تھا۔ چنانچہ بعد میں اس چیلنج کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ دعویٰ از خود نہیں کیا تھا بلکہ عالم مکاشفہ میں جناب نبی کریم ﷺ کے جمال با کمال سے میرا دل اس قدر قوی اور مضبوط ہو گیا تھا کہ مجھے یقین کامل تھا کہ اگر اس سے بھی کوئی بڑا دعویٰ کرتا تو اللہ تعالیٰ ضرور مجھے سچا ثابت کرتا۔ نیز فرمایا :

کُتی کلے دی زور تے کُدّ دی اے (یعنی کُتیا کھونٹے کے بل پر ہی زور دیتی ہے)

سنتِ رسول ﷺ کا لحاظ :

ایک اور واقعہ سنتوں کی ادائیگی کے متعلق بیان کرنا مقصود تھا، جس کے ضمن میں حضرت سے اپنی اس ملاقات کا ذکر بھی ہو گیا جو آپ کو نبی کریم ﷺ سے ہوئی۔ حضرت کے قلمی تحریر مع

عکس کے اور اصل فارسی تحریر مہر منیر کے ص ۱۳۰ کے بعد موجود ہے یہاں صرف ترجمہ نقل کیا جارہا ہے جو مہر منیر کے ص ۱۳۲ میں ہے۔ (آپ فرماتے ہیں)

"چنانچہ مدینہ عالیہ کے سفر میں بمقام وادئی حمرا ڈاکوؤں کے حملہ کی پریشانی کی وجہ سے مجبوراً عشاء کی سنتیں مجھ سے رہ گئیں۔ مخلصی فی اللہ مولوی محمد غازی مدرسہ صولتیہ (مکہ مکرمہ) میں شغل تعلیم و تدریس حسن ظن کی بناء پر بغرض خدمت اس مقدس سفر میں میرے شریک ہوئے تھے۔ ان رفقاء کی معیت میں میں قافلہ کے ایک طرف سو گیا، کیا دیکھتا ہوں کی سرور عالم ﷺ سیاہ عربی جبہ زیب تن فرمائے تشریف لاکر اپنے جمال باکمال سے مجھے نئی زندگی عطا فرماتے ہیں، ایسا معلوم ہوا کہ میں ایک مسجد مین بحالت مراقبہ دوزانو بیٹھا ہوں۔ آنحضور ﷺ نے قریب تشریف لاکر ارشاد فرمایا کہ آل رسول کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ میں نے اس حالت میں آنجناب کی ہر دو پنڈلیوں کو جو ریشم سے بھی زیادہ لطیف تھیں اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر نالہ و فغاں (آہ وزاری) کرتے ہوئے الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا شروع کیا اور عالم مدہوشی میں روتے ہوئے عرض کی کہ حضور کون ہیں؟ جواب میں وہی ارشاد ہوا کہ آل رسول کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیئے، تین بار یہی سوال و جواب ہوتے رہے، تیسری بار میرے دل میں ڈالا گیا کہ جب آپ نداء یارسول اللہ سے منع نہیں فرمارہے تو ظاہر ہے کہ خود آنحضرت ﷺ ہیں، اگر کوئی اور بزرگ ہوتے تو اس کلمہ سے منع فرماتے۔ اس حسن و جمال باکمال کے متعلق کیا کہوں، اس ذوق و مستی و فیضان کرم کے بیان سے زبان عاجز ہے اور تحریر لنگ"

حضرت پیر مہر علی شاہؒ کا خواب میں کلام فرمانا

آپ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند ارجمند حضرت پیر غلام محی الدین المعروف بابوجیؒ نے خدام و حاضرین کا یہ مشورہ پسند فرمایا کہ مدینہ منورہ کے نقشہ پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا مرقد پاک بھی مسجد کے متصل بائیں طرف ہو۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے باغ کا وہ حصہ منتخب کیا گیا جو مسجد کے جنوب میں کچھ نشیب میں واقع تھا، جب روضہ شریف کی تعمیر کیلئے باغ کا یہ حصہ کاٹ کر اس کی سطح مسجد کے فرش کے برابر کر دی گئی تو حضرت نے خواب میں بعض متوسلین سے فرمایا

کہ مجھ پر اس قدر بوجھ کیوں ڈال دیا گیا۔ اس پر انجنیر مہتمم تعمیر بابو لعل محمد صاحب چغتائی سابق اسٹنٹ آرکیٹکٹ گورنمنٹ پنجاب نے، جنہیں حضرت سے شرف بیعت بھی حاصل تھا، مشورہ دیا کہ تابوت شریف کو نکال کر نئے تعویذ میں رکھا جائے جس کی گہرائی چھ فٹ سے زیادہ نہ ہو موجودہ صورت میں گہرائی بیس فٹ سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔

تابوت شریف کی برآمدگی

چنانچہ یہ مبارک تقریب وصال شریف سے تقریباً تین سال بعد اس طرح عمل میں آئی کہ ایک شام تابوت مبارک کو نکال کر حضرت اُجی صاحبؒ (یعنی حضرت کے والد محترم) کے مزار مقدس کے پاس رکھ دیا گیا۔ جہاں رات بھر، دوسرے روز اور آئندہ شب مسلسل قرآن خوانی ہوتی رہی۔ پروگرام تو یہ تھا کہ اسی روز صبح سے پہلے یہ کام مکمل ہو جائے اور کسی باہر والے کو اس کا علم نہ ہو، لیکن تابوت مبارک کی برآمدگی سے فضاء اس قدر معطر ہوئی کہ قصبہ اور نواحی آبادیوں کے مردوزن سینکڑوں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ اور اگلے روز تو حضرت کے جنازہ کے ہجوم کی سی شان پیدا ہو گئی پھر باطنی فضائیں کچھ اس قدر منور ہوئیں کہ جب اگلی صبح بسال شریف سے حضرت مولانا محمد جعفر صاحب گولڑہ شریف پہنچے اور حضرت بابو جیؒ نے ازراہِ تعجب دریافت فرمایا کہ آپ کو پچاس میل دور کیسے خبر ہو گئی؟......

تو عرض کیا ...... میں تہجد کے لئے بیدار ہوا تو اس طرف سے ایسی خوشبودار مہک آئی کہ مجھ سے رہا نہ گیا اور چل پڑا۔

ایک بزرگ کی قبر میں پانی کا آنا اور ان کا بتانا

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت صالح بن عبداللہؒ کو خواب میں دیکھا گیا کہ آپ فرما رہے ہیں "حولونی عن قبری فقد آذانی الماء" مجھے میری قبر سے منتقل کر لو مجھے پانی تکلیف دے رہا ہے۔ آپ نے تین مرتبہ اس طرح فرمایا۔ جب دیکھا گیا تو واقعی آپ کی قبر میں پانی پہنچ چکا تھا اور آپ کی ایک جانب پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ سے جب اس کے متعلق

فتویٰ طلب کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ان کو وہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیا جائے۔ اس طرح آپ کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔

(طحطاوی باب الجنائز)

حضرت ثابت بن قیسؓ کا اپنی چوری شدہ زرہ کی نشاندہی کرنا

کتاب الروح لابن القیم کے ص ۲۱ اور تفسیر خازن اور تفسیر جمل میں اس واقع کو نقل کیا گیا ہے، جسے استاذی المکرّم رئیس التحقیق حضرت علامہ ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی شیخ الحدیث سیال شریف نے اپنی کتاب جلاء الصدور کے ص ۱۱۱ پر نقل فرمایا جس کی مکمل عربی عبارت جلاء الصدور میں ہی دیکھی جائے یہاں ترجمہ یا کوئی ضروری جملہ عربی کا تحریر ہوگا۔

حضرت عطاء خراسانی سے منقول ہے کہ مجھے حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ کی بیٹی نے بیان کیا کہ جنگ یمامہ (جو کہ مسیلمہ کذاب کے ساتھ حضرت صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں لڑی گئی تھی) کا دن تھا میرے والد حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ کذاب کی طرف نکلے۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے، ثابت بن قیس بن شماس اور سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں اس طرح جنگ نہیں لڑا کرتے تھے۔ پھر ہر ایک نے اپنے لئے گڑھا کھود لیا اور اس میں کھڑے ہو کر دونوں نے ثابت قدمی کے ساتھ جہاد کیا حتی کہ دونوں شہید ہو گئے اور اس دن حضرت ثابت کے بدن پر ایک نفیس زرہ تھی، مسلمانوں میں سے ایک آدمی ان کے پاس سے گذرا تو اس نے زرہ کو اتار لیا۔

حضرت ثابتؓ خواب میں ایک مسلمان کو ملے جب کہ وہ سویا ہوا تھا...... فرمایا میں تجھے وصیت کرتا ہوں اور تو اس خیال سے دور نہیں رہنا کہ اسے خواب و خیال سمجھ کر ضائع کر دے۔ فرمایا میں جب گذشتہ دن شہید ہو گیا تو میرے پاس سے ایک مسلمان گزرا تو اس نے زرہ کو اتار لیا، زرہ اتارنے والے کی نشان دہی کرتے ہوئے فرمایا۔

" ومنزله فی اقصی الناس و عند خبائه فرس یستن فی طوله وقد کفأ علی الدرع برمة وفوق البرمة رحل "

اس کا ٹھکانا سب لوگوں کے ٹھکانوں کے آخر میں ہے اور اس کے خیمہ کے پاس ایک گھوڑا اپنی لمبی رسی کے ساتھ بندھا ہوا چر رہا ہے۔ اس شخص نے زرہ کے اوپر ہنڈیا کو الٹا رکھا ہوا ہے اور ہنڈیا کے اوپر پالان رکھا ہوا ہے۔

حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیجئے کہ میری زرہ کے لئے آدمی بھیج کر اسے وصول فرمالیں نیز جب تو مدینہ شریف میں خلیفہ رسول اللہ ﷺ ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہو تو ان سے عرض کرنا کہ مجھ پر اتنا قرض ہے، اسے بھی اتارا جائے اور میرے غلاموں میں سے فلاں فلاں غلام آزاد ہیں میری اس وصیت کو نافذ کرتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا جائے۔ وہ شخص حضرت خالد بن ولیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت ثابتؓ کا پیغام پہنچایا" فبعث الی الدرع فاتی بھا "تو آپ نے آدمی بھیجے (جو نشانات حضرت ثابتؓ نے خواب میں بتائے تھے، ان کے مطابق ہی زرہ مل گئی) جو زرہ لے آئے۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضرت ثابت کی درخواست پیش کی تو آپ نے ان کی وصیت کو نافذ فرمادیا۔

حضرت مالک بن انسؒ فرماتے ہیں کہ موت کے بعد کی ہوئی وصیت کا نفاذ سوائے اس کے میرے علم میں نہیں۔ استاذی المکرّم اس واقع کے نقل کے بعد فرماتے ہیں۔ حضرت خالدؓ کا اس خواب پر اعتماد کرتے ہوئے زرہ اس شخص سے واپس لینا اور حضرت صدیق اکبرؓ کا ان کی وصیت کو نافذ فرمانا شہداء کرام کے علم و شعور اور ادراک واحساس اور آنے جانے والوں اور ان کے تمام افعال کی معرفت پر واضح دلیل ہے اور روشن برھان ہے۔

نوٹ :- حضرت ثابت بن قیسؓ کے متعلق یہ روایت مفصل طور پر جمل اور خازن وغیرہ میں سورۃ حجرات کی تفسیر میں زیر آیت ان الذین یغضون اصواتھم، درج کی گئی ہے۔

(دیکھئے جمل جلد چھارم ص ۱۷۶ اور خازن جلد چھارم ص ۱۹۶ ، ص ۱۹۷)

حضرت علامہ قاضی غلام نبیؒ بھترالوی، حطاروی کا قبر میں پانی کی اطلاع دینا

مصنف غفرلہ کے پردادا جو بفضلہ تعالیٰ علم دین میں بلند وبالا مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ زہدو تقویٰ میں بھی ایک نمایاں مقام رکھتے تھے یعنی حضرت علامہ قاضی غلام نبیؒ کے وصال کو اٹھارہ سال ہو چکے تھے ایک روز خواب میں اپنی بیٹی (جو میرے والدؒ کی پھوپھی تھیں) کو فرمایا کہ جس چادر کی تم سلائی کر رہی ہو وہ مجھے دے دو کیونکہ میری چادر بارش کے پانی داخل ہونے کی وجہ سے کیچڑ سے خراب ہو گئی ہے۔ اسی دوران ایک شخص ملوکال گاؤں (یہ ہمارے گاؤں بھترال کے متصل ہے) کا آیا اس نے گھر پیغام بھجوایا کہ مجھے استاذ صاحب (قاضی غلام نبیؒ) خواب میں فرمار ہے تھے کہ میرے گھر جا کر پیغام دو کہ مجھے چادر دو۔ ادھر یہ پیغام ملا اور اُدھر آپ اپنی بیٹی کو بھی از خود ہی خواب میں فرما چکے ہیں ابھی اس خواب پر غور و فکر اور گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک اور شخص نے آکر بتایا کہ بارش کی وجہ سے استاذ صاحب کی قبر میں سوراخ ہو گیا، اٹھارہ سال کے بعد قبر کو کھولا گیا اور دیکھا کہ واقعی چادر کو کیچڑ لگ گیا ہے۔ لیکن آپ کا جسم صحیح و سلامت تھا۔ آپ کی داڑھی مبارک میں بوقت وصال دیئے گئے غسل کے پانی کے قطرات موجود تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے اس نیک بندے کی قبر کو دوبارہ خشک کر کے پھر اس قبر میں دوبارہ دفن کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور میری اولاد کو بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین

یہ واقعہ مجھے دادی مرحومہ اور گاؤں کے بزرگ راجہ فیروز خان مرحوم اور گاؤں کے ایک بزرگ مستری ملک خان نے کئی مرتبہ سنایا۔ اور ایک مرتبہ میرے والد قاضی عبدالعزیزؒ نے ان الفاظ سے سنایا کہ

"میں ابھی چھوٹا ہی تھا کہیں دوران سفر مجھے کچھ لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ :
"یہ اس شخص کا پوتا ہے جس کی قبر کو اٹھارہ سال بعد کھولا گیا تھا لیکن وہ صحیح سلامت تھا۔"

والد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے پہلے اس واقعہ کا علم نہیں تھا کیونکہ والد مرحوم اپنے والد قاضی فیض احمدؒ کی وفات کے چالیس دن بعد پیدا ہوئے تھے اور یہ واقعہ ان کی زندگی کے زمانہ کا

تھا تو آپ نے گھر آکر اپنی والدہ صاحبہ سے پوچھا تو انہوں نے پورا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا۔

تنبیہ :- قبر کے حالات یعنی منکر و نکیر کا آنا، سوال و جواب، قبر کی فراخی و تنگی کے ذکر سے پہلے مناسب یہ ہے کہ چند گناہوں اور ان کی سزاؤں کا ذکر کیا جائے، جس سے قبر کے حالات اور جنت و دوزخ میں جانے والوں کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ اسی طرح توبہ کا ذکر بھی پہلے ہی مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ گناہوں کے تذکرہ کے بعد ان کی معافی کا طریقہ معلوم ہو جائے کہ انسان سے اگر گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے تو وہ توبہ کر کے اپنے گناہوں کو رب قدوس سے معاف کرا سکے۔



بابِ دوم:

چند گناہ اور ان کے عذابات کا تذکرہ

انسان کو ہلاک کرنیوالی اور خسارے میں رکھنے والی سات چیزیں ہیں۔

کفر۔ شرک۔ جہالت۔ گناہ ۔ برے اخلاق۔ حجاب صفات ، حجاب نفس۔

اور انسان کی کامیابی، ترقی درجات کے آٹھ اسباب ہیں۔

معرفت الٰہی۔ توحید ۔ علم۔ اطاعت۔ اچھے اخلاق۔ جذب حقانی ، انانیت (اپنے آپ کو برا سمجھنا کہ میں ہی ہوں) کی فنا اور ہویۃ میں بقاء۔

(نعیمی پ ۳)

نماز میں سستی کرنیوالوں کا حال:

نبی کریم ﷺ کو معراج کی رات کئی گناہوگاروں کو دیئے جانے والے عذابات کا مشاہدہ کرایا، ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ کا ایک قوم سے گذر ہوا۔ دیکھا کہ ان کے سر پتھروں سے پھوڑے جارہے ہیں، جب ان کے سر کچل دیئے جاتے ہیں تو پھر ان کو پہلی حالت کی طرف لایا جاتا ہے جب صحیح ہو جاتے ہیں پھر ان کے سر کچل دیئے جاتے ہیں یہ سلسلہ لگاتار جاری ہے کسی وقت بند نہیں ہوتا نبی کریم ﷺ نے جبرائیل امین سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں تو آپ نے عرض کیا کہ وہ لوگ ہیں جو نماز میں سستی کرتے تھے، نماز صحیح ادا نہیں کرتے تھے۔ نماز اپنے وقت میں ادا نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴾

تو ان نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں۔

(در منثور ، جلد چھارم)

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نمازوں کی بالکل پرواہ نہیں کرتے یہاں تک نمازیں ان سے ضائع ہو جاتیں ہیں وہ ادا ہی نہیں کرپاتے یا وہ سستی کرتے رہتے ہیں نماز کا وقت نکلنے والا ہوتا ہے تو آتے ہیں اس طرح نماز نہیں ادا کرتے جس طرح نبی کریم ﷺ نے ادا کی اور نہ ہی صحابہ کرام، تابعین، سلف صالحین کی نمازوں کی طرح ادا کرتے ہیں بلکہ رکوع و سجود اس طرح ادا کرتے ہیں جس طرح مرغ یا کوئی پرندہ جلدی جلدی چونچ زمین پر مار کر دانہ اٹھاتا ہے، خشوع و خضوع سے نماز ادا نہیں کرتے۔ یا سستی کرتے کرتے مکمل طور پر وقت نکال دیتے ہیں اسی طرح بغیر کسی عذر کے جان بوجھ کر نمازیں قضاء کر دیتے ہیں۔

نمازوں میں سستی کرنے والوں پر نبی کریم ﷺ کا غصہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے آپ نے کہا کہ نبی کریم نے فرمایا۔

" والذی نفسی بیدہ لقد هممت ان آمر بحطب فیحطب ثم آمر بالصلوۃ فیوذن لها ثم آمر رجلا فیؤم الناس ثم اخالف و فی روایة لا یشهدون الصلوۃ فاحرق علیهم بیوتهم "

(مشکوٰۃ باب الجماعة)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تحقیق میں ارادہ رکھتا ہوں کہ (بعض حضرات کو) حکم دوں لکڑیاں جمع کرنے کا، جب لکڑیاں جمع کرلی جائیں تو پھر نماز کا حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرائے، پھر خود میں لوگوں کے گھروں کے پیچھے سے آؤں اور ایک روایت میں ہے جو نمازوں میں حاضر نہیں ہوئے ان کے گھروں کو جلا دوں۔

ایک اور حدیث پاک حضرت ابو ھریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

" لو لا مافی البیوت من النساء والذریة اقمت صلوۃ العشاء وامرت فتیانی یحرقون مافی البیوت بالنار "

(رواہ احمد مشکواۃ باب الجماعة)

اگر گھروں میں عورتیں اور چھوٹے بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز کی اقامت کا حکم دیتا (اور جماعت کراتا) اور نوجوانوں کو حکم دیتا کہ وہ ان کے گھروں کو جلا دیتے۔

حدیث پاک سے فائدہ حاصل ہوا کہ بوقت عذر امام کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی کو اپنا نائب بنائے اور امامت کے فرائض اس کے حوالے کر کے خود چلا جائے۔ یا مریض ہے تو حاضر نہ ہو۔

دوسرا فائدہ: یہ حاصل ہوا کہ حدیث پاک کے عمومی الفاظ کو دیکھ کر یہ کہا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ کا غصہ مومنوں اور منافقوں پر ایک جیسا ہے، اگرچہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مومن نماز سے پیچھے نہیں رہتے تھے بلکہ منافق پیچھے رہتے تھے۔ لیکن قرآن پاک اور حدیث پاک کا قانون یہ ہے کہ خصوص مورد (یعنی اس آیت کے نزول کی کیا وجہ ہے نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد کب اور کیوں فرمایا) کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے۔ اسی ضابطہ کے مطابق یہاں بھی حکم عام ہے ۔

نبی کریم ﷺ کا یہ غصہ ان لوگوں پر ہے جو بغیر کسی عذر کے......

" فیکون الوعید علی ترك الجماعة بغیر عذر لا علی ترك الصلوٰة "
(مرقاۃ المفاتیح)

...... نماز باجماعت ادا کرنے کا تارک ہو، مکمل طور پر نماز چھوڑنے والے پر یہ غصہ نہیں یقیناً بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ جب تارک جماعت پر اتنا غصہ ہے تو تارک نماز پر اور شدید غصہ ہو گا۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ غصہ بھی اس ذات کا ہے جو رحمۃ للعلمین ہیں۔ سراپا رحمت ہیں بلکہ جانِ رحمت ہیں وہ ہیں تو رحمت ہے کیونکہ جان سے ہی تو شے کا وجود ہوتا ہے۔ آپ نہ ہوتے تو رحمت کا بھی ظہور نہ ہوتا۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام ☆ شمعِ بزم ھدایت پہ لاکھوں سلام

جب کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آکر صحابہ کرام عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ آپ ان کافروں کے لئے دعاء ھلاکت ہی فرمادیں، تاکہ یہ تباہ و برباد ہو جائیں تو آپ ان کے حق میں یوں دعاء فرماتے ہیں اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون ۔ اے اللہ میری قوم کو ھدایت دے بے شک وہ نہیں جانتے۔ جنگ احد میں جب نبی کریم ﷺ زخمی ہو گئے تو آپ خون کو صاف کرتے

رہے تھے اور اتنا موقع نہ آنے دیتے کہ خون کا قطرہ زمین پر ٹپکے، کیونکہ آپ نے فرمایا، اگر اس خون کا کوئی جزء زمین پر آئے تو یقیناً اہل زمین پر آسمان سے ایسا عذاب نازل ہو جس سے وہ سب ہلاک ہو جائیں اور اس کے بعد زمین پر کوئی چیز نہ اُگے۔

اس حالت میں بھی آپ نے یہ دعا فرمائی۔ اللھم اغفرلقومی فانھم لا یعلمون۔ اے اللہ میری قوم کو معاف فرمادے وہ مجھے جانتے نہیں۔ اور وہ میری حالت کی حقیقت کو پہچانتے نہیں ہیں،

(مدارج النبوۃ جلد دوم)

آپ کی رحمت کی وسعت کا اندازہ خود اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لئے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں بیان فرمایا ہے۔

" انما بعث رحمة لكل فرد فرد من العالمين ملائكتهم وانسهم وجنهم ولافرق بين المومن والكافر من الانس والجن في ذالك "

آپ کو جہان کے ہر ہر فرد کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے خواہ فرشتے ہوں یا انسان یا جن، بلکہ اس میں جنوں اور انسانوں سے مومن اور کافر کا بھی کوئی فرق نہیں۔

اور آپ نے اس طرح ذکر کیا:

" كل خير في العالم فمن آثار النبوة وكل شروقع في العالم اوسيقع فبسبب خفاء آثار النبوة ودروسها فالعالم جسد وروحه النبوة "

تمام جہان میں ہر طرح کی خیر و بھلائی نبوت کے آثار (اثرات و علامات) سے ہے اور ہر برائی جو جہان میں واقع ہے یا واقع ہو گی وہ نبوت کے اثرات کے مخفی ہونے یا مٹ جانے کی وجہ سے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام جہان جسم ہے اور نبوت اس کا روح ہے

نتیجہ :- جب نبی کریم ﷺ رحمت کائنات ہونے کے باوجود تارک جماعت پر اتنا غصہ فرماتے ہیں تو تارک نماز پر آپ کے غصہ کا اندازہ کیا ہوگا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ تو صرف رحیم و کریم ہی نہیں بلکہ قہار و جبار بھی ہے یقیناً اس کے غیظ و غضب کا مقام وہی ہونا ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ سر کچلا جائے گا صحیح کیا جائے گا پھر کچلا جائے گا، یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا۔

غیبت کرنے والوں کا حال

معراج کی رات نبی کریم ﷺ کا ایسی قوم پر گذر ہوا، جن کو مردہ جانوروں کے گوشت کے ٹکڑے کھلائے جارہے تھے۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل امینؑ نے عرض کیا: یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے بھائیوں کا گلہ کرتے تھے۔ (یعنی غیبت کرتے تھے) اور چغلخوری بھی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلاَ تَجَسَّسُوْا وَلاَ يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَ يُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ﴾

(پ ٢٦. ١٤)

اور عیب نہ ڈھونڈو! اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے؟ تو یہ تمہیں گوارا نہ ہوگا۔

(اخبار القرآن ص ٢٦٢)

اسی طرح معراج کی رات غیبت کرنے والوں کو ایک اور عذاب میں مبتلاء بھی دکھایا گیا۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے معراج کی رات میرا ایک قوم پر گذر ہوا۔ " یخمشون وجوھھم باظافیرھم " جن کے چہروں کو ان کے ناخنوں سے ہی نوچا جا رہا ہے۔ میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: " ھؤلاء الذین یغتابون الناس ویقعون في أعراضھم " یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے لوگوں کی غیبت کرتے تھے ان کی عزتوں میں واقع ہوتے تھے۔

(احیاء العلوم جلد سوم)

غیبت کیا ہے؟

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " اتدرون ماالغیبة؟ " کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے؟ " قالوا اللّٰہ ورسولہ اعلم "

صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔" قال ذكرك اخاك بما يكره" آپ نے فرمایا تم اپنے بھائی کا ایسا ذکر کرو جسے وہ ناپسند سمجھتا ہو۔" قيل أفرأيت إن كان في أخي ما أقول" عرض کیا گیا اس میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر میں وہی کہوں جو میرے بھائی میں (عیب) ہوں۔ "قال إن كان فيه ماتقول فقد اغتبته" آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں وہ (عیب) ہوں جو تم کہہ رہے ہو تو تم غیبت کر رہے ہو۔ "وان لم يكن فيه فقد بهته" اگر اس میں وہ (عیب) نہ ہوں تو تم بہتان باندھ رہے ہو۔

حدیث پاک کا مضمون بہت ہی واضح ہے کہ کسی انسان کے اس کی غیر موجودگی میں وہ عیوب بیان کرنا جو اس میں پائے جاتے ہیں۔ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ عیب پائے ہی نہ جاتے ہوں پھر اس کی غیر موجودگی میں وہ بیان کئے جائیں تو یہ بھتان ہے۔ جو غیبت سے بڑھ کر جرم ہے جس کا گناہ اور عذاب بھی اسی قدر زائد ہوگا۔

غیبت زنا سے بری ہے

حضرت جابر اور ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " اياكم والغيبة فإن الغيبة أشد من الزنا"۔ تم اپنے آپ کو غیبت سے بچا کر رکھو! کیونکہ غیبت زنا سے بھی بری ہے۔" فإن الرجل قد يزني ويتوب فيتوب الله سبحانه عليه" بیشک انسان کبھی زنا کرتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے، اللہ سبحانہ بھی اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔"وان صاحب الغيبة لا يغفرله صاحبه" بے شک غیبت کرنے والے شخص کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ جب تک اس شخص نے اسے معاف نہ کیا جس کی اس نے غیبت کی۔

(احیاء العلوم جلد سوم)

غیبت مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے سب لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا

اور فرمایا کہ کوئی شخص میری اجازت کے بغیر روزہ افطار نہ کرے، سب لوگوں نے روزہ رکھا یہاں تک کہ شام کا وقت ہو گیا ایک شخص نے آکر اجازت طلب کی کہ یا رسول اللہ میں نے دن کو روزہ رکھا مجھے افطار کی اجازت دی جائے! آپ نے اجازت دے دی۔ اسی طرح لوگ آرہے ہیں آپ اجازت دے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک شخص آیا، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری اہل کی دو عورتیں آرہی ہیں وہ دن کو روزہ دار تھیں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے شرم محسوس کرتی ہیں آپ ان کو روزہ افطار کرنے کی اجازت فرمائیں۔ آپ نے اعراض فرمایا (اجازت دینے سے انکار کیا) کچھ دیر بعد اس نے پھر اجازت طلب کی۔ آپ نے پھر اعراض فرمایا، کچھ دیر بعد پھر اس نے اجازت طلب کی۔ پھر آپ نے اعراض فرمایا۔

حضور ﷺ نے فرمایا انہوں نے روزہ نہیں رکھا۔ جو شخص دن بھر لوگوں کا گوشت کھاتا رہے اس کا روزہ کیسے ہو سکتا ہے، آپ نے فرمایا تم ان کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ اگر تمہارا روزہ تھا تو (منہ میں انگلی وغیرہ ڈال کر) قے کرو۔ وہ شخص واپس آیا اور انہیں آپ کے ارشاد کی خبر دی۔ انہوں نے (زبردستی) قے کی ان دونوں میں سے ہر ایک کے منہ سے قے کرنے کی وجہ سے منجمد خون کے ٹکڑے نکلے۔ اس شخص نے واپس آکر نبی کریم ﷺ کو واقعہ کی خبر دی، تو آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر ان کے پیٹوں میں یہ (خون کے لوتھڑے) باقی رہ جاتے تو ان دونوں کو آگ کھاتی ۔ (یعنی دوزخ کی آگ میں جلنا پڑتا)۔

ایک روایت میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے اعراض فرمایا تو وہ شخص کچھ دیر کے بعد آپ کی خدمت حاضر ہو کر عرض کرنے لگا یا رسول اللہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی وہ تو مرنے کے قریب پہنچ چکی ہیں۔ آپ نے فرمایا ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ دونوں حاضر ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے ایک پیالہ طلب کیا آپ نے ان میں سے ایک کو کہا اس پیالہ میں قے کرو، تو ایک نے خون اور پیپ اور زرد رنگ کے پانی کی قے کی یہاں تک کہ وہ پیالہ بھر گیا۔ پھر آپ نے دوسری کو قے کرنے کا حکم دیا، اس نے بھی پہلی کی طرح ہی قے کی، تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں نے ان چیزوں سے تو روزہ رکھا ہوا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر حلال فرمائیں۔ لیکن جو چیزیں رب تعالیٰ نے حرام فرمائیں ان سے یہ روزہ کو افطار کرتی رہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ایک دوسری کے پاس بیٹھ کر لوگوں کا

گوشت کھاتی رہیں۔(یعنی لوگوں کی غیبت کر کے اپنے مومن بھائیوں کا گوشت کھاتی رہیں)

(احیاء العلوم)

غیبت عذاب قبر کا سبب ہے۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، آپ دو قبروں پر تشریف لائے ان قبر والوں کو عذاب دیا جارہا تھا، آپ نے فرمایا:

" انهما يعذبان وما يعذبان فی کبیر أما احدهما فكان يغتاب الناس وأما الآخر فكان لايستنزه من بوله فدعا بجريدة رطبة أوجريدتين فكسرهما ثم أمر لكل كسر فغرس على قبر وقال اما انه سيهون من عذابهما ما كانتا رطبتين أو مالم ييبسا "

مشکواۃ، (احیاء العلوم جلد سوم)

ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے، اور ان کو کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جارہا (یعنی لوگ ان کو کوئی بڑے جرم نہیں سمجھتے حالانکہ واقع میں عظیم جرم ہیں اسی وجہ سے ان کو عذاب دیا جارہا ہے) ان میں سے ایک لوگوں کی غیبت کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ آپ نے کھجور کی ایک یا دو سبز ٹہنیاں پتوں والی طلب کیں، ان کے ٹکڑے کئے اور فرمایا کہ ہر ایک ٹکڑے کو ایک قبر پر لگا دیا جائے ۔ جب تک یہ سبز رہیں گے خشک نہیں ہوں گے ان کو عذاب سے راحت حاصل ہو گی۔

نتیجہ :-

☆ غیبت اور پیشاب کی چھینٹیں عذاب قبر کا سبب ہیں۔
☆ نبی کریم ﷺ کو معلوم تھا کہ ان کو عذاب دیا جارہا ہے۔
☆ نبی کریم ﷺ کو یہ بھی معلوم تھا کہ انہیں عذاب کیوں دیا جارہا ہے۔
☆ نبی کریم ﷺ کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے زندگی میں عمل کیا تھے اور کون سے عذاب کا سبب ہیں ۔
☆ درخت جب تک سبز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیحات پڑھتا ہے اس کی تسبیحات سے قبر کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ تو یقیناً انسان کی تسبیحات اور ذکر اور قرآن

پاک پڑھنے سے قبر والے کو آرام ملے گا۔

☆ بعض گناہ وہ ہوتے ہیں جن کو انسان بظاہر معمولی گناہ سمجھتا ہے اور ان سے اجتناب کرنے میں کوتاہی سے کام لیتا ہے تو وہ عذاب میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔

انسان اپنے عیب دیکھے

انسان غیروں کے عیب دیکھنے کے بجائے اپنے عیب دیکھے۔ کیونکہ دوسروں کے عیب دیکھنے اور بیان کرنے سے غیبت ہوگی، جس سے انسان گناہگار ہوگا۔ لیکن جب اپنے عیب دیکھے گا تو توبہ کرنے کی طرف توجہ کرے گا۔ اس طرح توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمائے گا۔

اسی وجہ سے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔

"یبصر احدکم القذی فی عین أخیه ولا یبصر الجذع فی نفسه"

تم میں سے ہر انسان اپنے دوسرے مومن بھائی کی آنکھ میں خاشاک دیکھ لیتا ہے لیکن اپنی آنکھ میں درخت کا تنہ بھی نہیں دیکھ سکتا۔

غیبت میں کونسے عیوب شامل ہیں؟

کسی انسان کی غیر موجودگی میں اس کے عیب بیان کئے جائیں خواہ وہ عیب اس کے بدن کے ہوں جیسے بھینگا، لنگڑا، وغیرہ، یا اس کے نسب کے ہوں جیسے اس کا باپ بھی فاسق تھا۔ گھٹیا تھا، خسیس تھا وغیرہ۔ اسی طرح اس کے اخلاق، افعال اقوال، دینداری، دنیاداری وغیرہ کے عیب بیان کرنا، سب غیبت میں داخل ہیں۔ اسی طرح زبان سے کسی کی برائی بیان کرے یا آنکھوں کے اشارہ سے، یا ہاتھ وغیرہ کے اشارہ سے، تحریر سے یا حرکات سے یا کسی کی طرح نقل کرتے ہوئے لنگڑا چل کر، لکنت والے کی طرح لکنت سے کلام کر کے عیب بیان کرنا سب غیبت ہیں۔

شرعی عذر جن کی وجہ سے غیبت جائز ہے

بعض ایسے شرعی عذر ہیں جن کی وجہ سے غیبت جائز ہوتی ہے کیونکہ بغیر غیبت کے صحیح اور ضروری مقاصد بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ وہ کل چھ وجہ ہیں۔

اول :- ظالم، خائن، راشی کا قاضی کے سامنے ذکر کرنا تاکہ اس کے ظلم، خیانت اور رشوت لینے سے لوگ چھوٹ جائیں۔ اسی طرح اگر قاضی عدل و انصاف سے فیصلے نہ کرتا ہو تو اس کے اس ظالمانہ طریقہ کار کی بادشاہ سے شکایت کرنا، بظاہر غیبت نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں جائز ہے؛ کیونکہ مظلوم جب تک ظالم کے خلاف شکایت نہیں کرے گا تو اس وقت تک ظلم سے نجات حاصل کرنا اس کے لئے ممکن نہیں۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ان لصاحب الحق مقالا" بے شک صاحب حق کو بات کرنے کا حق حاصل ہے۔

دوم :- کسی میں کوئی کام خلاف شرع نظر آئے تو اس شخص کے پاس شکایت لے جانا جو اسے اس کام سے روک سکے اور اس کی اصلاح کر سکے۔ جس طرح نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو سلام دیا آپ نے کوئی جواب نہ دیا، سلام کا جواب دینا چونکہ فرض کفایہ ہے، اس لئے فاروق اعظمؓ نے اس کی شکایت حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس کی کہ مجھے میرے بھائی عثمان نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ جب حضرت عثمانؓ سے پوچھا گیا تو آپ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ مجھے کوئی علم نہیں کہ انہوں نے مجھے سلام کیا ہے۔ تو یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے کہ تم ایک خاص حال میں ہو۔ اصل وجہ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ کے دنیا سے رخصت ہو جانے پر فراق کی وجہ سے حضرت عثمانؓ بہت غمزدہ تھے۔ اسی غم و حزن کے حال میں کسی بات کی طرف توجہ نہ ہوتی۔ اس طرح آپ کے سلام کو سن ہی نہ سکے کہ جواب دیتے۔

تاہم مسئلہ یہ واضح ہوا کہ حضرت عمرؓ نے یہ خیال کیا کہ شائد انہوں نے جان بوجھ کر کسی ناراضگی کے پیش نظر جواب نہیں دیا تو انہوں نے اسے خلاف شرع سمجھ کر کام سے روکا جا سکے اور ان کی اصلاح ہو سکے۔ اس شکایت پر صدیق اکبرؓ نے بھی حضرت عمرؓ کو نہیں روکا اور یہ نہیں فرمایا کہ یہ تو غیبت ہے اور کسی کی غیبت کرنا تو گناہ ہے۔ آتے ہی پہلے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ

آپ نے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ کیا آپ کو حضرت عمرؓ سے ناراضگی تو نہیں۔ آپ کے جواب پر اطمینان کیا گیا کہ یہ تو معقول عذر ہے۔

سوم :- مفتی سے فتویٰ طلب کرنا کہ مجھ پر میرا باپ یا بھائی ظلم کرتا ہے یا عورت کہے مجھ پر میرا خاوند ظلم کرتا ہے میں کیسے ان سے آزادی حاصل کروں ؟ یہ جائز ہے۔ اگرچہ بظاہر غیبت ہے۔ جائز اس طرح بھی ہے جس طرح ذکر کیا ہے کہ کہے میرا باپ، میرا بھائی، میرا خاوند۔ لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس طرح پوچھا جائے کہ اگر کسی کا باپ یا بھائی اس پر ظلم کرتا ہو یا کہ کسی کا خاوند ظلم کرتا ہو تو وہ کیا کرے۔ جیسا کہ حضرت ہند بنت عتبہؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میرا خاوند ابوسفیان ایک کنجوس شخص ہے، جو مجھے اتنا مال نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کو کفایت کر سکے، کیا میں ان کو بتائے بغیر ان کا مال لے لیا کروں ؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اتنا مال تم لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو اچھی طرح کفایت کر سکے (یعنی نہ بہت زیادہ اور نہ کم) حضرت ہندؓ نے حضرت ابوسفیانؓ کو کنجوس کہا اور ضمناً ظالم بھی کہا کہ وہ مجھ پر اور اولاد پر ظلم کرتے ہیں، خرچ پورا نہیں دیتے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں منع نہیں کیا کیونکہ انہوں مسئلہ پوچھا تھا جس کا جواب آپ نے دیا، مسئلہ پوچھنا جائز ہے۔

چہارم :- مسلمانوں کو کسی کے شر سے ڈرانا مقصود ہو جیسے کوئی عالم فقیہ ہو اور وہ بدعتی، فاسق ہو جائے تو اس کے فسق سے لوگوں کو خبردار کرنے کے لئے بتایا جائے ۔ یہ مخلوق پر شفقت ہے۔ اسی طرح کسی سے مشورہ طلب کیا جائے کہ فلاں سے وہ شادی کرلے یا نہیں۔ تو اس شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح مشورہ دے کیونکہ المستشار مؤتمن ؛ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے ؛ اس لئے اس شخص کے لئے ضروری ہے کہ اگر اس کے علم میں کوئی عیب اس مرد یا عورت میں پائے جاتے ہوں تو وہ مطلع کرے۔

کن کی بدخواہی غیبت نہیں :

نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

" اترغبون عن ذکر الفاجر بما فیه اهتکوه حتیٰ یعرفه الناس اذکروه بما فیه حتیٰ یحذره الناس"

کیا تم فاسق و فاجر کے گناہوں کو بیان کرنے سے اعراض کرتے ہو، اس کے گناہوں کا پردہ چاک کر دو یہاں تک کہ لوگ اسے پہچان لیں، اس کے جرائم کا چرچا کرو یہاں تک کہ لوگ اس سے بچ جائیں۔

اسی وجہ سے علماء کرام، اولیاء عظام، فقہاء کرام نے کہا ہے "ثلثة لاغیبة لھم الامام الجائر والمبتدع والمجاھر بفسقه" تین قسم کے لوگوں کے عیب بیان کرنا غیبت نہیں، ایک ظالم بادشاہ، کیونکہ ظالم حکام کے عیوب و جرائم بیان کرنے ضروری ہیں تاکہ لوگ ان سے بچ سکیں۔ ان کے فحش پروگرام، سیف گیمز کی شکل میں سرود و گانے کی محافل قائم کرنا، بازاری عورتوں کو پروگراموں میں بلا کر لوگوں کو ان کی طرف مائل کرنا، شراب نوشی کی محافل کا انعقاد، اسی طرح انتقامی کاروائیوں کی وجہ سے شرفاء کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلاء کرنا ناجائز طور پر دوسروں کو مقدموں میں پھنسانے کے لئے کسی پر ظلم کرنا تاکہ وہ کسی شریف انسان کا نام لے۔ ایسے ظالموں کو بے نقاب کرنا واجب ہوتا ہے تاکہ لوگ ان کے شر، فساد، ظلم و ستم، اوچھے ہتھکنڈوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔

دوسرا :- بدعتی جو شریعت مصطفےٰ ﷺ کے خلاف نئے نئے کام ایجاد کرے۔ جن کاموں سے فرائض، واجبات، سنتیں چھوٹ جائیں، ایسے شخص کو بے نقاب کرنا بھی ضروری ہے، اسی طرح ایسے کاموں کا موجد جن سے شریعت میں منع کیا گیا ہو، اس کے اس فعل کو لوگوں پر ظاہر کرنا ضروری ہے۔

تیسرا :- وہ شخص جس کے گناہ، جرائم ظاہر ہوں، یعنی وہ اپنے جرائم ظاہر طور پر کرتا ہو، اس کا فسق و فجور اعلانیہ ہو اس میں کوئی خفاء نہ ہو سب لوگوں کو معلوم ہے وہ جوا باز ہے، سود خور ہے، شراب خور ہے، حرام خور ہے، رشوت لینے والا ہے۔ اس شخص کے اس قسم کے جرائم پر کوئی پردہ نہیں بلکہ ایسے اشخاص اپنے جرائم کو ظاہر کرنے میں خود ہی فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان کے جرائم کو بیان کرنا غیبت نہیں بلکہ ضروری ہے تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔

چوتھا :- کوئی شخص اپنے لقب سے مشہور ہو اس لقب کو برا نہیں سمجھتا بلکہ اس کے سامنے اور غیر موجودگی میں اس کا وہ لقب ہی استعمال ہوتا ہے تو اس کا ذکر کرنا جائز ہوگا باوجود اس کے کہ

اس لقب میں عیب بھی ظاہر ہوتا ہو لیکن اس شخص کی پہچان کرانے کے لئے ان الفاظ کا استعمال جائز ہوگا، جیسے اعرج کا معنی لنگڑا، اور اعمش کا معنی آنکھوں میں چندھیاپن ہونا، بہت واضح ہے کہ ان الفاظ میں عیب پایا جاتا ہے لیکن مشہور ہونے کی وجہ سے ان کا استعمال جائز ہوگیا، اسی لئے احادیث کی اسناد میں مذکور ہے، "روی ابوالزناد عن الأعرج و سلیمان عن الأعمش" ابوالزناد روایت کرتے ہیں "اعرج" سے اس طرح سلیمان روایت کرتے ہیں "اعمش" سے۔

ہاں اگر لوگوں نے کسی شخص کو کوئی لقب دیا ہوا ہے لیکن وہ اسے برا سمجھتا ہے، یا کسی بیوقوف نے کوئی لقب دیا ہو لیکن بعد میں شرفاء نے اس کو چھوڑ دیا ہو تو ایسے القاب جن میں عیب پائے جاتے ہوں ان صورتوں میں ان کا استعمال جائز نہیں ہوگا۔

پانچواں :-وہ شخص جس کے عیب اس کے سامنے بیان کریں تو اسے عار محسوس ہونے کے بجائے ان پر ناز اور فخر ہو، کسی کو کہیں کہ تو شرابی ہے تو وہ کہے ہاں میں شراب پیتا ہوں، کئی مرتبہ پیتا ہوں، شراب پینے میں کیا ہے؟ اسی طرح کسی کو کہیں تو چور ہے وہ کہے ہاں جی میں چوری کرتا ہوں، ہر آدمی تو چوری نہیں کر سکتا۔ یہ تو ہمارے جیسے بہادر اور نڈر آدمی ہی کر سکتے ہیں، یہ تو ہماری جرأت ہے جو ہم کام کر رہے ہیں۔ اس طرح اس کا کوئی جرم بھی ظاہر کریں تو وہ خوش ہو، فخر کرے کوئی عار محسوس نہ کرے، ایسے شخص کو عیوب و جرائم کو بیان کرنا غیبت نہیں، ایسے شخص کے متعلق نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

"من ألقى جلباب الحيآء عن وجهه فلا غيبة له"

جس شخص نے حیاء کی چادر کو اپنے چہرے سے خود ہی اتار دیا اس کی کوئی غیبت نہیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

"ليس لفاجر حرمة" فاجر و فاسق کی کوئی عزت نہیں۔

اس سے مراد وہی فاسق و فاجر ہے جس کا فسق و فجور ظاہر ہو اور اعلانیہ ہو، اس کے سامنے ذکر کرنے میں اسے عار محسوس نہ ہو۔

حضرت صلت بن طریفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسنؒ سے پوچھا کہ :

" الرجل الفاسق المعلن بفجوره ذکری له بما فیه غیبته قال لا ، ولا کرامة "

ایک شخص اعلانیہ طور پر فاسق ہے جس کا فسق و فجور مشہور و معروف ہے اس کا وہ فسق و فجور جو اس میں پایا جاتا ہو اگر میں کسی پر اس کا ذکر کروں تو کیا یہ غیبت ہو گی، آپ نے فرمایا نہیں، اس کی تو کوئی عزت ہی نہیں۔ (نووی شرح مسلم ، احیاء العلوم ج ۳)

چغلخوری اور اس کا انجام

اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کافر کے دس عیب بیان کیے ہیں ؛ کیونکہ اس نے حضور نبی کریم ﷺ کو صرف مجنون کہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعلمین ﷺ کے خلاف بے ہودہ لفظ کے استعمال کرنے والے کے دس عیب بیان فرمائے اور اس گستاخِ رسول کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا ، یہاں تک بے نقاب کر دیا کہ قیامت تک آنے والے لوگوں کو بتایا کہ وہ شخص بے اصل ، ولد الزنا یعنی حرام کی پیداوار ہے۔ ان عیبوں میں مالک الملک نے اس شخص کی چغلخوری کا ذکر بھی کیا :

﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ☆ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ☆ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ☆ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ☆ ﴾

اور نہ بات مانو کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی جو بہت نکتہ چین ، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، سخت منع کرنے والا ہے بھلائی سے ، حد سے بڑھا ہوا ہے، بڑا بدکار ہے، اکھڑ مزاج ہے۔ اس کے علاوہ بد اصل (حرامی) ہے

" مشاء بنمیم " کا معنی ہے جو چغلی کھانے کے لئے بکثرت چلتا پھرتا رہے، رب تعالیٰ نے کسی شخص کی مذمت بیان کرنے کے لئے جو برائیاں بیان کی ہوں ان برائیوں کے برا ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

" ویل لکل همزة لمزة " ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (روبرو) طعنے دیتا

ہے، (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے یہاں دو لفظ استعمال ہوئے ہمزہ اور لمزہ۔ علمائے لغت نے ان کی تشریح میں متعدد اقوال ذکر کیے ہیں :

قال ابن عباس هم المشاؤن بالنميمة المفرقون بين الاحبة ، الباغون للبراء العيب ومعناهما واحد .

یعنی دونوں لفظ ہم معنی ہیں ہر چغلی کھانے والے، دوستوں میں جدائی اور تفرقہ ڈالنے والے، بے قصور اور بے عیب انسان میں نقص نکالنے والے کو ہمزہ اور لمزہ کہتے ہیں۔

مقاتل کا قول ہے : "الهمزة الذی یعیبک فی الوجه واللمزة الذی یعیبک فی الغیبة" یعنی جو روبرو طعنہ زنی کرے اسے "ہمزہ" اور جو پس پشت عیب جوئی کرے اسے "لمزہ" کہتے ہیں۔

کفار میں یہ کمزوریاں عام تھیں جہاں کسی غریب اور کمزور سے آمنا سامنا ہوتا تو اس کے منہ پر اس کو برا بھلا کہتے؛ کیونکہ انہیں اس کی طرف سے کسی مزاحمت یا جوابی کاروائی کا کوئی اندیشہ نہ ہوتا اور جہاں کوئی اپنے سے طاقتور مدِّمقابل ہوتا تو اس کے سامنے اس کی تعریف بھی کر دیتے، اس کی خوشامد میں چند جملے بھی بول دیتے اور جب وہ چلا جاتا تو اس کی غیبت کرنا شروع کر دیتے، یہ ایسا ہے، ویسا ہے، اس میں یہ عیب ہے، اس میں فلاں کمزوری ہے ناحق شناس لوگ اس اخلاقی کمزوری میں عموماً ابتلاء ہوتے ہیں۔ (از ضیاء القرآن)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

" الا اخبركم بشراركم قالوا بلى ! قال المشاؤن بالنميمة المفسدون بين الأحبة الباغون للبراء العيب "

(احياء العلوم ج ۳)

کیا میں تمہیں شریر (برے) لوگوں کی خبر نہ دوں صحابہ کرام نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ خبر دیجئے۔ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو چغلخور ہیں، دوستوں میں جدائی اور تفریق ڈالنے والے ہیں بے عیب اور بے قصور لوگوں کے نقص نکالنے والے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لایدخل الجنة نمام۔ جنت میں (ابتداءً) چغلخور نہیں داخل ہوگا۔

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من اشاره علی مسلم بکلمة یشینه بها لغیر حق شانه الله بها فی النار یوم القیامة"
(احیاء العلوم ج ۳)

جس شخص نے ناحق کسی کو عیب لگانے کے لئے چغلی کھائی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اس چغلی کی سزا جہنم کی آگ میں دے گا۔

حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کا عجیب واقعہ

حضرت کعب بن احبار سے مروی ہے کہ بے شک بنی اسرائیل ایک مرتبہ قحط سالی میں مبتلاء ہوگئے۔ موسیٰؑ اور آپ کی امت نے کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کی، لیکن ان کی دعاء کو قبول نہ کیا گیا بارش نہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی کی اور ارشاد فرمایا کہ میں اس وقت تک تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کو دعاء کو قبول نہیں کروں گا جب تک تم میں ایک چغلخور موجود ہے جو اپنی چغلخوری پر مصر بھی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کی اے اللہ تعالیٰ مجھے وہ شخص بتادے تاکہ میں اسے درمیان سے نکال دوں، رب تعالیٰ نے فرمایا:

"یا موسیٰ أنهاكم عن النميمة وأكون نماما"

اے موسیٰ میں تمہیں چغلخوری سے منع کرتا ہوں، کیا میں خود چغلخور بن جاؤں، لہذا تم تمام توبہ کرو میں بارش عطا کردوں گا۔
(احیاء العلوم ج ۳)

نصیحت آموز اشیاء

ایک شخص ایک عالم و دانا کی تلاش میں سات کلمات حاصل کرنے کے لئے سات سو فرسخ چلا جب اس کے پاس پہنچا تو کہا کہ میں آپ کے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرمایا ہے، آپ مجھے یہ بتائیں کہ آسمانوں سے بھاری چیز کیا ہے؟ زمین سے وسیع کیا ہے؟ پتھر سے سخت کیا ہے؟ آگ سے زیادہ گرم کیا ہے؟ کرۂ زمھریر سے زیادہ ٹھنڈی چیز کیا ہے؟ دریا سے زیادہ غنی کون ہے؟ یتیم سے زیادہ ذلیل کون ہے؟

اس صاحب علم، دانا حکیم نے کہا کہ بے عیب، بے قصور شخص پر بہتان لگانا آسمان سے بھی (گناہ میں) بھاری ہے۔ حق بات کرنا زمینوں سے بھی وسیع ہے، قناعت کرنے والا دل دریا سے بھی زیادہ غنی ہے۔ حرص اور حسد میں آگ سے بھی زیادہ حرارت ہے (کیونکہ آگ نیکیوں کو نہیں جلا سکتی لیکن حرص اور حسد نیکیوں کو جلا دیتے ہیں) کسی قریبی رشتہ دار کے پاس حاجت لے کر جانا اور نامراد لوٹنا زمہریر سے بھی زیادہ ٹھنڈا ہے (کیونکہ ناکامی پر دل برف کی طرح بےحس و حرکت ہو گا، گویا کہ ٹھنڈک سے منجمد ہو گا) کافر کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے، چغلخور کی چغلی جب ظاہر ہو جائے تو وہ یتیم سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے، اس لئے کہ یتیم کو ذلیل کرنے اور سمجھنے والے فقط نادان انسان ہوتے ہیں لیکن چغلخور اپنی چغلخوری کے ظاہر ہونے پر تمام لوگوں کے سامنے بھی ذلیل ہو جاتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو وہ اپنی اس چغلخوری کے ظاہر ہونے سے پہلے بھی ذلیل ہوتا ہے۔

چغلخوری کیا ہے؟

کسی انسان کو بتانا کہ فلاں شخص تمہارے متعلق یہ کہہ رہا تھا یعنی تمہاری برائیاں بیان کر رہا تھا اس طرح ہر ایسی گفتگو جسے سن کر وہ شخص ناپسند کرے جس کے متعلق کلام کر رہا ہے۔ یا جس سے کر رہا ہے یا اور سننے والا اسے ناپسند کرے۔ خواہ یہ برائی زبانی بیان کرے یا تحریری یا آنکھ، ابرو، ہاتھ وغیرہ کے اشارہ سے۔ اسی طرح کسی افعال کے عیب بیان کرے یا کلام کے عیب بیان کرے، خواہ وہ عیب اس میں پائے جاتے ہوں یا نہ پائے جاتے ہوں۔ اس وجہ سے کبھی غیبت اور چغلخوری ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں کسی کے عیب اور نقص بیان کرنے کے لئے راز ظاہر کرنا بھی چغلخوری ہی ہے۔

چغلخوری کئی برائیوں کی جامع ہے

چغلخور سے بغض رکھنا چاہیئے، اس کی بات پر اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کو سچا نہ سمجھا جائے اس کے ساتھ کسی اور وجہ سے بغض نہ رکھے بلکہ صرف چغلخوری کی وجہ سے بغض رکھے جب کہ

" هو لاينفك عن الكذب والغيبة والغدر والخيانة والغل والحسد والنفاق

والافساد بین الناس والخدیعة وھو ممن یسعی فی قطع ما امراللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض"

(احیاء العلوم ج ۳)

اس لئے کہ چغلخور جھوٹا ہوتا ہے اور غیبت کرتا ہے۔ غدار ہوتا۔ خیانت کرتا ہے۔ کھوٹ، کینہ اس میں پایا جاتا ہے حسد اس میں پایا جاتا ہے۔ منافقت وہ کرتا ہے۔ لوگوں کے درمیان فساد وہ پھیلاتا ہے، دھوکہ بازوہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن کے ساتھ (اپنے رشتہ داروں اور دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ) تعلق جوڑنے کا حکم دیا وہ ان کے توڑنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ اور زمین میں فساد پھیلاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج ہر طرف فساد، قتل و غارت، لوٹ مار کا بازار گرم ہے، لوگوں کی جانیں، عزت و مال محفوظ نہیں، ان تمام خرابیوں کا سبب چغلخوری، دھوکہ بازی منافقت، غدر ہی ہیں۔

چغلخور کبھی سچا نہیں ہوتا

سلیمان بن عبدالملک بادشاہ ایک دن بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پاس زہری بھی تھے، ایک شخص آیا تو سلیمان بن عبدالملک بادشاہ نے اسے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے میرے متعلق اس طرح کی بدکلامی کی، میرے عیوب اور نقائص تم نے لوگوں کے سامنے بیان کئے ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے تو تمہارے متعلق کچھ بھی نہیں کہا، سلیمان بن عبدالملک کہنے لگا کہ مجھے تو بے شک ایک بڑے سچے آدمی نے خبر دی ہے۔

زہری نے یہ سن کر کہا "لا یکون النمام صادقا" چغلخور تو کبھی سچا نہیں ہوتا، یہ سن کر سلیمان بن عبدالملک نے کہا تم نے سچ کہا ہے اس طرح اس شخص کی نجات ہوگئی، بادشاہ نے اسے خیر و عافیت واپس لوٹنے کی اجازت دی۔

(احیاء العلوم ج ۳)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اور چغلخور

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس ایک شخص آیا، اس نے کسی دوسرے شخص کے عیوب و نقائص آپ کے سامنے بیان کئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمارے متعلق چھانٹ بینٹ کریں تو ہم ایسا ہی کرتے ہیں اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو اس آیۃ کریمہ کے مصداق ہو گے

......﴿اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا﴾ اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

اور اگر تم سچے ہوئے تو اس آیۃ کریمہ کے مصداق ہو گے ﴿هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ﴾ بہت نکتہ چین، چغلیاں کھانے والا، (جس کی مذمت کا بیان پہلے گذر چکا ہے) اور اگر تم چاہتے ہو کہ بغیر تحقیق کے تمہاری اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ کریں اور تم سے در گذر کریں تو ایسے کر لیتے ہیں، اس شخص نے کہا آپ در گذر ہی فرمائیں یعنی معاف ہی فرمائیں تو اچھا ہے آئندہ میں کبھی بھی چغلخوری نہیں کروں گا۔

چغلخور غلام نے کتنا فساد برپا کیا

حضرت حماد بن مسلمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنا ایک غلام فروخت کرتے وقت خریدار کو بتایا کہ اس غلام میں اور تو کوئی عیب نہیں، البتہ یہ چغلخور ضرور ہے۔ خریدار اس پر راضی ہو گیا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے میں خرید لیتا ہوں جب وہ خرید کر گھر لے آیا تو چند دن گذرنے کے بعد غلام نے اس اپنے نئے مالک کی زوجہ کو کہا کہ میرا آقا یعنی تمہارا خاوند تم سے محبت نہیں کرتا (وہ تو اور شادی کا ارادہ رکھتا ہے کسی رات اچانک تم پر اور سوکن لے آئے گا)

ابھی خفیہ طور پر رات کو ایک عورت کے پاس جاتا ہے، اس لئے تو ایک استرہ لے کر اس کے سر کے پچھلی جانب یعنی گدی سے کچھ بال کاٹ کر مجھے دو تا کہ میں تمہیں جادو کر دوں اس طرح وہ تم سے محبت کرے گا، وہ جب سویا ہوا ہو گا تو تم اس کے بال کاٹ سکو گی۔ ادھر مالک کو کہا کہ

تمہاری زوجہ نے تو ایک اور یار بنالیا ہے وہ تمہیں قتل کرنا چاہتی ہے۔ میری بات پر یقین نہ آئے تو رات سونا نہیں بلکہ سونے کا انداز اختیار کرنا، تمہیں خود پتہ چل جائے گا وہ اس منصوبہ پر کیسے عمل کرنا چاہتی ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا، جاگ رہا تھا بظاہر سوتا ہوا نظر آتا تھا، عورت استرہ لے کر بال کاٹنے کے لئے آگئی خاوند نے سمجھا واقعی یہ مجھے قتل کرنے کے لئے آگئی ہے، وہ اٹھا اس نے اپنی زوجہ کو قتل کر دیا۔ زوجہ کے رشتہ دار آگئے انہوں نے اس کے قاتل خاوند کو قتل کر دیا۔ اس طرح ایک چغلخور کی چغلخوری نے سارا گھر تباہ برباد کر دیا۔

جھوٹ ایک عظیم جرم ہے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص میری طرف آرہا ہے، اس نے آکر مجھے کہا، کھڑے ہو جاؤ میرے ساتھ چلو، میں اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا، میں ایسے دو شخصوں کے پاس پہنچا کہ ایک ان میں سے کھڑا ہے اور دوسرا بیٹھا ہے، جو کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں آگے سے مڑی ہوئی لوہے کی ایک سلاخ ہے، وہ بیٹھے ہوئے شخص کی ایک باچھ میں ڈال کر کھینچتا ہے، جو شخص مجھے اٹھا کر لے گیا تھا، میں نے اسے کہا یہ کون شخص ہے؟ اس نے کہا یہ شخص جھوٹ بولنے والا ہے، اس کو قیامت تک قبر میں یہی عذاب دیا جاتا رہے گا۔

" قال رسول الله ﷺ ثلاث من كن فيه فهو منافق وان صام وصلى وزعم انه مسلم اذا حدث كذب وإذا وعد خلف وإذا ائتمن خان "

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں جس میں پائی جائیں وہ منافق ہے اگر وہ روزے بھی رکھتا ہے نمازیں بھی پڑھتا ہو۔ اور یہ بھی گمان رکھتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ (وہ تین چیزیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹی ہو۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ یہ تین گناہ علامت منافقت ہیں اگرچہ بظاہر وہ مسلمان، روزہ دار، نمازی بھی ہو لیکن کام اس کے منافقوں والے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ الكذب ينقص الرزق ؛ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ

رزق کو کم کرتا ہے (یعنی اس میں خیر و برکت نہیں رہتی)

" قال رسول اللہ ﷺ ان التجار هم الفجار فقيل يارسول الله أليس قد أحل الله البيع قال نعم ولكنهم يحلفون فيأثمون و يحدثون فيكذبون "

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تاجر فاسق و فاجر ہوتے ہیں عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت (تجارت) کو حلال نہیں کیا؟۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں (اللہ تعالیٰ نے حلال تو فرمایا ہے) لیکن یہ (جھوٹی) قسمیں اٹھا اٹھا کر گناہ گار ہوتے ہیں اور جب بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔

جھوٹے گواہوں کا ذکر

معراج کی رات نبی کریم ﷺ کا ایسے لوگوں پر گذر ہوا کہ ان کی زبانیں گدی (سر کی پچھلی جانب) سے نکالی جا رہی ہیں اور ان کی شکلیں مسخ کر کے سور جیسی شکلیں بنائی جا رہی ہیں۔ سر سے پاؤں تک عذاب میں مبتلاء ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں جبرائیل امین نے بتایا یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹی گواہی دیتے تھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ﴿ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴾ پس تم بتوں کی نجاست سے بچ کر رہو اور جھوٹی بات سے بچ کر رہو۔ (ریاض الازھار ص ۲۱٤)

جھوٹے انسان پر اعتبار ختم ہو جاتا ہے

تجربات و مشاہدات سے یہ بات واضح ہے کہ جب انسان جھوٹ بولنے کی عادت بنا لیتا ہے، وہ لوگوں کی نظر میں حقیر ہو جاتا ہے۔ لوگ اس پر اعتبار چھوڑ دیتے ہیں۔

آج سیاست کے میدان میں علماء کی ناکامی کا سبب بھی یہی ہے کہ ان میں سے کچھ نے دوسرے سیاسیوں کی طرح ہی تمام ھتکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیئے تو لوگوں نے کہا کہ ان سے دوسرے جاہل اچھے ہیں کہ انہیں تو علم نہیں اور ہم ان سے اپنے دنیاوی کام بھی کرائیں گے کچھ علماء نے بھی جھوٹ بولنا شروع کر دیا کل یہ چیزیں حرام تھی آج وہی حلال ہو گئی، کبھی تو یہ کہنا

کہ ہے تو حرام لیکن ہم حرام کو بھی مزے لے کر برداشت کر رہے ہیں ایسے نام نہاد ملاؤں نے دین، ملک وملت کا بیڑہ غرق کر دیا۔ دیگر علماء کو بے وقار بنادیا، ان کی وجہ سے تمام ناکام ہو رہے ہیں کاش ان لوگوں کو سیاست کا معنی آتا۔ نام تو سیاستدان لیکن حقیقت میں سیاست نادان ہیں۔ کیونکہ سیاستدان کا معنی ہے سیاست جاننے والا۔ جو شخص سیاست کے معنی سے ہی بے خبر ہو وہ کبھی سیاستدان کہلانے کا حقدار نہیں۔

علامہ نوویؒ شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں :

" السیاسة القیام علیٰ الشیء بما یصلحه "

(باب وجوب الوفاء ببعية)

سیاست کسی چیز کو بہتر کرنے سنوارنے کا نام ہے، جب کسی کام میں اصلاح نہیں وہ سیاست نہیں۔ آج کل سیاست جھوٹ، فریب، مکاری، لوٹ مار کا نام ہے، بکاؤ مال، چمچے، کڑ چھے، حلال و حرام میں تمیز نہ کرنے والے۔ لوٹے، کتے کی طرح ہڈی کے پیچھے بھاگنے والے کا نام "سیاستدان" ہے۔ جب مقصد اصلاحِ احوال ہو۔ حق بات کہنا مطمح نظر ہو، نہ بکنا، نہ جھکنا اس کا وطیرہ ہو، کلام میں شائستگی ہو، شریعت مطہرہ کے خلاف تقاریر کرنے والوں کا جواب جرأت و حق سے دینا اس کا طریقہ کار ہو۔ تو پھر سیاست ثواب ہے وہی حقیقت میں سیاستدان ہے۔ بیرون ممالک سے پیسے لے کر ان کے اشارے پر چلنے والے ملک وملت کے دشمن ہیں، دین فروش لٹیرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے۔ ان حالات کو دیکھ کر ہی میں سیاست سے کنارہ کش ہوا ہوں۔ جب کہ کس وقت ایک دینی جماعت کا سرگرم سیاسی رکن ہوا کرتا تھا۔ لیکن نہ جھکنے والے جب جھک گئے، نہ بکنے والے جب بک گئے، حق و صداقت کا دامن تھامنے والے جب باطل راہ پر چل گئے تو میں نے گوشہ نشینی کو اختیار کر لیا اسی میں عافیت سمجھی اور خیال کیا کہ اسی میں عزت ہے۔ اور یہی عبادت ہے۔

☆☆☆☆☆

گانا گانے والے

معراج کی رات نبی کریم ﷺ نے ایک قوم کو دیکھا کہ آگ کے طبق ان سینوں پر رکھے ہوئے ہیں منہ ان کے کالے ہیں، آنکھیں نیلی ہیں۔ اور تار کول (لُک) کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ ان کو فرشتے آگ والی گرزوں سے مار رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیلؑ نے عرض کی یہ گویّے ہیں جو بے ہودہ قسم کے گانے گایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾

اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں۔ کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے، اور اسے ہنسی بنائیں۔ ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

(معارج النبوت ج ۳)

اصل میں شعر یا گانے میں قانون وضابطہ یہ ہے۔

" واما الشعر فكلام حسنه حسن وقبيحه قبيح "

شعر بھی ایک کلام ہے۔ اچھا کلام اچھا ہی ہے اور برا کلام برا ہی ہے۔ اچھے کلام کو پڑھنے والا بھی اچھا ہو گا اور برے کلام کو پڑھنے والا بھی برا ہو گا۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

" لان يمتلى جوف احدكم قيحا حتى يريد خير من ان يمتلى شعرا "

تم میں سے کسی ایک کے پیٹ کا پیپ (یعنی زرد رنگ کا خون و پیپ) سے بھر جانا یہاں تک وہ دکھائی بھی دینے لگے بہتر ہے اس سے کہ پیٹ شعروں (برے اشعار) سے بھر جائے۔

(احیاء العلوم ج ۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی شعراء کے متعلق یہ ہے۔

﴿ وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ☆ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ

مَا لاَیَفْعَلُوْنَ ☆ اِلاَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ وَذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا ﴾

اور شاعروں کی پیروی گمرہ کرتے ہیں، کیا تم نے دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے، مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور بکثرت اللہ کی یاد کی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ مشرکین شعراء کے متعلق نازل ہوئی، جو یہ کہتے تھے کہ ہم بھی محمد (ﷺ) کے کلام جیسا کلام پیش کرتے ہیں، وہ اپنے اشعار میں نبی کریم ﷺ کے ہجو (شعروں میں کسی کی برائی بیان کرنا) کرتے تھے ان کے اشعار اور ہجو کو سننے کے لئے ان کی قوم کے اعرابی لوگ جمع ہوتے تھے۔

إلا الذين آمنوا : یہاں سے مسلمان شعراء کا حکم پہلے مشرکین شعراء سے علیحدہ بیان کیا ہے ؛ کیونکہ مومن نیک شاعر اپنے اشعار میں اکثر طور پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں ان کے اشعار میں اکثر طور جن چیزوں کا ذکر ہوتا ہے، وہ توحید باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء نیکی پر لوگوں کو ابھارنا، حکمت بھری باتیں، نصیحت آموز کلام، دنیا میں نیکی کرنا نیکی سے دور رہنے والوں کو اور دنیا کی لذات اور دنیا کے حسن و جمال می فریفتہ ہو جانے والوں کو اور فناء ہو جانے والی لذتوں کی وجہ فتنہ میں مبتلاء ہونے والوں کی اپنے اشعار کی وجہ سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے۔

" والترغيب فيما عند الله ونشر محاسن رسوله ﷺ و مدحه وذكر معجزاته يغلغل حبه في سويداء قلوب السامعين وتزداد رغباتهم في اتباعه ونشر مدائح آله واصحابه وصلحاء امته لنحو ذالك "

اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی طرف رغبت دلانا مقصود ہوتا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کے محاسن و کمالات کو عام لوگوں تک پہنچانا اور آپ کے معجزات کو ذکر کرنا تاکہ عام سننے والے لوگوں کے سیاہ دلوں میں نبی کریم ﷺ کی محبت کا چرچا ہو اور محبت دلوں میں موجزن ہو کر اثر انداز ہو۔ اور آپ کی تابعداری کی طرف لوگوں کی رغبت زیادہ ہو اور آپ کی آل پاک اور آپ کے صحابہ کرام اور آپ کی امت کے علماء و صلحاء وغیرہ کی مدح کا چرچا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس طرح کے مقاصد جب اشعار میں ہوں تو وہ اشعار بھی حسین ہوں گے، اشعار کو تدوین کرنے والے اور پڑھنے والا ثواب کے مستحق ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے " وان من الشعر لحکمة " بے شک بعض شعروں میں حکمت ہے۔ وقد سمع رسول الله ﷺ الشعر واجاز علیه۔ نبی کریم ﷺ نے خود بھی شعر سنے ہیں اور ان کی اجازت بھی دی ہے نبی کریم ﷺ نے حضرت حسانؓ کو فرمایا " اهجهم (یعنی المشرکین) فان روح القدس یعینک ۔ وفی روایة اهجهم وجبریل معک ۔ مشرکوں کی ھجوء بیان کرو بے شک روح القدس تمہاری امداد کرے گا۔ ایک روایت میں ہے، ان کی ھجو بیان کرو جبریل تمہارے ساتھ ہے۔

" عن عائشه صدیقهؓ ان النبی ﷺ بنی لحسان بن ثابت منبرا فی المسجد ینشد علیه الشعر "

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسان بن ثابتؓ کے لئے مسجد میں ایک منبر بنوایا جس پر وہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

(روح المعانی)

تفسیر روح المعانی میں، حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت عباسؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت امام شافعیؒ کے اشعار بھی مذکور ہیں۔

کعب بن زہیر کو نبی کریم ﷺ نے چادر عطا فرمائی

فتح مکہ پر چند کافروں کا بطور خاص نام لے کر نبی کریم ﷺ نے قتل کرنے کا حکم فرمایا تھا، ان میں کعب بن زہیر شاعر بھی تھا جو زمانہ کفر میں نبی کریم ﷺ ہجو کرتا تھا۔ فتح مکہ کے دن بھاگ گیا تھا، اس کے بعد وہ اپنے بھائی بجیر بن زہیر کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، پہلے اس نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ کیا حضور ﷺ اس کے ایمان کو قبول فرمائیں گے۔ اور اس کے خون کو معاف فرمادیں گے؟ چنانچہ بجیر بن زہیر آیا اور شرف اسلام سے مشرف ہوا، حضور ﷺ سے اپنے بھائی کے متعلق پوچھا، آپ نے اجازت فرمائی تو اس نے کعب کو خبر پہنچائی کہ آجائے اور مسلمان ہو جائے، حضور ﷺ تیرے گناہ کو معاف فرمادیں گے۔ وہ اسی وقت دوڑتا ہوا حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، ایمان کی دولت عظمیٰ کو اپنے سینے سے لگانے کے بعد ایک قصیدہ وہاں ہی تیار

کیا، جس میں کئی اشعار تھے، ان اشعار میں یہ بھی تھے۔

ان الرسول لسیف یستضاء به ☆ مهند من سیوف الله مسلول

بے شک رسول ایسی شمشیر ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اللہ کی تلواروں میں سے وہ تیز دھار تلوار سونتی ہوئی ہے (کاٹنے والی ہے)

نبئت ان رسول الله اوعدنی ☆ والعفو عند رسول الله مامول

مجھے خبر ملی ہے کہ اللہ کے رسول نے مجھے معاف کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ اور اللہ کے رسول کا معاف فرمانا ان کی عادت کریمہ ہے

بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے نبی کریم ﷺ بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر مبارک بطور انعام اسے پہنائی،



زکوٰۃ نہ دینے والوں کا حال

معراج کی رات نبی کریم ﷺ کا ایسی قوم سے گذر ہوا، جن کی شرمگاہوں کے آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں اور وہ مویشیوں کی طرح چر رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیلؑ نے عرض کی یارسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکواۃ ادا نہیں کرتے تھے اور فقیروں اور مسکینوں پر رحم نہیں کرتے تھے،

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَايُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾

اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں خوشخبری سناؤ دوردناک عذاب کی۔

(تفسیر ابن جریر ج ۱۵)

﴿يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾

جس دن وہ (مال) تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں، پھر اس سے داغیں گے، ان کی پیشانیاں اور کروٹیں۔ اور پیٹھیں یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لئے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا۔

زکوٰۃ نہ دینے والے ثعلبہ بن حاطب کا حال

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصَّالِحِيْنَ فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُوْنَ﴾

اور ان میں سے کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے (مال) دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے۔ (زکوٰۃ ادا کریں گے) اور ضرور ہم بھلے آدمی ہو جائیں گے۔ تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے (مال) دیا اس میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر پلٹ گئے۔

ان آیات کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ " ثعلبہ بن حاطب " نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ میرے لئے مالدار ہونے کی دعا فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا شکریہ بھی ادا کیا جاسکے وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا شکریہ ادا نہ کیا جاسکے۔ دوبارہ پھر ثعلبہ نے حاضر ہو کر وہی درخواست کی کہ آپ میرے لئے مالدار ہونے کی دعا فرمائیں، خدا کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا، اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مال عطا فرمادیا تو میں ہر حقدار کا حق ادا کروں گا۔ نبی کریم ﷺ نے دعا فرمادی۔ آپ کی دعاء سے اللہ تعالیٰ نے اس کی بھیڑ، بکریوں میں اتنی برکت نازل فرمائی کہ وہ بہت زیادہ ہوگئیں، مدینہ طیبہ میں ثعلبہ کو رکھنی دشوار ہوگئیں، اور وہ ان کو لے کر جنگل میں چلا گیا،

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضاء خان بریلویؒ فرماتے ہیں۔

جلو میں اجابت خواصی میں رحمت ☆ بڑھی کس تزک سے دعائے محمد ﷺ

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا ☆ بڑھی ناز سے جب دعائے محمد ﷺ

اجابت کا سہرا، عنایت کا جوڑا ☆ دلہن بن کے نکلی دعائے محمد ﷺ

دوسرے مقام پر فرمایا:-

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دوجہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

ثعلبہ جب جنگل میں مال کو لے کر چلا گیا تو جمعہ اور نمازوں کی جماعتوں میں آنا مشکل ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے متعلق صحابہ کرام سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ مال بہت کثیر ہو گیا ہے۔ اب تو جنگل میں بھی اس کے مال کی گنجائش نہیں رہی، حضور ﷺ نے فرمایا: " ویل لثعلبة" ثعلبہ پر افسوس۔ پھر جب نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملین کو بھیجا، تو لوگوں نے اپنے صدقات ادا کر دیئے، جب ثعلبہ سے جا کر انہوں نے زکوۃ کا مطالبہ کیا اس نے کہا یہ تو ٹیکس ہو گیا، جاؤ میں سوچ کر بتاؤں گا، جب یہ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کے بتانے سے پہلے ہی دو مرتبہ فرمایا کہ ثعلبہ پر افسوس۔ تو اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

پھر ثعلبہ صدقہ کا مال لے کر حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے یہ مال وصول کرنے سے منع فرمادیا ہے، وہ اپنے سر پر خاک ڈالتے ہوئے واپس چلا گیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے دوران پھر وہ صدقہ کا مال لایا لیکن آپ نے بھی اسے قبول کرنے سے انکار فرمادیا پھر وہ شخص حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے دوران مال لایا، لیکن حضرت فاروق اعظمؓ نے بھی اسے قبول نہ فرمایا، پھر وہ شخص حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی خلافت کے دوران ہلاک ہو گیا۔ اس مذکورہ بالا بیان سے یہ واضح ہوا کہ زکوٰۃ نہ دینے کا انجام یہ ہوا کہ ثعلبہ نبی کریم ﷺ کے دربار سے ذلت سے نکلا، دربار صدیقی اور فاروقی میں بھی پناہ نہ مل سکی۔

تارک زکوٰۃ پر عذاب قبر کا ذکر

علامہ ابن حجر مکیؒ اپنی کتاب زواجر میں بیان فرماتے ہیں کہ تابعین کی ایک جماعت، وقت کے بزرگ حضرت ابوسنانؒ کی ملاقات کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ہمسایہ کا بھائی فوت ہو گیا ہے، میں اس کے پاس تعزیت کے لئے جا رہا ہوں، آپ مع تابعین کے جماعت کے اپنے ہمسایہ کے گھر تشریف لائے، دیکھا کہ وہ شخص بہت ہی رو رہا ہے، آپ اسے تسلی دیتے ہیں، لیکن وہ روتے جا رہا ہے، آپ نے اسے کہا دیکھو موت و حیات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، تم صبر کرو، اس نے کہا کہ مجھے تو اپنے بھائی کا صبح و شام کا عذاب دلا رہا ہے، اس نے واقعہ بتاتے ہوئے کہا، جب میرے بھائی کو قبر میں دفن کر دیا گیا، جب مٹی ڈال کر قبر تیار کر دی گئی تو لوگ واپس چلے گئے، لیکن میں اس کی قبر کے پاس بیٹھ گیا، اچانک قبر سے آواز آئی افسوس ہائے افسوس لوگ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے اور میں عذاب کی مصیبت اٹھا رہا ہوں، حالانکہ میں نماز پڑھتا تھا اور روزے رکھتا تھا، میں نے جب یہ آواز سنی تو میں رونے لگا، میں نے بے خودی کے عالم میں قبر سے مٹی ہٹانے شروع کی، تاکہ میں دیکھوں، میری بھائی قبر میں کیا حال ہے، جب میں نے مٹی ہٹائی تو میں نے دیکھا کہ میرے بھائی کے گلے میں آگ کا طوق ہے جو اسے جلا رہا ہے میں اپنی پرجوش محبت کے پیش نظر اس کے گلے سے طوق ہٹانے کے لئے جب ہاتھ بڑھایا تو میرا ہاتھ بھی جلنے لگا، تو میں نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ کر، قبر پر مٹی ڈال کر واپس آ گیا وہ بزرگ پوچھنے لگے، تیرے بھائی کے عمل کیا تھے، میں نے کہا کہ وہ نماز لوا کرتا تھا، روزہ

رکھتا تھا۔ لیکن زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تھا۔ وہ بزرگ کہنے لگے ٹھیک ہے تمہارے بھائی کو یہی عذاب ہونا چاہیئے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾

اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہرگز اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے، عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا، قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ نہ ادا کی روز قیامت وہ مال سانپ بن کر اس کو طوق کی طرح لپٹے گا، اور یہ کہہ کر ڈستا جائے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں ۔ "انا مالك وانا كنزك"

(زواجر جلد اول) ص ۱۴۰ ، خزائن العرفان)

یتیموں کا ناحق مال کھانے والے

نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات ایک قوم کو دیکھا، جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح ہیں۔ اور وہ آگ کی چنگاریاں کھا رہے ہیں، اور وہ چنگاریاں ان کے پیٹ کو جلاتے ہوئے، نیچے نکل جاتی ہیں وہ چیختے چلاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے تھے ۔
اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾

وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں وہ عنقریب جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلیں گے۔

(تفسير ابن كثير ج ۳ ، روح المعانى ج ۳)

" ان هذا الحكم عام لكل مال اليتيم مؤمنا كان او مشركا "

((روح المعانى ج ۳)

یتیم کا مال کھانے والے کا حکم عام ہے۔ اس میں مؤمن و کافر کا کوئی فرق نہیں۔ ہر حال میں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اس عذاب سے محفوظ رکھے۔

" اذ اکل الرجل الیتیم یبعث یوم القیامة ولهب النار یخرج من فیه ومسامعه واذنیه وعینیه یعرف کل من رآه انه اکل مال الیتیم "

(کبیر ۹، ۱۰)

جو شخص یتیموں کا ناحق مال کھائے گا قیامت کے دن اسے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ آگ کے شعلے اس کے منہ، کانوں اور آنکھوں سے نکل رہے ہوں گے، ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا یہ یتیموں کا ناحق مال کھاتا رہا۔ خیال رہے کہ جس طرح ناحق مال کھانے سے یتیم کا دل پریشان ہوتا ہے اسی طرح یتیم کو کسی طرح بھی پریشان کرنا ظلم ہے۔ مظلوم کی آہ سے عرش الٰہی کانپتا ہے۔ اس کی دعا کی قبولیت میں کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

مسئلہ :- یتیم کے سامنے اپنے بچوں سے پیار و محبت نہ کیا جائے تاکہ اسے اپنا باپ یاد نہ آئے اور اس کے دل کی پریشانی تمہارے اعمال میں نقص کا سبب نہ بنے، یا دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے بچوں سے پیار و محبت کرتے ہوئے یتیم سے بھی اسی طرح بلکہ بڑھ کر محبت کرے۔



سود کھانے والوں کا حال

شب معراج نبی کریم ﷺ کا ایسی قوم پر گذر ہوا جن کے پیٹ سوج سوج کر بڑے بڑے مکانوں کی طرح ہو رہے ہیں اور ان کے چہرے زرد رنگ کے ہیں۔ ان کی گردنوں میں لوہے کے طوق اور ہاتھوں میں زنجیریں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنائی ہوئی ہیں جب وہ اٹھنا چاہتے ہیں تو پیٹ کے سوجنے، پھولنے کی وجہ اٹھ نہیں سکتے بلکہ گر جاتے ہیں۔ اوپر نیچے عذاب میں مبتلاء ہیں، آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں، حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَايَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾
(پ ۳. ۶)

وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط (بد حواس) بنا دیا ہو۔

(در منشور ج ۴. ۱۴۲)

تنبیہ :- قیامت کے بعد آنے والے واقعات نبی کریم ﷺ کو پہلے ہی شب معراج کو مشاہدہ کرا دئے گئے یہ عالم مثال کے واقعات ہیں۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں، ماضی، حال، استقبال کا کوئی فرق نہیں بلکہ ماضی اور مستقبل کے واقعات بھی حال کی طرح ہی آپ کے سامنے عیاں ہیں۔



ظالموں کے خوشامدی لوگ

معراج کی رات نبی کریم ﷺ کا ایسی قوم پر گذر ہوا جن کے ہونٹوں اور زبانوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جارہا ہے، جب وہ اصلی حالت پر آجاتے ہیں، فرشتے پھر کاٹ لیتے ہیں ان کو ایک گھڑی بھی مہلت نہ دی جاتی، آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں، جبرائیل امین نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بادشاہوں کے پاس جاکر ان کی خوشامد کرتے ہیں، اور ان کے ہر قول و فعل اچھے یا برے کو صحیح کہتے ہیں ، ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں ان کو ظلم اور گناہوں سے منع نہیں کرتے اور نہ ہی ان کو عدل وانصاف کرنے اور غرباء و مساکین پر احسان ورحم کرنے کے متعلق انہیں بتاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَرْكَنُوْا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ﴾

(پ۱۲ ع ۱۰) (معارج النبوت ج ۳ ص ۱۳۴)

اور مت جھکو ان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ورنہ چھوئے گی تمہیں بھی آگ۔

آیت کریمہ میں " لا ترکنوا " ذکر ہے مفسرین کرام نے اس کی تفسیر میں اپنے اقوال بیان کئے ہیں ۔ "رکون "کا معنی ہے محبت اور دلی میلان : الرکون المحبة والميل بالقلب۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ ظالموں کی مداہنت (خوشامد) مت کرو

قا ل الاسدی لا تداهنوا الظلمة ،اور عکرمہ نے کہا ہے کہ ان کی اطاعت نہ کرو۔ وقال عکرمه لا تطیعوهم علامہ بیضاوی نے فرمایا، لا تمیلو الیهم ادنیٰ میل یعنی ان کی طرف تھوڑا سا قلبی میلان بھی مت کرو۔

علامہ قرطبی نے اس لفظ کی تشریح اس طرح لکھی ہے : الرکون حقيقة الاستناد والا عتماد والسکون الی الشیء والرضاء به۔رکون کا معنی ہے کسی پر اعتماد کرنا اور بھروسہ کرنا اور اس کیطرف سے مطمئن اور راضی ہو جانا ابو العالیہ نے کہ ہے ، لاترضوا اعمالهم ۔ ان کے اعمال کو پسند نہ کرو۔ (قرطبی)

اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ (ظالموں، فاسق و فجار حکام، شرابی، جواء باز، ہر قسم کے بد اعمالیوں کے مرتکب لوگ) ان بد مذہبوں کے پاس بیٹھنا اور ان کی مجلسوں میں شرکت کرنا عذاب الٰہی کا باعث ہے۔ ہم اپنی نادانی سے ان کی صحبت کو بے ضرر خیال کرتے ہیں اور اپنی سادہ لوحی سے بے دھڑک ان کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں، لیکن ہم یہ نہیں سمجھتے کہ وہ ہر وقت اس موقع کی تاڑ میں رہتے ہیں جب کہ وہ پھونک مار کر تمہارے ایمان کی شمع کو گل کر دیں اس لئے اہل اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ ان بد عقیدہ لوگوں کی صحبت سے احتراز کریں (بچیں) اور اپنے ایمان کے حفاظت کریں۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی سنگت کرنا اور ان کی تقویت کا باعث بنتا جو لوگوں کے حقوق تلف کرتے ہیں یہ بھی شرعاً ناجائز ہے۔ تمہاری تائید اور اعانت صرف ان لوگوں کے لئے ہونے چاہئیے۔ جو صحیح عقیدہ کے علمبردار ہیں اور اپنی عملی زندگی میں عدل و انصاف کی قدروں کو سربلند دیکھنے کے لئے کوشاں ہیں مذاہب باطلہ کی فرقہ بازیاں۔ سیاسی جتھہ بندیاں اور قبائل تعصب ملت کے لئے تباہ کن ہیں اور اس کے شیرازہ کو بکھیرنے کا موجب ہیں۔

(تفسیر ضیاء القرآن)

علامہ رازیؒ فرماتے ہیں: یقین کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ نے جب یہ فیصلہ فرمادیا کہ جو شخص ظالموں کی طرف میلان کرے گا اسے آگ مس کرے گی "واذا کان کذالک ویکف یکون حال الظالم نفسه" جب معاملہ اس طرح ہے تو اس شخص کا کیا حال ہوگا، جو خود ظالم ہوگا۔ یعنی ظالموں سے محبت جب عذاب کا سبب ہے تو خود ظلم کرنا تو بہت بڑے عذاب کو دعوت دینا ہے۔

خیال رہے کہ ظلم کا معنی ہے "وضع الشیء فی غیر محله" کسی چیز کو غیر محل میں رکھنا یعنی کسی چیز کا شریعت نے حکم دیا ہے کہ یہ کام کرو، وہ نہ کرنا۔ اسی طرح شریعت نے منع کیا ہو کہ یہ کام نہ کرو، وہ کام کرنا ظلم ہے۔ لھذا تمام جرائم میں سے کوئی جرم کرنا اور تمام نیکیوں مین سے کوئی نیکی بھی چھوڑنا ظلم ہوگا۔ ایسے لوگوں سے دلی محبت کرنا، اللہ تعالےٰ کی ناراضگی کو مول لیتا ہے۔ اس لئے کہ کسی سے محبت ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے ہو اور کسی سے بغض ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے ہو۔

محبت کی تین قسمیں ہیں :- زبانی ۔ جنانی یعنی دلی محبت ۔ ایمانی و روحانی۔

ظالموں سے ہر طرح کی محبت کرنا منع ہے کیونکہ صرف زبانی محبت کرنے سے منافقت حاصل ہو گی، جھوٹ، دھوکہ بازی حاصل ہو گی۔ نیز زبانی محبت سے حرام مال بٹورے گا، بظاہر یہ معمولی بات نظر آتی ہے حقیقت میں کئی گناہوں پر مشتمل ہے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ سے پہلے ہی دور ہوتا ہے۔ لیکن عالم لوگوں کی نظر میں بھی فراڈی ہونے کی وجہ سے حقیر ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کافر اور ظالم سے دلی محبت کرے گا تو یقیناً اس کے اعمال کو اچھا سمجھ کر محبت کرے گا، ظلم و کفر کو اچھا سمجھنا بھی ظلم و کفر ہے۔

روحانی اور ایمانی محبت تو ہوتی ہی اس وقت ہے جب محبوب کی ہر ادا پسند ہو اور عقیدہ و ایمان اسی کے مطابق ہو۔ اس لئے کہ کامل محبت تو ہے ہی یہ کہ محبوب جس چیز کو ناپسند کرے اسے ناپسند کرے اور محبوب جسے اچھا سمجھے اسے اچھا سمجھے۔ اسی ضابط کو علامہ نوویؒ شرح مسلم میں ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں

" من اوصاف المحب الصادق ان یحب ماحب محبوبه ویکره ماکره "

(مسلم شریف ج ۲ باب اباحة اکل الثوم)

اب نتیجہ واضح ہوا کہ ظالم، فاسق وفاجر اور کافر سے محبت کرنے سے ان کے طور طریقے حاصل ہوں گے، اور نیک لوگوں سے محبت کرنے سے ان کے اچھے اعمال جیسے عمل کرنے کی توفیق حاصل ہو گی اور ان کے اچھے اعمال سے برکتیں حاصل ہوں گی۔ ظالموں سے ہر حال میں دور رہنا ضروری ہے، ورنہ برے اعمال ہی حاصل ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

" المرء علی دین خلیله "

انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔

فارسی میں کسی نے کہا۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

نیک آدمی کی صحبت (دوستی) تجھے نیک کردے گی، برے آدمی کی صحبت تجھے برا کردے گی۔ ذہن میں رہے کہ طلح جب باب نصر سے آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے خراب ہونا، فاسد ہونا اسی لئے یہاں طالح کا معنی برا آدمی لیا گیا ہے۔

کسی پنجابی کے شاعر نے اسی مضمون کو بڑے مؤثر انداز میں ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

چنگیاں دے لڑ لگیاں میرے جھولی وچ پھل پئے
مندیاں دے لڑ لگیاں میرے اگلے بھی ڈُل گئے

اچھوں سے محبت کرنے اور ان کی صحبت میں بیٹھنے سے میرے دامن میں نیکیوں کے پھول آئے اور بروں کی محبت اور صحبت اور ان کی محفلوں میں بیٹھنے سے میرے دامن میں نیکیوں کے پھول تھے بھی تو وہ ضائع ہو گئے۔



☆☆☆☆☆

دغا باز اور منافق لوگوں کا حال

شب معراج کو نبی کریم ﷺ کا ایسے لوگوں سے گذر ہوا جن کی آنکھوں، کانوں اور ناک سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں، ان میں سے ہر شخص پر دو فرشتے عذاب دینے کے لئے مقرر ہیں، ان کے ہاتھوں میں آگ کے گرز ہیں، جن سے وہ ان کو سزا دے رہے ہیں، گرز سے سزا کتنی عظیم ہو گی؟ اس کا اندازہ تو اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس ایک گرز کا معمولی سا حصہ ابو قبیس پہاڑ پر پڑے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے ۔ نبی کریم ﷺ نے جب اس قوم کے متعلق سوال کیا یہ کون لوگ ہیں ؟ تو جبرائیل امین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ دغا باز اور منافق لوگ ہیں۔

(از معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۳۵)

حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :-

" من كان له وجهان فى الدنيا كان له لسانان من نار يوم القيامة "

جس شخص کے دنیا میں دو چہرے ہوئے، قیامت کے دن اس شخص کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ یعنی دنیا میں جب دغابازی کرتا رہا تو قیامت کے دن اسے آگ کی دو زبانیں عطا کر دی جائیں گی۔ اسی طرح وہ ہر وقت عذاب میں مبتلاء رہے گا۔ کسی وقت تخفیف نہیں ہو گی۔ کیونکہ جو عذاب ہمہ وقت منہ میں ہی رہے اس سے تخفیف کیسے ممکن ہے ؟

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :-

" تجدون من شر عباد الله يوم القيامة ذا الوجهين الذى يأتى هٰؤلاء بحديث و هٰؤلاء بحديث وفى رواية هٰؤلاء بوجه وهٰؤلاء بوجه "

قیامت کی دن اللہ تعالیٰ کے بندوں سے سب سے زیادہ شر، تمہیں وہ پتہ چلیں گے جو دو چہروں والے ہیں ادھر آئے اور بات کی، ادھر گئے اور بات کی۔ ایک روایت میں اس طرح ہے، ادھر آئے اور چہرہ دکھایا، ادھر گئے اور چہرہ دکھایا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا :- قیامت کے دن تمام مخلوق سے اللہ تعالیٰ کو ناپسند وہ لوگ ہوں

گے جو جھوٹے متکبر اور اپنے مومن بھائیوں کے متعلق اپنے دل میں سخت کھوٹ اور بغض رکھنے والے ہوں گے۔ اور جب ان سے ملیں تو بڑی عاجزی کا اظہار کریں۔ جب ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلائیں تو دیر کریں اور جب ان کو شیطان اور اس کے حکم کی طرف بلائیں تو جلدی کریں۔

علاماتِ نفاق

جب کوئی انسان ایک کی بات دوسرے تک پہنچائے اور اس کی بات اس تک پہنچائے تو یہ "منافقت" ہے، یہ شخص چغلخور سے بھی برا ہے، کیونکہ چغلخور ایک کی بات ہی صرف دوسرے تک پہنچاتا ہے اور یہ شخص دونوں کی بات ایک دوسرے تک پہنچاتا ہے چونکہ یہ فساد زیادہ برپا کرتا ہے، اس لئے یہ چغلخور سے بھی بُرا ہے۔

دو آدمیوں کے درمیان دشمنی ہو یہ ہر ایک شخص سے اچھا سلوک کرے، حق و باطل کے درمیان فرق نہ کرے تو یہ بھی "منافقت" ہے، کیونکہ اچھے برے میں فرق کرنا ضروری ہے۔ ایسے ہی دونوں شخصوں کی تعریف کرنا منافقت ہے؛ کیونکہ ایمان کا ضعیف درجہ یہ ہے کہ برے شخص کو دل سے برا سمجھا جائے۔ دل سے بھی برا نہ سمجھنا اور تعریف کرنا یقیناً منافقت ہے؛ کیونکہ ان میں سے ایک تو یقیناً برا ہوگا۔

جن دو شخصوں کے درمیان عداوت ہو ان دونوں سے امداد کا وعدہ کرنا بھی منافقت ہے، امداد تو ایک کی ہو سکتی ہے ، دونوں کی امداد ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ ایک کی امداد کرنے سے دوسرے کی مخالفت ہوگی۔ یہ بہت واضح بات ہے کہ کسی شخص کی انسان مخالفت بھی کرے اور مدد کا وعدہ بھی کرے تو یہ منافقت ہی تو ہے۔

کسی آدمی کی اس کے سامنے تعریف کرنا اور وہ جب چلا جائے تو اس کی برائیاں بیان کرنا بھی منافقت ہے۔ اسی طرح جن دو آدمیوں کے درمیان عداوت ہے ان میں سے ایک کی موجودگی میں تعریف کرنا اور غیر موجودگی میں برائی بیان کرنا بھی منافقت ہے؛ اس لئے کہ حق تو یہ تھا کہ یا

تو خاموش رہتا۔ اور یا جو شخص حق پر تھا اس کی تعریف کی جاتی۔ اور اس کی موجودگی اور غیر موجودگی میں ایک جیسی تعریف کی جاتی۔ اور اس کے مخالف کے سامنے بھی اس کی تعریف کی جاتی۔

حضرت ابن عمرؓ سے بعض لوگوں نے کہا کہ ہم حکام کے پاس جا کر اور بات کرتے ہیں اور باہر نکل کر اور بات کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ ء اطہر میں ہم اسے ہی منافقت کہتے تھے۔

حکام کی تعریف کب منافقت ہے

حکام کے پاس جا کر ان کی تعریف کرنا اس وقت منافقت ہے جب کہ حکام نے اسے جبراً اپنے پاس نہیں طلب کیا اور نہ ہی اسے حکام کے پاس جا کر ان کی تعریف کرنے پر مجبور کیا ہے، پھر یہ تعریف کرتا ہے جس تعریف کے وہ شرعاً مستحق نہیں تو یہ منافقت ہو گی۔

اسی طرح حکام نے اسے زبردستی اپنے پاس بلایا نہیں۔ یہ گیا تو خود ہے لیکن وہاں جا کر مجبور ہو گیا اور اسے خوف دامن گیر ہو گیا کہ اگر میں نے تعریف نہ کی تو مجھے نقصان پہنچایا جائے گا جھوٹے مقدمات میں پھنسایا جائے گا۔ کبھی چوری کا کیس بنایا جائے گا اور کبھی اغواء کا۔ کبھی ٹیکس نہ ادا کرنے کا اور کبھی ناجائز طور پر قرضہ لینے کا۔ کبھی ناجائز اسلحہ رکھنے کا اور کبھی تخریب کاری کا اور کبھی ملکی راز افشاء کرنے کا اور کبھی حکومت کو توڑنے کا۔ اتنا خوف ہونے کے باجود بھی ناجائز اور ناحق طور پر بدکار، لٹیرے حکام کی تعریف کرنا منافقت ہو گا؛ کیونکہ جب ان لٹیروں نے اسے بلایا ہی نہیں تو یہ کیوں گیا تھا؟ جب اس کا جانا ضروری نہیں تھا تو یہ نہ جاتا، تھوڑے مال پر قناعت کرتا، دنیاوی جاہ و جلال اور مال دولت حاصل کرنے کے پیچھے نہ بھاگتا، جب یہ مال و دولت حاصل کرنے کی غرض سے اور دنیاوی جاہ و جلال حاصل کرنے کے لئے خود ہی چمچہ بن کر وہاں پہنچ گیا اور خود ہی ان کی تعریف شروع کر دی تو اس فعل سے یہ شخص منافق ہو گیا۔ یہی نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے:

" حب المال والجاہ ینبتان النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل "

مال و دولت کی محبت اور (دنیاوی) جاہ و جلال کی طلب دل میں ایسے منافقت پیدا کرتے ہیں جیسے پانی سبزیاں پیدا کرتا ہے۔

حکام کی تعریف کرنا کب منافقت نہیں؟

" اما اذا ابتلی به لضرورة وخاف ان لم یثن فهو معذور فان اتقاء الشر جائز "

جب کسی شخص کو زبردستی حکام کے دربار میں طلب کیا گیا ہو اور تعریف کرنے پر مجبور کیا گیا ہو، اسے خوف ہو کہ اگر تعریف نہ کی تو مجھے طرح طرح کے نقصانات کا سامنا کرے پڑے گا، ایسی جبری ابتلاء میں اگر اس نے تعریف کی تو اسے معذور سمجھا جائے گا یہ منافقت نہیں ہوگی، کیونکہ اپنے آپ کو شر سے بچانا جائز ہے۔

شریر انسان کے سامنے نرم گوئی اور تبسم جائز ہے

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے فرمایا: "ائذنوا له فبئس رجل العشیرة هو" اسے آنے کی اجازت دے دو وہ اپنے قبیلہ کا بہت برا انسان ہے "ثم لما دخل لان له القول" پھر وہ شخص جب آپ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے نرم گفتگو فرمائی۔ پھر جب وہ واپس چلا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی یارسول اللہ پہلے تو آپ نے اس شخص کے متعلق کچھ فرمایا تھا جو فرمانا تھا (یعنی آپ نے فرمایا تھا کہ وہ قبیلہ کا بہت برا شخص ہے) پھر آپ نے اس سے اچھے طریقہ سے نرم گفتگو فرمائی۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ " ان شر الناس الذی یکرم اتقاء الشر" یہ شخص لوگوں میں سے شریر انسان ہے اس کے شر سے بچنے کے لئے اس سے نرم گفتگو کی جاتی ہے۔[1]

(احیاء العلوم ج ۳)

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد

جس شخص کا شر لوگوں پر واضح ہو، یا اس کے شر سے لوگوں کو مطلع کر کے بچانا مقصود ہو تو اس کی غیر موجودگی میں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ وہ بہت شریر اور برا انسان ہے۔ جیسے نبی

کریم ﷺ نے اس کے شر سے محفوظ رہنے کے متعلق بیان فرمایا۔ یہ مسئلہ غیبت کے بیان میں واضح کیا جا چکا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے تعلیم امت کے لئے اس شخص سے نرم گفتگو فرمائی تاکہ امت کو معلوم ہو جائے کہ کسی شریر انسان سے نرم گفتگو کر کے اس کے شر سے بچا جا سکتا ہے، ورنہ آپ کو کسی قسم کا کوئی ڈر نہیں، خوف نہیں تھا۔ جس ذات نے ہزاروں کافروں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اکیلے کلمہء حق بلند کیا ہو اس ذات کریمہ کو اس وقت ایک انسان کے شر کا کیا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے جب ہزاروں لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں۔

کسی شریر سے بچنے کے لئے صرف اس کی طرف متوجہ ہونا، نرم گفتگو کرنا، بات کرتے ہوئے اس کے سامنے تبسم کرنا جائز ہے، یعنی اس سے ہنس مکھ چہرہ سے گفتگو کرنا، بات کرتے ہوئے تیوری نہ چڑھانا، تنگ نظر نہ ہونا، فقط اسی حد پر اکتفا کرے۔

اس کی مدح کرنا ، اس کے برے اعمال کو اچھا کہنا، اس کے کسی فعل کو حرام کہہ کر برداشت کرنے کی بے مقصد منطق بیان کر کے لوگوں کی نظر میں اپنے آپ کو احمق، اُلو، گدھا بنانا ہر طرح ناجائز ہے، بلکہ یہ انداز فکر واضح طور پر جھوٹ ہے۔ کسی برے شخص کی مدح سرائی کرنے والے کے چہرے پر داڑھی دیکھ کر یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ داڑھی سنت رسول ﷺ ہے بلکہ اس شخص کو " رنجیت سنگھ " کا بڑا بھائی سمجھا جائے۔ اور دین مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا باغی سمجھا جائے۔

صرف جبر کی صورت میں تعریف جائز ہو گی جب کہ اس کو اپنی موت یا اعضاء کے کٹ جانے یا لمبی قید یا بہت بڑے مالی نقصان کا خطرہ ہو ۔ کتے کی طرح ہڈی کے پیچھے بھاگنے والے کا برے کی تعریف کرنا ناجائز ہے۔



زانی مرد اور عورتوں کا حال

معراج کی رات نبی کریم ﷺ کا ایک ایسی قوم پر گذر ہوا، جن کے سامنے ایک ہنڈیا میں پکا ہوا گوشت رکھا ہوا ہے اور دوسری ہنڈیا میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہوا ہے۔ وہ اس جلے، سڑے اور کچے کو کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں جبرائیل امین نے کہا:- یارسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی پاکیزہ و حلال بیویوں کو چھوڑ کر دوسری حرام عورتوں سے راتیں گذارتے تھے۔ اور برائی کے مرتکب ہوتے تھے۔ اسی طرح یہ عورتیں وہ ہیں جو اپنے خاوندوں کو چھوڑ کر دوسرے مردوں سے رنگ رلیاں مناتی تھیں۔ اور بدکاری کی مرتکب ہوتی تھیں، ان مردوں اور عورتوں کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴾

اور تم لوگ زنا کے قریب نہ جاؤ کیونکہ یہ بہت بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳)

زنا سے واقع ہونے والے فسادات

(۱) جس عورت کے خاوند کو بھی معلوم ہو کہ اس کی عورت زانیہ ہے، جب اس زانیہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو انسان کو یقین نہیں آئے گا کہ یہ بچہ میرا ہے یا کسی اور کا؟ اس طرح وہ بچے کی تربیت درست طور پر نہیں کرے گا اور اس کی ذمہ داریوں کو قبول نہیں کرے گا، ایسا کرنے سے اولاد ضائع ہوگی۔

(۲) نسل کے منقطع ہونے کا سبب بنے گا اور نظام کائنات برباد ہو کر رہ جائے گا۔ اسی طرح خاوند کو تو شرعی حیثیت سے عورت کے حلت (حلال ہونا) حاصل ہے اور دوسرے کسی کو یہ حیثیت حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس عورت کے لئے شرعاً خاوند ہی سب سے بہتر ہے، دوسرا کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ لیکن پھر بھی اگر عورت نے کسی اور کی طرف توجہ کی تو فتنہ

وفساد کا دروازہ کھل جائے گا جس سے کسی نہ کسی شخص کا قتل واقع ہو جائے گا۔ کتنی مرتبہ ہی ہم نے سنا ہے کہ فلاں شخص قتل ہو گیا، اس کے اسباب معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ ایک عورت کے زنا کا یہ سارا کارنامہ ہے۔

(۳) جب عورت زنا کے ارتکاب کی عادت ڈال لیتی ہے اور یہ برا کام اس کا تختہ مشق بن جاتا ہے، تو ایسی عورت سے درست طبیعت اور سیدھی راہ پہ چلنے والا دل رکھنے والا انسان نفرت کرتا ہے، اسے گندی اور ناپاک عورت سمجھتا ہے۔ ایسے حالات میں عورت اور اس کے خاوند میں الفت و محبت حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی سکون حاصل ہو تا ہے۔ اور نہ ازدواجی...... عورت اور اس کے خاوند کے درمیان رشتہ اور تعلق ...... حیثیت کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

(۴) جب زنا کا دروازہ کھل جائے، زنا عام ہو جائے تو ہر انسان کو ہر عورت کے پاس آنا جانا حاصل ہو جائے گا۔ جس وقت وہ جس عورت کے پاس جانا چاہے اسے کوئی رکاوٹ نہ ہو تو اس طرح انسانوں اور دوسرے جانوروں میں کوئی فرق نہ رہے گا، حیوانوں کا بھی جب یہی کام ہے اور انسانوں کا بھی اگر یہی کام ہو گیا تو انسان کا تمام مخلوق سے افضل ہونا کیسے ثابت ہو گا ؟

(۵) شادی کر کے کسی عورت کو اپنی زوجہ بنانے میں صرف شہوت کا پورا کرنا مقصود نہیں بلکہ اس اپنے گھر کے معاملات میں شریک کرنا اور کھانا، پینا، لباس تیار کرنے میں معاونہ بنانا اور اپنے گھر کی مالکہ بنانا اور اپنے گھر میں کسی اور کو آنے سے روکنے کے لئے دروازہ کی محافظہ بنانا مقصود ہو تا ہے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس عورت کی توجہ کا مرکز صرف اس کا خاوند ہو۔ دوسرے مردوں سے اسے کوئی امید نہ ہو ان سے اس کے تعلقات مکمل طور پر منقطع ہوں۔ یہ سارے مقاصد زنا کے مکمل حرام ہونے سے ہی حاصل ہوتے ہیں جب زنا کا دروازہ کامل طریقہ سے بند ہو گا تو اس کے گھر کا دروازہ غیروں پر بند ہو سکے گا۔

(۶) مقصد زوجہ کو حاصل کرنے میں ان منافع کا حصول ہے جو نکاح سے حاصل ہوتے ہیں یعنی نیک اولاد کا حاصل کرنا یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان کی نظر صرف اپنی زوجہ پر ہی ہو۔

(از تفسیر کبیر)

نافرمان بیویوں کا حال

نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات عورتوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کے منہ کالے اور آنکھیں نیلی ہیں انہوں نے آگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ فرشتے انہیں آگ کے گرز مار رہے ہیں۔ اور وہ گدھوں اور کتوں کی طرح چلاتی ہیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا یہ عورتیں کون ہیں جو عذاب میں مبتلاء ہیں؟ تو حضرت جبرائیلؑ نے جواب دیا: یارسول اللہ یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کی نافرمانی کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:-

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔

(تفسیر ابن جریر ج ۱۵)

اس آیہ کریمہ کا شان نزول بھی یہ ہے کہ حضرت سعد بن ربیع جو انصار کے نقیب تھے۔ ایک دفعہ ان کی زوجہ حبیبہ بنت زید بن زہیر نے ان کی کچھ نافرمانی کی۔ جس کی وجہ سے انہوں نے غصہ مین آکر اسے ایک طمانچہ مار دیا۔ وہ عورت ناراض ہو کر اپنے والد کے گھر چلی گئی۔ اس کے والد زید بن زہیر اپنی بیٹی حبیبہ کو لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ میں نے اپنی پیاری بیٹی حبیبہ کا نکاح سعد سے کیا تھا۔ لیکن اس نے اس میری بیٹی کو تھپڑ مارا ہے۔ اس کا قصاص دلوایا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے قصاص لینے کی اجازت فرمادی کہ حبیبہ بھی سعد کو تھپڑ مارلے تاکہ برابری ہو جائے۔ یہ ابھی چلے ہی تھے کہ آیت کریمہ نازل ہو گئی۔ حضور ﷺ نے انہیں واپس بلا کر یہ آیت سنائی اور فرمایا کہ زوجہ اپنے خاوند سے تھپڑ وغیرہ کا بدلہ نہیں لے سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ ہم نے تو کچھ اور چاہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے کچھ اور چاہا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی چاہت ہماری چاہت سے افضل ہے۔

(تفسیر خازن، روح المعانی، کبیر، بیضاوی، روح البیان وغیرہ)

مردوں کو عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر بزرگی بخشی ہے کہ خاوند کو بیوی کا سردار بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطاء پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ "امامت صغریٰ" یعنی نماز کی امامت کا حق صرف مردوں کو دیا عورتوں کو نہیں، اسی طرح "امامت کبریٰ" (بڑی امامت) یعنی حاکیت کا حق بھی صرف مردوں کو دیا گیا عورتوں کو نہیں۔

جاہل لوگ کسی عورت کو حاکم بنادیں یا "بکاؤ ملاں" اس کی حاکمیت پر خوش ہو کر کہیں کہ :

......" جمہوریت" آگئی بڑی خوشی ہو گئی"......

تو اس سے شرعاً جواز ثابت نہیں ہو گا۔ اذان دینا عورت کے لئے منع مرد کے لئے جائز اور ثواب، جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھانا اور خطبہ پڑھنا بھی صرف مرد کے لئے ہی جائز ہے عورت کے لئے جائز نہیں۔ نبوت جیسا عظیم منصب صرف مردوں کو ملا۔ مردوں کا عقل کامل ہے اور عورتوں کا عقل ناقص ہے۔ مردوں کا دین کامل، عورتوں کا دین ناقص۔ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ ایسے کمالات عطا فرمائے ہیں جن کا انکار صرف وہی احمق انسان کر سکتا ہے جو سورج کو ظاہر دیکھ کر بھی کہے کہ " ابھی تورات ہے"۔

خاوند ناراض ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوتا ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :-

" اذا دعا الرجل امرأته الى فراشه فابت فبات غضبان لعنتها الملائكة حتى تصبح "
(بخاری، مسلم)

جب انسان اپنی زوجہ کو بستر پر طلب کرے تو عورت (بغیر عذر شرعی کے) انکار کردے۔ خاوند رات ناراضگی میں گذارے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں اس لئے کہ اس عورت پر خاوند کی فرمانبرداری لازم تھی نہ کہ نافرمانی۔ وہ نافرمانی کر کے فرشتوں کی لعنت کی مستحق ہو گئی۔

دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی اس طرح ہے :

" والذى نفسى بيده ما من رجل يدعو امرأته الىٰ فراشه فتابى عليه الا كان الذى فى السماء ساخطا عليها حتى يرضى عنها "
(مشکواة باب عشرة النساء)

آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جب بھی کوئی شخص اپنی زوجہ کو بستر پر طلب کرے تو وہ انکار کردے تو اس کا خاوند جب تک اس پر راضی نہ ہو

اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس سے ناراض رہتا ہے۔ خیال رہے حدیث شریف میں لفظ استعمال ہوئے ہیں" الذی فی السماء" جس کا معنی ہے وہ ذات جو آسمانوں میں ہے۔ یعنی آسمانوں والا اس پر ناراض ہوتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے جب کہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے وہ آسمانوں میں تو نہیں رہتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امر، حکم، ملک، بادشاہی آسمانوں میں بھی اسی طرح ہے جیسے زمینوں میں، وہ جس طرح زمین والوں کا معبود ہے اسی طرح آسمان والوں کا بھی معبود ہے۔ آسمان کا ذکر خصوصی طور پر اس لئے کیا ہے کہ دنیاوالوں کی عارضی بادشاہتیں صرف زمین میں ہیں آسمانوں میں نہیں۔ لیکن اللہ تعالی کی ذات وہ ذات ہے جس کی حقیقی بادشاہی زمین و آسمان میں یکساں ہے۔

خاوند پر بھی لازم ہے کہ زوجہ سے نرم سلوک رکھے

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"استوصوا بالنساء خیرا فانهن خلقن من ضلع اعوج وان اعوج شیء فی الضلع اعلاه فان ذهبت تقیمه کسرته وان ترکته لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء"
(بخاری، مسلم)

عورتوں سے نرم سلوک رکھو! بے شک وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ بے شک پسلی کا ٹیڑھا پن جو اوپر کی جانب اٹھا ہوا ہے اگر تم اسے سیدھا کرنا شروع کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر تم اسی طرح چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں سے اچھا سلوک رکھو۔

حدیث شریف میں لفظ" استوصوا "استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہے عوتوں کے حق میں اپنے نفسوں سے اچھی نصیحت طلب کرو۔ قاضی عیاضؒ نے معنی بیان کیا ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں تمہیں عورتوں کے حق میں بہتر نصیحت کرتا ہوں۔ ان کے حق میں میری نصیحت قبول کرو۔

مقصود تمام معانی کا ایک ہی ہے کہ اپنی بیویوں سے اچھا سلوک رکھو۔ ان کے سیدھا ہونے کی امید بالکل نہ رکھو۔ ان کے ٹیڑھا ہونے کے باوجود ان کو اپنے پاس ثابت رکھو۔

عورتوں کا پسلی سے پیدا ہونے کا مطلب ہے کہ حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اس لئے عورتوں میں پیدائشی طور پر ٹیڑھا پن رکھ دیا گیا ہے۔ پیدائشی نقص کو درست کرنا ممکن نہیں، اس لئے ان کو سیدھا کرنا ممکن نہیں تو سیدھا ہونے کی امیدیں ختم کرلی جائیں۔ ان سے نرم سلوک رکھ کر ہی ان کو اپنا بنایا جائے۔ جب تک وہ کسی شرعی برائی کا ارتکاب نہ کریں اس وقت تک ان کی معمولی خطائیں برداشت کرکے ہی ان کو اپنے قریب لایا جاسکتا ہے۔

عورت کی یہی کمزوری ہے وہ اپنی ہر بات کو صحیح سمجھتی ہے خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو اور دوسرے کی صحیح بات کو بھی غلط کہے گی۔ ساس، بہو کے جھگڑوں کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔

تعجب اس پر ہے کہ ساس جو باتیں اپنی بیٹیوں کی برداشت کرلیتی ہے وہی بہو کی برداشت نہیں کرتی ۔ جو کام بیٹیوں کے صحیح سمجھتی ہے وہی کام بہو کرے تو کیڑے نکالنے شروع کرتی ہے۔ اسی طرح بہو کو دیکھیں جو باتیں اپنی ماں کی برداشت کرلیتی ہے وہ ساس کی برداشت نہیں کرتی۔ ماں کے ہر کام کو سراہتی ہے ساس کے ہر کام کو غلط سمجھتی ہے۔ بہو کو یہ معلوم نہیں ساس میری ماں کی طرح ہے۔ ساس کو یہ معلوم نہیں بہو میری بیٹی کی طرح ہے۔

تو جب اللہ تعالیٰ نے اسے ٹیڑھا بنادیا ہے۔ اسے سیدھا کرنا تو انسان کی طاقت میں نہیں۔ البتہ اس کا ایک ہی علاج ہے جو میرے پیارے مصطفٰے علیہ التحیة و الثناء نے بیان فرمادیا کہ اسے سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اسے ٹیڑھا ہی رہنے دو۔ کم عقل سے نرم سلوک رکھ کر، اس پر مہربانی کی نظر کرکے، اس کی غلطیوں کو برداشت کرکے ہی اس سے تعلق کو قائم رکھا جاسکتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان کا والدہ اور زوجہ دونوں کو خوش رکھنا اور دونوں کے حقوق کی پاسداری کرنا والدہ کی دعائیں لینا، زوجہ سے محبت حاصل کرنا یہ معمولی کام نہیں۔ بڑے عقل اور صبر کا کام ہے۔

نبی کریم ﷺ کے حسن معاشرت کی ایک درخشاں مثال

" عن عائشه انها كانت مع رسول الله ﷺ فی سفر قالت فسابقته فسبقته علی رجلی فلما حملت اللحم سابقته فسبقنی قال هذه بتلك السبقة "

(ابوداؤد م مشکواة باب عشرة النساء)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے اور آپ نے پیدل دوڑ میں مقابلہ کیا۔ میں آپ سے دوڑ میں سبقت لے گئی۔ پھر (کچھ عرصہ بعد) جب مجھ پر موٹاپا آگیا پھر ہم نے (پیدل دوڑ میں) مقابلہ کیا تو نبی کریم ﷺ مجھ پر غالب آگئے۔ آپ نے فرمایا یہ دوڑ پہلی دوڑ کا بدلہ ہے۔ یعنی پہلے تم غالب آگئی تھی اب میں غالب آگیا اس طرح بدلہ اتر گیا۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کی تعلیم کے لئے تاکہ وہ میری اقتداء کریں اپنی بیویوں سے اچھے اخلاق کا برتاؤ کیا۔ ان پر نرمی کی، مہربانیاں کیں۔ یہ دوڑ کا مقابلہ بھی نبی کریم ﷺ کے حسن معاشرت پر دلیل ہے۔

مسئلہ :- علامہ قاضی خانؒ نے بیان فرمایا ہے کہ چار چیزوں میں مقابلہ جائز ہے۔

(۱) اونٹوں کی دوڑ میں (۲) گھوڑوں کی دوڑ میں (۳) پیدل دوڑ میں (۴) تیر اندازی میں۔

لیکن اس میں شرط دونوں طرف سے نہ ہو۔ اگر دونوں طرف سے شرط ہو گی تو حرام ہو گا۔ جیسے یہ کہا جائے تو غالب ہو گیا تو میں اتنے پیسے دوں گا اور اگر میں غالب ہو گیا تو تجھے پیسے دینے لازم ہوں گے ...... یہ حرام ہے...... اگر شرط ایک جانب سے ہو تو جائز ہے جیسے ایک شخص کہے چلو دوڑ میں مقابلہ کرتے ہیں اگر تم غالب آگئے تو میں تمہیں انعام دوں گا۔ یہ جائز ہے اسی طرح کوئی تیسرا شخص مقابلہ کرائے جو تم سے غالب آئے گا تو میں تمہیں اتنا انعام دوں گا۔ یہ صورت بھی جائز ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح)

تمام اہل و عیال سے بہتر سلوک رکھا جائے

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :-

"خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی واذا مات صاحبکم فدعوہ"

(ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء)

تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی اہل سے بہتر سلوک رکھے، تم تمام سے زیادہ میں اپنی اہل سے اچھا سلوک رکھتا ہوں۔ جب تمہارا کوئی صاحب فوت ہو جائے تو اسے چھوڑ دو۔

یہ حدیث پاک نبی کریم ﷺ کے جوامع الکلم سے ہے۔ یعنی آپ کے کلام کے الفاظ سے کم اور مطالب بہت زیادہ ہوتے۔ حدیث پاک میں حسن معاشرت کا سبق دیا گیا ہے کہ انسان کو اچھے اخلاق کا مالک ہونا چاہیے اہل سے مراد عام ہے جو بیویوں اور قریبی رشتہ داروں بلکہ اپنے زمانے کے دوسرے اجنبی مسلمانوں کو بھی شامل ہے۔ اب معنی یہ ہو گا کہ تم میں سے بہتر شخص وہ ہو گا جو اپنی بیویوں اور قریبی رشتہ داروں اور دوسرے تمام مسلمانوں سے اچھا سلوک رکھے گا۔ کیونکہ میں تم تمام سے بڑھ کر اپنی بیویوں اور اپنے رشتہ داروں اور تمام مسلمانوں سے اچھا سلوک رکھتا ہوں۔

اس حدیث پاک سے نبی کریم ﷺ کا "خُلق عظیم" واضح ہوا کہ آپ کے اخلاق کریمہ جب تمام سے بڑھ کر ہیں تو آپ کا حسن سلوک بھی تمام سے زیادہ ہی ہونا ہے۔

حدیث پاک میں ہے "فدعوہ "اسے چھوڑ دو۔ یعنی تم میں سے جب کوئی فوت ہو جائے تو اسے چھوڑ دو۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس کی برائیوں کا ذکر کرنا چھوڑ دو۔ کیونکہ کسی فوت شدہ آدمی کی برائیوں کا ذکر نہ کرنا بھی ایک اچھے اخلاق میں داخل ہے۔

نبی کریم ﷺ اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے زندہ لوگوں اور فوت شدہ لوگوں سے اچھا سلوک اور اچھا معاملہ رکھنے کا حکم دیا۔

نبی کریم ﷺ کی دوسری حدیث پاک اس پر دلالت کر رہی ہے

"اذکروا موتاکم بالخیر" اپنے فوت شدہ بھائیوں کو اچھے طریقہ سے یاد کرو۔

یعنی ان کی اچھائیوں کا ہی تذکرہ کرو۔ اور اس کا معنی مراد لیا جائے۔ اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سہارے پر چھوڑ دو۔ نیک لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس بہتر اجر ہے۔ بعض حضرات نے حدیث پاک سے مراد نبی کریم ﷺ کی اپنی ذات مراد لی ہے۔ یعنی اب حدیث پاک کا

مفہوم یہ ہوگا کہ جب میں دنیا سے پردہ کر جاؤں تو مجھے ایذء پہچانا چھوڑ دو۔ یعنی میری اولاد اور اہل وعیال۔ صحابہ کرام اور میری امت کے نیک لوگوں کی شان میں گستاخیاں کر کے مجھے ایذاء نہ پہچانا؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ کو ایذاء یعنی تکلیف پہچانا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تکلیف دینے سے انسان اس کے عذاب کی پکڑ میں آجاتا ہے۔

زوجہ کو مارنا اور گالی دینا منع ہے

حضرت حکیم بن معاویہ قشیری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہماری بیویوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان تطعمها اذا طعمت وتكسوها اذا اكتسيت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولاتهجر الا في البيت"

(مسند احمد، ابو داؤد، ابن ماجه، مشكواة باب عشرة النساء)

جب تم کوئی چیز کھاؤ تو زوجہ کو بھی کھلاؤ، اور جب تم کوئی لباس پہنو تو زوجہ کو بھی پہناؤ۔ ان کے چہرہ پر (طمانچے) نہ مارو اور ان کو برا نہ کہو، اور ان کو گھروں میں چھوڑ کر تم خود کہیں اور نہ چلے جاؤ۔

انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق اپنی زوجہ کو کھانے، پینے کی اشیاء فراہم کرے اور لباس عطا کرے۔ حسن اخلاق کا مظاہرہ یہی ہے کہ جیسا طعام خود کھائے ایسا ہی زوجہ کو کھلائے اور جیسا لباس خود پہنے ایسا ہی زوجہ کو بھی پہنائے۔ انسانی مروت کے یہ خلاف ہے کہ خود ہوٹلوں پر بیٹھ کر اعلیٰ قسم کے کھانے کھا کر آجائے۔ فاخرانہ لباس پہنے اور زوجہ کو پوچھے ہی نہیں۔

"چہرہ پر نہ مارنے" کا ذکر آپ نے فرمایا کیونکہ چہرہ تمام اعضاء میں سے اعلیٰ اور اشرف اور برگزیدہ ہے۔ بغیر عذر کے مارنا تو مطلقاً منع ہے البتہ عذر پر چہرہ کے بغیر اور اعضا پر ہلکا پھلکا مارنا جائز ہے۔ لیکن چہرہ پر مارنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کہیں ایسی ضرب نہ لگ جائے جس سے اس کا حسن وجمال ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ اس لئے چہرہ پر مارنے سے اجتناب کرے۔

چند عذر جن کی وجہ سے مارنا جائز ہے

(۱) جب خاوند چاہے کہ عورت زیب و زینت کرے تاکہ زیب و زینت سے خوبصورت نظر آئے تو خاوند کی نظر کسی دوسری پر نہ جھکے تو ایسی صورت میں عورت اپنے خاوند کے کہنے پر عمل نہ کرے تو خاوند کو مارنا جائز ہے۔ لیکن ایسی زیب و زینت کا مطالبہ ہو جو شرعاً جائز ہو۔

آج کل انگریز کے غلام چاہتے ہیں کہ جب ان کے دوست آئیں تو ان کی بیگمات آدھا سینہ ننگا کر کے بازو کندھے تک ننگے کر کے سر سے دوپٹہ اتار کر انہیں چائے پلائیں تاکہ وہ بھی نظارہ کریں اور کہیں تمہاری بیگم تو یار بڑی خوبصورت، سفید اور نرم و نازک اندام والی ہے۔ شریعت نے ایسے لوگوں کو دیُوث، بے حیا، بے غیرت کہا۔ لیکن ماڈرن لوگ اس پر فخر کرتے ہیں۔ خاوند کی ایسی خواہش کو زوجہ ٹھکرا کر غیرت ایمانی کا ثبوت دے۔ شریعت کے خلاف حکم ماننا جائز نہیں۔

(۲) عورت پاک ہو کوئی عذر شرعی نہ ہو، مریضہ نہ ہو پھر خاوند کی طلب پر اس کے پاس نہ جائے۔ تو خاوند کو حق ہے۔

(۳) بغیر کسی عذر کے جان بوجھ کر نماز نہ پڑھی ہو یا جنابت اور حیض کا غسل نہ کرے۔ اس صورت میں خاوند کو مارنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی مارنا منع ہے۔

(۴) خاوند کی اجازت کے بغیر وہ گھر سے باہر نکل جائے۔ بازاروں، گلیوں، سیر گاہوں میں چل پھر کر نظارہ کراتی پھرے، تو عورت کی اس حرکت پر خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کی سرزنش کرے۔ تاکہ وہ آئندہ اس سے باز آجائے۔

(مرقاۃ المفاتیح)

" ولا تقبح " حدیث شریف اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ ان سے فحش کلامی نہ کرو۔ گالی نہ دو۔ ان کے لئے شکل کے بد صورت ہونے کی بد دعا نہ کرو۔ وہ عورتیں کتنی ہی عقلمند ہوتی ہیں جو اپنے خاوند کے غصہ کو پیار سے ٹھنڈا کرتی ہیں۔ خاوند کو بد کلامی کا موقع ہی نہیں دیتیں۔ لیکن اس

کے خلاف بعض عورتیں اپنی کم عقلی سے خاوند کے غصہ کو بڑھاتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی زبان ان کے اختیار میں نہیں ہوتی، وہ بے مقصد بولتی چلی جاتی ہیں اور خاوند بھی بحواس کرنے میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔

" ولا تهجر الا فی البیت " اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو چھوڑ کر خود ادھر ادھر نہ گھومتے پھرو وہ مجامعت کیلئے بے تاب رہیں۔ ہاں اگر انسان گھر ہی ہو تو ہر دن مجامعت ضروری نہیں۔ باہر کہیں ہو تو تین ماہ بعد واپس آنا چاہیئے۔

"تبلیغ" کے نام پر گھر سے باہر سال سال گذار دینا اور عورتوں کو نہ پوچھنا اور کہنا کہ ہم اللہ کی رضاء کے لئے گئے ہوئے تھے۔ یہ کون سا دین ہے ؟ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔



راستہ میں بیٹھ کر دوسروں کو ایذاء پہنچانے والوں کا حال

نبی کریم ﷺ کا معراج کی رات ایسی قوم پر گذر ہوا جن کو عام راستے پر سولی لٹکایا جارہا ہے اور سولیاں ایسے کانٹے رکھتی ہیں۔ جو راہ گذر لوگوں کے جسم اور کپڑوں کو نوچ لیتی ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں تو جبرائیلؑ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں جو راستہ پر بیٹھ کر لوگوں کو تکلیف دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

﴿ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (پ۸ ع۱۸)

تم راستہ پر اس طرح نہ بیٹھو کہ لوگوں کو ڈراؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکو۔

(درمنشور ج ٤ ص ٢٤)

اگرچہ اس آیۃ کریمہ کا نزول تو حضرت شعیبؑ کی قوم کے متعلق ہوا ہے (کیونکہ وہ راستہ پر بیٹھ کر حضرت شعیبؑ کے پاس جانے والوں کو روکتے اور حضرت شعیبؑ کے عقائد اور دین کی مذمت بیان کر کے لوگوں کو شکوک وشبہات میں ڈال کر ان سے پھیرنے کی کوشش کرتے۔ اور کئی لوگوں کو اس طرح روکنے میں کامیاب ہو جاتے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص حضرت شعیبؑ کے پاس جانے کی ضد کرتا تو پھر بزور بازو اس کو روکتے۔ جھگڑا وفساد برپا کر کے ڈنڈے کے زور سے روکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی مذمت فرمائی اور انہیں منع کیا کہ تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے نہ روکو) لیکن حکم عام ہے۔ نبی کریم ﷺ کی امت کے لوگ جو راستہ پر بیٹھ کر لوگوں کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان کو بھی اسی طرح منع کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی اسی سرزنش کے مستحق ہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" ایاکم والجلوس فی الطرقات قالوا یارسول اللہ مالنا بد من مجالسنا نتحدث فیھا قال رسول اللہ ﷺ فاذا ابیتم الا المجلس فاعطوا الطریق حقہ قالوا وما حقہ قال

غض البصر و کف الاذی ورد السلام والامر بالمعروف والنهی عن المنکر"
(مسلم باب النهی عن الجلوس فی الطرقات)

تم اپنے آپ کو راستے میں بیٹھنے سے بچا کر رکھو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ بعض اوقات راستے میں بیٹھ کر کلام کرنا ہماری مجبوری ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تمہیں ضرور بیٹھنا ہی پڑھے تو راستے کو اس کا حق دے دو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ راستے کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نظر کو جھکا کر رکھنا۔ کسی کو ایذاء پہچانے سے رکے رہنا۔ سلام کا جواب دینا۔ اچھے کام کا حکم دینا۔ برے کاموں سے منع کرنا ...... یہ راستے کے حقوق ہیں۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد

راستے میں بیٹھنے سے جہاں تک ممکن ہو اجتناب کرے۔ بغیر کسی عذر اور مجبوری کے راستہ میں نہ بیٹھے۔ لوگوں کی غیبت کرنے سے باز رہے۔ کیونکہ کسی کی غیبت کرنے سے اسے تکلیف ہوتی ہے اور راستے میں بیٹھ کر کسی کو تکلیف دینے سے منع کیا گیا ہے۔

اسی طرح راستے میں بیٹھ کر کسی پر برے گمان کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے بھی کسی کو تکلیف پہچانا لازم آتا ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ گذرنے والوں کو حقیر سمجھنا بھی منع ہے۔ اس سے بھی دوسروں کو ایذاء ہوتی ہے اور ایذاء دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح راستہ کو تنگ نہ کرے ایسے لوگوں کا راستہ پر بیٹھنا منع جن سے دوسرے لوگ گذرنے والے ڈرتے ہوں۔ ان کا رعب ان پر طاری ہو۔ ان لوگوں کو گذرنے کے لئے اور کوئی راستہ بھی نہ ملے اور ان کے بیٹھنے کی وجہ سے ان کے کاموں میں بھی رکاوٹ پڑے۔

☆☆☆☆☆

ماں باپ کے نافرمان

نبی کریم ﷺ کا شب معراج ایک قوم پر گذر ہوا۔ جو آگ کے جنگل میں قید تھے آگ میں ایک مرتبہ جل جاتے پھر ان کو درست کر دیا جاتا۔ پھر ان کو جلا دیا جاتا۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری تھا۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں تو حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا، یا رسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو ماں باپ کے نافرن تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلاَّ تَعْبُدُوْٓا اِلاَّ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلاً كَرِيْمًا ط وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ط ﴾

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اف (ہوں) نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا۔ اور ان کے لئے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ اَن دنوں نے مجھے بچپن میں پالا۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

" من اصبح مسخط لابويه اصبح له بابان مفتوحان الى النار ومن امسى مثل ذالك "

(احیاء العلوم ج ۲)

جس شخص نے ماں باپ کو صبح صبح ناراض کیا اس شخص کے لئے صبح صبح ہی دوزخ کے دو دروازے کھول دے جائیں گے۔ اور جس شخص نے شام کو ناراض کیا ، شام کو اسی طرح اس کے لئے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

"ان الجنة توجد ريحها من مسيرة خمس مائة عام ولا يوجد ريحها عاق ولا قاطع رحم"

بے شک جنت کی خوشبو پانچ سو سال کے راستہ سے آجاتی ہے۔ لیکن ماں باپ کا نافرمان اور قطع رحمی کرنے والا اس خوشبو سے محروم رہے گا۔

(احیاء العلوم ج ۲)

حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" ان اللہ حرم علیکم عقوق الامھات "

(مشکواۃ باب البروا لصلۃ)

بے شک اللہ تعالےٰ نے تم پر والدین کی نافرمانی کرنا حرام کردیا ہے۔

خیال رہے کہ حدیث شریف میں صرف امہات (ماؤں) کا ذکر ہے لیکن مراد ماں، باپ دونوں ہی ہیں۔ صرف ماں کا ذکر اہتمام شان اور ان کے ضعف کے پیش نظر کیا ہے۔ اور وجہ یہ بھی ہے کہ عربی گرائمر کا قانون ہے کہ بعض اوقات دو چیزوں میں سے ایک کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن مراد دونوں ہوتی ہیں۔

خطابیؒ نے فرمایا کہ یہاں صرف ماں کی نافرمانی کا ذکر نہیں بلکہ ماں، باپ دونوں کی نافرمانی یعنی ان کو کسی طرح بھی قول اور فعل سے ایذاء پہنچانا حرام ہے۔ صرف ایک ذکر سے دوسرے پر بھی تنبیہ کردی گئی۔ جس طرح شفقت و مہربانی کے لحاظ سے ماں کا حق مقدم ہے اسی طرح اطاعت، اچھی رائے کا احترام کرنا۔ اس کے حکم کو جاری کرنا۔ اور ادب قبول کرنے میں باپ کا حق بھی مقدم ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" رغم انفه رغم انفه رغم انفه قیل من یارسول اللہ قال من ادرك والدیه عندالکبر احدھما او کلاھما ثم لم یدخل الجنة "

(مسلم، مشکواۃ باب البروا الصلۃ)

اس شخص کا ناک خاک آلود ہو جائے (ذلیل ہو جائے) اس شخص کا ناک خاک آلود ہو جائے۔ اس شخص کا ناک خاک آلود ہو جائے۔ عرض کیا گیا کس کا یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا جس شخص نے اپنے والدین میں ایک کو یا دونوں کو بوڑھا پایا لیکن جنت میں داخل نہ ہو سکا۔

یعنی والدین کی بڑھاپے میں خدمت نہ کی۔ ان کو خرچ نہ دیا۔ تو اس طرح ماں باپ کی خدمت کی دوری سے جنت سے محروم ہو گیا یہ اس کے لئے خسارہ اور ذلت کا سبب ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے لئے نبی کریم ﷺ کا چادر بچھانا

حضرت ابو طفیلؓ سے مروی ہے کہ میں نے (یوم حنین میں) جعرانہ کے مقام پر نبی کریم ﷺ کو گوشت تقسیم کرتے ہوئے دیکھا، اسی دوران ایک عورت آئی، یہاں تک کہ جب وہ نبی کریم ﷺ کے قریب پہنچی "فبسط لها رداء ہ فجلست علیه" تو نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھائی جس پر وہ بیٹھی، تو میں نے کہا یہ کون ہے ؟ مجھے لوگوں نے بتایا "ھی امه التی ارضعته" یہ آپ کی رضاعی ماں ہے جس نے آپ کو دودھ پلایا ہے۔

(ابو داؤد، مشکوٰۃ باب البرو الصلة)

حدیث پاک سے فائدہ یہ حاصل ہوا کہ حقوق قدیمہ کی رعایت اور صحبت سابقہ کی وجہ سے عزت کرنا لازم ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مدارج النبوت جلد دوم میں بیان فرماتے ہیں کہ (مدینہ طیبہ کے قبرستان) بقیع میں ان کا (یعنی حلیمہ سعدیہ کا) چھوٹا سا قبہ تھا۔ جسے قبۂ حلیمہ سعدیہ کہتے تھے (مگر اب نجدی لوگوں نے اسے بھی شہید کر دیا) کہتے ہیں کہ ان کی قبر پر نبی کریم ﷺ بغرض زیارت تشریف لے جاتے تھے۔

شیخ کے اس قول کے بعد یعنی آپ کا ان کی قبر پر صرف زیارت کی غرض سے تشریف لے جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان حضرات کا ارشاد راجح اور قوی ہے جو حلیمہ سعدیہ کے ایمان کے قائل ہیں۔ میں اسی وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہا" تحریر کرتا ہوں۔ کیونکہ حلیمہ سعدیہ نے نبی کریم ﷺ کے بہت کمالات آپ کے بچپن میں ہی دیکھے ہوئے تھے جن کی وجہ سے آپ کے ایمان لانے والے قول کو ہی تائید ملتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ماں، باپ کے قدموں کے نیچے جنت ہے

حضرت معاویہ بن جاہمہؓ سے مروی ہے کہ بے شک جاہمہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں آپ ﷺ کے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ سے مشورہ طلب کرلوں (یعنی آپ سے

اجازت لے لوں) آپ نے فرمایا:

" هل لك من ام قال نعم قال فالزمها فان الجنة عند رجلها "

(رواه احمد ونسائی والبیهقی فی شعب الایمان، مشکواة باب البر والصلة)

کیا تمہاری ماں ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا والدہ کے پاس ہی رہو بے شک جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔

طبرانی میں اسناد جید کے ساتھ اسی روایت کے ساتھ ان الفاظ مبارکہ سے ذکر کیا گیا ہے:

" اتیت النبی ﷺ استشیره فی الجهاد فقال النبی ﷺ الك والدان ؟ قلت نعم قال الزمهما فان الجنة تحت ارجلهما "

(راوی کہتے ہیں) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ سے جہاد میں جانے کا مشورہ طلب کر لوں۔ آپ نے فرمایا کیا تمہارے والدین ہیں؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا تم ان کے پاس ہی رہو! بے شک جنت ان دونوں کے قدموں کے نیچے ہے۔

جامع الخطیب میں حضرت انسؓ سے روایت ذکر کی گئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا " الجنة تحت اقدام الامهات "۔ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

بعض روایت میں صرف ماں کا ذکر ہے اور طبرانی کی روایت میں ماں، باپ دونوں کا ذکر ہے۔ دونوں روایات سے مسئلہ یہ حاصل ہوا " ان خدمة الوالد ایضا سبب لدخول الجنة بلامرية" بے شک باپ کی خدمت بھی بلا شک وشبہ جنت کا سبب ہے۔

ابن ماجہ کی حدیث پاک زیادہ وضاحت کر رہی ہے۔ جس میں ماں، باپ دونوں کا ذکر ہے۔ حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا

" یارسول الله ماحق الوالدین علی ولدهما قال هما جنتك ونارك "

یا رسول اللہ اولاد پر والدین کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا وہ دونوں تمہارے لئے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی۔ یعنی والدین کا حق یہ ہے کہ ان کو راضی رکھا جائے یہ جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے اور ان کو ناراض رکھنے سے انسان نے دوزخ میں داخل ہونے اپنے آپ کو مستحق ٹھہرالیا ہے۔

طیبیؒ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے حکیمانہ انداز پر مختصر جواب دیا جو اپنے معانی کے لحاظ سے وسعت پر مشتمل ہے۔ یعنی اس مختصر جواب کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے فرمایا، کہ ماں، باپ کا حق یہ ہے کہ ان کی فرمان برداری کی جائے۔ ان سے احسان کیا جائے۔ ان کی نافرمانی کو چھوڑا جائے۔ یہ جنت کے سبب ہیں اور اگر ان کی فرمان برداری نہ کی جائے اور ان کے ساتھ احسان نہ کیا جائے اور ان کی نافرمانی کو نہ چھوڑا جائے تو یہ جہنم میں جانے کا ذریعہ ہیں۔

بعض روایات میں جو صرف ماں کا ذکر ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ماں کی خدمت زیادہ کرنی چاہئیے۔ کیونکہ اپنے ضعف کی وجہ سے زیادہ محتاج ہے۔ لھذا وہ خدمت کی زیادہ مستحق ہے۔

خیال رہے کہ ان احادیث میں والدین کی خدمت کو جہاد پر ترجیح دی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ جنت والدین کے قدموں کے نیچے ہے۔ لیکن دوسری حدیث میں بیان کیا ہے "انها (الجنة) تحت ظلال السيوف" بے شک جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔

(از مرقاۃ المفاتیح)

"تطبیق" (مطابقت اور موافقت) ان میں اس طرح ہوگی کہ جب اور لوگ جہاد کے لئے کافی ہوں اور کسی شخص کے والدین خدمت کے محتاج ہوں تو اس وقت والدین کے خدمت جہاد سے افضل ہے۔ جب کفار کی یلغار ہو چند حضرات سے دفاع ممکن نہ ہو تو جہاد میں حاضر ہونا فرض ہوگا۔ اس وقت جہاد افضل ہوگا۔ بنسبت والدین کی خدمت کے۔

کسی کے والدین کو گالی دینا در حقیقت اپنے والدین کو گالی دینا ہے

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من الكبائر شتم الرجل والديه قالوا يارسول الله وهل يشتم الرجل والديه قال نعم يسب ابا الرجل فيسب اباه ويسب امه فيسب امه"

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ باب البر والصلة)

کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے، صحابہ کرام نے عرض

کیا یارسول اللہ کیا کوئی شخص ایسا بھی ہے جو والدین کو گالی دیتا ہو ! آپ نے فرمایاہاں کسی شخص کے باپ کو گالی دینا حقیقت میں اپنے باپ کو گالی دینا ہے اور کسی شخص کی ماں کو گالی دینا حقیقت میں اپنی ماں کو گالی دینا ہے۔

باپ کی طرح نیکی کرنے سے انکار کرنے والی اولاد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی پ ۲۹ ع ۳ میں ہے۔

﴿ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ☆ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ☆ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ، فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ☆ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ☆ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ☆ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ☆ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ☆ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ☆ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ☆ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ☆ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ☆ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ☆ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ☆ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ☆ ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے : ہم نے انہیں جانچا جیسا اس باغ والوں کو جانچا تھا۔ جب انہوں نے قسم کھائی کہ ضرور صبح ہوتے اس کے کھیت کاٹ لیں گے اور انشاء اللہ نہ کہا، تو اس پر تیرے رب کی طرف سے ایک پھیری کرنے والا پھیرا کر گیا اور وہ سوتے تھے تو صبح رہ گیا جیسے پھل ٹوٹا ہوا۔ پھر انہوں نے صبح ہوتے ہی ایک دوسرے کو پکارا کہ تڑکے اپنی کھیتی کو چلو اگر تمہیں کاٹنی ہے۔ تو چلے اور آپس میں آہستہ آہستہ کہتے جاتے تھے کہ ہرگز آج کوئی مسکین تمہارے باغ میں آنے نہ پائے اور تڑکے چلے اپنے اس ارادہ پر قدرت سمجھتے ہوئے، پھر جب اسے دیکھا بولے۔ بے شک ہم راستہ بھک گئے۔ بلکہ ہم بے نصیب ہوئے۔ ان میں جو سب سے غنیمت تھا بولا کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ "تسبیح" کیوں نہیں کرتے ؟ بولے پاکی ہے ہمارے رب کو بے شک۔ ہم ظالم تھے۔ اب ایک دوسرے کی طرف ملامت کرتے ہوئے متوجہ ہوئے ، بولے ہائے خرابی ہماری بے شک ہم سرکش تھے امید ہے ہمیں ہمارا رب اس سے بہتر بدل دے۔ ہم اپنے رب کی طرف رغبت لاتے ہیں۔

(کنز الایمان فی ترجمة القرآن)

اہم وضاحت

رؤسائے قریش اور سرداران مکہ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت اور عداوت میں پیش پیش تھے ان کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ ہم نے انہیں فراواں دولت بخشی ہے۔ صاحب اولاد ہیں۔ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے اہل عرب ان کی دل سے عزت کرتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ ان نعمتوں کا شکرادا کرتے ۔ ہمارے نبی کی دعوت کو قبول کرتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ اس آزمائش میں پورے نہ اترے۔ اس امتحان میں ناکام ہوئے انہوں نے شرک کرنا شروع کر دیا۔ ہمارے نبی پر طرح طرح کے آوازے کسنے لگے۔ ہمارے کلام کو اساطیر الاولین (یہ تو پہلے لوگوں کے فساد ہیں) کہا، ان سے پہلے بھی کئی لوگ گذرے ہیں۔ جب ہم نے اپنے انعامات سے ان کی آزمائش کی جیسے ہم نے قریش مکہ کی قحط سالی سے آزمائش کی۔ پہلے انعامات عطا کئے پھر قحط سالی مسلط کی یہاں تک کہ وہ کفار مردار تک کھا گئے۔ اسی طرح پہلے لوگوں کی بھی آزمائش کی تھی لیکن وہ بھی ناکام ہوئے تھے۔ یعنی ان کو بھی نعمتیں عطا کر کے یکایک سلب کر لیں تھیں۔ جیسے اس مذکورہ واقعہ سے واضح ہے۔

مفسرین کرام نے بیان کیا ہے کہ یمن میں صنعاء کے قریب ایک نیک آدمی رہتا تھا۔ اس نے زمین میں باغ لگا رکھا تھا۔ وہ اس باغ سے بڑی دریا دلی سے غریبوں مسکینوں کی خدمت کیا کرتا۔ وہ فوت ہو گیا۔ اور اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑ گیا۔ بدقسمتی سے ان کے ذہن مادیت گزیدہ تھے وہ آپس میں کہنے لگے کہ والد صاحب کے زمانے میں مال بافراط (بہت زیادہ) تھا اور اخراجات برائے نام تھے۔ اب ہم تین ہیں۔ ہمارا کثیر بال بچہ ہے اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ آمدنی وہی سابقہ ہے۔ اب اس کے بغیر چارہ نہیں کہ خیرات وصدقات کا جو دروازہ ہمارے والد صاحبؒ نے کھول رکھا تھا اسے بند کر دیا جائے۔ اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی ان مفت خوروں میں نہ لٹائی جائے ورنہ افلاس و غربت کی دلدل میں پھنس جاؤ گے۔

ایک دفعہ ان کے باغ پک کر تیار ہو گیا۔ انہوں نے اس کو کاٹنے کا پروگرام بنایا۔ رات کو مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ منہ اندھیرے جائیں گے اور سویرے سویرے پھل توڑ لیں گے

انہوں نے انشاء اللہ کہنا بھی گوارہ نہ کیا۔ جن کی آنکھ پہلے کھلی انہوں نے سونے والوں کو جگایا اور جلدی جلدی اپنے باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں چپکے چپکے ایک دوسرے کو تاکید کرنے لگے کہ دیکھو آج تمہارے باغ میں کوئی غریب مسکین داخل نہ ہونے پائے۔ یہ لوگ خواہ مخواہ تنگ کرتے ہیں۔ مفت میں جھولیاں بھر کرلے جاتے ہیں۔ اس سے ہمیں بڑا نقصان ہوتا ہے۔

جب باغ کے قریب پہنچے تو وہاں منظر ہی اور تھا۔ ہرے بھرے درختوں اور پھلوں سے لدی پھدی ٹہنیوں کے بجائے سیاہ ٹنڈ منڈ دکھائی دیئے۔ جیسے کسی نے باغ کو جلا کر راکھ کر دیا ہو۔ پہلے کچھ ٹھٹکے۔ خیال گزرا ہم راہ بھول گئے ہیں۔ اور غلطی سے کسی اور جگہ پہنچ گئے ہیں۔ لیکن جب غور سے دیکھا تو چیخ نکل گئی۔ ہائے ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ ہمارا باغ برباد ہو گیا۔ ان میں سے جو قدرے سیانا تھا اس نے کہا میں تو بار بار نصیحت کرتا تھا کہ اللہ عزوجل کی حمد و تسبیح کرو۔ اس کے دیئے ہوئے رزق میں سے غریبوں اور مسکینوں کو خوشی خوشی ان کا حق دو۔ لیکن تم نے میری ایک نہ مانی۔ اب چکھو اپنے کئے کا مزہ۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تیرے غلط مشورے نے ہمیں اس انجام سے دوچار کیا۔ آخر کار ان سب نے اعتراف کیا کہ ہم سے خطاء ہوئی اور ہم حد سے متجاوز ہو گئے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر نہ کیا اور باپ دادا کے نیک طریقہ کو چھوڑا۔ اب ہم اس کے عفو و کرم کی امید رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے صدق و اخلاص سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے عوض اس سے بہتر باغ عطا فرمایا۔ جس کا نام "حَیَوَان" تھا۔ پہلے ان کا جو باغ برباد ہو گیا تھا اس کا نام "ضروان" تھا۔

(خزائن العرفان از مولانا نعیم الدین مرادابادی و تفسیر ضیاء القرآن)

اس واقعہ سے حاصل ہونیوالے فوائد:

☆ باپ، دادا کی نیکی کی راہ کو چھوڑ کر مادیت پرستی نقصان کا سبب ہے۔
☆ آنے والے واقعہ کے متعلق کہنا کہ میں یہ کروں گا۔ انشاء اللہ نہ کہنا۔ خسارہ کا ذریعہ ہے۔
☆ صدقہ و خیرات سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مال میں اپنے فضل سے

زیادتی کرتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے گریز کرنے سے مال میں زوال اور تباہی و بربادی ہوتی ہے۔

☆ اپنے عقل پر ناز کرنا اور اللہ تعالیٰ پر توکل نہ کرنا۔ انسان کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔

☆ قدرت کی لاٹھی بے آواز ہے۔ اس کا ایسا عذاب آتا ہے جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

☆ انسان جب غلطی کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لے تو اللہ تعالیٰ اس پر مہربانی فرماتا ہے اور اسے اپنی نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے۔

☆ بندہ جب بار بار اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو کہتا ہے ۔اے میرے فرشتو! گواہ بن جاؤ میں اپنے بندے کے قصور معاف کر رہا ہوں۔ کیونکہ میرا بندہ میری طرف رجوع کر رہا ہے۔ اس کے میرے بغیر کوئی نہیں اس لئے مجھے اپنے بندہ سے شرم آتی ہے کہ وہ بار بار مجھے معافی طلب کرے تو میں اسے معاف نہ کروں۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

کرم بیں ولطف خداوند گار ☆ گناہ بندہ کردست واو شرمسار

اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم دیکھ کہ گناہ بندہ کرتا ہے اور شرم اسے آتی ہے۔

جب فوائد میں یہ بات حاصل ہوئی کہ صدقہ و خیرات سے برکت اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے تو اس پر ایک حدیث شریف کی طرف توجہ فرمائیں کہ رب تعالیٰ کیسے بندے پر مہربانی فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ایک شخص ایک جنگل میں تھا کہ اس نے ایک آواز سنی کہ بادل کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تو فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر۔ اس بادل نے اس طرف کا ارادہ کیا۔ ایک سیاہ سنگریزوں والی زمین پر جا کر وہ برسا۔

یہاں تک کہ پانی کی نالیوں میں سے ایک نالی پانی سے بھر گئی۔ پانی اس کا بہنے لگا۔ وہ آواز سننے والا شخص اس پانی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا کہ یہ پانی کہاں جاتا ہے؟ پس اس شخص نے ایک شخص کو باغ میں کھڑا دیکھا۔ جو اپنی کسی یعنی کندال سے پانی کا رخ اپنے باغ کی طرف پھیر رہا ہے۔ پانی کے ساتھ چلنے والے شخص نے اس سے پوچھا کہ اے اللہ کے بندے تمہارا نام کیا ہے اس نے اپنا نام بتایا یہ وہی نام تھا جو اس شخص نے بادل سے سنا تھا۔ اب اس شخص نے کہا کہ تم نے میرا نام کیوں پوچھا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے بادل میں سے جس کا یہ پانی ہے ایک آواز سنی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو۔ وہ نام (میں نے سنا تھا) تمہارا ہی تھا۔ اس میں تم کیا کرتے ہو (یعنی اس باغ کو سیراب کرنے کا بادل کو حکم ملنے کی وجہ کیا ہے) اس شخص نے کہا جب تم نے پوچھا ہی ہے تو میں تمہیں بتاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اس باغ کی پیداوار یعنی آمدنی کو میں تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک حصہ (غرباء و مساکین، بیوہ، یتیموں پر) صدقہ کر دیتا ہوں۔ اور ایک حصہ میں اور میرے اہل و عیال کھا لیتے ہیں اور ایک حصہ اس باغ پر ہی خرچ کر دیتا ہوں۔

(مسلم شریف ج ۲ کتاب الزھد)

حدیث پاک سے فائدہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا اسی کی رحمت کا سبب ہے۔ جس سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک حدیث پاک حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے آپ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الساعی علی الارملة والمسکین کا لمجاھد فی سبیل اللہ .

(مسلم شریف ج ۲ کتاب الزھد)

بیوہ اور مسکین کی امداد کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو۔

حضرت عثمانؓ نے مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا تو بعض لوگوں نے اسے ناپسند فرمایا۔ ان کو مسجد کا پہلے حال میں رہنا پسند تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

"سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من بنیٰ مسجداً للہ بنی اللہ لہ فی الجنة مثلہ"

(مسلم شریف ج ۲ کتاب الزھد)

میں نے نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی سنا، آپ نے فرمایا کہ جس شخص اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنی شہادت انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا خواہ اس کا اپنا ہو یا غیر اس طرح جنت میں ہوں گے یعنی یتیم کی کفالت کرنے والا خواہ اس کا دادا ہو یا ماں، دادی، نانی ہو یا بہن ہو یا بھائی، چچا ہو یا ماموں، پھوپھی ہو یا خالہ یا اور کوئی رشتہ دار ہو، خواہ کوئی اجنبی ہی ہو، اس شخص کو جنت میں میرا قرب حاصل ہو گا۔

امانت میں خیانت کرنے والوں کا حال

نبی کریم ﷺ کا معراج کی رات ایسے لوگوں پر گذر ہوا کہ جنھوں نے اپنی پیٹھوں پر بہت سا بوجھ اٹھا رکھا ہے یہاں تک کہ وہ لوگ بوجھ کی وجہ سے ہلنے جلنے کی طاقت نہیں رکھتے، مگر پھر بھی وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہاں اور بوجھ ہماری پیٹھ پر رکھ دو۔ اس طرح ان کے کہنے پر اور بوجھ رکھ دیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں جو امانت میں خیانت کرتے تھے، پہلے بھی ان کے ذمہ لوگوں کے حقوق ہوتے لیکن پھر یہ اپنے ذمہ اور حقوق لوگوں کے لے لیتے یعنی کسی کا حق بھی ادا نہیں کرتے تھے۔

(معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۳٤)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾
(پ ۹ ۱۷)

اے ایمان والو اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں۔

اگرچہ آیت کریمہ کا نزول ایک خاص واقعہ پر ہوا لیکن حکم عام ہے ہر قسم کی امانت میں خیانت کرنے سے منع کیا گیا ہے فرائض کو چھوڑ دینا اللہ تعالےٰ سے خیانت کرنا ہے اور سنت کا ترک کرنا رسول اللہ ﷺ سے۔

شانِ نزول

یہ آیت کریمہ ابو لبابہ ہارون بن عبد المنذر انصاری کے حق میں نازل ہوئی، واقعہ یہ تھا کہ رسول کریم ﷺ نے یہود بنی قریظہ کا دو ہفتے سے زیادہ عرصہ تک محاصرہ فرمایا، وہ اس محاصرہ سے تنگ آگئے اور ان کے دل خائف ہو گئے، تو ان سے ان کے سردار کعب بن اسد نے یہ کہا کہ اب تین شکلیں ہیں۔ یا تو اس شخص یعنی سید عالم ﷺ کی تصدیق کرو، اور ان کی بیعت کر لو۔ کیونکہ قسم بخدا وہ نبی مرسل ہیں۔ یہ ظاہر ہو چکا اور یہ وہی رسول ہیں جن کا ذکر تماری کتاب میں ہے، ان پر ایمان لے آئے تو جان، مال، اھل و اولاد سب محفوظ رہیں گے، مگر اس بات کو قوم نے نہ مانا تو کعب نے دوسری شکل پیش کی اور کہا کہ تم اسے اگر نہیں مانتے تو آؤ پہلے ہم اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں پھر تلوار کھینچ کر محمد (مصطفےٰ ﷺ) اور اس کے اصحاب کے مقابل آئیں کہ اگر ہم اس مقابلہ میں ہلاک بھی ہو جائیں تو ہمارے ساتھ اپنے اھل و اولاد کا غم نہ رہے۔

اس پر قوم نے کہا کہ اھل و اولاد کے بعد جینا ہی کس کام کا۔ تو کعب نے کہا کہ یہ بھی منظور نہیں ہے تو سید عالم ﷺ سے صلح کی درخواست کرو، شاید اس میں کوئی بہتری کی صورت نکلے، تو انہوں نے حضور سے صلح کی درخواست کی، لیکن حضور نے منظور نہ فرمایا سوائے اس کے کہ اپنے حق میں سعد بن معاذ کے فیصلہ کو منظور کریں، اس پر انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ابو لبابہ کو بھیج دیجئے۔ کیونکہ ابو لبابہ سے ان کے تعلقات تھے اور ابو لبابہ کا مال اور ان کی اولاد اور ان کے عیال سب بنی قریظہ کے پاس تھے، حضور نے ابو لبابہ کو بھیج دیا۔

بنو قریظہ نے ان سے رائے دریافت کی کہ کیا ہم سعد بن معاذ کا فیصلہ منظور کر لیں کہ جو کچھ وہ ہمارے حق میں فیصلہ دیں وہ ہمیں قبول ہو۔ ابو لبابہ نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ یہ تو گلے کٹوانے کی بات ہے، ابو لبابہ کہتے ہیں کہ میرے قدم اپنی جگہ سے ہٹنے نہ پائے تھے کہ میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت واقع ہوئی۔ یہ سوچ کر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں تو نہ آئے، سیدھے مسجد شریف پہنچے اور مسجد کے ایک ستون سے اپنے آپ کو

بندھوا لیا۔ اور اللہ کی قسم کھائی کہ نہ کچھ کھائیں گے نہ پئیں گے یہاں تک کہ مر جائیں گے، یا اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے۔ وقتاً فوقتاً ان کی بیوی آکر انہیں نمازوں کے لئے اور انسانی حاجتوں کے لئے کھول دیا کرتی تھیں اور پھر باندھ دیئے جاتے تھے۔ حضور کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ ابو لبابہ میرے پاس آتے تو میں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتا، لیکن جب انہوں نے یہ کیا ہے تو میں انہیں نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہ کرے۔

وہ سات روز بندھے رہے، نہ کچھ کھایا نہ پیا یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔ صحابہ نے انہیں توبہ قبول ہونے کی بشارت دی تو انہوں نے کہا میں خدا کی قسم نہ کھلوں گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ مجھے خود نہ کھولیں۔ تو حضور ﷺ نے انہیں اپنے دست مبارک سے کھول دیا۔

(خزائن العرفان)

یاد رہے کہ:

امانت میں خیانت کرنے کو نبی اکرم ﷺ نے "منافقت" کی علامت کہا ہے۔



شراب پینے اور جواء کھیلنے والوں کا انجام

نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات، ایسی قوم کو دیکھا جن کے چہرے کالے اور آنکھیں ان کی نیلی تھیں ۔ان کا نیچے والا ہونٹ پاؤں پر لٹک رہا ہے اور اوپر والا ہونٹ سر کے اوپر جارہا ہے، دوزخ کی آگ سخت گرم کیا ہوا زردپانی آگ کے پیالوں میں پلایا جارہا ہے، یہاں تک کہ پیپ اور خون ان کے منہ سے ٹپک رہا ہے، گدھے کی طرح وہ ہینگ رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں شراب پیتے تھے۔

(اخبار القرآن ۔ ٢٦٢)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَآ اَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ☆اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ☆ ﴾

اے ایمان والو ، یہ شراب جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں ، شیطان کی کارستانیاں ہیں۔ سو بچو ان سے تا کہ تم فلاح پاجاؤ۔ یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعہ اور روک دے تمہیں یادِالٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو۔

شراب اور جوا کی وجہ سے شیطان انسانوں میں بغض وعداوت پیدا کرتا ہے اور نماز اور اللہ کے ذکر سے روکتا ہے ؛ کیونکہ شیطان انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ سب لوگ مل کر شراب پئیں گے تو آپس میں الفت و محبت پیدا ہوگی، لیکن حقیقت میں شراب سے عقل زائل ہو جاتی ہے ، جب عقل زائل ہو جاتی ہے تو شہوت اور غضب کا غلبہ ہو جاتا ہے کیونکہ عقل کی مدافعت ختم ہو جاتی ہے۔ عقل ہو تو قوت شہوانی اور غضبانی کو دور کرتی ہے ، جس پر شہوت اور غیظ و غضب کا غلبہ ہو جاتا ہے تو ان لوگوں کے درمیان جھگڑا وفساد شروع ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے نتیجہ مارکٹائی، قتل و غارت، دنگا و فساد، گالی گلوچ ہوتا ہے۔

یعنی ابتداء شیطانی وسوسہ کے مطابق الفت و محبت سے ہوتی ہے لیکن انتہاء اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق بغض وعداوت پر مرتب ہوتی ہے۔

"شراب" نماز سے روکتی ہے کیونکہ انسان جب شراب پینے سے لذات نفسانیہ حاصل کر کے نشہ میں مخمور ہو جاتا ہے تو ایسی غفلت اس پر طاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ نمازوں اور اللہ کے ذکر سے دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح "جوا" بھی انسانوں میں بغض وعداوت پیدا کرتا ہے کیونکہ جوا باز جب غالب آجاتا ہے تو اس وقت وہ بڑا فیاض نظر آتا ہے کیونکہ مال اس کے ہاتھ میں مفت آتا ہے اس لئے اسے مال کی قدر نہیں ہوتی کبھی دعوتیں کی جارہی ہیں کبھی ادھر مال لٹایا جارہا ہے، کبھی ادھر پانی کی طرح بہایا جارہا ہے، پھر جب ہار جاتا ہے تو اس امید پر دوبارہ جوا کی بازی لگا دیتا ہے کہ اس دفعہ جیت جاؤں گا۔ کبھی کبھی دوسری مرتبہ جیت جاتا ہے، لیکن پھر ہار جاتا ہے۔ پھر اسی امید پر شروع کرتا ہے لیکن کئی مرتبہ ہارتا چلا جاتا ہے۔ مال ختم ہو جاتا ہے۔ اب اتنی طاقت بھی نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے جوا بازوں کو ہارا ہوا مال بھی دے سکے اب ان کا ہاتھ اس کے گریبان اور داڑھی میں پڑتا ہے، بلکہ اس کی اھل وعیال کو بھی ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اب نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ جوا باز بعض اوقات اپنی زوجہ کو بھی بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

کسی جرم کے مرتکب کو زوجہ بیچتے ہوئے نہیں دیکھو گے، لیکن جوا باز اس فعل کا مرتکب نظر آئے گا اب ہارا ہوا جب خود ذلیل ہوتا ہے تو دوسروں سے لڑتا ہے۔ یہ مال دیتا نہیں وہ مانگتے ہیں اور اسے تنگ کرتے ہیں، اسی طرح ان میں بغض و فساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہیں۔

(از تفسیر کبیر)

"جوا" نماز اور اللہ کے ذکر سے روکتا ہے، کیونکہ جب جوا باز غالب ہو جاتا ہے تو اپنی جیت پر بہت خوش ہوتا ہے اس کے نفس پر خوشی کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وہ جسمانی لذات میں اس طرح مستغرق (ڈوب جاتا ہے) ہو جاتا ہے۔ کہ اسے نمازوں کا یا اللہ تعالیٰ کے ذکر کا خیال ہی نہیں رہتا۔ اور جب وہ ہار جاتا ہے تو بہت پریشان ہو جاتا ہے، اسے جہان تاریک نظر آتا ہے، اب وہ ڈر کے مارے کہ غالب ہونے والے مجھ سے مال طلب کریں گے، مجھے ذلیل و خوار کریں گے، نمازوں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے۔

جوا باز لوگوں میں لڑائی، جھوٹی قسمیں، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دوری پائی جاتی ہے، ان کا رعب و دبدبہ ختم ہو جاتا ہے۔ طاقت ایمانی دور ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جوا کے زہریلے اثرات ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتے ہیں ان کی شان و شوکت کے غبارہ سے ہوا نکل جاتی ہے۔ جوا کی برائی کا ایسا اثر ان کے ذہن پر ہوتا ہے کہ ان کی سمجھ جواب دے جاتی ہے۔ ان کی عقل حیرانی و پریشانی میں مبتلاء ہو جاتی ہے دل ان کا مردہ ہو جاتا ہے۔ اور ان کا نامہء اعمال سیاہ ہو جاتا ہے۔

(ماخوذ از روح المعانی انداز اپنا)

تنبیه :

آج کل کے شرابی چاہتے یہ ہیں کہ ہم شراب پیتے بھی رہیں لیکن کوئی یہ بھی نہ کہے کہ "شراب حرام" ہے۔ اب ان کو یوں کہتے سنا جاتا ہے کہ قرآن پاک میں شراب کو حرام نہیں کہا گیا ہے، کیونکہ شراب کی ممانعت جہاں پائی جاتی ہے وہاں لفظ "حرام" کا ذکر نہیں۔

ایسے عقل کے اندھوں کو آسان جواب تو یہ ہے کہ قرآن پاک میں پیشاب پینے کو بھی کہیں حرام نہیں کہا گیا لہذا چاہئیے یہ کہ وہ پیشاب بھی پی کر ذرا لوگوں کو تماشا دکھادیں۔ تاہم پھر بھی علامہ رازیؒ نے اسی آیت کریمہ سے حرمت ثابت کرنے پر کئی دلیلیں قائم کی ہیں۔ ان کو دیکھنے، سننے، پڑھنے کے بعد کوئی نہ تسلیم کرے تو اس کا کوئی علاج نہیں ابو جہل اور ابو لہب جیسے لوگ براہ راست نبی کریم ﷺ کے کمالات و معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے انہوں نے یہی تو کہا تھا کہ عقل نہیں مانتا کہ ہم اپنے آباؤاجداد کے دین کو چھوڑ دیں۔

علامہ رازی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ شراب کے حرام ہونے پر کئی وجہ سے دلالت کر رہی ہے۔

(۱) اس آیۃ کریمہ کو اللہ تعالیٰ نے لفظ "انما" سے شروع فرمایا جو عربی گرائمر میں کلمہء حصر کہلاتا ہے یعنی کسی چیز کو کسی میں بند کرنا ہو تو اس لفظ کو لایا جاتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ یہی چیزیں تو ناپاک اور شیطانی عمل ہیں۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ناپاک اور شیطانی عمل کہا ہو وہ کبھی

پاک اور رحمانی عمل نہیں ہو سکتی۔ سب پلید چیزیں حرام ہیں کوئی حلال نہیں لیکن پاک چیزیں کئی حلال ہیں اور کئی حرام ہیں ۔ جیسے مٹی پاک ہے بلکہ اس سے جب تیمّم کیا جائے تو پاک کرتی بھی ہے لیکن مٹی کا کھانا حرام ہے ۔ لیکن کسی پلید چیز کی مثال نہیں دی جا سکتی جو حرام نہ ہو، جب شراب ناپاک ہے تو حرام بھی یقیناً ہے۔

خیال رہے کہ حرام سمجھتے ہوئے شراب پینا " گناہ کبیرہ " ہے، لیکن اگر شراب پینے کو حلال بھی سمجھ لیا جائے تو یہ " کفر " ہے۔

(۲) دوسری وجہ جو شراب کے حرام ہونے پر دلالت کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " فاجتنبوه "اس سے اجتناب کرو، یہ امر ہے، امر وجوب کے لئے آتا ہے، لہذا شراب سے اجتناب کرنا واجب ہو گیا، واجب پر عمل نہ کرنا یعنی شراب سے نہ بچنا حرام ہے۔

(۳) تیسری وجہ کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھا جائے کہ لفظ " فلاح " کا معنی کامیابی ہے اس کا مد مقابل لفظ "خيبة" استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ہے خسارہ، رسوائی، ذلت۔

انسان کو فلاح حاصل ہو گی کہ اسے رب تعالیٰ کی رضا مندی، بخشش، جنت حاصل ہو گی، لیکن خیبت یعنی رسوائی اور خسارہ حاصل ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے وہ شخص عذاب کا مستحق ہوتا ہے اور جہنم کا ایندھن بنے گا سوائے اس کے کہ اس کی کسی طرح بخشش ہو جائے اب یہ سمجھا جائے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا " لعلکم تفلحون " یعنی شراب سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ، جب کامیابی کی دار و مدار اجتناب پر ہے تو اجتناب نہ کرنے سے خيبة یعنی خسارہ ورسوائی حاصل ہو گئی، یہ عذاب بغیر حرام چیز کے حاصل کرنے کے نہیں ہو گا۔

(۴) چوتھی وجہ شراب کی حرمت پر دلالت کرنے والی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب پینے والوں کو بت پرستوں کی طرح کہا ہے، کیونکہ دونوں کو ایک جگہ ذکر کیا ہے اور حکم دونوں کا ایک بیان کیا ہے، تو اس سے کہ جب بت پرستی حرام کام ہے تو شراب نوشی بھی حرام ہے۔

(۵) پانچویں وجہ جس سے پتہ چل رہا ہے کہ شراب حرام ہے وہ یہ ہے کہ شراب سے بہت سے دینی اور دنیاوی فسادات پیدا ہوتے ہیں، ہر وہ چیز جو دینی اور دنیاوی مقاصد کا ذریعہ ہو وہ حرام ہے، شراب سے دشمنی اور لوگوں کے درمیان بغض و عناد پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دوری حاصل ہوتی ہے اور نماز ادا کرنے سے وہ شخص اعراض کر لیتا ہے، لہذا اتنے مفاسد کا ذریعہ بننے والی چیز حرام نہ ہو۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ کاش کہ لوگ دین کا کامل علم حاصل کریں۔

(۶) چھٹی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ فَهَلْ أَنْتُم مُّنْتَهُوْنَ ﴾ کیا تم رکنے والے ہو، اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شراب سے پیدا ہونے والی خرابیوں، گناہوں کا ذکر کیا ہے، پھر یہ فرمایا کہ کیا تم رکنے والے ہو تو مطلب یہ ہوا کہ اگر تم نے شراب کو حرام سمجھا اور خرابیوں، فسادات، گناہوں کی جڑ سمجھا تو ضرور رکو گے۔ اور اگر تم اسے حرام نہ سمجھا تو ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے ہڑپ کر جاؤ گے۔ یعنی اگر تمہیں میری نصیحت کا اثر ہوا اور تم نے مانا تو شراب سے اس وقت اجتناب کرو گے اور اگر تم نے میری نصیحت کو تسلیم نہ کیا تو غلط مقاصد نکالتے رہو گے، اور شراب کو حرام نہ سمجھ کر پینے سے صرف گناہ کبیرہ کے مرتکب ہی نہیں ہو گے بلکہ کافر بھی ہو جاؤ گے۔

(۷) ساتویں وجہ جس سے پتہ چل رہا ہے کہ شراب حرام ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے سے اجتناب کا حکم دینے کے بعد فرمایا:

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ﴾

اور اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور پرہیز کرو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے سے پرہیز کرو اور حرام نہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہو گی اور ان کے حکم کی مخالفت ہو گی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کا انجام خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس طرح فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ (۱۰ پ ۹ ۱۶)

اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾

پس اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سخت الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کو مان لے شراب اور جوئے کو حرام سمجھ کر اجتناب کرلے تو اس کا اپنا فائدہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو ماننے سے اعراض کرلے تو اس کے رسول ﷺ کا کام تو اتنا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم لوگوں تک واضح طور پر پہنچادیں۔ کوئی مانے تو بہتر، نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا، اللہ تعالیٰ کی گرفت (پکڑ) بہت سخت ہے۔

(کبیر بالوضاحت)

اب ان آٹھ دلائل کے بیان کے بعد بھی کوئی شخص شراب کو حلال سمجھتا رہے تو دلائل اور بیان میں کوئی کمی نہیں ہوگی، البتہ اس شخص کا دل سیاہ ہوگا جو اثر قبول نہیں کر رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی لیکن قوم ایمان نہ لائی تو آخر کار تنگ آکر ان کے لئے دعاء ہلاکت فرمائی۔ علمائے کرام کی تبلیغ کا اثر لوگوں کے سیاہ دلوں کی وجہ سے نہ ہو تو تبلیغ میں کمی نہیں بلکہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، سینما گھروں، بدکردار حکام، بد معاش تلنگے ممبران کے اثرات کے ثمرات ہیں۔

شراب کے متعلق حضرت علیؓ کا تقویٰ

حضرت علیؓ اپنے تقویٰ کے پیش نظر فرماتے ہیں :

" لووقعت قطرة فی بئر فبنيت مكانها منارة لم اؤذن عليها ولو وقعت فی بحر ثم جفت و نبت فيها الكلاء لم ارعه "

(مدارك پ ۲ بتفسير انما الخمر والميسر)

اگر شراب کا ایک قطرہ کسی کنویں میں گر جائے اور (اسے بند کر کے) اس کی جگہ ایک منارہ تعمیر کر لیا جائے میں اس پر اذان نہیں دوں گا۔ اور اگر کسی دریا یا سمندر میں شراب کا ایک قطرہ

گر جائے پھر وہ خشک ہو جائے اور اس میں گھاس پیدا ہو جائے تو وہ گھاس میں جانوروں کو نہیں چراؤں گا۔

سبحان اللہ ! حضرت علیؓ کے اس تقویٰ کو سمجھنے کے بعد کون سا وہ احمق ہو گا جو شراب کو حلال کہے گا ۔ محبت علیؓ کا دعویٰ پھر شراب، بھنگ یا چرس۔ یہ عقل سے دور ہے، محبت کا تو تقاضا ہی یہ ہے کہ محبوب کی اداء کو پسند کیا جائے، اس کی خوبیوں کو اپنایا جائے، لیکن افسوس! کہ معاملہ بالکل الٹ نظر آتا ہے، اب تو ارتکاب جرم کے وقت "محبت علی" کے یہ جھوٹے دعویدار آپ کو یاد کرتے ہیں۔

مقامِ توجہ

میرا سکول کا ایک ساتھی یعنی کلاس فیلو طالب حسین شاہ آف ملو کال اہل تشیع سے ہے وہ بہت عرصہ بس کا کنڈیکٹر رہا (اب معلوم نہیں کیا کرتا ہے) راولپنڈی سے چکری چلنے والی بسوں کے ساتھ ہوتا تھا، میں نے خود اکثر طور پر اسے دیکھا کہ رمضان شریف میں بس کے دروازے کے ساتھ لٹکتے ہوئے روزہ توڑنے کے لئے منہ میں کوئی پھل وغیرہ ڈالتے ہوئے کہتا "جانے یا علی" اسی طرح سگریٹ سے تمباکو نکال کر اس میں کوئی نشہ آور چیز ملا کر پھر دوبارہ سگریٹ کو تمباکو سے بھر کر کش لگاتے وقت کہتا "جانے یا علی" ۔

خدا را ! انصاف کیجئے۔ ایسا شخص بھی محبت علی کے دعویٰ میں سچا ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ تو جرم کا ارتکاب ہے، کیونکہ ادھر روزہ توڑنا اور نشہ والی چیز کا استعمال کرنا اسی طرح حرام کام کے ارتکاب کے وقت حضرت علیؓ کے مبارک نام کا ذکر کے ان کی توہین کرنا یہ تو انسانیت سے بھی دور ہوتا ہے۔

"بھنگ" کا گھوٹہ لگا کر گلاس پہ گلاس چڑھا کر، چرس کا کش لگا کر علی، علی کا نعرہ لگانا، "نام علی" کی گستاخی شان علی کی توہین ہے۔ ایسا شخص "محبِّ ابلیس" تو ہو سکتا ہے "محبِّ علی" کبھی نہیں ہو سکتا ہے۔

﴿ یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسَرُ ﴾

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے، مفکر اسلام مفسر قرآن حضرت پیر کرم شاہ صاحب بھیروی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں۔

عرب میں شراب کا عام رواج تھا گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ سب اس کے متوالے تھے، شراب جو ان گنت جسمانی اور روحانی بیماریوں کا سبب، اخلاقی اور معاشی خرابیوں کی جڑ اور فتنہ و فساد کی علت ہے اسلام کے پاکیزہ نظام حیات میں اس کی کیوں کر گنجائش ہو سکتی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اسے قطعی حرام کر دیا، لیکن حرمت کا حکم آہستہ آہستہ اور تدریجاً نازل ہوا تاکہ لوگوں کو اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔

چنانچہ سورۃ بقرہ میں تو اتنا کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ ﴿ فِیْھِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ﴾ ان دونوں (شراب اور جوئے) مین بہت بڑا گناہ ہے اور (بظاہر) لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں کہ اس کے کچھ عرصہ بعد یہ آیت نازل ہوئی ﴿ وَلاَ تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی ﴾ کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو، یہ آیات اسی آخری حکم کا پیش خیمہ تھیں اگرچہ شراب کی حرمت کا صراحۃً ان میں ذکر نہ تھا لیکن کئی سلیم طبیعتوں نے اس وقت ہی شراب چھوڑ دی تھی، حضرت فاروق اعظمؓ بارگاہ الٰہی میں اس کی قطعی حرمت کے لئے التجائیں کیا کرتے عرض کرتے ۔

" اللھم بین لنا بیانا شافیا "(اے اللہ ہمارے لئے شراب کا کامل فیصلہ فرمادے)

اس اثناء میں چند ایسے واقعات بھی رونما ہوئے جس سے شراب پینے کے مفاسد اور نقصانات کا صحابہ کرام کو زیادہ سے زیادہ احساس ہونے لگا۔ جب ایمان پختہ ہو گئے، تعلیمات اسلامیہ قلب و روح کی۔

مسئلہ :- نشہ آور اور خشک چیزیں جیسے ؛افیون، بھنگ، چرس وغیرہ نجس نہیں پاک ہیں تاحدِ نشہ انہیں کھانا حرام ہے، اگر نشہ نہ دیں جیسے کہ دوا وغیرہ میں اطباء استعمال کرائیں تو حرام نہیں، بہت سی معجونوں میں افیون پڑتی ہے اور اطباء بیماروں کو استعمال کراتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی)

حکایت

ایک مسلمان بادشاہ کے دربار میں محفل شراب منعقد تھی، وزراء، ارکان اسمبلی، ارکان سینٹ، چمچے، کڑچھے، العوام کالانعام، جیالیاں سبھی جوق در جوق اس محفل شراب یعنی "گرینڈ کلچرل شو" میں شریک تھے، جام شراب نوش کر رہے تھے، گلاس پہ گلاس چڑھائے جا رہے تھے، جیالے اور جیالیاں بہت مسرور ہو رہے تھے، نشہ سے مخمور دنیا سے بے خبر اور خدا سے دور تھے۔ شاہی محل کے باہر ایک مسلمان تھا جو محفل شراب میں شریک نہیں تھا، ایک عیسائی نے اس سے کہا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم شراب کیوں پیتے ہو اور خنزیر (سور) کا گوشت نہیں کھاتے۔ حالانکہ تمہاری شریعت میں یہ دونوں چیزیں ایک جیسی حرام ہیں۔

اس شخص نے کہا یہ سوال ان سے کرو جو شراب پیتے ہیں میں تو نہیں پیتا۔ اس عیسائی نے کہا اس کا جواب میں خود ہی دے دیتا ہوں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر خنزیر کا گوشت حرام کر کے اس کے بدلے اور نفیس گوشت بکرے وغیرہ کے حلال کر دیئے تم نے کہا چلو یہاں جب اور نفیس گوشت حلال ہیں تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہی مان لیتے ہیں۔ خنزیر کا گوشت نہیں کھاتے، بکرے کا کھالیں گے، لیکن شراب حرام کر کے اس کے بدلے تمہیں کوئی ایسا نشہ آور مشروب حلال کر کے نہیں دیا گیا تو تم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تو ہم نہیں مانتے، شراب چھوڑ کر اور نشہ والی کون سی چیز پیئیں گے۔

(ماخوذ از نفحة الیمن، انداز اپنا)



مسلمانوں کو ناحق قتل کرنے والے

نبی کریم ﷺ کا معراج کی رات ایسی قوم پر گذر ہوا جن کو فرشتے آگ کی چھریوں سے ذبح کر رہے ہیں۔ ان کے گلے سے سیاہ خون جاری ہوتا ہے۔ پھر ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے، پھر ذبح کر دئے جاتے ہیں یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے، نبی کریم ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں تو جبرائیل امین نے عرض کیا رسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کو ناحق قتل کرتے تھے

(ریاض الازھار ص ۳۴۱)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَن يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴾

(پ ۵ ۱۳)

اور جو قتل کرے کسی مومن کو جان کر (ارادۃً) پس سزا اس کی دوزخ ہے بہت رہے گا اس میں اور اللہ کا غضب ہے اس پر اور لعنت کی اس نے اور تیار کیا اس کے لئے عذاب بڑا۔

قاتل کے بارے میں ارشادات نبوی

مسند احمد اور نسائی میں حضرت امیر معاویہؓ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے،

"کل ذنب عسی اللہ تعالیٰ ان یغفرہ الاالرجل یموت کافرا اوالرجل یقتل مؤمنا متعمدا"

اللہ تعالیٰ (اپنے فضل سے) جس گناہ کو معاف کرنے کا ارادہ فرمائے گا اسے معاف کر دے گا لیکن جس شخص کی موت کفر پر آئی یا اس نے کسی مومن کو ناحق قتل کیا ہوگا انہیں معاف نہیں فرمائے گا۔

بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت بیان کی آپ کہتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"من اعان علی دم امرء مسلم بشطر کلمۃ کتب بین عینیہ یوم القیامۃ آیس من رحمۃ اللہ تعالیٰ"

جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں (قاتل کی) ایک معمولی سے کلمہ سے بھی امداد کی تو قیامت کے دن اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا "آیس من رحمۃ اللّٰہ" اللہ کی رحمت سے ناامید۔

ابن عدی اور بیہقی نے حضرت براء بن عازبؓ سے روایت بیان کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" لزوال الدنیا و ما فیھا اھون عنداللہ تعالیٰ من قتل مؤمن ولو ان اھل سمواتہ واھل ارضہ اشترکوا فی دم مومن لادخلھم اللہ تعالیٰ النار"

دنیا اور اس کی تمام چیزوں کا زائل ہو جانا اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی ایک مومن کے قتل کئے جانے سے خفیف ہے، اگر تمام ہی زمین و آسمان والے کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو تمام کو اللہ تعالیٰ جھنم میں داخل کر دے۔

(تفسیر روح المعانی)

حضرت ابو بکرہؓ سے مروی ہے آپ نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

" اذا تواجہ المسلمان بسیفھما فالقاتل والمقتول فی النار قال فقلت او قیل یا رسول اللہ ھذا القاتل فما بال المقتول قال انہ قد اراد قتل صاحبہ "

-(مسلم جلد ثانی کتاب الفتن)

جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے کے سامنے آجاتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جھنم میں جائیں گے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ یہ تو قاتل ہے مقتول کا کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

حدیث شریف کا مضمون بہت واضح ہے کہ جب مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے بر سر پیکار ہوں، ناحق ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے تلواریں، کلا نکوف لے کر آمنے سامنے آجائیں، ہر ایک کی خواہش ہو کہ میں اسے قتل کر دوں تو ایسی صورت حال میں قتل کرنے والے اور قتل ہونے والے سبھی دوزخی ہوں گے کیونکہ قتل کرنے والے نے تو قتل کر دیا ہے لیکن اگر قتل ہونے والے کا داؤ بھی چلتا تو وہ دوسرے کو قتل کرتا، مقاصد دونوں کے ایک تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" والذی نفسی بیده لاتذهب الدنیا حتی یاتی علی الناس یوم لا یدری القاتل فی ای شئی قتل ولا یدری المقتول علی ای شئی قُتل "

(مسلم کتاب الفتن)

قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس وقت تک دنیا ختم نہیں ہو گی یہاں تک کہ لوگوں پر وہ وقت آجائے گا کہ قاتل کو معلوم نہیں ہوگا کہ میں کس وجہ سے اس شخص کو قتل کر رہا ہوں اور مقتول کو معلوم نہیں ہوگا کہ مجھے کیوں قتل کیا جا رہا ہے۔

اس حدیث پاک کو پڑھنے کے بعد انسان آج کے حالات کو دیکھے تو کوئی صاحب ایمان نبی کریم ﷺ کی اس غیبی خبر کا انکار نہیں کر سکتا، سبحان اللہ کیا شان ہے میرے پیارے مصطفے ﷺ کی کہ کئی صدیوں بعد رونما ہونے والے واقعات کی خبر پہلے ہی دے دی، آج ہر طرف قتل وغارت کا بازار گرم ہے مساجد محفوظ نہیں۔ گھر محفوظ نہیں، دوکانیں محفوظ نہیں۔ کبھی مذہب کے نام پر قتل وغارت کا ارتکاب کر کے دین سے بیزاری کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے، تو کبھی حاکم سیاسی انتقام کی خاطر شرفاء کو قتل کراتے ہیں، اور کبھی عوام ان سے تنگ آکر تحریک کی صورت میں آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔ کبھی لوگوں کی جان ومال کے محافظ یعنی پولیس والے خود ہی چور اور ڈاکو بن کر لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ کیا ان حالات کے بعد کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد صادق نہیں آیا ؟

قتل کی اقسام اور ان کے احکام :

قتل کی پانچ قسمیں ہیں۔

عمدً۔ شبہٗ عمد۔ خطاء۔ قائم مقام بخطاء۔ قتل بسبب۔

قتلِ عمد :- جو ارادۃً کسی تیز دھار آلہ سے قتل کیا جائے یعنی جو ہتھیار عام طور پر قتل کیلئے استعمال ہوتے ہو۔ جیسے تلوار، نوک دار لکڑی، یا بانس وغیرہ کا چھلکا، نوک دار پتھر وغیرہ۔ اس قتل سے گناہ لازم آتا ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اور قصاص (بدلہ) لازم آئے گا اس قتل میں

قصاص اسی وجہ سے لازم آئے گا کہ یہ جرم زیادہ ہے اور اس کی سزا بھی زیادہ ہے ہاں اگر مقتول کے اولیاء معاف کر دیں تو قصاص معاف ہو جائے گا۔ اسی طرح مقتول کے ولی نے مفت تو معاف نہیں کیا البتہ مال لے کر معاف کیا تو پھر بھی اس قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اس مال کی کوئی حد مقرر نہیں یہ جانبین کی رضامندی پر موقوف ہے۔

شبہ عمد :- ایسے ہتھیاروں سے ارادۂ قتل کرے جو عام طور پر قتل میں استعمال نہیں ہوتے جیسے چھوٹی چھڑی یا چھوٹا پتھر وغیرہ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ ایک مرتبہ لاٹھی کے مارنے سے وہ شخص مر گیا ہو تو شبہ عمد ہو گا اور اگر کئی مرتبہ لاٹھی سے مارنے پر مرے تو یہ قتل عمد ہو گا۔ جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ (یہ صاحبین کا قول ہے، امام صاحب کا قول فقہی کتب میں دیکھا جائے)۔

اس قتل یعنی شبہ عمد کا حکم یہ ہے کہ قاتل گناہ گار ہو گا اور اس پر کفارہ اور قاتل کے عاقلہ پر دیت مغلظہ لازم آئے گی (مکمل تفصیل ان شاء اللہ بیان کی جائے گی) اور یہ قاتل اپنے مقتول کی وراثت سے بھی محروم ہو گا۔ اسی طرح پہلی قسم قتل جو ذکر کیا جا چکا ہے اس قاتل کو بھی وراثت سے محرومیت حاصل ہو گی۔

قتلِ خطاء :- خطأ قتل کی دو قسمیں ہیں :

(۱) ایک یہ ہے کہ ایک انسان نے دوسرے انسان پر کسی آلہ شکار سے وار کیا لیکن شکار سمجھ کر، اس کی نظر میں وہ کوئی جانور دکھائی دیا حالانکہ واقع میں تو وہ انسان تھا۔ اس طرح اس نے کوئی ہتھیار چلا کر قتل کر دیا ہو۔

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ اس نے کسی شکار کی طرف یا نشانہ بازی کے لئے کوئی ہتھیار چلایا تو قدرتی طور پر کوئی انسان آگے سے گذر پڑا وہ زد میں آگیا اور قتل ہو گیا۔

ان دونوں قسموں کا حکم یہ ہے کہ قاتل گناہگار تو نہیں ہو گا۔ البتہ قاتل کے "عاقلہ" پر دیت لازم آئے گی اور وہ اپنے مقتول کی وراثت سے بھی محروم ہو گا۔

قتل قائم مقام بخطأ

کوئی شخص سویا ہوا ہو اس کے کروٹ بدلنے سے ساتھ والا شخص اس کے نیچے دب کر مر جائے۔ اسی طرح نابالغ بچہ کسی کو قتل کر دے تو قتل بخطاء کہلاتا ہے۔

اس کا حکم قتل خطاء والا ہی ہے یعنی گناہ لازم نہیں آئے گا، قاتل کے عاقلہ پر دیت لازم آئے گی اور قاتل اپنے مقتول کی وراثت سے محروم ہوگا۔

قتل بسبب

کوئی شخص کسی کی زمین میں (جو اس کی اپنی ملکیت نہیں) کنواں کھود دے یا پتھر وغیرہ رکھ دے جن کی زد میں آکر کوئی شخص مر جائے تو یہ قتل بسبب کہلائے گا۔

اس کا حکم یہ ہوگا کہ قاتل کے عاقلہ پر دیت لازم آئے گی۔ کفارہ لازم نہیں آئے گا، وراثت سے محرومیت حاصل نہیں ہوگی۔ قتل کا گناہ بھی لازم نہیں آئے گا البتہ غیر کی ملکیت میں تصرف یعنی کنواں کھودنے اور اس میں پتھر وغیرہ رکھنے کی وجہ سے اس پر گناہ بھی لازم آئے گا۔

کفارہٴ قتل

غلام آزاد کرنا، اگر غلام نہ ہو تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنا درمیان میں کوئی روزہ چھوٹنے نہ پائے بلکہ ایسے وقت میں بھی روزے شروع نہ کرے کہ دو ماہ کے درمیان عیدوں کی وجہ سے روزے چھوڑنے پڑیں گے

کفارہ تین صورتوں میں لازم آتا ہے

مسلمان کو خطاء قتل کرنے سے کفارہ اور دیت لازم آتے ہیں۔ دار حرب یعنی حربی قوم کے مسلمان کو قتل کرنے سے صرف کفارہ لازم آتا ہے۔ ذمی یا مستامن کافر کو خطاءً قتل کرنے سے

دیت اور کفارہ لازم آتے ہیں ۔

تنبیہ :-" کفارۂ قتل " قاتل اپنے مال سے ادا کرے گا اسکے اقرباء پر اس کا کفارہ لازم نہیں ، اور کفارہ قتل میں صرف غلام آزاد کرنا یا مسلسل دو ماہ روزے رکھنا ہے۔ اس کفارہ میں مساکین کو طعام کھلانا یا کپڑے دینا نہیں۔

دیت کا بیان

دیت کی دو قسمیں ہیں۔ دیت مغلظہ اور دیت مخففہ ۔

دیت مغلظہ :-ایک سو اونٹ ہیں لیکن تین حصہ میں اس طرح منقسم ہوں گے کہ تیس (۳۰) حقہ یعنی تین سالہ اونٹنیاں اور تیس (۳۰) جذعہ یعنی چار سالہ اونٹنیاں اور چالیس خلفہ یعنی حاملہ اونٹنیاں۔ یہ دیت یعنی مغلظہ قتل شبہ عمد میں ادا ہو گی اور قتل عمد میں اس وقت لازم آئے گی جب مقتول کے ورثاء نے قصاص معاف کر دیا ہو ۔اور خون بہا اپنی مرضی سے کوئی خاص مقدار مقرر نہیں بلکہ یہ کہا ہے کہ تم دیت ادا کر دو تو اس صورت میں دیت مغلظہ ہی لازم آئے گی۔

دیت مخففہ :- یہ بھی ایک سو اونٹ ہی ہیں لیکن یہ پانچ حصوں میں منقسم ہوں گے ، اسی طرح مقتول کے وارثوں کو بیس بنتِ محاض یعنی ایک سالہ اونٹنیاں اور بیس بنتِ لبون یعنی دو سالہ اونٹنیاں اور بیس ابن لبون یعنی دو سالہ اونٹ اور بیس حقہ یعنی تین سالہ اور اونٹنیاں اور بیس جذعہ یعنی چار سالہ اونٹنیاں ادا کی جائیں۔ یہ دیت خفیفہ قتل خطاء میں قاتل کے عاقلہ پر لازم آئے گی جو تین سالوں میں مکمل کی جائے گی۔ ایک سال میں دیت کا تہائی حصہ ادا کیا جائے گا اگر اونٹ نہ ہوں تو ایک ہزار دینار بطور دیت ادا کرے۔

دینار سونے کا ایک سکہ ہے۔ ایک ہزار دینار کا وزن ۳۷۵ تولے ہے۔ یا دس ہزار درھم ادا کرے ، درھم چاندی کے ایک سکہ کا نام ہے۔ دس ہزار درھم کا کل مجموعی وزن ۲۶۲۵ تولے ہے۔ اسی طرح سونا ، چاندی ، اونٹ ، ادا کرے یا ان کی قیمت ادا کرے۔

قاتل کے عاقلہ

پہلے ذکر کیا جارہا تھا کہ دیت قاتل کے عاقلہ ادا کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ پہچانا جائے کہ کون سے وہ لوگ ہوں گے جن کو قاتل کے عاقلہ کہا جائے گا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ قاتل کسی دفتر وغیرہ کا ملازم ہے یا نہیں۔ اگر کہیں ملازم ہے تو اس دفتر والوں پر دیت لازم آئے گا یعنی ہر شخص کے اپنے ڈیپارٹمنٹ پر دیت لازم آئے گی۔ دفتر والے لوگوں پر دیت کے لازم ہونے کی وجہ بھی یہ ہے کہ ان لوگوں کو بھی چاہیئے تھا کہ وہ اس شخص کی دیکھ بھال کرتے، اسے احتیاط برتنے، سیدھی راہ پر چلنے کی ھدایت دیتے۔ انہوں نے چونکہ کوتاہی کی ہے لہذا دیت بھی ان پر ہی لازم آئے گی۔

اگر وہ شخص کسی ادارہ کا ملازم نہیں بلکہ اپنے گھریلو کاروبار میں ہے تو دیت اس کے رشتہ داروں پر لازم آئے گی پہلے ان لوگوں پر جن کی معاونت اس پر اور اس کی معاونت ان پر لازم ہوتی ہے۔ پھر قریبی رشتہ داروں کے رشتہ دار پھر ان کے قریبی قبیلہ سے ہوں۔

یعنی دیت کے لئے کم از کم دو ہزار پانچ سو آدمی ہوں گے جو مل کر تین سالوں میں دیت ادا کریں گے۔ ہر شخص پر چار درھم تین سالوں میں ادا کرنے ہوں گے۔ یعنی ہر آدمی کے ذمہ، ایک تولہ اور چار صحیح چار بٹہ پانچ رتی۔ (رتی ۵-۴-۴۔ ماشہ ۰-۱ تولہ) چاندی کی قیمت تین سالوں میں ادا کرنی لازم آئے گی۔ ایک آدمی پر اس سے زائد دیت لازم نہیں آئے گی۔ یعنی ایک آدمی پر بوجھ زیادہ نہیں ڈالا جائے گا۔ بلکہ دیت ادا کرنے والے آدمیوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے گا۔

پہلے ایک شعبہ کے آدمی لئے جائیں گے، پھر اس سے منسلک دوسرے شعبہ کے پھر اس کے منسلک اور شعبہ کے اس طرح تعداد پوری ہو جائے گی۔ اسی طرح پہلے قریبی رشتہ دار پھر ان کے رشتہ دار یہاں تک کہ ایک قبیلہ کے آدمیوں کو بھی اگر جمع کرنے سے تعداد مکمل ہوتی ہو تو ایک قبیلہ کے آدمیوں کو جمع کر کے تعداد کو مکمل کیا جائے گا۔ ایک آدمی پر بیان کردہ مقدار سے بوجھ کم تو کیا جاسکے گا لیکن زیادہ نہیں۔

(هدایه، شامی، نعیمی)

گالی گلوچ، فحش کلامی، جھگڑا و فساد سے بچیں

حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا:

" ان العبد لیتکلم بالکلمة ینزل بها فی النار ابعد مابین المشرق والمغرب "
(مسلم ج ۲ باب حفظ اللسان)

بے شک انسان ایک کلمہ بولنے کی وجہ سے جہنم میں چلا جاتا ہے حالانکہ اس انسان اور جہنم کے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی ہے۔

یعنی انسان بولتے وقت یہ غور و فکر نہیں کرتا کہ اس کلام میں کتنی قباحتیں (برائیاں) ہیں اور اس کلام پر مرتب ہونے والے عذاب سے خوف نہیں رکھتا جیسے ظالم، فاسق، فاجر غدار، لٹیرے بادشاہوں کی ناحق تعریف کر کے چاپلوسی کرنا، کسی پر ناجائز تہمت لگانا، مسلمانوں کو نقصان پہچانے والا کلام کرنا، نبی کریم ﷺ صحابہ کرام، اولیاء عظام کی شان میں گستاخانہ کلام ہر طرح کے کفریہ کلمات جہنم میں جانے کا ذریعہ ہیں۔

اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے زبان کی حفاظت کرنے کا خصوصی حکم فرمایا:

" من کان یومن بالله والیوم الاخر فلیقل خیرا او لیصمت "

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔

اس لئے ہر انسان پر لازم ہے کہ کلام کرنے سے پہلے اس میں غور و فکر کرے اگر اس میں کوئی مصلحت نظر آئے تو کلام کرے ورنہ خاموش رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" سباب المسلم فسوق وقتاله کفر "
(بخاری و مسلم، مشکواۃ شریف باب حفظ اللسان والغیبته والشتم)

مسلمان کو گالی دینا فسق (بہت بڑا گناہ) اور مسلمان سے قتال کفر ہے۔ اس حدیث پاک سے

واضح ہوا کہ کسی مسلمان کو ناحق گالی دینا حرام ہے اور بہت بڑا گناہ ہے ایسے ہی اگر کسی مسلمان کو اس لئے قتل کرے کہ یہ مسلمان کیوں ہے تو حقیقۃً کفر ہے اور اگر باطل طریقہ پر کسی مسلمان سے جھگڑا کیا تو یہ کفران نعمت (نعمت کی ناشکری) ہے جو آخر کار انسان کو حقیقۃً کفر کی طرف پہنچا دیتی ہے کیونکہ جب انسان اسلامی بھائی چارے (اخوۃ اسلامی) کا پاس نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا چھوڑ دے تو ایسے انسان سے کفریہ کلمات سرزد ہونا کوئی بعید نہیں۔

جس کسی انسان کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ نہ ہو تو یہ انسان کامل مسلمان ہو ہی نہیں سکتا کامل مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

کسی مسلمان کو کافر کہنے کا وبال

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ایما رجل قال لاخیہ "کافر" فقد بآء بھا احد ھما"

(بخاری و مسلم مشکواۃ باب حفظ اللسان)

جو شخص بھی کسی دوسرے کو کافر کہتا ہے وہ دونوں میں سے ایک کی طرف لوٹے گا۔ یعنی اگر ایک شخص نے دوسرے کو کافر کہا وہ فی الواقع ہے ہی کافر تو ٹھیک ہے یہ کفر اس کی طرف جائے گا۔ کیونکہ وہ تو کافر ہے، لیکن اگر اس کا کافر ہونا یقینی نہ ہو تو اس شخص نے اگر حلال سمجھ کر اسے کافر کہا تھا گناہ اور وبال اس کی طرف آئے گا۔

خصوصی توجہ کے قابل

اگر کسی شخص کی کتاب میں کفریہ عبارت ہو۔ تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس عبارت سے کفر لازم آرہا ہے یہ " لزومِ کفر " ہے لزومِ کفر، کفر نہیں۔ لیکن اگر اس شخص کو بتایا جائے کہ تمہاری یہ عبارت کفریہ ہے وہ کوئی صحیح جواب نہ دے سکے اور کسی قسم کی صحیح تاویل نہ کر سکے اور اپنی کفریہ عبارت پر قائم رہے (ڈٹ جائے) باوجود بتانے کے عبارت کو نہ نکالے تو اب کافر ہوگا، کیونکہ یہ " التزام کفر " ہے، اور التزام کفر، کفر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"المستبان ما قالا فعلی البادی مالم یعتد المظلوم"

(مسلم ج ۲ باب النهی عن السباب)

دو شخص ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں جو کہیں گے اس تمام کا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہو گا جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔

گالی سن کر صبر کرنا، معاف کر دینا بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر انعام و کرام فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والے کی تعریف ان الفاظ مبارکہ سے کی ہے۔

﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذَالِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ (پ ۲۵ . ۵)

اور بے شک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔

معاف کرنا بہتر ہے لیکن اگر کوئی شخص بدلہ لینا چاہیے تو اس مقدار میں یہ بھی گالی دے سکتا ہے جس مقدار میں اس نے اسے گالی دی ہیں۔ اس سے تجاوز نہ کرے۔ انصاف سے بدلہ لینے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيْلٍ ﴾
اور بے شک جس نے اپنی مظلومی پر بدلہ لیا، ان پر کچھ مواخذہ (پکڑ) کی راہ نہیں۔

لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اگر کوئی شخص اسے ناحق زنا وغیرہ کی تہمت لگائے تو یہ جواباً تہمت نہیں لگا سکتا، البتہ "حدِّ قذف" لگائی جائے۔

اگر کوئی اس کے متعلق کسی قسم کا جھوٹ بولے تو یہ اس کے جواب میں جھوٹ نہیں بول سکتا اگر کوئی شخص سلف صالحین کو گالی دے تو یہ اس کے جواب میں گالی نہیں دے سکتا۔ یعنی معاذاللہ اگر کوئی شخص حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت امیر معاویہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر لعن وطعن کرے تو اس کے جواب میں اہل بیت کی شان میں گستاخی حرام ہے۔ دونوں ایک جیسے لعنتی ہوں گے اسی طرح اہلبیت کی شان میں گستاخی کرنے والے کے جواب میں صحابہ کرام کی شان میں گستاخی حرام ہے

دونوں ایک جیسے حرام کام کر رہے ہیں۔

جو لوگ شیعہ حضرات کی مخالفت میں حضرت علیؓ اور حسنین کریمینؓ کی شان کو چھپاتے ہیں وہ نادان و احمق ہیں۔ صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کی شان کو تسلیم کرنے کے بغیر ایمان مکمل ہی نہیں۔

حکایت :- ہارون الرشید کے بیٹوں میں سے ایک غصہ کی حالت میں اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ فلاں کوتوال کے لڑکے نے مجھے ماں کی گالی دی ہیں۔ ہارون الرشید نے یہ سن کر اپنی بادشاہی کے ارکان کو طلب کیا، ان کے جمع ہونے پر پوچھا کہ ایسے شخص کا بدلہ کیا ہونا چاہئے جو بادشاہ وقت کے بیٹے کو ماں کی گالی دے؟ ایک شخص نے مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ دوسرے نے مشورہ دیا اس کی زبان کاٹ دی جائے۔ تیسرے نے مشورہ دیا کہ اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے اور اسے جلاوطن کر دیا جائے۔

ہارون الرشید نے بیٹے کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہا، اے بیٹے کرم تو یہ ہے کہ تو معاف کر دے، اگر تو معاف کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر تو بھی اسے ماں کی گالی دے دے۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ جتنی گالی اس نے تجھے دی تھیں اتنی ہی ہوں ان سے تجاوز نہ ہو، اگر تم نے تجاوز کیا تو یہ تمہاری طرف سے ظلم ہوگا، اب اس دوسرے لڑکے کو تم پر زیادتی کا بدلہ لینے کے لئے دعویٰ کرنے کا حق ہوگا۔

نمرد است آں بنزدیک خرد مند ☆ کہ باپیل دماں پیکار جوید
بلے مرد آں کسی از روئے تحقیق ☆ کہ چوں خشم آیدش باطل نگوید

عقلمندوں کے نزدیک وہ شخص بہادر پہلوان نہیں جو مست ہاتھی کے ساتھ لڑائی کرے بلکہ حقیقتہً بہادر شخص وہ ہے جس کو غصہ آئے تو وہ اپنے غصہ پر قابو پا سکے اور بے ہودہ کلام نہ کرتا پھرے۔ (گلستان سعدی)

کاش آج کے ظالم حکام کو بھی عدل و انصاف کرنے کا سلیقہ آتا، بے تدبیر مشیر و وزیر کی بات کو کوئی حیثیت نہ دیتے، بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات پر عمل کرتے حضرت علی (امام

زین العابدین) بن حسین بن علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کا اچھا اسلام یہ ہے کہ وہ لایعنی اشیاء کو چھوڑ دے۔

" من حسن الاسلام ترکه مالا یعنیه "

(مسند احمد ، ابن ماجه ، ترمذی ، بیهقی ، مشکوٰۃ باب حفظ اللسان)

یعنی انسان کے کامل ایمان اور اچھے اخلاق اور اسلام کے محاسن و کمالات میں سے یہ ہے کہ انسان لایعنی چیزوں کو چھوڑ دے۔

فضول و لغو باتیں ہوں یا کام، اسی طرح نظر و فکر میں فتور سب لا یعنی چیزیں ہیں۔ ہر قول و فعل، نظر و فکر جس میں دینی اور دنیاوی فائدہ نہ ہو اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی نہ ہو، اس کے بغیر زندگی بسر ہو سکے، اس کے چھوڑنے میں کوئی نقصان نہ ہو تو ایسی چیزوں سے انسان کو دوری اختیار کرنی چاہئے، کیونکہ انسان کو ایسے امور میں مشغول ہونا چاہئے جو اس کے لئے دین و دنیا میں بہتری کا سبب نہیں، کمالات علمی حاصل ہوں اور ایسے عملی فضائل حاصل ہوں جن کی وجہ سے انسان کی عاقبت سنور سکے اعلیٰ اور دائمی۔ سعادت حاصل ہو سکے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے والوں کی شان بیان فرمائی:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴾

یہ وہ لوگ ہیں جو لغو بے ہودہ سے اعراض کرتے ہیں۔

صوفیائے کرام کا تقویٰ

صوفیائے کرام تو کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہیں سیر کے لئے جائے تو قدرتی مناظر دیکھے پہاڑ، نہریں یا اور راستہ میں کئی واقعات در پیش آتے ہیں، کئی لوگوں سے ملاقاتیں ہوتی ہیں انسان سیر کے لئے اچھا لباس زیب تن کرتا ہے، اچھے اچھے کھانے کھاتا ہے، سیر سے واپس ہو کر ان چیزوں کا ذکر بھی بلا مقصد اور لایعنی ہے، ان چیزوں کے ذکر کے بغیر بھی چارہ کار ہے۔ لہٰذا ان کو بھی چھوڑ دے۔ خیر یہ تو تقویٰ کی بات ہے۔

مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ انسان اگر سچے حقائق بیان کرے جھوٹ نہ ہو بڑھا چڑھا کر بات کو بیان نہ کرے، کسی شخص کی مذمت نہ کرے اور کسی کی غیبت نہ کرے اور فخریہ طور پر اپنے کمالات بیان نہ کرے تو جائز ہے۔

حکایت :- ایک بزرگ، ولی اللہ، عارف باللہ کہیں سے گذرے ایک دو منزلہ مکان دیکھ کر پوچھا یہ کب سے بنا ہے ؟ اتنا پوچھتے ہی خیال آیا کہ اس سوال کا کوئی مقصد نہیں تھا، اپنے نفس کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہا کہ تو لا یعنی چیزوں کا سوال کرتا ہے ؟ اب ایک سال روزے رکھ کر اس کا کفارہ ادا کرنا ہے۔

(از مرقاۃ المفاتیح)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت ابو بکر صدیقؓ کو گالی دے رہا تھا، نبی کریم ﷺ بھی تشریف فرما تھے " یتعجب ویتبسم "آپ یہ معاملہ دیکھ کر تعجب او تبسم فرما رہے تھے، جب اس شخص نے زیادہ ہی گالی دینی شروع کر دیں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اس کی کسی بات کا جواب دے دیا " فغضب النبی ﷺ وقام" نبی کریم ﷺ غصہ سے وہاں سے اٹھ کر چلے گئے، حضرت صدیق اکبرؓ آپ کو جا ملے اور عرض کیا یا رسول اللہ وہ مجھے گالی دیتا رہا آپ تشریف فرما رہے اور میں نے اس کی کسی ایک گالی کا جواب دیا تو آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا "کان معک ملک یرد علیه فلما رددت علیه وقع الشیطان" تمہارے ساتھ ایک فرشتہ تھا جو تمہاری طرف سے اسے جواب دے رہا تھا جب تم نے خود جواب دیا تو شیطان آ گیا۔

پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر تین چیزیں حق ہی ثابت ہو کر رہتی ہیں۔

" ما من عبد ظلم بمظلمة فیغض عنها لله عزوجل الا اعز الله بها نصره ، وما فتح رجل باب عطیة یرید بها قلة الا زاد الله بها کثرة ' وما فتح رجل باب مسئلة یرید بها کثرة الا زاد الله قلة "

(مسند احمد ، مشکوٰۃ باب الرفق والحیاء وحسن الخلق)

جب کسی انسان پر ظلم کیا جائے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر در گذر کرے تو اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے اسکی عزت افزائی فرماتا ہے۔اور جب بھی کوئی انسان اپنے اقرباء پر صلہ رحمی کی خاطر اپنے عطیات کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ خیر و برکت کی کثرت سے اس کے مال کو بڑھا دیتا ہے۔اور جب انسان کثیر مال جمع کرنے کی غرض سے اپنے آپ پر سوال کرنے (مانگنے) کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال کو بہت ہی کم کر دیتا ہے۔

حدیث پاک کی وضاحت

نبی کریم ﷺ تعجب فرما رہے تھے کیونکہ آپ کی موجودگی میں ایک شخص کا گالیاں دینا اور آپ سے بھی حیانہ کرنا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا کامل صبر اور آپ کی وفا۔ یہ تعجب کے اسباب تھے۔اور آپ کے مسکرانے کی وجہ کیا تھی؟ کہ دونوں شخصوں کا فرق آپ کے سامنے ہونا اور ایک کے فعل پر کامل سزا اور دوسرے کے فعل پر کامل رحمت کا مرتب ہونا اور اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کے انوار کا آپ پر کامل منکشف ہونا ...... یہ آپ کے مسکرانے کے اسباب تھے ۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کے بعض کلام کا جواب دیا جو جائز بھی تھا لیکن شان صدیقی بلند و بالا ہونے کی وجہ سے آپ کے لائق یہ بھی نہیں تھا اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے غصہ فرمایا، کہ تمہاری شان کے مطابق صبر کرنا ہی تھا۔اسی وجہ سے فرمایا گیا :

" حسنات الابرار سیئات المقربین "

کہ نیکوکار کی نیکیاں بھی مقربین کے لئے ناروا کام ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا غیظ و غضب آپ کے چہرے کے آثار سے سمجھ آجاتا تھا، ان آثار سے ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ کے غضب کو پہچانا، آپ کا مجلس سے اٹھ کر چلا جانا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے مطابق تھا ﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ﴾ پ۲۰ (ایمان والے) جب لغو باتیں سنیں تو اس سے اعراض کر لیتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ نبی کریم ﷺ کے کامل محبّ تھے (بلکہ محبوب بھی) یہی وجہ ہے کہ نبیؐ کریم ﷺ کے ناراض ہو کر اٹھ جانے کو آپ برداشت نہ کر سکے تو آپ کو جا ملے اور آپ سے عرض

کیا یارسول اللہ آپ مجھے حکمت تو بتائیں کہ اس کی گالیوں کو آپ سنتے رہے اور میرے جواب کو آپ نے برداشت نہ کیا اس میں کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے کامل صبر پر آپ کی معاونت فرشتہ کر رہا تھا، کتنی عظیم آپ کی شان ہے آپ نے جواب دیا تو گویا اپنے نفس کی بات کو تسلیم کیا اور اپنی معاونت خود کی۔ یہ اصل میں شیطانی وسوسہ تھا۔ کیونکہ انسان جب مظلوم ہوتا ہے شیطان اسے ظالم بنانے کی کوشش کرتا ہے، اور یہ طریقہ یعنی ظالم بننا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ناپسند ہے۔

حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء فرماتے ہیں:

"کن عبد اللہ المظلوم ولا تکن عبد اللہ الظالم"
مظلوم بندہ بن کر رہو، ظالم بندہ نہ ہو۔

حدیث پاک میں ہے تین چیزیں ہو کر رہتی ہیں۔ پہلی چیز۔ کسی پر ناحق ظلم کیا جائے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر اسے معاف کرے تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ اسے اپنی امداد سے نوازتا ہے۔

ظلم کی تعریف لغت کی معتبر کتاب القاموس میں ہے:

"الظلم وضع الشئی فی غیر موضعہ" کسی چیز کو اپنی جگہ نہ رکھنا ظلم ہے۔

اسی وجہ سے فاسق و فاجر کی مدح سرائی بھی ظلم ہے لہذا کسی کو گالی دینا، فحش کلامی، غیبت، چغلخوری، جسمانی ایذاء پہچانا، کسی کو کھیل کود میں مبتلاء کر کے نیکی سے دور کرنا سب ظلم ہیں۔ اسی طرح مجرم کو اگر معاف کرنے سے اس کے جرائم میں اضافہ ہو تو معاف کرنا بھی ظلم ہے۔ اور غیر مجرم کو مجرم کہہ کر قید و بند کی صعوبتیں پہچانا ظلم عظیم ہے۔

حدیث پاک میں ایک لفظ استعمال ہوا" فیمغض "یہ اغمضاء سے لیا گیا ہے، اصل اس کا معنی آنکھوں کی پلکوں کو ملانا یعنی آنکھیں بند کرنا پھر اس کا معنی اعراض کرنا درگذر کرنا لیا جاتا ہے، اسی وجہ سے اکثر طور پر اہل علم معاف کرنے کی جگہ چشم پوشی کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ حدیث پاک کے بعض نسخوں میں فیعفی بھی استعمال ہوا ہے جو اعفاء سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہی عفو ہی ہے یعنی معاف کرنا، درگذر کرنا ہے۔

معاف کرے صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت کا مستحق ہوگا ،اور اگر فخر کے طور پر یا اپنا چرچا کرنے کے لئے یا ریاء کاری کے لئے معاف کرے تو اس فضل کا مستحق نہیں ہوگا۔

دوسری چیز جس کا ذکر فرمایا وہ اپنے اقرباء پر عطیات کا دروازہ کھولنا، حدیث شریف میں لفظ عطیۃ استعمال ہوا ہے، شارحین نے زیادہ طور پر اس کا معنی صدقہ کیا ہے، کیونکہ صدقہ اس عطیہ کو کہتے ہیں جو ثواب کی غرض سے دیا جائے اور ھبہ میں ثواب کی نیت نہیں ہوتی، لیکن عطیہ کا معنی اگر عام ہی رکھا جائے جو صدقہ اور ھبہ دونوں کو شامل ہو تو بہتر ہے، اس شخص کا عطیات میں ارادہ صرف صلہ رحمی کا ہو، فخر و تکبر، اپنا چرچا کرنا، ان سے کام لینا ،ان کو اپنے ماتحت بنانے کا ارادہ نہ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے مال میں ظاہری، باطنی برکتیں عطا فرماتا ہے۔

تیسری چیز اپنے پر سوال کا دروازہ کھولنا لیکن مال کو زیادہ کرنے کی غرض سے سوال کرتا ہے اپنی احتیاجی کی وجہ سے نہیں۔ ہاں وہ محتاج جس کے پاس ایک وقت کا کھانا بھی نہیں وہ اپنی حاجت کو پورا کرنی کے لئے سوال کرے تو جائز ہے۔

یہ سوال بھی مخلوق سے مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بار بار سوال کیا جائے، جتنا زیادہ سوال کیا جائے وہ خوش ہوتا ہے " یحب ان یسئل وافضل العبادۃ انتظار الفرج "

(ترمذی، مشکواۃ باب الدعوات)

اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔

" (فان اللہ) ای لاتصافہ بانہ کریم منعم وھاب معط غنی مغن باسط "

(مرقاۃ المفاتیح)

اللہ تعالیٰ کو کیوں پسند ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اس لئے کہ وہ کریم ہے انعام عطاء

فرمانے والا ہے بخشش کرنے والا ہے۔ عطاء کرنے والا ہے، غنی ہے، غنی کرنے والا ہے، کشادہ رزق کا مالک ہے لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ سے بار بار مانگے گا، زیادہ سے زیادہ مانگے گا کیونکہ وہ ایسی صفات کا مالک ہے کہ ان صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں، جب دینے والے کی رحمت میں کوئی کمی نہیں تو لینے والوں کو اپنی حماقت سے اپنے دامن کو تنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے، افضل عبادت یہ ہے کہ دعاء بھی کرتا رہے اور ساتھ ساتھ مصائب و آلام سے نجات کے لئے صبر و تحمل سے منتظر رہے۔

اللہ تعالیٰ نہ مانگنے پر ناراض ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

" من لم يسئل الله يغضب عليه "

(ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الدعوات)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

اس حدیث پاک کی وضاحت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

" لان ترك السئوال تكبر و استغناء وهذا لا يجوز للعبد و المراد بالغضب ارادة ايصال العقوبة "

(مرقاۃ الفاتیح)

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرنا علامت تکبر ہے اور رب سے مستغنی ہونے کی علامت ہے۔ یہ بندے کے لئے جائز نہیں کہ اللہ تعالےٰ سے اپنے آپ کو بے پرواہ سمجھے بلکہ یہ بدبختی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غضب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عذاب دینے کا ارادہ فرماتا ہے۔

کسی مسلمان کے سامنے اس کے کافر آباء واجداد کی برائی؟

روایت بیان کی گئی ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے طائف کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں حضرت ابو بکرؓ سے ایک قبر کے متعلق پوچھا یہ کس کی قبر ہے۔ آپ نے کہا: یارسول اللہ! یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نافرمان شخص سعید بن عاص کی قبر ہے۔ اس شخص کا بیٹا عمرو بن

سعیدؓ بھی ساتھ تھا وہ سن کر غصہ میں آگیا اس نے کہا یارسول اللہ یہ اس شخص کی قبر ہے۔ جو ابو قحافہ (والد ابی بکر) سے زیادہ مہمان نواز اور بہادر تھا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ میرے ساتھ ایسی کلام کر رہا ہے (حالانکہ اس کا باپ کافر ہے اور میرے باپ مسلمان ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر در گذر کرو، آپ وہاں سے چلے تو حضرت ابو بکرؓ کی طرف توجہ کرتے ہوئے فرمایا، اے ابو بکر جب تم کافروں کا ذکر کرو تو عمومی طور پر ذکر کیا کرو۔ خصوصی طور پر (ان کا نام لے کر) ذکر نہ کیا کرو کیونکہ اس طرح ان کے بیٹوں کو غصہ آتا ہے۔

(احیاء العلوم ج ۳ باب اللعن)

فوت شدہ انسان کو گالی دینا عظیم جرم ہے

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "انهاك ان تشتم مسلما اوتعصى اماما عادلا والتعرض للاموات اشد" میں تمہیں مسلمان کو گالی دینے یا عادل حاکم کی نافرمانی کرنے سے منع کرتا ہوں اور فوت شدہ کے درپے ہونا بہت ہی شدید ہے۔ یعنی کسی فوت شدہ کو گالی دینا، اسے برا کہنا بہت شدید جرم ہے۔ تو انسان کو اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوا، آپ نے کسی شخص کے متعلق پوچھا، فلاں کا کیا حال ہے؟ اللہ اس پر لعنت کرے۔ میں نے کہا وہ شخص فوت ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا" رحمه الله "اللہ اس پر رحم کرے۔ میں نے کہا یہ کیسے؟ یعنی پہلے تو آپ لعنت کی دعا کر رہی تھیں اب رحمت کی۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" لاتسبوا الاموات فتؤذوا به الاحياء" جو لوگ فوت ہو جائیں انہیں گالی نہ دو اس سے تم زندہ کو تکلیف پہنچاتے ہو۔

(احیاء العلوم ج ۳ باب اللعن)

بُرا مزاح گناہ ہے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا" لا تمار اخاك ولاتمازحه" اپنے بھائی کو حقیر نہ سمجھو جھگڑا نہ کرو اور مزاح نہ کرو 'لاتمار، مماراۃ سے لیا ہوا جس کا مطلب ہے کسی کے کلام میں طعن پیش کرنا، کسی کے کلام میں خلل اور غلطیاں نکالنا اور اپنی برتری ظاہر کرنا اس میں اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو تکلیف پہچانا لازم آتا ہے اور ایسا شخص زیادہ طور پر جھوٹ بولتا ہے۔ دوسرے سے جھگڑا کرتا ہے جس سے منع کیا گیا۔

مزاح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ مزاح سے کسی کو ایذاء پہنچائی جائے اسے سخرية کہتے ہیں یہ ہر صورت میں ناجائز ہے۔ دوسری قسم مزاح کی یہ ہے کہ اس میں خوش طبعی پائی جائے کسی کو ایذاء نہ پہنچائی جائے۔ اس میں بھی زیادتی اور ہمیشگی منع ہے۔ کیونکہ کثرت مزاح سے کثیر ہنسی حاصل ہوگی اور کثیر ہنسنے سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے، دل کی سختی گویا کہ دل مردہ ہونے کے مترادف ہے، دل کے مردہ ہونے سے انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دینی معاملات میں تفکر سے دور ہو جاتا ہے۔

زیادہ مزاح کرنے سے انسان بعض اوقات تو دوسروں کو تکلیف دینے کا سبب بنتا ہے اور انسانوں کے درمیان کھوٹ، کینہ کا سبب بنتا ہے اس طرح زیادہ مزاح کرنے والے کا رعب و وقار ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں" من كثر ضحكه قل هيبته "جو شخص زیادہ ہنسے اس کا رعب کم ہو جاتا ہے۔

" من كثر كلامه كثر سقطه ومن كثر سقطه قل حياء ه ومن قل حياء ه قل ورعه ومن قل ورعه مات قلبه "

جو شخص مزاحیہ کلام زیادہ کرنے کا عادی ہو جائے وہ زیادہ گھٹیا ہو جاتا ہے، جو شخص زیادہ گھٹیا ہو جائے اس کی حیاء میں کمی آجاتی ہے، اور جس شخص کی حیاء میں کمی آجائے اس کی نیکی اور تقویٰ

میں کمی آجاتی ہے، اور جس شخص کی نیکی اور تقوی میں کمی آجائے ، اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔

حضرت وہیب بن ورد نے ایک قوم کو عید الفطر کے دن ہنستے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا اگر ان لوگوں کو اپنی مغفرت کا یقین ہو چکا ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے والے لوگ اس طرح نہیں ہنستے اور اگر ان لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ ہماری مغفرت نہیں ہوئی تو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے لوگ بھی اس طرح نہیں ہنستے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ مزاح کو مزاح کیوں کہتے ہیں ؟ احباب نے جواب دیا ہم نہیں جانتے آپ نے فرمایا" لانه ازاح صاحبی عن الحق "آپ نے فرمایا کہ اسے مزاح اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مزاح کرنے والے کو حق سے دور کر دیتا ہے۔ یعنی مزاح کا لفظ ازاحۃ سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے ہٹانا، دور کرنا۔

مزاح کی جگہ دینی محافل قائم کرے!

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ مزاح کی محافل قائم کرنے سے اجتناب کرو، اس سے دلوں میں کھوٹ، کینہ، کدورت پیدا ہوتی ہے جو انسان کو برائیوں کے ارتکاب کی طرف پہنچاتا ہے تم ذکر قرآن کی محافل قائم کیا کرو یعنی ایسی محفلیں قائم کرو جن میں قرآن واحادیث بیان کی جائیں اگر تمہیں۔ اس قسم کی محفلیں قائم کرنے میں مشکل در پیش آئے تو نیک لوگوں کی نیک باتیں ہی بیان کر لیا کرو،

کسی کی مصیبت پر ہنسنا ناجائز ہے

ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنے اونٹ پر سوار ہیں آپ کا اونٹ جوان، پھرتیلا، سرکش ہے، وہ جب نبی کریم ﷺ کے قریب آکر سلام کہتے ہوئے کوئی بات پوچھنا چاہتے ہیں تو ان کا اونٹ منہ زور ہو کر انہیں دور لے جاتا ہے۔ صحابہ کرام اس منظر کو دیکھ کر ہنس

رہے ہیں۔ یہ معاملہ کئی مرتبہ درپیش آیا۔ آخر کار اونٹ نے انہیں گرادیا وہ شہید ہو گئے، صحابہ کرام نے عرض کیا۔

" یارسول اللہ ان الاعرابی قد صرعه قلوصه وقد هلك فقال نعم وافواهكم ملائی من دمه "

یارسول اللہ اعرابی کو اونٹ نے گرادیا ہے وہ شہید ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ لیکن تمہارے منہ اس کے خون سے بھرے ہوئے ہیں۔ مقصد یہی تھا کہ ان کا اونٹ سرکش تھا جو ان کے قابو میں نہیں تھا۔ وہ بے بس تھے۔ اونٹ کو قریب لانا چاہتے تھے وہ انہیں دور لے جاتا، تم ان کی بے بسی پر ہنس رہے تھے ان کا اس بے بسی کی حالت پر فوت ہونا اور تمہارا اس حالت پر ہنسنا گویا ان کے خون سے اپنے مونھوں کو بھرنا تھا۔

اچھا مزاح سنت و مستحب ہے

جب مزاح میں صرف خوش طبعی مقصود ہو، مزاح میں کثرت نہ ہو، ہمیشہ مزاح کرنے کی عادت نہ بنالی جائے، مزاح میں جھوٹ نہ ہو بلکہ حق بات ہو، مقصد مخاطب کو خوش کرنا ہو تو یہ جائز و مستحب ہے۔ ایسا مزاح انسان کے حسن اخلاق کو ظاہر کرتا ہے، ہنس مکھ چہرا سے کلام کرنا ہی اخلاق کریمانہ ہیں، کشادہ روئی جنت والوں کی علامت ہے اور مرجھایا ہوا چہرا، ماتھے پر بل، اکڑ کر رہنا جھنمیوں کی علامت ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ!

" انك تداعبنا قال انی لا اقول الاحقا "

بے شک آپ ہمارے ساتھ مزاح فرمالیتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں میں سوائے حق کے کچھ نہیں کہتا۔

صحابہ کرام کا تعجب کرنا اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ اپنے بھائیوں سے مزاح نہ کرو اسی وجہ سے از روئے تعجب صحابہ کرام نے آپ کے مزاح کی وجہ پوچھی کہ آپ

ہمارے ساتھ مزاح فرمالیتے ہیں اس میں حکمت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں سوائے حق کے کچھ نہیں کہتا۔ میرے کلام میں عدل وانصاف اور حق وصداقت ہوتی ہے تم میں سے ہر آدمی اس طرح کی بات کرنے پر قادر نہیں اس وجہ سے تمہیں منع کیا ہے اگر تم بھی مزاح کا یہی حق ادا کر سکو تو تمہارے لئے بھی جائز ہے۔

نبی کریم ﷺ کے مزاح کی درخشاں مثالیں

(۱) "وعن انس ان رجلا من اهل البادية كان اسمه زاهر بن حرام وكان يهدى للنبى ﷺ من البادية فيجهزه رسول الله ﷺ اذا اراد ان يخرج فقال النبى ﷺ ان زاهرا باديتنا ونحن حاضروه وكان النبى ﷺ يحبه وكان دميما فاتى النبى ﷺ يوما وهو يبيع متاعه فاحتضنه من خلفه وهو لايبصره فقال ارسلنى من هذا ؟ فالتفت فعرف النبى ﷺ فجعل لايألو ما الزق ظهره بصدرالنبى ﷺ حين عرفه وجعل النبى ﷺ يقول من يشترى العبد فقال يارسول الله اذا والله تجدنى كاسدا فقال النبى ﷺ لكن عند الله لست بكاسد"

دیہات میں رہنے والے ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس دیہاتی تحفے پیش کرتے، جب وہ واپس جانے کا ارادہ فرماتے تو آپ ان کے لئے اسباب مہیا فرماتے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زاہر ہمارا جنگل ہے ہم اس کے شہر ہیں۔ نبی کریم ﷺ اس شخص سے محبت کرتے تھے اگرچہ وہ زیادہ خوبصورت نہیں تھے ایک دن نبی کریم ﷺ تشریف لائے وہ اپنا سامان فروخت کر رہے تھے، آپ نے آکر ان کو پیچھے سے اپنے بازوؤں میں لے لیا، انہیں نظر نہیں آرہا تھا، وہ کہہ رہے تھے کہ یہ کون ہے مجھے چھوڑ دے، پھر انہوں نے پہچان لیا کہ نبی کریم ﷺ ہیں پہچاننے پر اپنے پیٹھ کو نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک سے ملنے لگے، نبی کریم ﷺ فرمانے لگے یہ غلام کون خریدے گا، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، آپ اسے کھوٹا پائیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو کھوٹا نہیں۔

وضاحت حدیث

یہ صحابی زاھر ابن حرام حجازی تھے باہر جنگل، دیہاتی، صحرائی تحفے پھل، نباتات، خوشبوئیں اور دوائیں وغیرہ بطور ھدیہ لاتے اور نبی کریم ﷺ انہیں مدینہ طیبہ سے واپسی پر ان کی واپسی کے اسباب مہیا فرماتے اور دیہاتوں میں جن شہری چیزوں کی ضرورت واقع ہو سکتی وہ عطا فرماتے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا" ان زاهرا باديتنا ونحن حاضروه "جس کا مطلب ہے کہ بے شک زاہر ہمارا ہے جو صحرا میں رہتا ہے، کہ ہم اس سے صحرائی تحفے وصول کر کے فائدہ حاصل کرتے تھے۔ اگرچہ یہ معنی لینا بھی زیادہ قریب ہے کہ زاہر ہمارے صحراء میں رہتا ہے۔ لیکن پہلا معنی مراد لینے میں زیادہ حلاوت (مٹھاس) ہے۔ اور فرمایا کہ ہم اس کے ہیں ، جو شہر میں رہتے ہیں یعنی وہ ہمارے شہری تحفوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے اس طرز عمل سے اور آپ کے اقوال سے یہ واضح ہے کہ ایک دوسرے کو ھدیہ، تحفہ، دینا محبت کے بڑھنے کی علامت ہے۔ صرف ھدیہ وصول کرنے کی طرف ہی نظر نہ رکھے بلکہ ھدیہ دینے والے کو ھدیہ اور محبت و شفقت سے نوازے، یہ ہی نہ کہتا رہا کہ میں تمہارے پاس آؤں تو کیا دو گے ار جب تم میرے پاس آؤ تو کیا لاؤ گے۔

حدیث شریف میں جو لفظ "دمیما" استعمال ہوا ہے اس کا معنی " قبيح المنظر كريه الصورة " یعنی بد صورت ہے۔ نبی کریم ﷺ ان سے بہت ہی زیادہ محبت فرماتے تھے اگرچہ وہ بد صورت تھے لیکن ان سے محبت کی وجہ ان کا حسن سیرت تھا۔ ہر انسان کسی کو محبوب بنانے، شادی کرنے میں یہی نقطہ مد نظر رکھے کہ خوبصورت بد کردار کے بجائے، بد صورت لیکن دیندار کو پسند کرے ۔اسی میں دین و دنیا کی کامیابی ہے۔

ایک دن حضرت زاھر بازار میں یا کہیں کھلی فضاء میں اپنا سامان فروخت کر رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے "فاحتضنه" ان کو بغل کے نیچے پہلوؤں میں لیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ مبارک ان کی بغل کے نیچے سے گذار کر ان کو پیچھے کی جانب سے گلے لگایا، ان کی آنکھوں پر بھی ہاتھ رکھے کہ وہ دیکھ نہیں سکتے تھے ، یا آپ ﷺ کے پکڑنے کا انداز ایسا تھا کہ وہ

پیچھے نہیں دیکھ سکتے تھے اور کہہ رہے کہ یہ کون ہے مجھے چھوڑ دے۔ جب حضرت زاہر نے آنکھ کے ایک کنارے سے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ تو میرے حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء ہیں تو پہچاننے پر اپنی پیٹھ کو آپ کے سینہ سے ملنے لگے۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ حضور میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "من یشتری العبد" ؟ یہ غلام کون خریدے گا ؟

یہی بات سمجھنے کی ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں جو مزاح کرتا ہوں وہ حق ہوتا ہے تو آپ کے ارشاد گرامی کا مطلب کیا ہو سکتا ہے کہ آپ نے آزاد شخص کو غلام کہا اور غلام بیچا نہیں جا سکتا تو آپ نے کیسے فرمایا اسے کون خریدے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مزاح میں ظاہری مطلب اور ہوتا تھا لیکن در حقیقت اور مطلب مراد ہوتا تھا جو حق ہوتا تھا، یہاں بھی آپ نے لفظ عبد استعمال فرمایا اس کا ظاہری معنی غلام ہے لیکن اس سے آپ کی مراد عبد اللہ (اللہ کا بندہ) ہے اس طرح یشتری لفظ اشتراء سے لیا ہوا ہے جس کا ظاہری معنی خریدنا لیکن یہ لفظ کبھی "مقابلة الشئی بالشئی" (ایک چیز کے مقابل دوسری کا ہونا) کے لئے استعمال ہوتا ہے اور کبھی اس کا معنی "تبدیل کرنا" ہوتا ہے اب پورے کلام کا معنی اس طرح ہوگا اس اللہ کے بندے کو میری محبت کے مقابل (اکرام و تعظیم) کون عطا کرے گا۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ اس اللہ کے بندے جیسا میرے پاس کون لائے گا کوئی ایسا محبوب اور بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا تیسرا معنی یہ ہوگا۔ اس اللہ کے بندے کو کون لے گا کوئی ہے جو اس سے ایسی ہی محبت کرے جیسے میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ حضرت زاہر نے نبی کریم ﷺ کے ظاہر الفاظ کو دیکھتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس غلام کو کھوٹا سکہ پائیں گے، یہ تو سستا بکے گا۔ اسے کون خریدے گا۔ اس بد صورت کو کون پسند کرے گا۔

قربان جاؤں ! میرے پیارے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے کیا خوبصورت جواب دیا ! آپ فرماتے ہیں " لکن عند اللہ لست بکاسد " لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم تو کھوٹے نہیں۔ یعنی جب تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہو تو وہ شخص کیسے کھوٹا سکہ، بے قدر و منزلت ہو سکتا ہے جو محبّ اللہ اور محبّ رسول اللہ ﷺ ہو بلکہ اس سے بڑھ کر محبوب رسول اللہ ﷺ بھی ہو۔

اصل محبت محبانِ مصطفیٰ ﷺ سے محبت ہے

پیر طریقت راہبر شریعت ترجمان مسلک اہل سنت حضرت علامہ سید تراب الحق شاہ صاحب مدظلہ العالی سے صرف تین چار ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک یادگار ملاقات دوران حج مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ لیکن آپ سے اور آپ کے حلقہ ارادت کے دو ہیرے ﴿قادری برادران﴾ یعنی حافظ قاری محمد آصف قادری صاحب اور حافظ قاری محمد عارف قادری صاحب مدظلھما العالی سے بہت ہی محبت صرف اسی واسطہ سے ہے کہ یہ سینے محبت مصطفیٰ ﷺ کے انوار سے منور ہیں۔

لپٹا جو دامن مصطفےٰ سے وہ یگانہ ہو گیا ☆ جس کے حضور ہو گئے اس کا زمانہ ہو گیا

جو محبت مصطفیٰ ﷺ سے دور ہیں ان بے نور روحوں سے ہم بھی دور ہیں، ان سے کبھی محبت نہیں ہو سکتی۔

جو تجھ سے یار پھرتے ہیں ☆ یونہی دربدر خوار پھرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے مزاح کی ایک اور مثال

(۲) حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ ایک بڑھیا حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں آپ نے فرمایا اے ام فلاں "ان الجنۃ لاتدخلھا عجوز" بے شک جنت میں بوڑھی عورتیں داخل نہیں ہوں گی، راوی کہتے ہیں وہ روتے ہوئے واپس ہو رہی تھیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسے خبر دے دو کہ جنت میں بوڑھی عورتیں اس حال میں نہیں جائیں گی کہ وہ اس وقت بھی بوڑھی ہوں گی بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴾

ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے، پس ہم نے بنا دیا انہیں کنواریاں۔

یہاں اہل جنت کی نیک بیویوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے ، یعنی جب وہ جنت میں داخل ہوں گی تو ان کی خلقت بالکل بدلی ہوئی ہوگی، اگرچہ دنیا میں وہ خوش شکل نہ تھیں مرتے وقت وہ بالکل بوڑھی ہوگئیں تھیں، لیکن جب جنت میں داخل ہوں گی تو بھرپور جوانی ہوگی، مجسم حسن ورعنائی ہوں گی، اور کنواری بناکر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

حدیث شریف میں اس آیت کی یہی تفسیر مذکور ہے، حضرت ام سلمہؓ کے عرض کرنے پر حضور نے فرمایا۔

" یا ام سلمة هن اللواتی قبضن فی الدنیا عجائز شمطا عمشا رمصا جعلهن الله بعد الکبر اترا با علی میلاد واحد فی الاستواء "

اے ام سلمہ ان سے وہی بیویاں ہیں اگرچہ وفات کے وقت وہ بالکل بوڑھی تھیں ان کے بال سفید تھے، ان کی بینائی کمزور تھی، آنکھیں میلی کچیلی رہتی تھیں لیکن جب وہ جنت میں داخل ہوں گی تو ساری ہم عمر ہوں گی،

(احیاء العلوم ج ۳ ، مرقاۃ ، مشکوٰۃ باب المزاح ، شمائل ترمذی ، ضیاء القرآن)

نبی کریم ﷺ کے مزاح کی صرف دو مثالیں پیش کیں ہیں۔ مقصد صرف یہ سمجھانا ہے کہ مزاح ، خوش طبعی کے طور پر جب کہ اس میں صداقت ہو کذب بیانی نہ ہو۔ متکبرانہ انداز نہ ہو، اپنی برتری اور کسی کی حقارت بیان کرنا مقصود نہ ہو، تو جائز ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے مزاح فرمایا ۔ لیکن بات حق اور سچ ہوتی صرف سننے والا ابتدائی طور پر دوسرا معنی سمجھ کر بعض اوقات غلطی میں واقع ہو جاتا ہے، اس طرح کے نبی کریم کے کئی اور مزاح بھی احیاء العلوم اور کتب احادیث میں ملتے ہیں، سب کی نوعیت ایک ہی ہے۔

کسی کو حقیر و ذلیل کرنے کی غرض سے مزاح ہو یا کسی قسم کا کوئی بھی کلام ہونا جائز ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو عاجز ، دوسروں سے کمتر سمجھنا اور دوسروں کو فوقیت دینا اور انہیں اپنے آپ سے برتر سمجھنا ہی "کمال" ہے۔

باب دوم:

توبہ کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ☆ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ﴾

اے ایمان والو اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے (سچی توبہ کرو) قریب ہے کہ تمہارا رب تمہاری برائیاں تم سے اتار دے اور تمہیں باغوں (جنات) میں لے جائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔

"نصوحاً" مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے زیادہ نصیحت کرنا، یہ توبة کی صفت ہے یعنی بہت نصیحت کرنے والی توبہ، یعنی ایسی توبہ ہو جو توبہ کرنے والے شخص کو جن گناہوں سے وہ توبہ کر رہا ہے ان کی طرف آئندہ نہ لوٹنے کی نصیحت کرنے والی ہو۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مقصد یہ ہوگا، کہ اتنی خالص سچی توبہ ہو کہ جس سے توبہ کرنے والے حضرات خود ہی اپنے نفسوں کو نصیحت کر سکیں۔

(تفسیر کبیر)

حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ما التوبة النصوح ؟" "یارسول اللہ!" توبہ نصوح" کیا چیز ہے ؟

نبی کریم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا: " ان یندم العبد علی الذنب الذی اصاب فیعتذر الی اللہ تعالیٰ ثم لایعود الیہ کما لا یعود اللبن الی الضرع "

انسان اپنے گناہوں پر نادم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عذر پیش کرے (یعنی گناہوں کی معافی طلب کرے) پھر کبھی ان گناہوں کی طرف نہ لوٹے (یعنی پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ یہ گناہ

کبھی نہیں کروں گا۔) جیسے (دوہا ہوا) دودھ تھنوں کی طرف نہیں لوٹتا۔

اہل عرب نصاحة الثوب کا لفظ بولتے ہیں جس کا معنی لیتے ہیں "کپڑے کو سینا اور رفو کرنا" اس طرح التوبة النصوح کا معنی ہو گا کہ انسان کے گناہوں کی وجہ سے اس کے دین میں جو خلل واقع ہوا ہے، اس شخص کی توبہ سے اللہ تعالیٰ اسے پر کر دے گا، گویا، توبہ سے اس کے دین کی چادر کے سوراخ رفو ہو جاتے ہیں۔ عربی زبان میں عسل ناصح بولتے ہیں جس کا معنی ہوتا ہے خالص شہد یعنی ملاوٹ سے پاک وصاف، اب توبہ نصوح کا معنی ہو گا خالص توبہ، سچے دل سے توبہ ہو جس پر انسان قائم رہنے کا عزم صمیم (پختہ ارادہ) کرے اور پہلے نصیحت گناہوں پر نادم ہو، آئندہ گناہوں کی طرف نہ لوٹنے کا وعدہ کرے۔

النصوح :- بہت نصیحت کرنا، اس معنی کے لحاظ پر ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی توبہ ہو جو دوسرے لوگوں کو نصیحت کرنے والی ہو، یعنی لوگ جب توبہ کرنے والے کو دیکھیں کہ یہ شخص کتنا ہی گنہگار تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فضل وکرم سے کیسے توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔ کہ اب یہ نیک، متقی، صالح ہو گیا، ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی گناہوں سے توبہ کریں، نیک متقی بن جائیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے عفوو مغفرت اور اس کے فضل وکرم سے ہم بھی بہرہ ور ہو جائیں۔

امور اسلامیہ میں سب سے اہم چیز توبہ، مقامات ایمانیہ میں سب سے اول توبہ، سالکین کے راستہ کا مبدأ توبہ، واصل باللہ ہونے والے حضرات کے دروازہ کی چابی توبہ ہے۔

توبہ اس وقت حقیقت میں توبہ ہو گی جب گناہ کو گناہ سمجھ کر توبہ کرے اور صرف اللہ تعالیٰ کا خوف مدنظر ہو۔ اگر کسی آدمی کو کسی گناہ سے بدن میں کوئی ضرر پہنچے یا مال متاع میں کوئی نقصان ہو وہ ان نقصانات کی وجہ سے گناہ چھوڑنے کا ارادہ کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے کہ میں گناہ کو چھوڑ رہا ہوں تا کہ ان نقصانات سے بچ سکوں ایسی توبہ درحقیقت توبہ نہیں، اس کی قبولیت کی کوئی امید نہیں۔

(تفسیر روح المعانی)

صوفیائے کرام کا تقویٰ تو یہاں تک ہے کہ توبہ کرتے وقت جنت میں داخل ہونے کا طمع اور

جہنم سے بچنے کا خوف بھی مد نظر نہ ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف ہو، جب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حاصل ہو جائیں گے۔

حضرت علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

" التوبة ماستجمعت ثلاثه امور ، ان يقلع عن المعصية ، وان يندم علىٰ فعلها وان يعزم عزما جاريا على ان لا يعود الىٰ مثلها ابدا فان كانت تتعلق بآدمى لزم رد الظلامة الى صاحبها او وارثه اوتحصيل البرائة منه ، وركنها الاعظم الندم "
(تفسير روح المعانى)

علامہ آلوسیؒ نے فرمایا کہ حقیقی توبہ یہ ہے کہ اس میں تین چیزیں پائی جائیں۔

(۱) گناہ کو چھوڑ دے (۲) پہلے جو گناہ کر چکا ہے اس پر نادم ہو۔
(۳) آئندہ کے لئے پختہ ارادہ کہ میں گناہ کبھی نہیں کروں گا۔

حقوق اللہ میں یہ تین چیزیں ہیں۔ لیکن حقوق العباد میں ان تین کے علاوہ ایک چوتھی چیز بھی ہے، وہ یہ ہے کہ جس کسی کا حق دبایا ہوا ہے وہ اسے لوٹا دے۔ وہ فوت ہو چکا ہو تو اس کے وارثوں کو لوٹا دے۔ یا اس شخص سے برائت حاصل کر لے، یعنی وہ اسے معاف کر کے بری الذمہ قرار دے دے توبہ کا سب سے بڑا رکن کئے ہوئے گناہوں پر نادم ہونا ہے۔

" وعلامة الندم طول الحسرة والخوف وانسكاب الدمع "
(روح المعانى)

نادم ہونے کی تین علامتیں ہیں۔

(۱) لمبی حسرت یعنی بہت پشیمان رہنا، ہر وقت پشیمان رہنا ۔
(۲) اللہ تعالیٰ کا خوف طاری ہونا۔
(۳) آنسو بہانا یعنی گناہوں کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خیال کر کے رونا۔

ضابطہ قبولیت

جس گناہ کا وہ ارتکاب کر رہا ہے، اس کو توبہ کے لئے چھوڑنا ضروری ہے، کافر کی توبہ کفر سے باز آنا۔ مشرک کی توبہ شرک کو ترک کرنا اور منافق کی توبہ منافقت کو چھوڑنا ہے۔

قاعدہ

صرف توبہ سے ہی گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں، باقی عبادات سے صغائر تو معاف ہوتے ہیں کبائر معاف نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے صغائر یا کبائر معاف فرمادے تو اس کی مہربانی ہو گی البتہ شرک کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی یہ ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾ (پ ۵ . ۱۵)

بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ﴾

(اے محبوب) آپ فرمادیجئے! اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

جب نفسانی جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں تو بڑے بڑے دانشمندوں سے انتہائی قبیح حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں، جب انتقام کے شعلے بھڑکتے ہیں تو بڑے بڑے حلیم الطبع لوگوں کے ہاتھ سے بھی عدل وانصاف کا دامن چھوٹ جاتا ہے، غلط ماحول کے باعث غلط نظریات دل میں جم جاتے ہیں، ان حالات میں اگر کوئی شخص گناہوں اور بدکرداریوں سے اپنا دامن آلودہ کر لے اور اس کے لئے توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے، تو وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہو گا اور گناہ و عصیاں کی دلدل میں بڑی بے باکی سے بڑھتا چلا جائے گا، اس طرح خود بھی برباد ہو گا اور کئی معصوم زندگیوں کو بھی دفن کر کے رکھ دے گا۔

اسی طرح اگر یہ بات کسی کے ذہن نشین ہو جائے کہ گناہ کرنے سے کوئی مضرت نہیں۔ اللہ

تعالیٰ کی رحمت واسعہ کے سامنے ہمارے ان گناہوں کی کیا حقیقت ہے ہم کچھ بھی کرتے رہیں وہ بخش دے گا اور جنت کے دروازے ہمارے لئے کھول دئے جائیں گے، ایسا انسان بھی عمر بھر اپنی نفسانی خواہشات کے ہاتھوں کھلونا بنا رہتا ہے۔ خونریزی، بدکاری، راہزنی، حق تلفی سے اسے کوئی نفرت نہیں رہتی لوگوں کے حقوق پامال کرنے کے باوجود اور ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کے باوجود اس کے دل میں خلش بھی پیدا ہوتی جو اس کو بے چین کر دے۔ یہ دونوں کیفیتیں انسان کے لئے سمِ قاتل (قتل کرنے والا زہر) ہیں اس طرح وہ نہ فقط دوسروں کے لئے وبال جان بن جاتا ہے، بلکہ اپنی ذات پر بھی ظلم عظیم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کو جو تعمیری صلاحیتیں اور نیکی کی قوتیں بخشی گئی تھیں ان سے اگر وہ صحیح کام لیتا تو آسمان شہرت پر مہر و ماہ (سورج و چاند) بن کر چمکتا اور قیامت تک دنیا اس کی نیکیوں کو یاد کرتی۔ اسے دعائیں دیتی، اب وہ بیکار پڑی رہیں۔ اور برگ وبار (بارش اور ہوا سے جھڑے ہوئے پتے) لائے بغیر ختم ہو گئیں۔

اسلام جو دین فطرت ہے جس کا مقصد اولین فرد کی صحیح نشو و نما اور راہنمائی کرنا ہے تاکہ سلجھے اور اصلاح یافتہ افراد سے ایک ایسی قوم معرض وجود میں آئے جو قیادت امم (امتوں) کی ذمہ داری سنبھال سکے اور ساری انسانیت کی راہنمائی کا فریضہ ادا کر سکے، اس لئے اسلام نے انسان کو نہ تو بالکل بے لگام چھوڑ دیا ہے کہ وہ خرمستیاں (گدھے کی طرح مستیاں) کرتا رہے، چمن حیات کی نازک اور معصوم کلیوں کو مسلتا رہے۔ اور ان کی رنگ و نکہت کو لوٹتا رہے اور اس کے باوجود دل میں اپنی بخشش کا بھی یقین رکھے اور نہ ہی اسلام نے انسان کو مایوسیوں اور نا امیدیوں کے گہرے گڑھے میں دھکیل دیا بلکہ صحیح خطوط پر اس کی تربیت کا پروگرام پیش کیا۔

ایک طرف اسے اپنے اعمال نیک و بد کا ذمہ ٹھہرایا اور اسے ان نتائج سے آگاہ کیا جو اس کے اچھے یا برے اعمال پر سنت الٰہی کے مطابق مترتب ہو کر رہیں گے۔ تاکہ قبول کرنے کے لئے تیار ہے اس کے ساتھ اس کو مایوس بھی نہیں ہونے دیا۔ اسے بتا دیا کہ گناہوں اور بدکاریوں سے تائب ہو کر جب اور جہاں سے وہ نئی پاکیزہ زندگی شروع کرنے کا عزم کر چکے ہو تو تمہارے گناہ بے شمار اور نہایت سنگین کیوں نہ ہوں معاف کر دئے جائیں گے تمہیں یہاں سے مایوس نہیں لوٹایا جائے گا۔

(تفسیر ضیاء القرآن)

اس آیت کریمہ میں انسان کو کئی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی امید دلائی ہے۔ تاکہ انسان اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر گناہ گار ہی اس دنیا سے رخصت نہ ہو جائے، بلکہ سچے دل سے توبہ کر کے اپنے گناہوں کی مغفرت حاصل کرے۔

(۱) گناہگار انسان کو عبد کہا، عبد کا مطلب ہے محتاج، مسکین، اپنے آپ کو حقیر سمجھنے والا، کریم ورحیم ذات کے لائق ہی یہ ہے کہ وہ رحمت و خیر کا فیضان، محتاج و مسکین کو پہنچائے۔

(۲) رب تعالیٰ نے گناہگار بندوں کو اپنی طرف منسوب کیا اور فرمایا "یا عبادی "اے میرے بندو گویا اس سے یہ بتایا گیا کہ ایمان والے انسان اگر تو اپنے نفس پر زیادتیاں کر بھی لے تو میں تجھے پھر بھی اپنا بندہ سمجھ کر توبہ کی مہلت دیتا ہوں کیونکہ کوئی اپنے بندے کو بلاوجہ عذاب نہیں دیتا بلکہ مولیٰ تو اپنے بندے کو جہاں تک ممکن ہو کوشش کرتا ہے عذاب سے بچانے کی۔

(۳) "اسرفوا علیٰ انفسھم" (جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتیاں کی ہیں) کہہ کر اشارہ فرمایا کہ گناہوں کا نقصان تمہیں ہے تمہارے گناہوں سے مجھے کوئی نقصان نہیں۔ اگر تم گناہوں سے توبہ کر کے اپنے آپ سے ضرر مٹالو تو مجھے معاف کرنے میں کیا نقصان ہے۔ اگر تم گناہوں سے زنگ آلودہ ہو کر مرتے تو تمہیں جہنم کی آگ کی بھٹی میں صاف کرنا پڑتا لیکن اگر توبہ سے تم نے اپنے گناہوں کے زنگ کو مٹا دیا تو اب میں اپنے وسیع فضل و کرم سے تمہیں معاف کردوں گا۔

(۴) اور فرمایا "لاتقنطوا من رحمة اللّٰہ" اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ گویا کہ اپنے کرم کے متعلق فرمایا کہ میں کریم ہوں، لہٰذا تمہیں چاہیے کہ کریم کے کرم سے ناامید نہ ہو۔ وہ اپنے دربار میں آئے ہوئے، معافی کی طلب کا دامن پھیلائے ہوئے، اپنے جرموں پر نادم ہونے والے اور آئندہ نہ جرم کرنے کا عزم صمیم (پختہ ارادہ) رکھنے والے اپنے عاجز بندوں کو اپنے کرم سے کبھی مایوس نہیں فرمائے گا۔

(۵) پہلے فرمایا "یا عبادی "اے میرے بندو، اس کے بعد عربی محاورہ اور انسانی عقل کے تقاضا کے پیش نظر " لا تقنطوا من رحمتی "(میری رحمت سے ناامید نہ ہو) ہونا

چاہتے تھالیکن اسے چھوڑ کر جب رب کائنات نے اپنی حکمت کے مطابق اس طرح ارشاد فرمایا" لاتقنطوا من رحمة الله" اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، تو اس سے یہ واضح کیا کہ میرا اسم گرامی اللہ ہے جو تمام کامل صفات کا جامع ہے۔ یعنی تمام کامل صفات اس لفظ اللّٰہ میں جمع ہیں جو اللّٰہ ہو وہ رحمٰن، رحیم، کریم، غفور، اور رحیم بھی ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ جبار و قہار بھی ہوتا ہے۔

اگر تم جرائم کے مرتکب ہوئے، میرے احکام کے باغی ہوئے تو مجھے اللہ سمجھتے ہوئے میری صفات قہر و جبر کو مد نظر رکھنا اور اگر تم عاجز بندے بن کر گناہوں کی معافی طلب کرنے کی غرض سے میرے دربار میں آگئے تو مجھے رحمٰن و رحیم سمجھنا کیونکہ میں اللہ ہوں۔ جو اللہ ہو تا وہ رحمٰن و رحیم بھی ہوتا ہے۔

(۶) "لاتقنطوا من رحمة اللّٰہ" کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا" ان اللّٰه يغفر الذنوب جميعا "اگر تم نے سچے دل سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ بھی تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا، یہ نہیں کہ بعض گناہ معاف کرے اور بعض نہ معاف کرے دوبارہ اپنا اسم گرامی ذکر کیا اور کہا" ان اللّٰه" اور "انه "نہیں کہا۔ تو اس سے بھی یہ واضح کیا کہ میں تمہیں بار بار بتا رہا ہوں کہ میں اللہ ہوں میرے رحمت کے دامن میں آکر تو دیکھو کہ میں کسی طرح بخشش کرتا ہوں۔

(۷) "ان اللّٰه يغفر الذنوب" (بے شک اللہ گناہوں کو بخشے گا) سے مقصد تقریبا حاصل تھا لیکن پھر بطور تاکید لفظ جميعا کو ذکر کر کے اپنی وسعت رحمت کا اعلان فرمایا، کہ میں تمام گناہوں کو بخشنے والا ہوں۔

(۸) اپنی صفت غفور ذکر فرمائی جس کے معنی میں مبالغہ ہے یعنی بہت بخشنے والا۔ اس طرح جب انسان توجہ کرے گا کہ میرا رب کریم ہے۔ بہت بخشنے والا ہے تو مجھے بھی چاہئے کہ میں اپنے گناہوں کی معافی طلب کر کے اس کی مغفرت سے فائدہ حاصل کر لوں، تاکہ روز قیامت عذاب میں مبتلاء نہ ہونا پڑے۔

(۹) رب تعالیٰ نے اپنے غفور ہونے کے بعد رحیم ہونے کا ذکر فرمایا کہ مغفرت کے بعد

میری رحمت بھی ہوگی۔ میں اپنے انعامات سے بھی نوازوں گا، اس طرح انسان کو متوجہ کیا کہ اے انسان میری مغفرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر اپنے آپ کو پاک صاف کرنے کے ساتھ ساتھ میری رحمت کے ہیرے اور موتی بھی حاصل کر لئے

(۱۰) "انه هو الغفور الرحیم" میں لفظ "انه" کے بعد "هو" کو ذکر کیا، جو عربی گرائمر کے مطابق اس میں حصر کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے جس کا مطلب ہے کہ غفور اور رحیم صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے بغیر کوئی غفور رحیم نہیں، لہٰذا اپنے گناہوں کی معافی اسی سے مانگو وہی تمہیں معاف فرمائے گا۔

سچی توبہ سے ڈاکوؤں کا سردار زمانہ کا ولی بن گیا

حضرت فضیل ابن عیاضؒ اپنی زندگی میں چوروں کے سردار تھے۔ بیابان میں خیمہ لگایا ہوا تھا، خوبصورت موٹا لباس اور صوف کی کلاہ پہنے ہوئے اپنے خیمہ میں بیٹھے رہتے تھے آپ کے احباب و آشنا تمام چور اور ڈاکو تھے، چرایا ہوا مال اور ڈاکہ سے لوٹا ہوا مال ان کے پاس لاتے تھے۔ یہ ہی ان میں تقسیم کرتے تھے ایک رات کو ایک قافلہ کہیں جا رہا تھا اس میں ایک شخص یہ آیۃ کریمہ پڑھ رہا تھا۔

﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ﴾

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا ؟ اہل ایمان کے لئے کہ جھک جائیں۔ ان کے دل یاد الٰہی کے لئے اور اس سچے کلام کے لئے جو اترا ہے۔

یہ آیۃ مبارکہ سن کر آپ کے دل پر رقت طاری ہوگئی۔ اور آپ کو راہ ہدایت دکھائی گئی۔ آپ نے اپنے دل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ کب تک تو رہزنی کرتا رہے گا؟ کیا تو نے خدا کے حکم کو نہیں سنا ؟ یہ کہتے ہی آپ نے ایک چیخ ماری اور روتے ہوئے عرض کرنے لگے : اے مولائے کائنات! اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں توبہ کر رہا ہوں، تیرے دربار کی طرف رجوع کر رہا ہوں، اس طرح روتے ہوئے خیمہ سے نکل کر جنگل کی راہ لی ۔ وہاں پر ایک قافلہ اترا ہوا تھا جو

آپ کے متعلق ہی باتیں کر رہے تھے کہ فضیل ڈاکوؤں کا سردار ہے، اس کے ساتھی لوگوں کا مال لوٹ لیتے ہیں۔ ڈاکو ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک عورت پر بھی عاشق ہونے کی وجہ سے راہِ راست سے بھٹکا ہوا انسان ہے وہ کب سیدھی راہ پر آسکتا ہے؟ آپ نے ان کی باتوں کو سن کر اپنا تعارف کرایا کہ فضیل میں ہی ہوں میں اللہ کے فضل و کرم سے آج سے توبہ کر چکا ہوں، آئندہ مجھے اس جنگل میں کبھی ڈاکہ مارتے ہوئے نہیں دیکھو گے۔ فضیل نے سچے دل سے توبہ کر لی۔

حضرت فضیل کا مقام ولایت

ایک رات ہارون الرشید نے اپنے وزیر فضل برمکی سے کہا کہ مجھے آج کی شب کسی ایسے بزرگ کے پاس لے چلو جس سے میرے قلب کو سکون و راحت ہو۔ وزیر، ہارون الرشید کو سفیان کے پاس لے گیا، جب ان کا دروازہ کھٹکایا تو سفیان نے پوچھا کون ہے؟ کہا امیر المومنین۔ سفیان نے کہا مجھے پہلے کیوں نہیں خبر دی تاکہ میں خود ہی حاضر ہو جاتا۔ یہ سن کر ہارون الرشید نے اپنے وزیر کو کہا کہ یہ وہ شخص نہیں جس سے میرا دل مطمئن ہو سکے۔ تو وزیر نے کہا، جس شخص کی آپ کو تلاش ہے وہ فضیل ابن عیاضؒ ہو سکتے ہیں۔ ہارون الرشید اور اس کے وزیر جب حضرت فضیل کے گھر پہنچے تو آپ یہ آیۂ کریمہ تلاوت کر رہے تھے:

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾

یعنی بد اعمال لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو نیک اعمال اشخاص کے برابر مرتبہ دیں گے۔

یہ سن کر ہارون الرشید نے کہا کہ اگرچہ میرے لئے یہی کافی ہے، لیکن پھر بھی دروازہ کھٹکاؤ، وزیر نے دستک دی آپ نے پوچھا کون؟ وزیر نے کہا، امیر المومنین۔ آپ نے فرمایا امیر المومنین کو مجھ سے کیا کام اور مجھے اس سے کیا واسطہ؟ جاؤ اپنا کام کرو میرا وقت ضائع نہ کرو۔ وزیر نے کہا بادشاہ کی اطاعت لازم ہے آپ نے پھر فرمایا مجھے پریشان نہ کرو۔

وزیر نے کہا ہم حکماً داخل ہونا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اجازت تو نہیں دیتا البتہ اگر تم شاہانہ حکم سے آنا چاہتے ہو تو میں رد نہیں کر سکتا، اس طرح ہارون الرشید اور اس کا وزیر آپ کے

پاس پہنچے تو آپ نے اپنا چراغ گل کر دیا تا کہ بادشاہ مجھے دیکھ نہ سکے، اسی دوران ہارون کا ہاتھ کہیں آپ کے ساتھ چھو گیا آپ نے فرمایا کتنا نرم ہاتھ ہے۔ کاش کہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے، یہ کہہ کر آپ پھر اپنی نماز میں مشغول ہو گئے بادشاہ آپ کی اس بے توجہی کو دیکھ کر رونے لگا۔ اور عرض کیا کچھ فرمایئے !

آپ نے فرمایا تمہارا باپ نبی کریم ﷺ کا چچا تھا (یعنی تم عباسیہ خاندان کے ہو) انہوں نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سے کسی صوبہ کی امارت (گورنری) طلب کی تو آپ نے فرمایا اے چچا تمہیں تمہارے نفس کا امیر بنایا جاتا ہے۔ یعنی مخلوق کی ہزار سال طاعت کرنے سے نفس کا خالق کی طاعت میں رہنا بہتر ہے۔

ہارون الرشید نے کہا اور کچھ نصیحت فرمائیں :

"آپ نے کہا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جب خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے چند بزرگوں کو بلا کر پوچھا کہ میں اس بارگراں (بھاری بوجھ) کو کیسے اٹھا سکوں گا " انہوں نے مشورہ دیا کہ اگر تم قیامت کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو ضعیف مسلمانوں کو باپ کی طرح ، نوجوانوں کو بھائیوں کی طرح ، چھوٹوں کو بچوں کی طرح اور عورتوں کو بہنوں کی طرح سمجھو!

ہارون الرشید نے عرض کیا کچھ اور ارشاد فرمایئے!

آپ نے فرمایا : اسلامی ملک ریاست کو گھر کے برابر سمجھو، تمام مخلوق کو ماں، باپ، بہن بھائی اور بچوں کے برابر سمجھو، ان سے اچھا سلوک رکھو ۔ یہ خوف ذہن میں ہمہ وقت رکھو کہ کتنے ہی خوبصورت چہرے آگ میں پڑ کر بد صورت ہو جائیں گے اور کتنے ہی سردار وہاں قید ہو جائیں گے ۔ ہر غریب کے حقوق اس تک پہنچاؤ۔ ورنہ قیامت کے دن وہ غریب بڑھیا عورت بھی تمہارے دامن کو پکڑنے والی ہو گی جو یہاں بھوکی سو گئی ۔

آپ کی یہ نصیحتیں سن کر ہارون الرشید پر گریہ وزاری طاری ہو گیا۔ روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ پھر ہارون نے آپ سے پوچھا کہ تم نے کسی کا قرض تو نہیں دینا، آپ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا قرض میرے ذمہ ہے اگر اس میں کوتاہی ہو گئی ، ادا نہ کر سکا تو میری حالت

افسوسناک ہو گی۔

ہارون نے کہا میرے پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ نے دنیا میں کسی انسان کا قرض تو نہیں دینا ، آپ نے فرمایا نہیں اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بہت نعمتیں حاصل ہیں۔

ہارون نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار دیناروں کی تھیلی پیش کی، آپ نے کہا افسوس میری نصیحتوں کا تم پر کوئی اثر نہیں۔ غصہ سے دیناروں کی تھیلی واپس کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بادشاہ اور اس کا وزیر بھی مجبوراً اٹھے، آپ نے دروازہ بند کر دیا۔ ہارون نے وزیر سے کہا کہ واقعی فضیل بن عیاض اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے ولی ہیں۔

(ماخوذ از تذکرۃ الاولیاء)

سبحان اللہ ! یہ فضیل بن عیاض ایک عورت کا عاشق، تمام مال و دولت اور راتیں اس پر قربان کرنے والا، ڈاکو، راہزن، چور، لٹیرہ، ڈاکوؤں کا سردار۔ لیکن توبہ کرنے سے، اپنے گناہوں پر نادم ہونے، گناہوں کو چھوڑنے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کے عزم صمیم سے ولایت کے بہت بلند مقام پر فائز ہو گیا۔

گناہگار بندے کی توبہ سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" للہ اشد فرحا بتوبة احدکم من احدکم بضالته اذا وجدها "

(مسلم شریف ج ۲ کتاب التوبة)

اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو اپنی گم شدہ چیز کو پا کر خوش ہوتا ہے۔

دوسری حدیث شریف میں زیادہ وضاحت ہے۔

حضرت حارث بن سویدؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہؓ کے پاس ان کی حالت مرض میں عیادت کے لئے حاضر ہوا، آپ نے مجھے دو حدیثیں بیان فرمائیں ایک حدیث اپنی طرف سے اور ایک حدیث رسول اللہ ﷺ کی طرف سے، آپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو

خوفناک بے آب و گیاہ جنگل میں ہو اس کے ساتھ ایک سواری ہو جس پر اس کا کھانے، پینے کا سامان لدا ہوا ہو تو یہ شخص سو جائے جب بیدار ہو تو دیکھے کہ میری سواری غائب ہے اس کی تلاش میں نکلے، پیاس غالب آجائے (عاجز آکر) کہے۔ کہ جہاں سے آیا تھا وہاں ہی واپس جا کر سو جاتا ہوں تاکہ موت ہی آجائے۔ واپس آکر اپنا سر کلائی کے اوپر رکھ کر سو جاتا ہے تاکہ موت آجائے۔ لیکن کچھ دیر بعد جاگتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی سواری بمع کھانے پینے کے سامان کے اس کے پاس کھڑی ہے، اس وقت اس شخص کو اپنی سواری اور کھانے، پینے کی اشیاء دیکھ کر جتنی خوشی ہو گی، اللہ تعالیٰ کو اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوشی ہو گی۔

کتنی ہی مرتبہ غلطی سرزد ہو پھر بھی توبہ کرتا ہی رہے

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" ما اصر من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرة "

(ترمذی، ابو داؤد، مشکواۃ باب الاستغفار التوبہ)

جو شخص استغفار کرتا ہے وہ اپنے گناہوں پر مصر (قائم رہنا) نہیں رہتا، اگرچہ ایک دن میں ستر مرتبہ بھی اس سے غلطی کیوں نہ سرزد ہو۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ گناہوں سے توبہ کرتا رہے، غلطی سے کئی مرتبہ بھی اس کے گناہ سرزد ہو جائیں تو توبہ کرنے سے شرم محسوس نہ کرے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ توبہ نہ کرنا، گناہ پر نادم نہ ہونا، یہ گناہ پر اصرار ہے اور گناہ پر اصرار سے گناہوں میں زیادتی ہوتی ہے۔

حدیث پاک میں ہے "لا صغیرة مع الاصرار ولا کبیرة مع الاستغفار" اصرار سے صغیرہ نہیں اور استغفار سے کبیرہ نہیں رہتا۔ یعنی گناہ پر اصرار (باربار کرنے) سے وہ صغیرہ اپنی پہلی حیثیت پر صغیرہ نہیں رہتا بلکہ کبیرہ بن جاتا ہے۔ اور اگر کبیرہ بھی سرزد ہو جائے تو توبہ و استغفار کرنے سے وہ کبیرہ نہیں رہتا بلکہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے معاف فرما دیتا ہے۔

انسان تو گناہگار ہی ہے لیکن رب تعالیٰ "غفار" ہے

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" والذی نفسی بیدہ لولم تذنبوا لذھب اللہ بکم ولجاء یقوم یذنبون فیستغفرون اللہ فیغفرلھم "

(مسلم، مشکواۃ باب التوبتہ)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جاتا، ایک اور قوم کو لے آتا جو گناہ کرتے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرماتا۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ انسان کا گناہوں سے معصوم ہونا فرشتوں کی طرح ہمہ وقت نیکیوں میں مشغول ہونا اس نظام دینا کے ہی مخالف ہے، کیونکہ دنیا کو امتحان گاہ بنایا کہ کون ایمان لاتا ہے اسی طرح کون نیکیاں کرتا ہے اور کون برائیں پھر برائیوں سے کون توبہ کرتا ہے اور کون برائیوں پر قائم رہتا ہے توبہ کرنے والوں کو رب تعالیٰ معاف فرماتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کو نیک لوگوں کو انعامات دینا پسند ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند ہے کہ گناہ گار اس سے معافی طلب کریں تو وہ انہیں معاف فرمائے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" کل بنی آدم خطاء وخیرالخطائین التوابون "

(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، مشکواۃ باب الاستغفار والتوبۃ)

ہر انسان خطاء کار ہے لیکن اچھے لوگ وہ ہیں جو غلطی کے ارتکاب کے بعد توبہ کر لیتے ہیں یعنی انسان ہے ہی بھولنے والا کثیر غلطیاں کرتا رہتا ہے لیکن رب تعالیٰ مغفرت فرمانے والا ہے انسان کا کام ہے غلطیاں کرنا لیکن رب کی طرف رجوع کرنے توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کام ہے اپنے رحمت سے مغفرت فرمانا۔

لیکن انبیائے کرام گناہوں سے پاک ہیں۔ اسی لئے اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاریؒ

فرماتے ہیں :

" واما الانبیاء صلوات اللہ علیھم فاما مخصوصون عن ذالك واما انھم اصحاب صغائر والاول اولیٰ "

جو حکم عمومی ذکر کیا ہے کہ ہر انسان خطاء کار ہے اس سے انبیائے کرام خاص ہیں۔ یا بعض لوگوں کا قول ہے کہ انبیاء کرام سے صغائر سرزد ہوتے ہیں۔ لیکن پہلا قول ہی معتبر ہے کیونکہ صحیح محققین کا مسلک یہی ہے کہ انبیاء کرام صغائر سے بھی پاک ہوتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" ان المؤمن اذا اذنب کانت نکتة سوداء فی قلبه فان تاب واستغفر صقل قلبه وان زاد زادت حتی تعلو قلبه فذلکم الران الذی ذکر اللہ تعالیٰ ﴿ کلا بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون ﴾ "

(مسند احمد ، ترمذی ، ابن ماجه ، مشکواۃ باب الاستغفار والتوبة)

بے شک مومن جب گناہ کرتا ہے اس کے دل میں سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا ہے اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ اگر وہ گناہ زیادہ کرنے شروع کر دے تو اس کے دل کی سیاہی زیادہ ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمام دل پر چھا جاتی ہے۔ یہ ان کے دلوں پر زنگ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ (پ ۳۰)

نہیں نہیں در حقیقت زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ان کے کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔

حدیث شریف سے واضح ہو رہا ہے کہ جس طرح نیک اعمال سے دلوں میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ ان کے دل کا آئینہ صاف و شفاف ہوتا ہے اسی طرح گناہوں سے دل سیاہ ہو جاتا ہے نورانیت و چمک، دمک ختم ہو جاتی ہے۔ دل زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ جس طرح لوہے کے زنگ صقل (نِکل) سے دور کیا جاتا ہے اسی طرح دل کے زنگ کو توبہ سے دور کیا جاتا ہے۔

ایک شخص کی توبہ کا عجیب واقعہ

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص نے ننانوے قتل کئے، پھر علاقہ میں جو شخص بڑا عالم تھا اس سے سوال کیا (کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے) اس نے ایک راہب کی راہنمائی کی، وہ شخص اس کے پاس آیا، اسے بتایا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے۔ راہب نے کہا نہیں۔ اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا۔ اسی طرح اس نے سو قتل مکمل کر لئے۔ پھر علاقہ کے کسی بڑے عالم سے سوال کیا۔ اس نے اس کی ایک اور عالم کی راہنمائی کی کہ اس سے سوال کرو، اس عالم کے پاس آکر اس شخص نے بتایا کہ میں نے سو قتل کئے کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا ہاں...... یقیناً توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا...... کون سی چیز ہے جو تمہارے اور توبہ کے درمیان حائل ہے؟...... جو توبہ قبول نہ ہونے دے...... تم فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اپنی زمین (اپنے علاقہ) کی طرف لوٹ کر نہ آنا۔ کیونکہ یہ برائیوں والی زمین ہے۔

وہ شخص چل پڑا...... جہاں عبادت گذار لوگوں کے پاس جانا تھا اس کا...... ابھی نصف راستہ ہی طے کیا تھا کہ وہ فوت ہو گیا۔ تو اب رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اس شخص کے بارے میں جھگڑا کرنے لگے۔ رحمت کے فرشتے کہنے لگے...... اس کی روح ہم لے کر جائیں گے...... کیونکہ یہ سچے دل سے توبہ کی غرض سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھا...... اس لئے اتنے دور سے نیک لوگوں کے پاس جا رہا تھا...... عذاب کے فرشتے کہنے لگے...... اس کی روح ہم لے کر جائیں...... اس نے کوئی نیک کام آج تک کیا ہی نہیں۔ اتنے میں ایک اور فرشتہ انسانی شکل میں آگیا۔ ان فرشتوں نے یہ معاملہ اپنے جھگڑے کا اس کے سامنے پیش کیا۔ اس نے کہا کہ دونوں طرف کی زمین کو ناپ لو جس طرف کی زمین تھوڑی ہے یہ شخص ان کے لئے ہی ہو گا۔ یعنی اگر وہ زمین قریب ہے جس میں نیک لوگ عبادت کر رہے ہیں تو یہ نیک لوگوں کا ساتھی متصور ہو گا؛ کیونکہ یہ زیادہ فاصلہ طے کر چکا تھا تھوڑا باقی رہ گیا تھا۔ اور اگر وہ زمین جو گناہوں والی ہے جہاں سے یہ آرہا تھا تو ابھی گناہگار ہی متصور ہو گا کیونکہ ابھی اس نے تھوڑا فاصلہ طے کیا تھا اور زیادہ باقی رہتا

تھا) جب انہوں نے زمین کو ناپا تو وہ زمین قریب تھی جہاں جا رہا تھا۔ تو اس طرح اس کی روح کو ملائکہ رحمت نے لے لیا۔

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے ہمیں بتایا کہ جب اس شخص پر موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے سینہ کو اٹھایا ۔(یعنی صرف سینہ کا اس سرزمین کی طرف ہونا ہی اس کی بخشش کا سبب بنا)

حدیث پاک سے حاصل ہونیوالے فوائد

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ رب کتنا ہی رحیم ہے انسان جب اپنے جرائم پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دامن میں لے کر اسے معاف فرما دیتا ہے۔ یہ نہیں دیکھتا یہ کتنا بڑا مجرم ہے۔

☆ یہ واقع پہلی امتوں کا ہے۔ ہماری شریعت میں ارادۂ قتل کرنے سے توبہ کے ساتھ ساتھ مقتول کے ورثاء کا معاف کرنا بھی ضروری ہے۔ قتل کے اقسام واحکام کی تفصیلی بحث گذر چکی ہے

☆ عابد سے عالم بہتر ہے، کیونکہ پہلے وہ شخص راہب کے پاس گیا جو عبادت گذار تو تھا لیکن صاحب علم نہیں تھا اس لئے وہ اس کی صحیح راہنمائی نہ کر سکا اور خود بھی قتل ہو گیا۔ پھر وہ شخص دوسری مرتبہ ایک عالم کے پاس گیا جس نے اس کی بہتر طریقہ سے راہنمائی کی تو وہ توبہ کی غرض سے جا رہا تھا، باوجود منزل مقصود تک نہ پہنچنے کے وہ بخشا گیا۔ یہ عالم باعمل کی نیک اور درست راہنمائی کا ہی نتیجہ تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد"

(ترمذی، ابن ماجه، مشکواة کتاب العلم)

ایک عالم فقیہ بنسبت ہزار عابد کے شیطان پر غالب ہے۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ عابد فقط اپنے آپ کو بچانے کی فکر میں ہوتا ہے اور عالم باعمل اپنے آپ کو بچانے کے ساتھ ساتھ دوسروں

کو بھی بچانے کی سعی کرتا ہے۔

☆ انسان جب نیکی کا پختہ ارادہ کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر بھی ثواب مرتب کرتا ہے، جس طرح یہ شخص اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکا، لیکن نیکی کے ارادہ اور توبہ کی غرض سے جارہا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا، نیکی کے پختہ ارادہ پر ثواب مرتب فرمادیا۔

☆ جس سرزمین پر برائیاں ہو رہی ہوں، اسے چھوڑ دینا چاہئے، کسی دوسری جگہ انسان کو چلا جانا چاہئے تاکہ برائیوں کی نحوست سے بچ سکے۔

☆ نیک لوگوں کی محفل میں بیٹھنے سے ان کی نیکیوں کے اثرات حاصل ہوتے ہیں انسان دیکھ کر ان کی نیکیوں جیسی نیکیاں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے قرب کی وجہ سے اس کو بھی نیک بنادیتا ہے اور توبہ کی توفیق فرمادیتا ہے۔

فائدہ :

سوال کرنے سے کسی کے علم کی نفی نہیں ہوتی۔ سوال کرنے میں کئی حکمتیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالی نے سوال کیا : تونے ایسا کیوں کیا؟ حالانکہ اللہ تعالی عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ اس طرح نبی کریم ﷺ نے کئی مواقع پر جاننے کے باوجود سوال فرمائے۔ اس سے آپ کے علم کی نفی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالی نے اس شخص کی بخشش اس لئے فرمادی کہ وہ حقیقتاً سچا تھا۔ اللہ تعالی کا خوف اسے دامن گیر تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالی کی صفات سے جاہل تھا۔ جو عیب تو ہے مگر جرم نہیں۔ اور اگر کسی شخص کو اللہ تعالی کی صفات کا علم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ مسلمان کو جلانا حرام ہے۔ تو پھر اسے جائز سمجھ کر اس قسم کی وصیت کرے (مجھے جلادینا وغیرہ) تو کافر ہو جائے گا۔

موت کے یقین ہونے سے پہلے توبہ کرے

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" ان اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغرر "

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ، باب الاستغفار والتوبۃ)

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک اس کی جان حلقوم میں نہ آجائے یعنی جب موت کا یقین نہ ہو تو توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ سے قبول فرمائے گا۔ اگر موت کا یقین آجائے تو توبہ قبول نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی متعلق اس طرح ارشاد فرمایا:

" ولیست التوبه للذین یعملون السیئات حتی اذا حضر احد هم الموت قال انی تبت الآن ولا الذین یموتون وهم کفار "

اور وہ توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی (توبہ) جو کافر مرے

یعنی جو لوگوں ساری زندگی گناہوں میں گذار دیتے ہیں، اپنی نادانی، بے وقوفی کی وجہ سے توبہ نہیں کرتے، زندگی میں تو عیش و عشرت، طرب و نشاط نے انہیں گناہ میں مبتلاء رکھا، ہر قسم کے فسق و فجور میں ملوث رہے، لیکن جب موت کا وقت آگیا پھر کہنے لگے ہائے میری توبہ، اللہ مجھے معاف فرما۔ ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرنے کا اللہ تعالیٰ کا وعدہ نہیں، البتہ اس کی مرضی ہو تو معاف فرمادے تو اس کی مہربانی۔

موت کا یقین ہونے پر جان کا حلقوم میں آجانے پر کافر کی توبہ تو قبول نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق ذکر فرمایا:

﴿ وَجَاوَزْنَا بِبَنِیْ اِسْرَائِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا حَتّٰی اِذَا اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْ آمَنَتْ بِهٖ بَنُوْا اِسْرَائِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ☆ آلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ☆ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ آیَةً وَاِنَّ كَثِیْرًا مِنَ النَّاسِ عَنْ آیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴾

(پ ۱۱ . ۱٤)

اور ہم بنی اسرائیل کو دریا پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا سرکشی اور ظلم سے یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے آلیا بولا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں۔ کیا اب (تو ایمان لاتا ہے، توبہ کرتا

ہے) اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا، آج ہم تیری لاش کو اتار دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی ہو اور بے شک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔

یہاں سے واضح ہوا کہ موت کے یقین آنے پر فرعون کو ایمان لانا فائدہ نہ پہنچا سکا۔ اس کی توبہ اس حال میں قبول نہیں ہوئی، حلقوم میں جان آنے پر کافر کی توبہ کا قبول نہ ہونا واضح ہوا۔

مومن اس وقت توبہ کرے جب اسے موت کا یقین ہو جائے تو اس کی توبہ کو ضرور قبول کرنے کا اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ نہیں فرمایا، البتہ اس کی مرضی پر موقوف ہے، چاہے تو قبول فرمائے چاہے تو نہ قبول فرمائے۔

اہل علم نے یہ قید اس لئے لگائی ہے کہ ابھی جس آیۂ کریمہ اور حدیث شریف کو ذکر کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ موت کے وقت بالکل توبہ قبول ہی نہیں لیکن دوسری حدیث سے روح المعانی نے نقل فرمائی اس سے پتہ چلتا ہے کہ جان حلقوم میں بھی ہو تو پھر بھی توبہ کا وقت ہے۔ تو اس طرح ان میں تطبیق ہو جائے گی کہ قبول کرنے کا تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا، ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾

اور توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا ہے وہ انہیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر تھوڑی دیر میں توبہ کر لیں۔ ایسوں پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے وہ حدیث جو روح المعانی نے نقل فرمائی جس سے پتہ چلتا ہے کہ حلقوم میں جان آنے پر توبہ کی جائے، اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"رسول اللہ ﷺ نے ایک اپنے خطبہ کے آخر میں ارشاد فرمایا جو شخص اپنی موت سے پہلے ایک سال توبہ کرلے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا، پھر فرمایا جس شخص نے موت سے ایک مہینہ پہلے توبہ کرلی اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا، پھر ارشاد فرمایا جس شخص نے اپنی موت سے ایک دن پہلے توبہ کی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا، پھر فرمایا دن بھی بہت ہے جو موت سے ایک گھڑی پہلے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا، پھر فرمایا، گھڑی بھی بہت ہے۔ یہ فرما کر اپنے حلق مبارک کی

طرف اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص جان کے یہاں تک آنے پر بھی توبہ کرے تو قبول ہے"

ان آیات اور احادیث میں تطبیق اسی طرح ممکن ہے جیسے ذکر کیا جاچکا ہے کہ مومن موت کے یقین سے پہلے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے قبولیت کا وعدہ فرمالیا، اس کی قبولیت کا یقین ہے، اور اگر موت کے وقت توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ چاہے تو قبول فرمائے اور چاہے تو نہ قبول فرمائے، لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اپنے جرائم پر قائم رہنے کے بجائے معافی طلب کرے، تاخیر نہ کرے بلکہ جلدی کرے دیر سے یعنی موت کے وقت پر توبہ کی قبولیت پر یقین نہ رکھے۔

نیک انسان بھی توبہ و استغفار کرتا رہے

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" واللہ انی لاستغفر اللہ واتوب الیہ فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ
(بخاری، مشکوٰۃ باب الاستغفار و التوبۃ)

قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں ہر دن ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ و استغفار کرتا ہوں۔

حدیث شریف میں جو ستر مرتبہ ذکر ہے اس سے مراد کثرت ہے کہ میں بہت ہی زیادہ توبہ و استغفار کرتا ہوں۔ کیونکہ دوسری حدیث میں سو مرتبہ استغفار کا ذکر ہے۔

حضرت ابن الملکؒ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی توبہ و استغفار " لیس لذنب لانہ معصوم "کسی گناہ کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی کیونکہ آپ تو معصوم ہیں۔ آپ یہ خیال کر کے توبہ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام ہے اس کے حضور کھڑے ہو کر میں اس کی عبادت اور عجز و انکساری میں کہیں کوتاہی نہ کر دیتا ہوں یہ خیال کر کے اپنے عجز کا اظہار کرنے کے لئے توبہ فرماتے تھے۔ سبحان اللہ ! کیا ہی شان ہے رب تعالیٰ کی بلند شانوں والے بھی کہتے ہیں "ماعرفناك حق معرفتک وما عبدناك حق عبادتک "ہم نے تجھے ایسے

نہیں پہچانا جیسے پہچاننے کا حق ہے اور ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسے عبادت کرنے کا حق ہے۔

نبی کریم ﷺ کے توبہ کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی:

" وحث لامته على التوبة والاستغفار فانه ﷺ مع كونه معصوما وكونه خير المخلوقات اذا استغفر و تاب الى ربه فى كل يوم اكثر من سبعين مرة فكيف بالمذنبين "

اور آپ نے تعلیم امت کے لئے توبہ فرمائی، امت کو اس پر برانگیختہ کرنا تھا کہ جب آپ ﷺ باوجود معصوم ہونے اور تمام مخلوقات سے اعلیٰ ہونے کے باوجود ہر دن میں ستر مرتبہ سے زائد توبہ و استغفار فرماتے ہیں تو گناہگاروں کا کیا حال ہو گا؟ کہ وہ توبہ و استغفار نہ کریں۔

(ماخوذ از مرقاۃ المفاتیح)

جب نبی کریم ﷺ سے شان کے لحاظ پر کوئی بلند و بالا نہیں ہو سکتا تو کوئی شخص اپنی نمازوں صدقات و خیرات اور نیکیوں پر ناز نہ کرے بلکہ ہر حال میں اپنے آپ کو عاجز سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی طلب کرتا رہے، اس سے مدارج بلند ہوں گے۔

کسی مسلمان کے متعلق نہ کہو کہ اس کی بخشش نہیں ہو گی

حضرت جندب ؓ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا:

" ان رجلا قال والله لايغفر الله لفلان وان الله تعالىٰ قال من ذا الذى يتألى على انى لا اغفر لفلان فانى غفرت لفلان واحبطت عملك " (او كما قال)

(مسلم، مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبۃ)

ایک شخص نے کہا کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی فلاں شخص کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا۔ (اللہ تعالیٰ کے دربار میں جب پہنچے) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے کس نے کہا تھا؟ کہ تم قسم اٹھاؤ کہ میں فلاں کی مغفرت نہیں کروں گا۔ بے شک میں نے فلاں کی مغفرت کر دی اور تمہارے عمل کو ضائع کر دیا۔ (او کما قال ﷺ)

حدیث پاک سے معلوم ہوا

(۱) رسول اللہ ﷺ نے آنے والے حالات کو اپنی زندگی مطہرہ میں دیکھ کر بیان فرمادیا۔ یہ مکالمہ قیامت کو ہوگا لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اور اس کے بندے میں گویا کہ یہ بات چیت ہو چکی ہے۔

(۲) انسان کسی کی برائیوں کو زیادہ سمجھ کر اور اپنی نیکیوں پر ناز کرتے ہوئے تکبرانہ انداز سے یہ نہ کہے کہ فلاں کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ اس شخص کو جھوٹی قسم کی سزا دینے کے لئے اور اسے ذلیل کرنے کے لئے اس دوسرے شخص کو بخش دے گا اور اس کے اعمال کو ضائع کردے گا، اعمال کے ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سزا ان پر غالب آجائے گی جب عذاب میں مبتلاء ہوگا [تو گویا کہ اس کے نیک اعمال نہ ہونے کے برابر ہوں گے۔

یہ خیال رہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ گستاخ رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا۔ صحابہ کرام ، اہل بیت اطہار کی شان میں گستاخیاں کرنے والوں کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا، شرک کرنے والوں کو، کفر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔ اس طرح کہنا جائز ہوگا؛ کیونکہ یہ سب کافر ہیں، یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو نہیں بخشے گا۔



باب سوم :

احوالِ قبر

فصل اول : منکر اور نکیر کے احوال

قبر میں انسان کی روح کو لوٹا دیا جائے گا اور فرشتے اس سے سوال کریں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" فتعاد روحه فی جسده فیأتیه ملكان فیجلسانه "انسان کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جائے گا اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے وہ آکر اس شخص کو بٹھالیں گے۔

روح کو لوٹانا، فرشتوں کا آکر اس شخص کو بٹھانا اور سوال وجواب یہ مومنوں، کافروں ، نیک، برے، سب لوگوں سے ایک جیسا ہو گا۔ البتہ مومنوں اور کفار کے جوابات میں فرق ہو گا، اور قبر میں راحت وعذاب میں فرق ہو گا۔

قبر میں آنے والے فرشتوں کے نام

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

" اذا اقبر المیت اتاه ملكان اسودان ازرقان یقال لاحدهما المنكر وللآخر النكیر "

جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں دونوں کے رنگ سیاہ ہوں گے آنکھیں دونوں کی نیلی ہوں ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔

" فان ظهر عن المیت اثر الاسلام سأل عنه المنكروان ظهر عنه الكفر سأله النكیر "
(حاشیہ نبراس ص ۳۱۹)

اگر میت سے اسلام کی علامات ظاہر ہو رہی ہوں گی تو وہ فرشتہ سوال کرے گا جس کا نام "منکر" ہو گا۔ اور اگر کفر کی علامات ظاہر ہو رہی ہوں گی تو سوال کرنے والے فرشتے کا نام "نکیر" ہو گا۔

رنگ سیاہ، آنکھیں نیلی، کیوں ہوں گی؟

اللہ تعالیٰ ان کو اس صفت پر (یعنی رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی) اس لئے بھیجے گا تاکہ ان میں دہشت اور ہولناکی پائی جائے "ویکون خوفھما علی الکفار اشد لیتحیروا فی الجواب" اور ان دیکھ کر کفار متحیر ہو جائیں گے اور ان سے ڈریں گے اس طرح وہ جواب دینے میں متحیر ہوں گے "واما المؤمنون فلھم فی ذالک ابتلاء فیثبتھم اللّٰہ فلاتخافون ویأمنون جزاء لخوفھم منه فی الدنیاء" لیکن مومنوں کی صرف آزمائش ہوگی، اللہ تعالیٰ ان کو ثابت رکھے گا وہ کسی قسم کا کوئی خوف محسوس نہیں کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ مومن دنیا میں عذاب قبر اور منکر نکیر سے ڈرتا ہے تو اس وجہ سے قبر میں اللہ تعالیٰ اسے منکر و نکیر سے امن میں رکھ کر دنیا کے خوف کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

ان کے نام منکر اور نکیر کیوں رکھے گئے

"مُنکَر" اسم مفعول کا صیغہ ہے انکر سے لیا ہوا ہے اور معنی اس میں "نکر والا" ہے یعنی اجنبی ہونا، کسی کو نہ پہچاننا، اسی طرح "نکیر، فعیل" کا وزن ہے نکر سے ماخوذ اور معنی اس میں بھی مفعول والا ہے، یعنی دونوں لفظوں کا ایک ہی معنی ہے کہ وہ اجنبی کی طرح ہوں گے ان کو کوئی پہچانتا نہیں ہوگا، منکر اور نکیر دونوں کا معنی ہوا [نہ پہچانا ہوا] کیونکہ میت کے سامنے ان کی صورتیں اجنبی کی حیثیت ہوں گی، اس سے پہلے میت نے ایسی صورت کبھی نہیں دیکھی ہوں گی، کیونکہ ان کو قبر میں آنے کے لئے اور میت کی آزمائش کے لئے سیاہ رنگ، قبیح صورتیں، نیلی آنکھیں، ایک جگہ ٹکٹکی باندھ کر (دوسرے کو ڈرانے والی) دیکھنے والی آنکھیں دی گئی ہوں گی، یہ منظر یقیناً میت کے لئے عجیب و غریب ہوگا۔

تنبیہ:- قبر میں فرشتوں کا آنا، سوال جواب، پھر مومن کو راحت اور کافر کو عذاب کا تعلق صرف قبر سے نہیں، چونکہ اکثر طور پر قبر کا ذکر کیا جاتا ہے ورنہ کوئی شخص مرے اسے درندے کھا جائیں، پانی میں غرق ہو جائے، اسے مچھلیاں کھا جائیں۔ آگ میں جلا دیا جائے اس کی راکھ کو

طیارہ کے ذریعے ہوا میں بکھیر دیا جائے، پھر بھی سوال و جواب راحت و عذاب کا تعلق ہو گا۔

" ان اللہ تبارك و تعالی یعلق روحه الذی فارقه بجزئه الاصلی الباقی من اول عمره المستمر علی حاله حالتی النمو والذبول الذی تتعلق به الروح اولا فیحیا ویحیا بحیاته سائر اجزاء البدن لیسئل فیثاب او یعذب ولا یستبعد ذالك فان اللہ تعالی عالم بالجزئیات والکلیات کلها حسب ماهی علیها فیعلم الاجزاء بتفاصیلها ویعلم مواقعها ومحالها ویمیز بین ماهو اصل وفصل ویقدر علی تعلیق الروح بالجزء الاصلی منها حالة الانفراد وتعلیقه به حالة الاجتماع فان البنیة عندنا لیست شرطا للحیاة بل لا یستبعد تعلق ذالك الروح الشخصی الواحد بکل واحد من تلك الاجزاء المتفرقة فی المشارق والمغارب فان تعلقه بتلك الاجزاء لیس علی سبیل الحلول حتی یمنع الحلول فی جزء آخر "

(مرقاۃ المفاتیح اثبات عذاب القبر)

بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ روح کا جسم سے تعلق ٹوٹنے کے بعد پھر انسان کے اس جزء اصلی سے اس کا تعلق قائم کر دیتا ہے جو انسان کی ابتداء عمر سے آخر عمر تک ایک ہی حال پر رہتا ہے خواہ انسان کے جسم میں موٹاپا ہو یا لاغری۔ اس جزء اصلی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ وہ اپنے ایک حال پر بر قرار رہتا ہے سب سے پہلے روح کا تعلق اس جزء اصلی سے ہوتا ہے اس کو زندگی حاصل ہوتی ہے پھر اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ بدن کے تمام اجزاء کو زندگی حاصل ہو جاتی ہے، اس پر ثواب و عذاب مرتب ہوتا ہے۔

قدرت خداوندی سے کوئی بعید بات نہیں

کیونکہ اللہ تعالیٰ جزئیات اور کلیات کو جانتا ہے خواہ وہ کسی حال پر بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ انسان کے جسم کے تمام اجزاء کو جانتا ہے پوری تفصیل اس کے علم میں ہوتی ہے، ان کی جگہ، مقامات کو جانتا ہے، اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون سے اجزاء اصلیہ ہیں جو ہر حال میں بر قرار رہتے ہیں اور کون سے اجزاء وہ ہیں جو موٹاپے کی حالت میں آجاتے ہیں اور لاغری کی صورت میں جدا ہو جاتے ہیں۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے روح کا تعلق جسم اور بدن کے تمام اجزاء سے اجتماعی حالت میں قائم فرمایا اسے یہ بھی قدرت حاصل ہے کہ وہ جسم کے اجزاء اصلیہ سے انفرادی حالت میں روح کا

تعلق ان سے قائم کر دے کیونکہ ہمارے نزدیک زندگی کے لئے جسم کا پورے بدن کی صورت میں ہونا ضروری ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ ایک انسان کی ایک ہی روح کا تعلق اس انسان کے ہر جزء سے جوڑ دے خواہ اس کے اجزاء مشرق و مغرب میں بھی کیوں نہ ہوں، کیونکہ

زندگی کے لئے صرف یہ روح داخل ہو کر اس کے اندر سما جائے گا تو پھر دوسری جزء میں کیسے سمائے گا، یہ صورت ہی نہیں بلکہ روح کا تعلق جسم کے تمام اجزاء سے قائم کر دیا جائے گا۔ وہ اجزاء خواہ میں مشرق میں ہوں یا مغرب میں ۔

رئیس المحققین والمدققین، شہباز خطابت، منبع جود وسخاوت ، صاحب حسن سیرت ، پیکر خلوص و محبت ، شاہ شفقت و عنایت استاذی المکرّم حضرت علامہ ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی صاحب مدظلہ العالی۔ شیخ الحدیث مدرسہ ضیاء شمس الاسلام سیال شریف نے مشکوۃ پڑھاتے ہوئے ...... غالبا مشکوۃ شریف میں نے آپ سے جامعہ نعیمہ گڑھی شاہو لاہور میں پڑھی ...... ارشاد فرمایا :

”کہ اس کی مثال سمجھنے کے لئے سورج کو مدنظر رکھا جائے، یہ عقدہ ایک لمحہ میں حل ہو جائے گا، جس طرح سورج کا تعلق تمام روئے زمین کے نباتات سے ہے زمین کے کسی حصہ میں کوئی پودہ بھی ہو وہ اپنی نشوونما میں سورج سے فائدہ حاصل کرتا ہے، اور سورج کی شعاعوں سے تمام روئے زمین کا ایک ایک حصہ منور ہو رہا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نباتات کو سورج کی شعاعوں سے فیضان لینے اور مشرق و مغرب کی زمین کے تمام حصوں کو جگمگانے میں میں کوئی مشکل در پیش نہیں اور سورج کو اپنا فیضان پہنچانے میں کوئی دقت حاصل نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کیسے بعید ہو سکتا ہے کہ روح کا تعلق جس کے تمام اجزاء سے خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں ہوں نہ ہو سکے“۔

اہم فائدہ :

جس طرح ایک شخص سے ایک روح کا تعلق اس کے تمام اجزاء سے ہوتا ہے خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں ۔ اسی طرح "حقيقة محمديه" علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تمام کائنات میں موجود ہے، میں نے اس مسئلہ کو اپنے رسالہ " عقیدہ حاضر و ناظر " میں واضح کیا ہے، جس کو بزم قادریہ رضویہ اسلام آباد و کراچی نے چھاپنے کی سعادت حاصل کی ہے

دو فرشتے تمام مُردوں سے کیسے سوال کریں گے ؟

حضرت ملا علی قاریؒ نے اس سوال کا جواب ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں :

"وكيف يسألانهم فى وقت واحد مع كثرتهم فى الآفاق والاطراف وبعد المسافة شرقا وغربا قيل جميع الارض مكشوف لهما وفى نظرهماكما لملك الموت"

(ماخوذ از مرقاة باب اثبات عذاب القبر)

دو فرشتے منکر اور نکیر تمام فوت ہونے والوں سے کیسے سوال کریں گے حالانکہ کثیر تعداد میں لوگ بیک وقت فوت ہوتے ہیں اور دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، کوئی مشرق میں ہوتا ہے اور کوئی مغرب میں اتنی دوری کے باوجود صرف دو فرشتوں کا ہر جگہ پہنچنا کیسے ممکن ہو سکے گا

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تمام روئے زمین ان پر منکشف ہو گی، سب مرنے والے ان کی نظر کے سامنے ہوں گے جس طرح ملک الموت فرشتہ (حضرت عزرائیلؑ) تمام روئے زمین میں ایک وقت کتنے ہی لوگ فوت ہونے والے کیوں نہ ہوں، سب کو جانتا بھی ہے، سب تک پہنچتا بھی ہے، سب کی روحیں قبض کرتا ہے،

میت اپنے اصحاب کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے

حضرت انسؓ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" ان العبد اذا وضع فى قبره وولى عنه اصحابه انه يسمع قرع نعالهم اتاه ملكان فيقعد انه"

(مشكوٰة باب اثبات عذاب القبر)

بے شک انسان کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ اسے دفن کر کے لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، دو فرشتے آکر اسے بٹھا لیتے ہیں (پھر سوال کرتے ہیں)

" قال ابن الملك اى صوت دقها و فيه دلالة علىٰ حياة الميت فى القبر لان الاحساس بدون الحياة ممتنع عادة وان الميت يعلم من يكفنه فمن يصلى عليه ومن يحمله ومن يد فنه "

(ماخوذ از مرقاة باب اثبات عذاب القبر)

ابن الملکؒ نے فرمایا کہ وہ حقیقۃً جوتوں کی آواز سنتا ہے، یہ حدیث پاک میت کی قبر میں زندگی پر دلیل ہے اس لئے کہ بغیر زندگی کے احساس یعنی سننا عادۃً منع ہے، اور بے شک میت اپنے کفن دینے والے نماز جنازہ پڑھنے والے، چارپائی اٹھانے والے اور دفن کرنے والے کو جانتا ہے۔

میت کو بٹھانے کی کیا وجہ ہو گی ؟

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :

"یمکن ان یقوم من الفزع والخوف والهیبة والدهشة والحیرة فیقعد انه ویحتمل ان یراد بالاقعاد لایقاظ والتنبیه وانما یسأ لان عنه باعادة الروح "

(مرقاة باب اثبات عذاب القبر)

ممکن ہے کہ میت منکر اور نکیر کو دیکھ کر گھبراہٹ میں مبتلاء ہو جائے، اس پر خوف و ہیبت طاری ہو جائے دہشت، اور حیرت میں آکر کھڑا ہو جائے تو منکر و نکیر اس کو ابتداءً تسلی دے کر بٹھا لیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے " اقعاد " بٹھانے کے معنی میں نہ استعمال ہو۔ بلکہ بیدار کریں گے متنبہ کریں گے، اور ان کا سوال ہی روح کو لوٹانے کے بعد ہو گا، یہ سوال و جواب میت کی قبر کی (برزخی) زندگی پر دلالت کر رہے ہیں۔



فصل دوم

سوالاتِ منکر نکیر

قبر میں تین سوال

پہلا سوال میت سے کریں گے۔ من ربک ، تیرا رب کون ہے ؟

دوسرا سوال یہ ہوگا ۔ مادینک، تیرا دین کیا ہے ؟

تیسرا سوال یہ ہوگا، ما تقول فی هذا الرجل محمد،اس شخص محمد ﷺ کے متعلق تو کیا کہتا تھا ؟

ایک ہی وقت میں نبی کریم ﷺ تمام قبروں میں کیسے ہوں گے ؟

اس تیسرے سوال کے متعلق...... کہ یہ پوچھا جائے گا...... کہ اس شخص محمد ﷺ کے متعلق تو کیا کہتا تھا ؟ یہ سوال ہر میت سے ہوگا۔ ایک وقت مرنے والے کئی لوگ ہوتے ہیں ،کوئی کیسے ہوگا اور نبی کریم ﷺ کے قبر میں تشریف لانے کی کیفیت کیا ہوگی۔

جواب :- اس عقدہ کو حل کرتے ہوئے استاذ المحققین والمدققین رئیس الاذکیاء استاذی المکرم حضرت علامہ مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی جامعہ نعیمہ گڑھی شاہو لاہور نے فرمایا :

کہ نبی کریم ﷺ کا عام لوگوں کی قبر میں موجود ہونا معنوی ہوگا۔ یعنی آپ کا عکس و پرتو صاحب قبر کے سامنے ہوگا۔ اور کچھ ان سے زائد مراتب والے لوگوں کی قبروں اور نبی کریم ﷺ کے مزار انور کے درمیان سے حجاب اٹھالئے جاتے ہیں۔ اور اگر مزید بلند مرتبہ رکھنے والے حضرات ہوں گے تو ان کی قبروں میں نبیء کریم ﷺ خود بنفس نفیس تشریف لاکر جلوہ

گر ہوں گے۔ جب موت دینے والا فرشتہ ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے ایک وقت میں کئی جگہ حاضر ہو سکتا ہے، تو نبی کریم ﷺ کا ایک وقت میں کئی جگہ تشریف لے جانا کیسے منع ہو گا؟ جبکہ وہ بھی اللہ کی قدرت پر موقوف ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک کر لیا جائے کہ وہ کیسے نبی کریم ﷺ کو تمام جگہ پہنچا دے گا؟ رب قدوس کی شان میں اور قدرت میں تردد رکھنا تو یقیناً کفر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو قادر تسلیم کر لیا جائے اور پھر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ ہر جگہ جا سکیں تو اس کا مطلب معاذ اللہ یہ ہوگا کہ آپ کی شان کو شیطان سے بھی کم درجہ دے دیا جائے کیونکہ شیطان کو رب تعالیٰ نے ہر جگہ جانے اور انسانوں کو وسوسہ ڈالنے کی اجازت دے دی ہے، اسے یہ طاقت بھی حاصل ہے، کہ وہ ہر جگہ جاتا بھی ہے۔

اصل میں یہ تینوں قول مرقاۃ باب اثبات عذاب القبر میں ملا علی قاریؒ نے ذکر کئے ہیں۔ استاذی المکرم حضرت مفتی محمد حسین صاحب نے ان میں ہی تطبیق دی ہے۔

ایک قول :- " وفی الاشارة ایماء الی تنزیل الحاضر المعنوی منزلة الصوری مبالغة۔"

لفظ " ھذا " اسم اشارہ ہے، اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ حضور ﷺ کا قبر میں تشریف لانا معنوی طور پر ہوگا جو صوری کی طرح ہی ہوگا۔ اسم اشارہ کو ذکر کرنے میں مبالغہ ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ کا عکس اور تمثیل سامنے ہوں گے بالکل یہی صورت سمجھ آئے گی کہ آپ خود بذاتہ تشریف فرما ہیں۔

دوسرا قول :- رفع الحجب بین المیت وبینه ﷺ حتی یراہ ویسئل عنه۔

میت اور نبی کریم ﷺ کے درمیان سے حجاب اٹھا لئے جائیں گے یہاں تک کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہو گا۔ اور اس وقت اس سے سوال کئے جا رہے ہوں گے۔

خیال رہے کہ اس قول کو مرقاۃ میں ابن حجرؒ کے قول سے رد کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے تاہم

ایک قول ہے جیسے کہ خود ملا علی قاریؒ نے یہ الفاظ تحریر کئے "(علی ماقیل "جیسے کہا گیا ہے)

تیسرا قول :- "وعلى تقدير صحته يحتمل ان يكون مفيدا لبعض دون بعض والاظهر ان يكون مختصا بمن ادركه فى حياته ﷺ و تشرف برؤيته طلعته الشريفة"

جب یہ تسلیم کیا جائے کہ اسم اشارہ ھذا کا استعمال اسی لئے ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ قبر میں خود تشریف فرما ہوں گے تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ بعض قبروں میں تشریف لاتے ہوں اور بعض میں نہ آتے ہوں، زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو ظاہری حیات میں پایا ہے یعنی صحابہ کرام ان کی قبروں میں خود تشریف لے جاتے ہوں، یا اسی طرح آپ کی زیارت سے کوئی شخص بھی کسی وقت میں مشرف ہوا ہو تو اس کی قبر میں آپ خود بنفس نفیس تشریف لے جاتے ہوں۔

یہ تین قول اگرچہ اس مسئلہ میں تین قسم کے مذہب ہیں لیکن ان تمام میں تطبیق دے کر بطور محاکمہ قبلہ مفتی صاحب مدظلہ العالی نے ان تمام کو جمع کیا ہے۔

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہؒ کا مؤقف

حضرت پیر صاحب نور اللہ مرقدہ کا موقف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ خود تشریف لاتے ہیں۔ اسم اشارہ کو وضع ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ لفظ ھٰذا "مفرد مذکر محسوس مبصر" پر دلالت کرے، یہ اس کا حقیقی معنی ہے اور قانون ہے کہ جب کسی لفظ کا حقیقی معنی لیا جا سکے تو مجازی معنی نہیں لیا جاتا۔ اس لئے لفظ ھذا کے حقیقی معنی کا اعتبار کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کا سامنے موجود ہونا ضروری ہے۔

اس مسئلہ پر سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہؒ کا اپنا موقف مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولیتہ کے شیخ الحدیث صاحب کے سامنے پیش کرنا اور حج میں جاتے ہوئے دوران سفر مدرسہ کے ایک طالب علم مولوی صاحب سے گفتگو فرمانے کا مکمل واقعہ نقل کر رہا ہوں جو بہت ہی مفید ہے کیونکہ یہ بہت ہی علمی بحث ہے۔

درود مستغاث پر گفتگو

جہاز میں ایک صاحب درود مستغاث پڑھ رہے تھے جس میں ایک فقرہ

" المستغاث الیٰ حضرۃ اللّٰہ تعالیٰ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللّٰہ"

(اللہ تعالیٰ) کے حضور آپ سے ہی فریاد طلب کی جارہی ہے یارسول اللہ آپ پر صلوۃ سلام ہو) باربار آتا ہے یہ درود شریف اکثر بزرگان دین اور خصوصا حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اوران کے متوسلین کے معمولات سے ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا ناغہ ہرگز نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس میں عجیب وغریب تاثیرات ہیں۔ اگرچہ اسکے مؤلف کے متعلق اس نواح میں طبع شدہ نسخوں میں کوئی ذکر نہیں ہے ۔لیکن حضرت شیخ الجامعہ نے اپنے مسودات میں لکھاہے کہ ۱۳۵۵ھ میں مجھے رجب ہندی کی دکان واقع مدینہ عالیہ پراس کا ایک نسخہ مطبوعہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اس میں ترتیب دہندہ کا نام "سید احمد کبیر رفاعی" تحریر تھا۔جو مشاہیر عراق میں سے ہوئے ہیں اور حضرت غوث اعظم کے ہم عصر اوران سے مستفیض تھے ، آپ کے ملفوظات کا مجموعہ "البرھان المؤید" کے نام موسوم ہے جس کا اردو ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی کے بھائی مولوی ظفر احمد تھانوی نے کیاہے اور مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اس پر تقریظ تحریر کی ہے۔

اگر درود مستغاث شریف حضرت احمد رفاعی کی ترتیب ہے تو" ندائے غائبانہ" کے جواز پر ایک اور بہت بڑے بزرگ کا عمل دلیل بن جاتا ہے، جس کی ولایت پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے، بہر حال جہاز میں ایک مکرانی عالم نے ندائے غائبانہ پر اعتراض کیا، نظام المشائخ دہلی کے مطابق جن وظیفہ خوان حضرت پر اعتراض کیا گیا تھا وہ خواجہ عبدالرحمٰن چھوروی (ہزاروی) تھے۔ انہوں نے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جائز ہے۔جب مکرانی مولوی صاحب کو معلوم ہوا توانہوں نے آپ سے اس کے جواز میں ثبوت مانگا۔آپ نے فرمایا "حدیث بخاری "(جس کی وضاحت آرہی ہے) وہ کہنے لگے حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی تیس برس سے بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں۔اور ایسی ندائے غائبانہ کو ...... ناجائز...... قرار دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ حاجی صاحب بھی ہماری طرح کے ہی ایک انسان ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا ان کے سامنے آپ یہ فقرہ کہہ دیں گے۔ فرمایا: ہاں کہہ دوں گا۔

ان دنوں حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی مدرسہ صولیتہ کی صدارت پر متمکن تھے اور یہ آپ کی عمر شریف کا آخری سال تھا کیونکہ اگلے سال ہی ۱۳۰۹ھ میں آپ کا وصال ہو گیا، جہاز میں حضرت سے درودِ مستغاث پر گفتگو کرنے والے مولوی صاحب مدرسہ صولتیہ میں طالب علم تھے اور وطن سے تعطیلات گزارنے کے بعد واپس جا رہے تھے۔ انہوں نے مکہ شریف میں پہنچ کر جناب حاجی صاحب سے اس گفتگو کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اچھی بات ہے وہ صاحب ملیں تو انہیں لے آیئے گا، ان کے دلائل سنیں گے، مگر حاجی صاحب کے نائب مدرس مولانا محمد غازی جوش میں آگئے اور انہوں نے حضرت کے علم کا امتحان لینے اور آپ کو لاجواب کرنے کے خیال سے کئی کتابوں سے مشکل اور ادق علمی سوالات جمع کرنے شروع کر دیئے۔

استاذ العلماء مولانا محمد غازی کی حضرت گولڑوی سے پہلی ملاقات

مولانا محمد غازی موچی کڑی علاقہ اٹک کے خٹک پٹھان تھے۔ مولانا احمد حسن کانپوری سے تعلیم حاصل کی اور مکہ شریف میں حاجی رحمت اللہ صاحب سے علم حدیث کی تکمیل کر کے وہیں مدرسہ صولیتہ میں مدرس ہو گئے۔ آپ تمام علوم متداولہ میں تبحر رکھتے تھے، خصوصاً علم تجوید و قرأت میں مہارت تامہ تھی۔ جب حضرت قدس سرہ سے ملاقات ہوئی تو اس قدر از خود رفتہ ہو گئے کہ مدرسہ صولیتہ کی تدریس سے مستعفی ہو کر گولڑہ شریف آگئے اور باقی عمر اسی جگہ درس تدریس اور فتاویٰ نویسی میں گزار دی، حضرت اجی صاحب (حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے والد گرامی) کے پہلو میں دفن ہیں۔ ردِ وہابیت میں "عجالہ" آپ کی یادگار تحریر ہے۔

حضرت بابو جی (پیر غلام محی الدینؒ) مد ظلہ کے بڑے صاحبزادے شاہ غلام معین الدین المعروف جناب لالہ جی مد ظلہ فرماتے ہیں کہ جناب استاذ محمد غازی صاحب فرماتے تھے:

کہ ابتداءً جب مکہ معظمہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی تشریف آوری اور علمی شہرت کا

چرچا ہوا، کہ ایک پنجابی سید بڑا عالم فاضل اس سال حج کے لئے آیا ہے اور اس کی مکرانی طالب علم سے درود مستغاث پر جہاز میں گفتگو کا حال بھی معلوم ہوا تو انہیں دیکھنے کا بے حد اشتیاق پیدا ہوا۔ ساتھ ہی ایک دوسرے بنگالی مولوی سے مل کر میں نے کچھ مشکل عملی سوالات جمع کیے کہ آپ سے پوچھیں گے۔ اور کافی تلاش کے بعد خواجہ عبدالرحمٰن چھوروی ہزاروی کی وساطت سے ہم نے آپ کو بیت اللہ شریف کے سامنے مراقب پایا۔ جب قریب گئے تو آپ نے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا، لیکن آپ پر کچھ ایسی حالت طاری تھی کہ جونہی ہماری نظر پڑی، رقت طاری ہو گئی اور بحث مباحثہ کا خیال دل سے جاتا رہا۔

میں شرم کے مارے اپنے ہمراہی بنگالی مولوی سے آنسو چھپاتا تھا کہ کیا کہے گا، کیسی شیخی سے آیا تھا کیسے رو رہا ہے؟ مگر جب میں نے بالآخر اس کی طرف دیکھا تو وہ بھی رو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت نے ہم سے حال دریافت کیا مگر مجھ سے بات نہ ہو سکتی تھی۔ آخر کار میں نے آپ سے مدرسہ صولیتہ میں اپنی جائے رہائش پر قیام کے لئے عرض کیا تو آپ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ " مولوی صاحب میرے لئے یہی جگہ اچھی ہے" لیکن میرے بہت اصرار پر فرمایا اچھا وہیں ٹھہر جاؤں گا۔ وہاں قضائے حاجت وغیرہ کیلئے سہولت ہو گی ۔ یہاں بہ پاس ادب بہت دور جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ساتھ مدرسہ میں تشریف لے آئے۔

مولانا محمد غازی فرماتے تھے کہ ان دنوں حضرت پر کچھ ایسی کیفیت طاری رہتی تھی کہ آپ پر نظر پڑتے ہی رقت طاری ہو جاتی۔ عموماً حرم شریف میں بیت اللہ کے بالمقابل یاد خدا میں مستغرق رہتے۔ بہت کم گفتگو فرماتے اور جب کچھ کہتے تو اس میں بلا کی جاذبیت ہوتی، جب آپ واپس ہونے لگے تو فرمایا، مولوی صاحب آپ کی والدہ صاحبہ کا تقاضہ ہے کہ آپ واپس وطن تشریف لے چلیں۔ میں نے عرض کی فن قرأت میں کچھ اسباق مغربی قاری صاحب سے لینے ابھی باقی ہیں سند لے کر ان شاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا، آپ نے فرمایا: مولوی صاحب کیا ہوا، "ابراھام" نہ پڑھا " ابراھیم " پڑھ لیا، بس اتنا ہی فرمانا تھا کہ میرے دل کی کیفیت بدل گئی اور میں فوراً تیار ہو گیا۔ مغربی استاذ محترم نے میرے ارادے کو دیکھ کر فرمایا: اچھا میں پڑھتا جاتا ہوں، آپ سنتے جائیں تاکہ اس طرح فن قرأت کی تکمیل ہو جائے ۔ لہذا اس طور سے تکمیل کی۔

مولانا حاجی رحمت اللہ سے ملاقات

مدرسہ صولتیہ میں قیام کے دوران ایک روز رحمت اللہ صاحب نے آپ سے ملاقات پر پوچھا کہ جہاز میں مسئلہ ندائے غائبانہ پر آپ کی کسی شخص سے گفتگو ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: ہاں ہوئی تھی اور جو الفاظ آپ نے کہے تھے، (بطور معذرت کہا کہ) آپ کے متعلق میں نے یہ الفاظ بھی کہے تھے۔ مولانا نے دریافت کیا کہ اس سلسلہ میں آپ کا مسلک کیا ہے؟ فرمایا میں جائز سمجھتا ہوں، مولانا نے دلیل طلب کرتے ہوئے کہا کہ یارسول اللّٰہ کی نداء حاضر و ناظر ہونے کی متقاضی ہے حالانکہ آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر نہیں ہیں اور نہ ہر ایک کے ناظر ہیں۔

حضرت نے جواب دیا کہ بخاری شریف میں متفق علیہ حدیث ہے (یعنی مسلم شریف میں بھی ہے) کہ نکیرین مردہ سے چند سوالات کرتے ہیں جن میں ایک سوال یہ ہوتا ہے "ماکنت تقول فی ھذا الرجل محمد" (تم اس شخص محمد ﷺ کے بارہ میں کیا اعتقاد رکھتے تھے) ھذا موضوع ہے محسوس مبصر کے لئے اور الرجل موضوع ہے مذکر مفرد کے لئے جو آدم سے ہو۔ لہذا وہاں قبر میں محسوس مبصر مرد کا ہونا ضروری ہے اور وہ خود آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے؛ کیونکہ جب تک کسی لفظ کے وضعی معنی ہو سکیں، غیر وضعی معانی لینا خلاف اصل ہے، جب ایک ہی وقت میں کثیر التعداد مخلوق مرتی ہے اور حسب مضمون حدیث مذکور ہر جگہ رسول پاک ﷺ کا بیک وقت موجود ہونا ثابت ہوا تو کیا بعید ہے کہ روئے زمین پر ہر جگہ آپ حاضر ہوں۔

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ حاجی رحمت اللہ صاحب گردیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ یہ تو علم لدنی ہے ہم سالہا سال سے بخاری شریف کی یہ حدیث درس میں پڑھا رہے ہیں لیکن ان معانی کی طرف کبھی ذہن ہی نہیں گیا جو آپ نے استنباط کئے ہیں۔ حضرت حاجی رحمت اللہ چونکہ ایک محقق اور منصف مزاج عالم تھے اس لئے شرعی دلیل سے ندائے غائبانہ کی معقول وجہ سمجھ میں آجانے پر فوراً اپنے سابقہ مسلک کو تبدیل فرمالیا، اس مسئلہ حاضر و ناظر کے متعلق باب مکتوبات و

ملفوظات میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا ایک مفصل مکتوب بھی قابل دید ہے، آپ کی کتاب "اعلاء کلمۃ اللہ" کے آخر میں ندائے غائبانہ اور علم غیب وغیرہ مسائل پر مکمل تحقیق موجود ہے۔

دجال کے طواف کعبہ کی توجیہ

اس گفتگو کے بعد حضرت مولانا حاجی رحمت اللہ نے ایک اور حدیث کی تاویل دریافت کی کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں میں نے حضرت عیسیٰؑ اور دجال کو طواف کرتے دیکھا جو دونوں دو دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کر رہے تھے۔ لیکن ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ دجال کعبہ شریف میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ علماء نے اس کی مختلف تاویلیں کی ہیں لیکن کسی تاویل سے تسلی نہیں ہوتی، آپ کے نزدیک ان دونوں احادیث میں مطابقت کی کیا صورت ہے؟

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ پہلی حدیث لفظ " یطوف" آیا ہے، کعبہ شریف کا ذکر نہیں ہر شخص حضرت باری تعالیٰ عزاسمہ کے کسی نہ کسی اسم صفاتی کا مظہر ہوتا ہے اور دیگر اسماء اس اسم کے معاون اور ماتحت ہوتے ہیں حضرت عیسیٰؑ اسم ھادی کے مظہر ہیں اور اس اسم کے دو معاون اسماء کی معاونت سے اس اسم کا طواف کر رہے ہیں۔ اور دجال اسم مضل کا مظہر ہے اور اسم کے ماتحت اسماء کی مدد سے اس اسم کا طواف کر رہا ہے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی اس تاویل کا ماخذ فتوحات مکیہ تھا اور مولانا کو یہ وضاحت بہت پسند آئی۔

یعنی حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مشاہدہ فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم اور دجال دونوں اپنے اپنے بیت اللہ اسمائی کا طواف کر رہے ہیں۔ ایک یھدی من یشاء کے اظہار میں اور دوسرا یضل من یشاء کے اسباب میں سرگرم و کمربستہ ہے۔ ھادی اور مضل کا موصوف چونکہ ذات واحدہ ہے لہذا عالم رؤیا میں آنحضرت ﷺ کو ایک ہی بیت اللہ مشھود ہوا

دوسری حدیث جس میں دجال کی عدم رسائی بیت اللہ کا ذکر ہے وہ بھی صحیح ہے، ہمارا ایمان

ہے کہ حسب ارشاد نبوی ﷺ دجال کو عالم شہادت میں بیت اللہ تک رسائی نہ ہو گی۔

(از مہر منیر ص ۱۱۷)

آمدم بر سرِ مطلب

منکر و نکیر کے قبر میں سوالوں کا ذکر ہو رہا تھا، ایک سوال "ماتقول فی هذا الرجل محمد" پر بحث کچھ طویل ہو گئی، اب ان سوالوں کے جواب، پھر ان جوابات پر فرشتوں کا ارشاد اور قبر کا عذاب پھر چند گناہوں سے عذاب قبر جو احادیث سے ثابت ہے۔ پھر ایمان والوں کا منکر نکیر کو جواب دینا اور ان پر انعام و اکرام قبر میں ان پر راحت، پھر اصحاب قبور سے استمداد۔ صحابہ کرام، اولیائے کرام، علمائے کرام کا امداد حاصل کرنا ذکر کروں گا۔

ان شاء اللہ اسی ترتیب کو مد نظر رکھنے کا ارادہ ہے، اجمالی طور پر ذکر کر دیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس طرح مختلف احادیث مبارکہ کے مفہوموں کو جمع کرنے میں آسانی ہو گی۔



فصل سوم

کفار کا منکر و نکیر کے سوالوں کا جواب دینا

منکر و نکیر کے تینوں سوالوں کا جواب کافر دے گا ''ھاہ ھاہ لا ادری'' جس طرح کوئی شخص مبہوت ہو، متحیر ہو تو بلا اختیار بڑبڑا کر بولتا ہے۔ اسے معلوم نہ ہو کہ میں کیا لفظ نکال رہا ہوں، کیا نکالوں۔ ایسے ہی کفار کے جوابات میں ھاہ ھاہ کا کوئی خاص معنی نہیں ہوگا یہ فقط چیخنا، چلانا ہوگا، جس طرح پریشانی میں ہم ہائے ہائے کرتے ہیں جواب کا مطلب یہ ھاہ ھاہ میں نہیں جانتا۔

آسمانوں سے آواز

'' فینادی مناد من السماء ان کذب فافرشوہ من النار والبسوہ من النار ''

آسمانوں سے آواز دینے والا آواز دے گا یہ جھوٹا ہے اس کے لئے آگ کا بچھونا بچھا دو اور اسے آگ کا لباس پہنا دو۔ یہ شخص جو یہ کہہ رہا ہے '' لا ادری '' میں نہیں جانتا گویا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مجھ میں سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے درایت (سمجھ) عطاء ہی نہیں کی تھی یہ اس میں جھوٹا ہے۔ اس نے تو اپنے اختیار اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، دین اسلام کی حقانیت اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کا انکار کیا تھا۔ اب اس کا کہنا مجھے سمجھ عطا نہیں ہوئی تھی سراسر جھوٹ ہے۔

'' وافتحوا له بابا الی النار قال فیاتیه من حرھا وسمومھا ''
اس کے لئے آگ تک دروازہ کھول دو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس (کافر) کی قبر تک آگ کی شدید گرمی اور گرم لُو پہنچے گی۔

یعنی اس شخص کی قبر کا براہ راست جہنم کی آگ سے تعلق ہوگا، جہنم سے اس کی قبر تک ایک دروازہ کھول دیا جائے گا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، تا قیامت یہ قبر کے اس عذاب میں مبتلاء رہے گا

کہ قبر میں ہی جھنم کی شدید حرارت میں پگھل رہا ہوگا، گرم لُو سے اس کا جسم جھلس رہا ہوگا۔

"ویضیق علیه قبره حتی تختلف فیه اضلاعه" اس شخص پر اس کی قبر کو تنگ کر دیا جائے گا، یہاں تک قبر میں اس کی پسلیاں مل جل جائیں گی۔

(مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

یعنی قبر اس طرح تنگ ہوگی کہ اس کے دبانے سے اس شخص کی پسلیاں دائیں طرف کی بائیں اور بائیں طرف کی دائیں ہو جائیں گی۔ اس طرح مل جل جائیں گی جس طرح کسی ٹوٹنے والی چیز کو ہاتھوں میں لے کر دونوں ہاتھوں سے دبایا جائے تو وہ ٹوٹ جائے اور خلط ملط ہو جائے۔

قبر میں بُرے عمل کا بُری شکل میں آنا

" ویاتیه رجل قبیح الثیاب منتن الریح فیقول ابشر بالذی یسؤك هذا یومك الذی کنت توعد فیقول من انت فوجهك الوجه یجیء بالشر فیقول انا عملك الخبیث فیقول رب لا تقم الساعة "

(مشکوٰۃ باب ما یقال عند من حضرہ الموت)

قبر میں کافر کے پاس ایک شخص آئے گا جو بہت بد صورت ہوگا، اس کے کپڑے بہت گندے ہوں گے۔ اس سے بدبو آرہی ہوگی، وہ اسے کہے گا آج تم خوش ہو جاؤ کہ تمہیں پریشان کن عذاب ملنے والا ہے، یہی وہ دن ہے جس سے تمہیں ڈرایا جاتا رہا اور عذاب کا وعدہ کیا جاتا رہا، وہ کہے گا تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو بہت ہی بد صورت ہے جو شر ہی شر لا رہا ہے۔ وہ کہے گا تمہارا برا عمل ہوں۔ وہ قبر والا شخص کہے گا: اے میرے رب! قیامت کبھی قائم نہ ہو۔

حدیث پاک سے حاصل ہوا کہ اعمال کو جسمانی شکل دی جائے گی، جیسے زکوٰۃ نہ دینے والے کا مال سانپ کی شکل میں آکر اس کے لئے عذاب بن جائے گا۔

برے اعمال سے مراد عام ہے، برے عقائد، برے اعمال، برے اخلاق سب کو شامل ہے۔ اعمالِ بد کو جو شکل دی جائے گی وہ بری ہوگی، پھر اسے جسمانی شکل دے کر جو لباس دیا جائے گا وہ برا ہوگا۔ جس سے واضح ہو رہا ہے کہ برے اعمال سے بچنا ضروری ہے۔ بدبو آئے گی، اس سے پتہ چلا کہ برے اعمال گندگی کا ڈھیر ہیں۔

قبر میں عذاب دینے کے لئے اندھے، بہرے کا مقرر ہونا

" ثم يقيض له اعمى اصم معه مرزبة من حديد لو ضرب بها جبل لصار ترابا فيضربه ضربة يسمعها ما بين المشرق والمغرب الا الثقلين فيصير ترابا ثم يعاد فيه الروح "

(مسند احمد ، ابو داؤد ، مشکوٰۃ باب البات عذاب القبر)

پھر اس پر اندھا اور بہرہ مسلط کر دیا جائے گا جس کے پاس لوہے کی گرز ہوگا۔ اگر اس سے پہاڑ کو مارا جائے تو وہ بھی مٹی کی طرح ذرہ ذرہ ہو جائے، پس اسی گرز سے اس شخص کو مارا جائے گا۔ جس کی آواز کو مشرق و مغرب والے سنیں گے سوائے انسانوں اور جنوں کے، وہ انسان (تباہ ہو کر) مٹی ہو جائے گا، پھر اس کی روح کو لوٹا دیا جائے گا۔

حدیث پاک سے حاصل ہوا کہ اس شخص کو عذاب دینے میں اس پر کسی قسم کا رحم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس پر اندھے کو مسلط ہی اس لئے کیا جائے گا کہ نہ اس کی آنکھ ہو، نہ دیکھ سکے اور نہ ہی اس کی حالت زار اسے نظر آسکے اور نہ رحم کر سکے، اسی طرح اس کا بہرا ہونا بھی اسی مقصد کے پیش نظر ہوگا۔ کہ اس کی چیخ و پکار، آہ و زارہ، فریاد کو سن کر اسے رحم نہ آجائے، لہذا عذاب دینے کے لئے بہرا مقرر ہوگا تاکہ نہ سنے اور نہ رحم کرے۔

اس ضرب کی آواز اور اس شخص کے چیخنے چلانے کی آواز سوائے انسانوں اور جنوں کے سب سنیں گے اس حدیث مذکور میں " فيضربه ضربة يسمعها " ہے جس کا معنی ہے وہ اس سے ماریں گے اور اس ضرب کی آواز سنیں گے (سوائے ثقلین کے)

اور دوسری حدیث مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے :

" ويضرب بمطارق من حديد ضربة فيصيح صيحة يسمعها من يليه غير الثقلين "

لوہے کے ہتھوڑوں سے اسے ایسا ماریں گے کہ وہ چیخے چلائے گا، اس کی چیخ و پکار کو اس کے قریب جتنی چیزیں ہوں گی سب سنیں گے سوائے انسانوں اور جنوں کے۔

اب مفہوم اس طرح واضح ہوا کہ قبر میں اندھا، بہرا اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارے گا، جس کی ضرب کی آواز اور اس شخص کی مار کی وجہ چیخ و پکار کو فرشتے، اور تمام حیوانات، حشرات

الارض وغیرہ سنیں گے۔ سوائے ثقلین کے۔ یعنی یہ نہیں سن سکیں گے۔

ثقلین سے مراد انسان اور جن ہیں کیونکہ ثقل کا معنی ہے وزن، بھاری ہونا، بوجھ، چونکہ انسان اور جن بھی اللہ کی زمین پر بوجھ ہی ہیں اس لئے ان کو ثقلین کہا گیا ہے۔

جنوں وانسانوں کے نہ سننے میں حکمت یہ ہے کہ ان کا ایمان بالغیب بر قرار رہے۔ اگر ان کو یہ چیخ وپکار سنا دی جائے تو وہ ڈر کے مارے مجبوراً ایمان لے آئیں گے، اس طرح کا ایمان بھی معتبر نہیں اور ان لوگوں کا ایمان تو ظاہری اسباب اور حواس سے حاصل ہوتا، ایمان بالغیب نہ رہتا حالانکہ اصل تو وہ ایمان معتبر ہے جو غیب پر ایمان ہو اللہ تعالیٰ، ملائکہ، جنت ودوزخ وغیرہ تمام پر ایمان صرف انبیاء کرام کے ارشادات پر اعتبار کرتے ہوئے لایا جاتا ہے اور یہی ایمان معتبر ہے۔ اللہ کو دیکھ کر ایمان لانے کا مطالبہ یہود کا تھا، جو اس مطالبہ کی وجہ سے رب تعالیٰ کی گرفت میں آگئے تھے۔

دنیا کو انسان کا مقام امتحان بنایا گیا ہے۔ اگر قبر میں دیئے جانے والا عذاب اور قبر والے کی آواز ان کو سنا دی جاتی تو یہ مقام امتحان نہ رہتا۔ اگر لوگ آواز سن لیں تو اتنے خوف زدہ ہو جائیں کہ ہر قسم کی تدبیر، صنعت کاری، کاروبار چھوڑ دیں اس طرح اسباب معیشت، ذرائع آمدنی منقطع ہو جاتے، نظام عالم دنیا معطل ہو کر رہ جائے۔ دنیا کا نظام بے وقوفوں سے بھی قائم ہے۔

"لولا الحمقٰی لخربت الدنیا" اگر بے وقوف نہ ہوتے تو نظام دنیا برباد ہو جاتا۔

لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا تم نے حکمت کس سے سیکھی؟ تو آپ نے کہا کہ "نابینوں" سے کہ وہ جب تک قدم رکھنے کی جگہ کا یقین نہ کرلیں اس وقت تک قدم نہیں رکھتے۔ اس طرح بے وقوفوں کو دیکھ کر انسان عقل حاصل کر سکتا ہے، بے وقوف سے عبرت حاصل کرنا کمال ہے اس جیسا ہو جانا حماقت ہے۔

"لولا الامل لاختلَ العمل" اگر امیدیں نہ ہوتیں تو تمام کاموں میں خلل واقع ہوتا، اسی طرح انسان کو دنیا کے مال ودولت کی لالچ اور بڑی بڑی امیدوں میں لگا کر قبر و آخرت سے غافل کر کے اس دنیا کو امتحان گاہ بنا دیا۔

قبر میں سانپوں کا ڈسنا

حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

" یسلط علی الکافر فی قبرہ تسعة وتسعون تنینا تنهسه وتلدغه حتی تقوم الساعة لوان تنینا منها نفخ فی الارض ما انبتت خضراء"

(دارمی، مشکوٰة باب اثبات عذاب القبر)

کافر کی قبر میں ننانوے سانپ مقرر کئے جائیں گے جو اسے نوچیں گے اور ڈسیں گے یہ سلسلہ قیامت تک برقرار رہے گا، ان میں سے اگر ایک سانپ زمین میں پھونک مارے دے تو زمین پر کوئی سبزا نہ اُگے۔

وضاحتِ حدیث

سانپ عذاب اور اذیت دینے کے لئے قبر میں مسلط کئے جائیں گے۔

تنین :-اس سانپ کو کہتے ہیں جو بہت بڑا (اژدہا) ہو اور بہت ہی زیادہ اس میں زہر پائی جاتی ہو۔

ننانوے تعداد کیوں ؟

ننانوے سانپ قبر میں کیوں مسلط ہوں گے حقیقی مراد تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے یا اس کے رسول ﷺ کو علم ہوگا۔ تاہم ملا علی قاریؒ نے مرقاة میں دو وجہیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء گرامی ہیں۔ مشرک چونکہ اس ذات سے شریک ٹھہراتا ہے جس کے یہ اسماء گرامی ہیں تو اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے ہر اسم گرامی کے بدلے اس کی قبر میں ایک اژدہا مقرر کر دے گا کہ اس نے اس ذات سے شریک ٹھہرایا جو رحیم ہے۔ اس ذات سے شریک ٹھہرایا جو رحمان ہے، باقی اسماء گرامی کا بھی یہی لحاظ ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے :-

" ان للہ تعالیٰ مائة رحمة انزل منها واحدة فی الدنیا بین الانس والجن والبهائم

والهوام فبها يتعاطفون وبها يتراحمون وبها تعطف الوحش على ولدها واخرتسعة وتسعين الى الاخرة لعباده المومنين يسلط على الكافر بمقابلة كل رحمة للمومنين تنينا "

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک سو رحمتوں میں سے ایک رحمت کو دنیا میں انسانوں، جنوں، چوپاؤں، حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کے لئے نازل فرمایا، اسی رحمت کے ذریعے وہ ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہیں اور اسی رحمت کے ذریعے وہ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور اسی رحمت کے ذریعے وحشی جانور اپنی اولاد پر مہربان ہوتے ہیں اور باقی ننانوے رحمتیں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو آخرت میں عطا فرمائے گا مومنوں کو جو رحمتیں عطاء ہوں گی اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر رحمت کے بدلے کافر پر ایک سانپ (اژدھا) کو مقرر فرمائے گا۔

ترمذی شریف میں ایک حدیث پاک میں ستر ۷۰ سانپ مسلط کئے جانے کا ذکر بھی ہے، اور ایک قول میں سانپوں کی تعداد کے متعلق یہ بھی ہے کہ انسان کے جتنے برے اخلاق ہوں گے ان کی تعداد کے مطابق ہی قبر میں سانپ مقرر ہوں گے، اسی طرح برے اخلاق، بری عادات کی تعداد کی کمی و بیشی سے سانپوں کی تعداد میں بھی کمی و بیشی ممکن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تنهسه :- ماخوذ ہے النهس سے (سین مهملہ ہے) جس کا معنی ہے گوشت کو دانتوں سے پکڑنا، اور اگر النهش (شین معجمہ) سے ماخوذ ہو تو معنی ہوتا ہے پورے کا پورا نگل جانا، یہاں چونکہ سین مهملہ ہے، اس لئے معنی ہو گا دانتوں سے کاٹنا، نوچنا۔

تلدغه :- " اللدغ ضرب السن بالاقطع لكن مع ارسال فيه "

دانتوں کا مارنا بغیر کاٹنے کے۔ لیکن زہر پہنچادینے کو لدغ کہتے ہیں۔ اس طرح معنی ہو گا وہ اس شخص کو ڈسیں گے ۔

☆☆☆☆☆

فصل چہارم

وہ گناہ جن سے عذابِ قبر ہوتا ہے

ابھی تک عذاب قبر کا جو ذکر کیا گیا اس کا سبب کفر و شرک بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح کئی گناہ بھی ایسے ہیں جن سے عذاب قبر ہوتا ہے۔ دو تین کا اگرچہ پہلے ضمناً ذکر بھی جو چکا ہے لیکن یہاں ایک جگہ جمع کرنے کے لئے پھر ان کا مختصر بیان کرنا ضروری ہو گیا ہے، اس لئے تکرار نہ سمجھا جائے، بلکہ مقصود متنبہ کرنا ہے۔

پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنا اور چغل خوری:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے قریب سے گذرے تو فرمایا:

" اما انهما ليعذبان وما يعذبان في كبير اما احدهما فكان يمشي بالنميمة واما الاخرفكان لايستتر من بوله قال فدعا بعسيب رطب فشقه باثنين ثم غرس على هذا واحدا وعلى هذا واحدا ثم قال لعله ان يخفف عنهما مالم ييبسا "

(مسلم ج۱ باب الدليل على نجاسة البول)

ان دونوں کو کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جارہا، ان میں سے ایک شخص چغلخوری کرتا اور دوسرا پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ نے کھجور کی ٹہنی منگوا کر اس کے دو ٹکڑے کئے، ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھا اور فرمایا (ایسا میں نے کیوں کیا) تاکہ جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں ان سے عذاب میں تخفیف ہو۔

حدیث پاک سے حاصل ہوا کہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا اور چغلخوری کرنا عذاب کے سبب ہیں۔ ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے۔ " استنزهوا عن البول فان عامة عذاب القبر منه "

(شرح الصدور)

پیشاب سے بچ جاؤ کیونکہ عام عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے پردہ میں یعنی عام لوگوں کے سامنے سے ہٹ کر پردہ فرما کر پیشاب کیا۔ تو ایک منافق کہنے لگا، دیکھو یہ شخص ایسے پیشاب کرتا ہے جیسے عورتیں پیشاب کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے بلا حجاب پیشاب کرتے تھے۔ صرف عورتیں پردہ کرتیں تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے جب اس کی بات سنی تو آپ نے فرمایا:

" ویحك اما علمت ما اصاب صاحب بنی اسرائیل کانوا اذا اصابهم البول قرضوه بالمقاریض فنهاهم فعذب فی قبره "

(ابو داؤد، ابن ماجه مشکوة کتاب الطهارة)

اللہ تم پر رحم کرے کیا تمہیں معلوم نہیں بنی اسرائیل کے ایک شخص کو جو پہنچا۔ (بنی اسرائیل کی شریعت کا یہ قانون تھا) کہ ان کو جب پیشاب پہنچتا (یعنی ان کے جسم، کپڑوں وغیرہ کو اگر پیشاب کے قطرات لگ جاتے) تو وہ قینچیوں سے (ان مقامات کو) کاٹتے تھے، ایک شخص نے انہیں اس سے منع کیا، وہ عذاب قبر میں مبتلاء ہو گیا۔

یہاں سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جس طرح پیشاب کے چھینٹوں، قطرات سے نہ بچنا عذاب قبر کا سبب ہے؛ اسی طرح پیشاب سے نہ بچنے کی تبلیغ کرنا بھی عذاب قبر کا سبب ہے :

اس حدیث شریف لفظ " ویحک " استعمال ہوا جو رحمت کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کے مقابل " ویلک " ہلاکت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کے استعمال کرنے کی حکمت مرقاۃ میں اس طرح بیان کی گی ہے ۔

" فوضعه ویحک موضع ویلک ایماء الی کمال رأفته واشار الیٰ ارادة الفتنة فانه رحمة للعٰلمین وحریص علی هدایة الکافرین "

آپ نے ویلک کی جگہ ویحک استعمال فرمایا جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ آپ کو کامل طور پر مہربان بنا کر بھیجا گیا اور وہ شخص فتنہ کا ارادہ رکھتا تھا۔ اسے ناکام کر دیا۔ کیونکہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں آپ کافروں کی ھدایت کی بھی خواہش رکھتے تھے، اس طرح مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے یعنی تمہیں ھدایت عطا کرے اور نور ایمان کی دولت سے بہرہ ور کرے۔

ایک دوسرے سے پردہ کرنا ضروری ہے ناف سے لے کر گھٹنے تک کسی کے سامنے جسم کا ننگا کرنا مرد کے لئے اور تمام جسم سوائے پاؤں اور ہاتھوں اور چہرہ کے ننگا کرنا عورت کے لئے حرام ہے، ہر ایسا کھیل جس میں جسم کے یہ مقامات ننگے ہوں وہ کھیلنا اور اس کھیل کو دیکھنا حرام ہے۔ عورت کو کپڑے پہن کر بھی مردوں کے سامنے ہر قسم کا کھیل کھیلنا حرام ہے۔

مسلم شریف کی جس حدیث پاک کا ذکر ہو رہا تھا اسی کے فوائد میں شرح مسلم میں علامہ نوویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا سبز شاخوں کا رکھنا اس وجہ سے تھا کہ آپ نے ان کے لئے شفاعت فرمائی جو ٹہنیوں کے سبز رہنے تک قبول فرمالی گئی "وقيل لكونهما يسبحان ما داما رطبين "کیونکہ سبز ٹہنیاں جب تک سبز رہیں گی اس وقت تک تسبیحات پڑھتی رہیں گے، ان کی تسبیحات کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان سے عذاب میں تخفیف فرمائے گا، چونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ ﴾ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے، لیکن اس سے مراد جب تک وہ زندہ ہو " حياة كل شئى بحسبه فحياة الخشب مالم ييبس والحجر مالم يقطع" ہر چیز کی زندگی اس کے مطابق ہے لکڑی کی زندگی جب تک وہ خشک نہ ہو اور پتھر کی زندگی جب تک کاٹا اور توڑا نہ جائے۔

" واستحب العلماء قراءة القرآن عند القبر لهذا الحديث لانه اذا كان يرجى التخفيف بتسبيح الجريد فبتلاوة القرآن اولىٰ"

علمائے کرام نے اسی لئے قبر کے پاس قرآن پاک پڑھنا مستحب قرار دیا ہے کیونکہ اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے سبز ٹہنیوں کی تسبیحات سے عذاب کی تخفیف کی امید فرمائی تو قرآن پاک کی تلاوت سے تو اس سے بھی زیادہ بہتر امید کی جا سکتی ہے۔

بخاری شریف میں ہے :

" ان بريدة بن الحصيب الاسلمی الصحابی اوصی ان يجعل فی قبره جريدتان"

حضرت بریدہ بن حصیب اسلمیؓ جو صحابی ہیں انہوں نے وصیت فرمائی کہ میری قبر پر دو سبز شاخیں رکھ دینا اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد نوویؒ تحریر فرماتے ہیں "ففيه انهؓ تبرك بفعل

النبی ﷺ" بخاری کی اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت بریدہ بن حصیب اسلمیؓ نے نبی کریم ﷺ کے فعل سے تبرک حاصل کرنے کے لئے یہ وصیت فرمائی۔

سبحان اللہ صحابہ کرام، محبان رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کیسے توفیق عطا فرمائی کہ وہ ایصال ثواب کی طریقوں سے کیسے فوائد حاصل کرتے رہے۔

حضرت سعدؓ کی شان اور ان کی قبر کا تنگ ہونا

حضرت سعدؓ انصار کے قبیلہ اوس کے سردار تھے، آپ کے ایمان لانے کی وجہ سے ہی بنو عبد الاشھل ایمان لے آئے تھے، آپ جلیل القدر اور اکابر صحابہ سے ہیں آپ کو نبی کریم ﷺ سید الانصار کہتے تھے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت سعدؓ کے جنازہ کے لئے چلے جب ان پر نماز جنازہ ادا کر لی گئی اور ان کو قبر میں رکھ دیا گیا، اور قبر تیار ہو گئی تو

" سبح رسول اللہ ﷺ فسبحنا طویلا ثم کبر فکبرنا ، فقیل یارسول اللہ ﷺ لِمَ سبحت ثم کبرت قال لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عنہ "
(مسند احمد ، مشکواۃ باب اثبات عذاب القبر)

رسول اللہ ﷺ نے طویل تسبیحات پڑھیں تو ہم نے طویل تسبیحات پڑھیں، پھر آپ نے تکبیر پڑھی، ہم نے بھی تکبیر پڑھی۔ آپ سے پوچھا گیا، یارسول اللہ آپ نے کیوں تسبیحیں اور پھر تکبیریں پڑھیں ؟ آپ نے فرمایا اللہ کے اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو گئی تھی جب میں نے تسبیحات اور تکبیرات پڑھیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قبر کو کشادہ کر دیا۔ حضرت سعدؓ پر قبر کی تنگی بکریوں کے پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے تھی۔

حدیث شریف سے حاصل ہونے والے فوائد

نبی کریم ﷺ نے العبد الصالح کہہ کر حضرت سعدؓ کی شان امتیازی اور رفعت درجات کی

طرف بھی اشارہ کیا اور ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کو قبر کی تنگی کا خوف بھی دلایا اور یہ واضح فرمایا کہ انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ کا اتنا برگزیدہ بندہ بھی قبر کی تنگی میں مبتلاء ہو گیا تو دوسروں کا کیا حال ہو گا۔ تکبیرات و تسبیحات اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کو ختم کرنے کا ذریعہ ہیں۔ کہیں آگ لگی ہوئی ہو تو اسے دیکھ کر تکبیر پڑھنا مستحب ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اور زیادہ حضرت سعدؓ کی شان بیان کر کے قبر کی تنگی سے ڈرایا کہ حضرت سعدؓ معمولی شان کے آدمی نہیں تھے بلکہ بہت بلند مقام رکھتے تھے لیکن پھر بھی قبر کی تنگی میں مبتلاء ہوئے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''هذا الذى تحرك له العرش وفتحت له الحجاب السماء وشهده سبعون الفا من الملائكة لقد ضم ضمة ثم فرج عنه ''

(نسائی، مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

یہ وہ شخص ہے جس کے لئے عرش نے حرکت کی اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دئے گئے اور ستر ہزار فرشتے نماز جنازہ میں شریک ہوئے، تحقیق قبر مل گئی تھی پھر کشادہ کر دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے عرش کو یہ طاقت عطا فرمائی کہ اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ظالم کی تعریف ہو رہی ہے تو وہ اس ظلم سے کانپتا ہے اور حضرت سعدؓ کے اللہ کے تقرب کو دیکھ کر اور ان کی کرامت کو دیکھ کر عرش الٰہی خوشی سے جھوما اور حرکت کی۔

آسمانوں کے دروازے رحمت کے نزول اور ملائکہ کے نزول کے لئے کھول دیئے گئے "اوتزيينا لقدومه وطلوع روحه" یا آپ کے آنے اور روح کے اوپر چڑھنے کے لئے استقبالیہ طور پر آسمانوں کے دروازے کھولے گئے تھی کیونکہ مومنوں کی روحوں کا مقام جنت آسمانوں کے اوپر ہے یا آسمان کے دروازے اس لئے کھولے گئے تھے۔ کہ کئی نیک متقی مومنین کے لئے یہ آزادی ہوتی ہے کہ ان کی روحیں آسمانوں کے جس دروازے سے چاہئیں جنت کی طرف

چلی جائیں اور جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس دروازہ سے چاہیں جنت میں داخل ہو جائیں۔

(مرقاة المفاتیح)

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا قبر کے ذکر سے رونا

" وعن عثمان انه كان اذا وقف علي قبر بكى حتى يبل لحيته فقيل له تذكر الجنة والنار فلا تبكى من هذا فقال ان رسول اللهﷺ قال ان القبر اول منزل من منازل الآخرة فان نجامنه بعده اليسر منه وان لم ينج منه فما بعده اشد منه قال وقال رسول اللهﷺ مارأيت منظر اقط الا والقبر اقطع منه "

(ترمذی ، ابن ماجه مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

حضرت عثمانؓ جب بھی قبر کے نزدیک کھڑے ہوئے تو اتنے روتے کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کے ذکر سے نہیں روتے اور قبر کے پاس آکر روتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟ آپ نے فرمایا : کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا۔ بے شک قبر آخرت کو منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر اس سے کسی نے نجات حاصل کر لی تو اس کے لئے بعد والی منازل آسان ہو جائیں گی اور اگر اس سے ہی نجات نہ حاصل ہو سکی تو بعد کی منازل بھی اس پر سخت ہو جائیں گی۔ آپؓ نے کہا : رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ میں نے کوئی منظر پریشان کن، گھبراہٹ میں مبتلاء کرنے والا سوائے قبر کے نہیں دیکھا۔ ......یعنی تمام مناظر سے خوفناک منظر قبر کا ہے......

حضرت عثمان ذوالنورینؓ عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ یعنی ان دس میں سے جن کو اس دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری دے دی گئی لیکن پھر آپ کا قبر کے خوف سے رونا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہ سمجھے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتا رہے۔ اور دوسرے لوگوں کے لئے تعلیم کا سبب بھی ہو سکتا ہے کہ میں اتنی شان کا مالک ہونے کے باوجود عذاب قبر سے بے خوف نہیں ہوں تو تمہیں بھی ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے۔

" القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفرا لنيران "

قبر جنت کے باغات سے ایک باغ ہے یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ اس لئے

قبر کے حالات سے آنے والے قیامت کے حالات کا پتہ چل جائے گا، آئندہ کیا حال ہو گا۔

ضغطة القبر

ضغطه کا معنی ہے تنگی، ایک مرتبہ نچوڑنا، ایک مرتبہ بھینچنا، سختی۔ بے آرامی۔

"لم يخلص من ضغطة القبر كل سعيد الاّ الانبياء"

(من مرقاة باب اثبات عذاب القبر)

ضغطه قبر سے بڑے بڑے نیک آدمی بھی سوائے انبیاء کرام کے محفوظ نہیں۔
لیکن بعض مومنین کو ضغطہء قبر عذاب دینے کی وجہ سے، حقیر و ذلیل کرنے کے لئے اگرچہ نہیں ہو گا۔ لیکن پھر بھی اس سے تکلیف ہو گی اسی وجہ سے انبیاء کرام کو اس سے محفوظ رکھا گیا ہے

جس طرح بعض دوست دوستوں کو گلے ملتے ہیں اور شدت محبت سے زیادہ دبائیں تو دوست کو اس سے تکلیف ہوتی اگرچہ دبانے والے کا مقصد تکلیف پہنچانا نہیں ہوتا، اسی طرح بعض مومنوں سے قبر کا سلوک بھی ایسا ہی ہو گا

" واما ضغطة القبر لبعض المؤمنين بل اكابر الموحدين كسعد بن معاذ سيدالانصار الذى حمل جنازته سبعون الف ملك واهتز لموته عرش الرحمٰن فانما هو ضمته للارض كمعانقة الام المشتاقة لولدها"

(مرقاة باب ما يقال عند من حضره الموت)

لیکن بعض مؤمنوں بلکہ بڑے بڑے حضرات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والے اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا سبق دینے والوں کو بھی ضغطہ قبر حاصل رہا جیسے حضرت سعد بن معاذ سید الانصارؓ کو حاصل ہوا باوجود اس کے جنازہ اٹھانے اور جنازہ پڑھنے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے، آپ کی موت پر خوشی سے عرش الٰہی جھوما اور متحرک ہوا لیکن یہ زمین کا ملنا ایسے ہی ہوتا ہے جیسے مشتاق ماں اپنے بچے کو محبت سے گلے لگائے۔

یہ بھی خیال رہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ کی قبر کے کشادہ ہونے کی دعا نبی کریم ﷺ نے فرمائی یعنی تسبیحات و تکبیرات ان کی کشادگی قبر کے لئے ہی پڑھی تھیں۔ بعض جگہ پر واضح طور پر ملتا ہے کہ وہ بکریوں کے پیشاب کے چھینٹوں سے اجتناب نہیں کرتے تھے۔ اس طرح ان کی قبر کا ملنا سزا بھی تھی۔ لیکن مومن کو سزا دیتے وقت بھی اس سے محبت الٰہی دور نہیں ہو گی۔

عقائد اہلسنت کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو عذاب قبر ہو گا

" لو ان قدريا او مرجئا مات انبش بعد ثلث لوجد الى غير القبلة "

(شرح الصدور)

اگر قدریہ اور مرجئہ فرقہ سے کوئی مر جائے تو اس کی قبر تین دن کے بعد کھود کر دیکھا جائے تو اس کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا نظر آئے گا۔

اسی طرح ابن ابی الدنیا نے ابو اسحاق فزاری سے روایت بیان کی کہ ایک آدمی اس کے پاس آیا اس نے بتایا کہ میں کفن چوری کیا کرتا تھا تو میں کئی آدمیوں کے منہ قبلہ سے پھرے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔

(شرح الصدور)

یہ عذاب تو وہ ہے جو عام آدمی بھی دیکھ سکتا تھا لیکن وہ عذاب جو انسانوں اور جنوں سے مخفی رکھا گیا ہے اس کی کیفیت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنا شدید عذاب ہو گا ؟

یہ دونوں فرقے مذہب اہل سنت و جماعت کے مخالف ہیں۔ قدریہ وہ فرقہ ہے جو تقدیر کا منکر ہے اور اس فرقہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے کسی چیز کا علم نہیں ہوتا بلکہ کسی کام کے واقع ہونے کے بعد علم ہوتا ہے۔

مرجئہ :- وہ فرقہ ہے جو اس کے قائل ہیں کہ مومن کو گناہوں سے کوئی نقصان نہیں جس طرح کافروں کو نیکیوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی مومن جتنے گناہ بھی کرتا رہے اسے کوئی عذاب نہیں ہو گا۔ یہ فرقہ باطل راہ پر ہے۔

گستاخِ اہلِ بیت کا عبرتناک واقعہ

ابن عساکر نے حضرت اعمشؒ سے روایت بیان کی کہ ایک شخص نے حضرت امام حسینؓ کی قبر انور پر پاخانہ کر دیا، وہ پاگل (مجنون) ہو گیا اور کتوں کی طرح بھونکتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو اس کی قبر سے چیخنے اور کتوں کی طرح بھونکنے کی آواز آتی تھی۔

(شرح الصدور)

چوری، زنا اور شراب نوشی وغیرہ پر عذاب قبر

" ما من میت یموت وھو یسرق او یزنی او یشرب او یأتی شیئا من ھذہ الاجعل معه شجاعان ینھشانه فی قبرہ "

(شرح الصدور)

جب بھی کوئی شخص مر جائے ایسے حال میں کہ وہ چوری کرتا یا زنا کرتا یا شراب پیتا یا اور اس قسم کے گناہ کبیرہ کا مرتکب تھا تو اس پر دو گنجے سانپ مقرر کر دیئے جاتے ہیں جو اسے قبر میں ڈستے رہتے ہیں۔

ایک شرابی کا ماں کی گستاخی پر انجام

علامہ اصبہانی نے عوام بن حوشب سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں ایک دفعہ ایک قبیلہ میں گیا وہاں ایک قبرستان دیکھا۔ اس میں ایک قبر عصر کے بعد پھٹ گئی، اس سے ایک شخص نکلا جس کا سر گدھے کی طرح تھا اور باقی جسم اور اعضاء انسانوں کی طرح تھے، وہ تین مرتبہ ہینگا پھر اس کی قبر مل گئی۔ تو میں نے اس کے متعلق پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ شخص شراب پینے کا عادی تھا اس کی ماں اسے اکثر طور پر نصیحت کرتی تھی کہ بیٹا اللہ سے ڈرو اور شراب پینا چھوڑ دو، لیکن وہ ماں کو جواب دیتا: " تو ویسے ہی گدھے کی طرح ھینگتی رہتی ہے " اس شخص کی عصر کے وقت موت واقع ہوئی اب ہر دن عصر کے وقت اس کے قبر پھٹ جاتی ہے اور یہ تین مرتبہ ہینگتا ہے، پھر اس کی قبر مل جاتی ہے۔



فصل پنجم

﴿مؤمن کا منکر و نکیر کو جواب دینا﴾

منکر و نکیر جب سوال کریں گے "من ربک" تیرا رب کون ہے؟ مومن جواب دے گا "ربی اللّٰہ" میرا رب اللہ ہے۔

دوسرا سوال وہ کریں گے "ما دینک" تمہارا دین کیا ہے؟ وہ جواب دے گا، دینی الاسلام، میرا دین اسلام ہے۔

پھر وہ سوال کریں گے ما هذا الرجل الذی بعث فیکم۔ یہ شخص کون ہے جو تم میں مبعوث ہوا ہے؟ وہ جواب دے گا۔ هو رسول اللّٰه ﷺ۔ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔

فرشتے اس سے کہیں گے تمہیں کیسے پتہ چلا، وہ کہے گا "قرأت کتاب اللّٰه فآمنت به وصدقت" میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اس پر میں ایمان لایا اور اس کی میں نے تصدیق کی۔

مومن کو صحیح جوبات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاصل ہو گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ﴿ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ﴾ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو حق بات پر قائم رکھے گا۔

حاصلِ کلام

جب فرشتے اس سے پوچھیں گے تمہیں اللہ تعالیٰ اور دین اسلام اور نبی کریم ﷺ کے متعلق کیسے پتہ چلا تو وہ کہے گا کہ میں نے قرآن پاک پڑھا اس کی فصاحت وبلاغت کو دیکھا تو مجھے پتہ چل گیا کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں بلکہ یہ تو معجزہ ہے اس کے مقابل بڑے بڑے فصحاء وبلغاء اپنا کلام پیش کرنے سے عاجز ہیں تو یقیناً یہ اللہ کا کلام ہی ہو سکتا ہے پھر جب میں نے اس کے معانی میں غور وفکر کیا تو میرے یقین میں اور اضافہ ہوا کیونکہ اس میں مکارم اخلاق (اچھے اخلاق) نیک اعمال،

غیبی خبریں اور پہلی امتوں کا ذکر ہے جب کہ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ نبی کریم ﷺ نے کسی سے نہ پڑھا اور نہ ہی دوسروں کی مجالس میں بیٹھ کر ایسے واقعات سنے تو مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ میں اس پر ایمان لے آیا اور میں نے اس کی تصدیق کی تو مجھے پتہ چل گیا کہ یہ اللہ ہے کیونکہ رب کریم نے اپنی شان خود بیان فرمائی ﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ یقیناً جان لو بیشک اللہ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور فرمایا ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ اللہ ہی تمہارا رب ہے وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دین کے متعلق فرمایا ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ بے شک اللہ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہی ہے اور ارشاد ہوا۔ ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ یہ جس شخص نے اسلام کے بغیر اور دین پسند کیا وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح نبی کریم کے متعلق رب قدوس نے ارشاد فرمایا" محمد رسول اللّٰہ" محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور ارشاد فرمایا ﴿ قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ اے محبوب آپ فرما دیجیے اے لوگو بیشک میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔

(مشکوٰۃ مرقاۃ باب اثبات عذاب القبر)

مومن کے صحیح جوابات پر انعامات کی بارش

جنتی بچھونا اور جنتی لباس

" فینادی مناد من السماء ان صدق عبدی فافرشوہ من الجنة والبسوہ من الجنة "

آسمانوں سے آواز دینے والا آواز دے گا (یعنی اللہ تعالیٰ کی زبان بے کیف سے آواز آئے گی) جب کہ میرے بندے نے سچ کہہ دیا ہے تو اس کے لئے جنت کا بچھونا بچھا دو اور اسے جنتی لباس پہنا دو۔

یعنی میرا بندہ سچ کہہ رہا ہے کیونکہ یہ دنیا میں اسی اعتقاد پر تھا لہٰذا یہ اس اعزاز و اکرام کا مستحق ہے، اس کے ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ اسے " عبدی " کہے گا، میرا عبادت گذار، اس کی شرافت کے پیش نظر ہی رب تعالیٰ اس کو اپنی طرف منسوب کرے گا۔

قبر میں جنت کی خوشبودار ہوا کا آنا

" وافتحوا له بابا الى الجنة فيفتح قال فياتيه من روحها وطيبها "

اور رب تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا اس شخص کے لئے جنت تک دروازہ کھول دو ، دروازہ کھول دیا جائے گا نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں اس مومن کے پاس جنت کی خوشبودار، راحت آمیز ہوا آئے گی۔

حاصلِ کلام

اس کی قبر اور جنت کے درمیان حقیقۃً رابطہ ہوگا۔ فی الواقع دروازہ کھولا جائے گا ۔

حقيقته هذا هوالاظهر (من مرقاة) حقیقۃً دروازہ کھولا جائے گا یہی قول زیادہ ظاہر، واضح اور بہتر ہے روح (راء کی زبر سے) اس کا معنی راحت اور بادِ صباء بھی ہے، "طيب" خوشبودار۔

یعنی وہ ہوا اس طرح خوشبودار ہوگی جس کی حقیقت اور اس کی قدر و منزلت کا اندازہ کرنا ممکن نہیں، انسان کے تصور سے بہت ہی بالاتر ہوگی۔

قبر کا کشادہ اور منور ہونا

" ثم يفسخ له فى قبره سبعون ذراعا فى سبعين ثم ينور له فيه "

پھر اس کی قبر کو ستر مربع ذراع (نصف گز، ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں سے لے کر کہنیوں تک مقدار کو ذراع کہتے ہیں) کشادہ کر دیا جائے گا پھر اس کی قبر کو منور کر دیا جائے گا۔

دوسری حدیث پاک میں " ويفتح له فيها مد بصره " انتہائے نظر تک اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جائے گا یعنی جہاں تک اس کی نظر جائے گی وہاں تک اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جائے گا، دونوں حدیثوں میں مطابقت اس طرح ہے کہ ستر سے مراد کثرت ہو جائے کہ قبر کو بہت ہی کشادہ

کر دیا جائے گا، یا دوسری وجہ یہ ہو کہ "ویمکن ان یختلف باختلاف الاشخاص" ممکن ہے کہ لوگوں کے اعمال کے مطابق قبر میں کشادگی ہو جن کے نیک اعمال زیادہ اور خلوص پر مبنی ہوں گے ان کی قبر کو زیادہ کشادہ کر دیا جائے گا، اور جن کے اعمال کچھ کم یا ان میں خلوص کم ہو گا ان کی قبر کو تھوڑا کشادہ کیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جس قبر کو وسعت دی جائے گی اسے نور سے روشن کر دیا جائے گا، ممکن ہے کہ وسعت کے مطابق ہی نورانیت بھی ہو۔ جتنی وسعت زیادہ اتنی نورانیت زیادہ جتنی وسعت کم اتنی نورانیت بھی کم ہو۔

گھر آکر اپنے گھر والوں کو خوشخبری دینے کی تمنا

"ثم یقال له : نم ! فیقول ارجع الی اهل فاخبرهم"

پھر اسے کہا جائے گا: سو جا! وہ کہے گا میں اپنے اھل عیال کے پاس جا کر ان کو خبر دینا چاہتا ہوں۔ وہ شخص گھر لوٹنے کی تمنا اس لئے کرے گا کہ وہ اپنے آپ پر جب قبر میں بہت زیادہ انعامات، راحت دیکھے گا تو بہت خوش ہو کر کہے گا کہ میں اپنے اھل و عیال، خویش و اقرباء کے پاس لوٹنے کا ارادہ کرتا ہوں تاکہ ان کو اپنے حالات کی خبر دوں کہ کہ مجھے قبر میں بڑے انعامات سے نوازا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت بڑا فضل و کرم ہے۔ مجھے کوئی غم و حزن، دکھ و درد اور کوئی پریشانی نہیں، تاکہ یہ میرا حال سن کر وہ بھی خوش ہو جائیں۔

ساتھ ساتھ اس کی یہ تمنا و خواہش بھی ہو گی "قال یالیت قومی یعلمون" وہ کہے گا کاش کہ میری قوم کو بھی علم حاصل ہو جائے، کہ وہ بھی نیک اعمال کر کے جب قبر میں آئیں ان پر بھی قبر اسی طرح گلزار بن جائے جس طرح میرے لئے بن گئی۔

کافروں اور مومنوں کی قبروں کے حالات کو پڑھنے، سمجھنے کے بعد ایک مرتبہ پھر نبی کریم ﷺ کے ارشادات گرامی کو پڑھیں تو یقیناً اب لطف پہلے سے زیادہ حاصل ہو گا، وہ ارشاد گرامی یہ ہے، ان القبر روضة من ریاض الجنة اوحفرة من حفر النیران، بے شک قبر

جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا (جھنم) آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے دوسرے ارشادات سے اس حدیث پاک کی وضاحت حاصل ہو گئی۔

انسان کی خواہش پر فرشتوں کا جواب

" فیقولان نم کنو مة العروس الذی لا یوقظ الا احب اھلہ "

فرشتے کہیں گے، سو جا جس طرح دولہن سوتی ہے اسے کوئی بیدار نہیں کرتا سوائے اس شخص کے جو اس کے اھل سے زیادہ محبت اس سے رکھنے والا ہے۔

وضاحت حدیث

عروس کا لفظ مذکر اور مونث دونوں پر بولا جاتا ہے یعنی دولہا اور دلہن دونوں کو عروس کہا جاتا ہے جب تک ان کی پہلی ملاقات نہ ہو پہلی ملاقات ہو جانے کے بعد عروس (دولہا، دلہن) نہیں بولا جاتا۔

خیال رہے کہ لفظ عروس میں کوئی علامت تانیث نہیں پائی گئی اور مؤنث کے ساتھ خاص بھی نہیں اس لئے لفظ کی تذکیر کا اعتبار کرتے ہوئے لفظ الذی اور ضمیریں مذکر ہیں۔

دلہن سے تشبیہ دینے کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ اس دن بہت خوش ہوتی ہے کامل عیش و عشرت اور راحت میں ہوتی ہے اسی طرح مومن قبر میں بہت خوش ہوگا اور راحت میں ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس دن دلہن آتی ہے اس دن اس کی بڑی عزت اور تعظیم ہوتی ہے۔ سب رشتہ دار اس کے آرام کا خیال رکھتے ہیں۔ کوئی شخص اسے جگاتا نہیں۔ سوائے اس شخص کے جو اس سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا ہوتا ہے وہ اسے بیدار کرتا ہے۔ لیکن وہ بھی بڑی نرمی اور مہربانی سے۔ اسی طرح قبر میں ایمان والے نیک و پرہیزگار کو قبر میں عزت و تعظیم حاصل ہوگی، اس کے آرام میں کوئی خلل انداز نہیں ہوگا۔

قبر میں انعام واکرام تا قیامت جاری رہے گا

نبی کریم ﷺ نے قبر میں مومن متقی پر انعامات کا ذکر فرمایا، اس کے بعد ارشاد فرمایا: "حتی یبعثه الله من مضجعه ذالك" یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس لیٹنے کے مقام سے اٹھائے گا۔

یعنی قیامت تک اس مومن متقی کو قبر میں نعمتیں اور راحت حاصل رہے گی، قیامت میں اللہ تعالیٰ خود اسے قبر سے اٹھائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا مہربان ہے۔

(از مشکوٰۃ و مرقاۃ باب اثبات عذاب القبر)

مومن کے پاس نیک عمل کا خوبصورت شکل میں آنا

قال (رسول الله ﷺ) ویأتیه رجل حسن الوجه حسن الثیاب طیب الریح فیقول ابشر بالذی یسرك ، هذا یومك الذی کنت توعد فیقول له من انت فوجهك الوجه یجیٔ بالخیر فیقول انا عملك الصالح فیقول رب اقم الساعة رب اقم الساعة حتی ارجع الی اهلی ومالی"

(مسند احمد ، مشکوٰۃ باب مایقال عند من حضره الموت)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (قبر میں) اس (مومن نیک پرہیزگار) کے پاس ایک شخص آئے گا، جس کا خوبصورت چہرہ ہوگا اور خوبصورت لباس ہوگا، اس سے خوشبو مہک رہی ہوگی، وہ کہے گا تمہیں بشارت ہو۔ اس چیز کی جو تمہیں خوش کر رہی ہے۔ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا۔ وہ اس شخص سے پوچھے گا تم کون ہو؟ چہرا تو تمہارا ہی چہرا ہے جو بھلائی لا رہا ہے۔ وہ کہے گا میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ وہ شخص عرض کرے گا اے میرے رب قیامت قائم کر دو، قیامت قائم کر دو یہاں تک کہ میں اپنے اھل اور اپنے استحقاق (مال) کو حاصل کر لوں۔

وضاحت حدیث

نیک عمل انسانی شکل میں قبر میں آئے گا، اس کا خوبصورت چہرا، خوبصورت لباس اور اس سے

خوشبو کا مہکنا اس پر دلالت کر رہے ہوں گے کہ مرنے والا شخص جو اس قبر میں ہے یہ نیک اعمال اور اچھے اخلاق کا مالک تھا۔ وہ اسے بشارت دے گا کہ آج تم پر جو انعامات ہیں تمہیں خوش کر رہے ہیں یہ وہ انعامات ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھے نہیں، کسی کان نے سنے نہیں، اور کسی دل میں بھی ان کا تصور نہیں واقع ہوا کہ ایسے عظیم انعامات قبر میں بھی ملیں گے، پھر وہ نیک عمل اسے کہے گا کہ یہی وہ اچھا سہانا وقت ہے تمہارے لئے، جس کا تمہیں وعدہ دلایا جاتا تھا۔

مومن جب دیکھے گا کہ یہ اجنبی شخص ہے جو مجھے کتنی اچھی اور عجیب بشارت دے رہا ہے تو وہ خوش ہو کر اسے کہے گا میں تو تمہیں نہیں پہچانتا تم مجھے اپنا تعارف تو کراؤ کہ میں بھی تمہاری تعریف کا بدلہ ادا کر سکوں، پھر اس کے چہرے کی خوبصورتی کو دیکھ کر اور ہی تعجب سے پوچھے گا کہ تمہارا چہرا تو بہت ہی حسین و جمیل چہرا ہے اور کتنا ہی کامل چہرا ہے جس سے بھلائی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ جب وہ اپنا تعارف کرائے گا کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں تو یہ خوش ہو کر رب کے حضور دعا کرے گا کہ اے اللہ قیامت قائم ہو جائے (یہ دعا دو مرتبہ کرے گا) تاکہ میں اپنی جنتی حوروں اور غلمان (خدام لڑکوں) کے پاس پہنچ جاؤں۔ اور جن محلات و باغات کا میں مستحق ہوں ان تک پہنچ جاؤں۔ حدیث شریف میں مذکور لفظ "مالی" میں ما موصولہ ہے اس کا معنی ہے جو چیز میرے لئے ہے اور ممکن ہے کہ مال اور یاءِ متکلم ہو، میرا مال۔ اور مطلب یہ ہو کہ اے اللہ مجھے ایک مرتبہ پھر دنیا میں اپنے اھل و عیال اور مال کے پاس پہنچا تاکہ میں اور نیکیاں کروں اور تیری راہ میں مال خرچ کروں پھر قیامت قائم ہو جائے تاکہ مجھے زیادہ ثواب حاصل ہو۔ لیکن زیادہ مناسب پہلا معنی ہی ہے۔

فائدہ :

عروس کا معنی دلہن اور دولہا۔ کبھی دولہا کے لئے عریس کا لفظ بولتے ہیں اس کی جمع عرائس ہے۔ عرس کا معنی ولیمہ اور خوشی میں رہنا، محبت کرنا، تقریباً شادی کرنا عرس کا معنی بھی درست ہے اولیاء عظام کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے دن کو یوم وصال کہتے ہیں یعنی ملنے کا دن۔ حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس دن کو یوم فراق یا یوم فصال کہنا چاہئے کہ وہ جدا

ہونے کا دن ہے، لیکن دنیا سے جدا ہونا کچھ حیثیت نہیں رکھتا حقیقی طور پر وہ وصال ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ سے ملاقات کا وہ دن ہوتا ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہو تو یقیناً وہ خوشی کا دن ہے۔ اسی لئے اولیائے عظام کے سالانہ ایصال ثواب کے دن کو عرس (خوشی کا دن) کہتے ہیں۔

خیال رہے کہ کسی فرقہ کے مسلک کے ترجمان، اس کے علمائے کرام کے اقوال ہو سکتے ہیں، جہلاء کے اقوال و افعال کسی مسلک کے ترجمان نہیں ہو سکتے۔ اہل سنت و جماعت کے علمائے کرام کا عقیدہ ہے کہ کسی شخص کے فوت ہونے کے بعد جب چاہے دن مقرر کر کے ہی کیوں نہ ہو، ایصال ثواب کی محفل کا انعقاد جو تلاوت قرآن پاک، نعت خوانی، چشتیوں کے نزدیک محفل سماع اور نقاریر پر مشتمل ہو، جائز ہیں۔ ڈھول، باجے، بھنگڑے اور ناچ گانوں کے ساتھ بزرگوں کے مزارات پر چادروں کا لے جانا ناجائز ہے۔ اسی طرح کثرت ہجوم میں جہاں عورتیں مردوں کے ساتھ اختلاط اور جسموں کے ٹکرانے سے نہ بچ سکیں وہاں عورتوں کا جانا بھی ناجائز ہے۔



باب چہارم

زیارتِ قبور و احوالِ برزخ

فصلِ اول

زیارت قبور

روح کا تعلق انسان کے جسم کے ذرات سے قائم ہوتا ہے اسی وجہ سے اسے قبر کا عذاب ہو تو اسے درد محسوس ہوتا ہے اور قبر میں نیک آدمی کو راحت سے سرور حاصل ہوتا ہے، عام آدمی کا جسم مٹی ہو جاتا ہے اور ہڈیاں بوسیدہ ہو جاتی ہیں لیکن نیک آدمیوں کے جسم بھی صحیح سلامت رہتے ہیں۔ انہیں قبر میں کامل زندگی حاصل رہتی ہے ان کی قبروں پر جاکر ان کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔ عورتیں اگر قبر پر جاکر جزع، فزع نہ کریں اور کوئی عذر شرعی نہ ہو تو ایسی حالت میں ان کا بھی قبروں کی زیارت کے لئے جانا جائز ہے۔

ان مسائل پر مکمل اور تفصیلی، تحقیقی کتاب استاذی المکرّم کی جلاء الصدور اور امام احمد رضا محدث بریلوی کی کتاب " حیات الموات فی بیان سماع الاموات " کا مطالعہ کیا جائے۔ مختصر طور پر یہاں ان مسائل کو ذکر کیا جائے گا۔ بعض اقتباسات استاذی المکرّم کی کتاب سے بھی حصول تبرک کے پیش نظر ذکر ہوں گے۔

کافروں کا موت کے بعد سننا

ہر انسان کے جسم کا محفوظ رہنا ضروری نہیں بلکہ جسم جل سڑ سکتا ہے ہڈیاں راکھ ہو سکتی ہیں لیکن سننا اور عذاب سے درد محسوس کرنا یہ کافروں کو بھی حاصل رہے گا۔

" عن صالح قال حدثنی نافع ان ابن عمرؓ اخبره قال اطلع النبی ﷺ علیٰ اهل القلیب فقال وجد تم ماوعدکم ربکم حقا ؟ فقیل له تدعوا امواتا ؟ قال ما انتم باسمع منهم ولکن لا یجیبون "

(بخاری مع فتح الباری ج ۵ باب ماجاء فی عذاب القبر)

ترجمہ :- عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے کنوئیں میں پھینکے ہوئے مقتولین کفار پر جاکر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ تم نے اپنے رب کے وعدہ کو صحیح اور سچ پالیا ہے ؟ تو آپ سے عرض کیا گیا آپ مردوں کو پکار رہے ہیں ؟ (یعنی وہ سن نہیں سکتے ، انہیں خطاب و نداء کا کیا مقصد ؟) آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ، لیکن وہ جواب نہیں دیتے ایسا جواب جو تمہیں سنائی دے۔

(جلاء الصدور)

صاحبِ قبر کو زائر سے سکون ملتا ہے ؟

" اخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ ما من رجل یزور قبر اخیه ویجلس عنده الا استأنس به ورد علیه حتی یقوم "

(شرح الصدور ص ۸۴)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے تو اسے سکون وراحت میسر ہوتا ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ کھڑا ہوتا ہے یعنی اس شخص کے اٹھ کر جانے تک یہی کیفیت رہتی ہے کہ اس شخص سے قبر والے کو انس ہوتا ہے اور سکون حاصل ہوتا ہے۔

قبر کی زیارت زہد اور آخرت کی یاد کا باعث ہے

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها فانها تزهد فی الدنیا وتذکر الآخرة "

(ابن ماجه ، مشکوة باب زیارة القبور)

میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، اب قبروں کی زیارت کیا کرو کہ اس سے دنیا میں زہد (تقوی) حاصل ہو گا اور آخرت کی یاد حاصل ہو گی۔

وضاحتِ حدیث

نبی کریم ﷺ نے پہلے قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا؛ کیونکہ زمانہ جاہلیت قریب تھا لوگ بت پرستی کے عادی تھے۔ اس لئے منع کیا تاکہ لوگ قبر والوں کو معبود نہ سمجھ لیں، جب صحابہ کرام کے دلوں میں اسلام اور اسلامی طور طریقے راسخ ہو گئے تو آپ نے اجازت فرمادی۔

موت کی یاد لذتوں کو مٹا دیتی ہے، دلی کدورتوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے !

"اذا تحيرتم في الامور فاستعينوا باهل القبور" (مرقاۃ)

جب تمہیں کچھ معاملات میں حیرانی و پریشانی ہو تو قبروں والوں سے امداد طلب کرو۔

اسی طرح قبروں کی زیارت سے انسان کو آخرت کی یاد حاصل ہوتی ہے، وہ اس کی تیاری کرتا ہے، برائیوں کو چھوڑ دیتا ہے اور نیکیاں کرتا۔ وہ کتنے بے نصیب ہیں جو قبرستان میں بھی فحش مزاح کرنے سے باز نہیں آتے۔

عورتوں کے لئے بھی قبروں کی زیارت کرنا جائز ہے

عام طور پر ایک حدیث پاک بطور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ عورتوں کی قبروں کی زیارت کرنے پر لعنت ہے۔ لیکن حدیث پاک کی مکمل وضاحت نہیں کی جاتی جو خود محدثین کرام نے بیان کی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لعن زوارات القبور"

(مسند احمد، ترمذی، ابن ماجه، مشكوة باب زيارة القبور)

قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے ترمذی نے اس حدیث پاک

حسن صحیح کہا ہے اور خود ہی حدیث پاک کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔

" قدرأی بعض اهل العلم ان هذا کان قبل ان یرخص النبی ﷺ فی زیارة القبور فلما رخص دخل فی رخصته الرجال والنساء وقال بعضهم انما کره زیارة القبور للنساء لقلة صبرهن ولشدة جزعهن "

(مشکوٰة باب زیارة القبور)

امام ترمذی نے کہا کہ بعض اہل علم کا اس حدیث پاک میں اعتقاد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قبروں کی زیارت کی جو رخصت فرمائی ہے یہ حدیث اس سے پہلے کی ہے۔ کیونکہ پہلے مردوں کو بھی منع کیا گیا تھا اور عورتوں کو بھی، جب اجازت فرمائی تو مردوں اور عورتوں تمام کے لئے اجازت فرمائی گئی۔ البتہ اگر عورتیں صبر نہ کریں اور قبروں پر جا کر رونا پیٹنا، جزع، فزع کریں تو ایسی حالت میں انہیں قبروں پر جانا منع ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قبروں کی زیارت کرنا

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

" کنت ادخل بیتی الذی فیه رسول الله ﷺ وانی واضع وجهی واقول انما هو زوجی وابی فلما دفن عمر معهم فوالله ما دخلته الا وانا مشدودة علی ثیابی حیاء من عمر "

(مسند احمد، مشکوٰة باب زیارة القبور)

میں اس اس حجرہ مطہرہ میں داخل ہوتی جس میں رسول اللہ ﷺ مدفون ہیں تو میں پردے کا زیادہ اہتمام نہیں کرتی تھی کیونکہ میرے خیال میں آتا کہ ایک میرے خاوند ہیں اور دوسرے میرے باپ (ابو بکر صدیقؓ) ہیں، لیکن جب حضرت عمرؓ بھی اسی حجرہ میں ان (نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ) کے ساتھ دفن ہوگئے تو میں نے حضرت عمرؓ سے حیاء کرتے ہوئے پہلے سے زیادہ پردہ کا اہتمام شروع کر دیا۔

اس حدیث پاک کی شرح بیان کرتے ہوئے شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

" قولها حیاء من عمر اوضح دلیل علی حیوة المیت وعلی انه ینبغی احترام المیت عند زیارته مهما امکن لاسیما الصالحون بان یکون فی غایته الحیاء والتأدب بظاهره و باطنه فان للصالحین مددا ظاهرا بالغا لزوارهم بحسب ادبهم ونیتهم وقبولهم "

(لمعات، حاشیه مشکوٰة)

حضرت عائشہؓ کا ارشاد " حیاء من عمر " میت کی حیات پر بڑی واضح دلیل ہے۔ اور یہ ہے کہ قبر کی زیارت کے وقت جتنا ممکن ہو سکے صاحب قبر کا احترام کیا جائے۔ خصوصاً نیک لوگوں کی قبروں پر جا کر نہایت حیاء کرتے ہوئے ظاہری اور باطنی ادب کا پاس کرے، کیونکہ زیارت کرنے والے جتنا زیادہ ادب کریں گے اور خالص نیت رکھیں گے۔ اور نیک لوگوں کی امداد کو قبول کریں گے اتنی ہی زیادہ ان کی طرف سے ان لوگوں کو کامل امداد حاصل ہوگی۔

اس مقام میں حضرت استاذی المکرّم نے ایک سوال و جواب ذکر فرمایا جو بہت ہی زیادہ مفید ہے اور نبی کریم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے پر بھی عام حلقوں کی جانب سے یہ ہی سوال کیا جاتا ہے۔ جواب سے انشاء اللہ مصنف مزاج حضرات کے دلوں کو اطمینان حاصل ہوگا۔

سوال :- جن کی نگاہ کئی من مٹی کے اندر سے باہر دیکھ سکتی ہے کیا وہ حجاب و ستر کے اندر نہیں دیکھ سکتی پھر اس اہتمام کا مقصد کیا ہوگا؟ (یعنی حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ کے دفن کے بعد پردے کا جو اہتمام کیا اس خیال سے کہ وہ مجھے قبر کے اندر سے مٹی کے ڈھیر کے نیچے سے بھی دیکھ رہے ہیں۔ جو اتنی نظر رکھتا ہو اس کی نگاہ میں کپڑے کے پردے کی کیا حیثیت ہوگی)؟

جواب :- جتنی قدر بندے کے طاقت میں ہے اسی قدر اس پر اہتمام و انتظام بھی لازم ہے اور شیخ نے " مهما امكن " (جتنا ممکن ہو) سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، مثلاً خلوۃ اور تنہائی میں بھی بندہ پر لازم ہے کہ وہ اپنی شرمگاہ کو ڈھانپے۔ انسانوں وغیرہ سے نہ سہی، اللہ رب العزت سے حیاء کرتے ہوئے اس پر ستر (پردہ) لازم ہے، لہذا جو جواب اللہ علیم و خبیر کی نسبت سے یہاں دیا جائے گا، وہی جواب اہل قبور کی طرف سے بھی سمجھ لیا جائے۔ حدیث پاک ملاحظہ ہو۔

" وعن يعلىٰ قال ان رسول الله ﷺ رأى رجلا يغتسل بالبراز فصعد المنبر فحمدالله واثنى عليه ثم قال : ان الله حيّ ستير يحب الحياء والتستر فاذا اغتسل احدكم فليستتر "

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

حضرت یعلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو کھلی جگہ میں بغیر پردہ کے غسل کرتے دیکھا تو آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ شرمیلا، پردہ پوش، حیا اور پردہ کو پسند فرمانے والا ہے، لہذا تم میں سے کوئی شخص جب بھی غسل کرے تو ستر اور پردہ کے اندر کرے۔

ملا علی قاری حنفی نے ابن حجر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

" من ثم قال ائمتنا يحرم كشف العورة فى الخلوة بغير الحاجة لان فيه ترك الحياء من الله تعالىٰ "

اسی وجہ سے ہمارے ائمہ کرام نے فرمایا کہ تنہائی اور علیحدگی میں بھی بلاوجہ ستر و حجاب کا ترک حرام ہے کیونکہ اس میں بارگاہ خداوندی کے لائق شرم و حیاء کو ترک کرنا لازم آتا ہے ائمہ کرام کے اس قول پر سوال وارد ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ ظاہر اور چھپی ہوئی ہر چیز کو جانتا ہے تو اس سے پردہ کرنا اور لباس پہن کر ہی نماز ادا کرنا خواہ خلوت میں ہی کیوں نہ ہو اس کا کیا مقصد ہے؟

اس کا جواب یوں دیا گیا:

" وردوه بانه تعالىٰ وان احاطه علمه بهما الا أنه يرى المستور على حالة تقتضى الادب وشتان ما بينهما "

(مرقاة المفاتيح)

ائمہ کرام نے اس سوال کو یوں رد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اگرچہ مستور و غیر مستور دونوں کو محیط ہے، لیکن شرم و حیاء والے مستور کو ایسی حالت میں دیکھتا ہے جس کا ادب تقاضا کرتا ہے، بخلاف غیر مستور کے۔ اور دونوں طرح کے دیکھنے میں بڑا فرق ہے۔

لہذا جس طرح علم باری تعالیٰ کے محیط ہونے کے باوجود ستر کا حکم دیا گیا ہے اور شرم و حیاء والی حالت کو اختیار کرنا لازم کیا گیا ہے۔ اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی ادب اور شرم و حیاء والی ہیئت کو اختیار فرمایا اور جس طرح اللہ تعالیٰ مستور کے ساتھ تقاضاء ادب کے مطابق سلوک فرماتا ہے یہی حالت اہل قبور کی بھی سمجھنی چاہئے۔

نیز اللہ تعالیٰ اپنی حیاء (جو اس کی شان کے لائق ہے) کے مطابق کسی کے مخفی اندام کی طرف توجہ نہ فرمائے باجود علیم و خبیر و بصیر ہونے کے اور اسی طرح اپنے مقبول بندے انبیائے کرام، اولیائے عظام کو علم اور نظر عطا فرمانے کے باوجود ان کی توجہ کو اس جانب سے ہٹالے تو کوئی بعید نہیں۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

" انى اراكم من خلفى كما اراكم من بين يدى "

(اپنی صفوں کو درست کر کے ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوا کرو) میں تمہیں پیٹھ

کے پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہوں، جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔

جب نبی کریم ﷺ پر سامنے اور پیچھے کے حالات ایک جیسے ظاہر ہیں تو یقیناً آپ پر کوئی چیز مخفی تو نہیں لیکن پھر بھی ادب کا تقاضا یہی ہے کہ لباس پہن کر نماز ادا کی جائے۔ انسان اپنی طرف سے جتنا ممکن ہو پردہ رکھے اور اسی طرح نبی کریم ﷺ علم وبصارت کے باوجود کسی طرف توجہ نہ فرمائیں جو توجہ آپ کی شایان کے لائق نہیں تو کوئی بعید نہیں۔

زندہ کی طرح میت کو تکلیف یا لذت محسوس ہوتی ہے

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" کسر عظم المیت ککسرہ حیا"

(رواہ مالک و ابوداؤد وابن ماجه، مشکوٰۃ باب دفن المیت)

مردہ کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا ہے۔

اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

" قال الطیبی اشارۃ الی انه لایهان میتا کما لایهان حیا قال ابن الملك والی ان المیت یتالم، قال ابن حجر ومن لازمه انه یستلذ بما یستلذ به الحی الخ وقد اخرج ابن ابی شیبته عن ابن مسعود قال اذی المومن فی موته کا ذاہ فی حیاته"

(رواہ مالک و ابوداؤد)

علامہ طیبیؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث پاک سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ میت کی توہین اسی طرح نہ کی جس طرح زندہ کی توہین نہیں کی جاتی۔ ابن ملک نے کہا کہ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ میت کو درد محسوس ہوتا ہے۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ فوت شدہ آدمی کو اسی طرح لذت حاصل ہوتی ہے جس طرح زندہ کو لذت حاصل ہوتی ہے

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود سے روایت کو ذکر کیا کہ وہ فرماتے ہیں کسی مومن کو فوت ہو جانے کے بعد تکلیف دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کو تکلیف دینا ہے۔

فصل دوم

سماعِ موتی[1]

ہر انسان کے جسم کا محفوظ رہنا ضروری نہیں، بلکہ جسم گل سڑ سکتا ہے۔ ہڈیاں راکھ ہو سکتی ہیں۔ لیکن سننا اور عذاب سے درد محسوس کرنا یہ کافروں کو بھی حاصل رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے کنوئیں میں پھینکے ہوئے مقتولین کفار پر جا کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

" وجد تم ماوعدکم ربکم حقا ؟ فقیل له تدعوا امواتا ؟ قال ما انتم باسمع منهم ولکن لا یجیبون "

کہ تم نے اپنے رب کا وعدہ صحیح اور سچا پا لیا ہے؟ تو آپ سے عرض کیا گیا: آپ مردوں کو پکار رہے ہیں؟ (یعنی وہ سن نہیں سکتے، لہٰذا انہیں خطاب و ندا کا کیا مقصد؟) تو آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا: تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں۔ لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔ یعنی ایسا جواب جو تمہیں سنائی دے۔

(حیات الموات بحوالہ کاری، جلاء الصدور)

قبر والے سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ کی قبروں سے گذرے تو ان کی طرف " توجہ " کرتے ہوئے فرمایا:

" السلام علیکم یا اهل القبور یغفر الله لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر "

(ترمذی، مشکوۃ باب زیارۃ القبور)

اے قبروں والو تم پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری مغفرت فرمائے اور تمہاری بھی مغفرت فرمائے، تم ہم سے پہلے گزر گئے ہو ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے ہیں۔

اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ انسان جب

میت کو سلام پیش کرے تو اپنا چہرا اس کے چہرے کی طرف کرے" وان یستمر کذالك فی الدعاء ایضا "اور ہمیشہ قبر پر جب بھی آکر دعا کرے۔ یعنی قبروں پر آکر دعاء کرنے کا معمول ہی بنالے، ہمیشہ آتا رہے اور دعا کرتا رہے، اور ان کی طرف متوجہ ہو کر ہی دعا کیا کرے۔

یہاں قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرنا عام مسلمانوں کے عمل کے خلاف ہے۔ ہر دعاء قبلہ کی طرف منہ کر کے کرنا ضروری بھی نہیں کیونکہ اسی حدیث سے سمجھ آیا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ دعاء اصحاب قبور کی طرف " توجہ " کر کے قبلہ کی طرف منہ نہیں فرمایا۔ طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی میں، مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت، کھانے، پینے کی حالت میں اور مریض کی عیادت وغیرہ میں دعا کرتے وقت منہ قبلہ کی طرف نہیں کیا جاتا، شائد سعودیہ والے ان دعاؤں سے بے خبر ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے روضہ مطہرہ کی طرف منہ کر کے دعا کرنے والے کا منہ زبردستی قبلہ کی طرف پھیر دیتے ہیں۔

میت کی زیارت ایسے ہی کرے جس طرح اس کی زندگی میں اس کی زیارت کیا کرتا تھا۔ تو اب مرنے کے بعد اس کی قدر و منزلت کا اعتبار کرتے ہوئے، اس کی قبر سے دور ہی بیٹھے اور اگر اس کی زندگی میں اس کے قریب بیٹھتا تھا تو اب بھی اس کی قبر کے قریب بیٹھ جائے۔

واذا زاره یقرأ فاتحة الکتاب وقل هو الله احد ثلاث مرات ثم یدعوله ولایمسحه ولا یقبله فان ذالك من عادة النصاری وقال بعض العماء لابأس بتقبیل قبر الوالدین "
انسان جب قبر کی زیارت کرے تو سورة فاتحه کی تلاوت کرے اور پھر تین مرتبہ سورہ اخلاص قل هوالله احد پڑھے پھر میت کے لئے دعا کرے، قبر کو نہ چھوئے اور نہ چومے کیونکہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے۔ اور بعض علمائے کرام نے کہا ہے کہ والدین کی قبر کو چومنے میں کوئی حرج نہیں۔

اہل علم کے لئے یہ ہی بہتر ہے کہ وہ قبروں کو نہ چومے تاکہ جہلاء سجدہ نہ شروع کر دیں، ورنہ جب والدین کی قبروں کو چومنا جائز ہے تو اساتذۂ کرام، مشائخ عظام، بزرگان دین اور اولیائے کرام کی قبروں کو چومنا بھی جائز ہے۔ میرے پیر و مرشد حضرت غلام محی الدین شاہ المعروف " بابو جی " گولڑہ شریف ہر جمعہ کے روز بعد از نماز جمعہ اپنے والد مکرم سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے مزار پر حاضر ہو کر دور کھڑے ہو کر دعا کرتے تھے۔ مزار

پُر انوار کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے اور نہ ہی چومتے تھے۔ لیکن استاذی المکرّم حضرت مولانا محبّ النبیؒ (گولڑہ شریف میں ہی مدرس تھے) مزار شریف کو چومتے تھے۔ میں نے عرض کیا: استاد جی! حضرت صاحب مزار کو نہیں چومتے اور آپ چومتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا ان کا نہ چومنا ہی بہتر ہے اور ہمارے چومنے میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ جائز ہے۔ تاہم جو کام "پیر و مرشد" کرتا ہے "مریدین" اس سے بڑھ کر وہ کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے اگر آپ (قبلہ بابو جی) مزار کو چومیں گے تو مرید اس سے بڑھ کر وہ کام کرنے کی کوشش میں مریدین چومنے سے تجاوز کر کے سجدہ کی حد تک پہنچ جائیں گے، اور حرام کے مرتکب ہوں گے۔ بھلا میرا کون سا مرید ہے جو مجھے دیکھ کر حد سے تجاوز کرے گا؟ اس لئے میں جواز پر عمل کرتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے لئے پہلے اور مردوں کے لئے بعد میں دعا کیوں فرمائی؟

ایک وجہ تو یہ ہے کہ زندہ کے لئے دعا پہلے ہوتی ہے اور مردہ لوگوں کے لئے بعد میں اسی طرح حاضر کے لئے پہلے اور غائب کے لئے بعد میں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا دعاء کرنا تعلیم امت کے لئے ہے۔ یہ بتانا مقصود تھا کہ کسی کے لئے دعا کرنے والا پہلے اپنے لئے دعا کرے تاکہ پہلے اس کے گناہوں کی بخشش ہو جائے اور اور مستجاب الدعوات ہو جائے پھر دوسرے کے لئے دعا کرے اس طرح دعاء میں زیادہ قبولیت ہو گی۔ کیونکہ اپنے حق میں اس کی دعاء توبہ کے درجہ میں ہو گی۔

حضرت ابو ھریرہؓ سے مروی ہے۔ آپ نے کہا کہ زین ابوؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا راستہ قبرستان سے گذرتا ہے، میں فوت شدہ آدمیوں کے قریب سے گذرتے ہوئے کیا کلام کیا کروں؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم کہا کرو۔

" السلام علیکم یا اھل القبور من المسلمین والمومنین انتم لنا سلف ونحن لکم تبع وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون"

اے قبر والے مسلمانو، مومنو! تم پر سلام ہو، تم ہمارے آگے اور ہم تمہارے پیچھے ہیں

اور ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔

ابو رزین نے پوچھا کیا یہ سنتے ہیں (یارسول اللہ) ؟ آپ نے فرمایا:

" يسمعون ولكن لا يستطيعون ان يجيبوا قال يا ابارزين الا ترضى ان يرد عليك بعد هم من الملائكة "

ہاں سنتے ہیں! لیکن ایسا جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے جو تم خواہش رکھتے ہو۔ اور فرمایا اے ابو رزین کیا یہ تمہیں پسند نہیں کہ تمہیں قبر والوں کی تعداد کے مطابق فرشتے سلام کا جواب دیں۔

(مرقاة باب زيارة القبور)

اس حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد خود ہی شارح اس طرح وضاحت کرتے ہیں:

" وقوله لايستطيعون ان يجيبوا اى جوابا يسمعه الحى والا فهم يردون حيث لاتسمع "

نبی کریم ﷺ کے ارشاد " لا يستطيعون ان يجيبوا " (وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے) کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا جواب نہیں دے سکتے کہ زندہ ان کو سن سکے ورنہ وہ سلام کا جواب تو دیتے البتہ ایسا کہ ہم نہیں سن سکتے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" مامن احد يمر بقبر اخيه المومن كان يعرفه فى الدنيا فسلم عليه الاعرفه ورد عليه السلام صححه عبد الحق "

(مرقاة باب زيارة القبور)

جب بھی کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی قبر سے گذرتا ہے جو اسے دنیا میں پہچانتا تھا تو یہ اسے سلام کرتا ہے وہ اسے پہچانتا بھی ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اس حدیث کو عبد الحق نے صحیح قرار دیا ہے۔ یہ حدیث ابن عبد البر نے الاستذکار والتمہید میں ذکر کی ہے۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے موقوف حدیث اس طرح بیان کی ہے، آپ فرماتے ہیں: اذا مرالرجل بقبر يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام وعرفه وإذا بقبر لا يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام اى ولم يعرفه "

(مرقاة باب زيارة القبور)

جب بھی کوئی شخص کسی جان پہچان والے کی قبر سے گذرتے ہوئے سلام کرتا ہے تو وہ

سلام کا جواب دیتا ہے اور اسے پہچان بھی لیتا ہے اور جان پہچان نہ رکھنے والے شخص کی قبر سے گذرتے ہوئے اگر سلام پیش کرے تو وہ فقط سلام کا جواب دیتا ہے یعنی پہچانتا نہیں۔

نتیجہ یہ نکلا

☆ ان احادیث سے واضح ہوا کہ قبر والوں کے لئے دعاء کی جائے کیونکہ السلام علیکم بہت بڑی جامع دعاء ہے کہ تم پر ہمیشہ ہر وقت، ہر جگہ سلامتی ہو۔ اور پھر " یغفر اللہ لنا ولکم " (اللہ ہماری مغفرت فرمائے اور تمہاری بھی مغفرت فرمائے) یہ بھی کامل دعاء ہے۔

☆ سلام دینے والے کو قبر والے جواب دیتے ہیں اگر اس کی پہچان رکھتے تھے تو اسے پہچانتے بھی ہیں۔ سلام پیش کرنے والے کو تمام قبروں والے بھی سلام کا جواب دیتے ہیں اور اتنی تعداد میں فرشتے بھی۔

☆ قبروں پر جا کر دعاء کرنے والا اور سلام دینے والا کتنا خوش قسمت ہے کہ یہ خود تو ایک مرتبہ دعاء کرے لیکن اس کو مردوں کی تعداد کے مطابق سینکڑوں، ہزاروں دعائیں ملیں۔

☆ قبروں پر جا کر دعا نہ کرنے سے جہاں مردے دعاء سے محروم رہیں گے وہاں یہ شخص بھی بد نصیب ہو گا کہ ہزاروں دعاؤں سے محروم رہے گا، قبر والوں کے لئے دعاء ان کے لئے بھی اور اپنے لئے بھی نفع مند ہے۔



فصل سوم :

﴿ والدین کی قبور کی زیارت کرنا ﴾

ماں، باپ کی قبر کی زیارت کرنا مغفرت کا سبب ہے

حضرت محمد بن نعمان نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں :

...... (سند میں صحابی کا واسطہ چھوڑا ہوا ہے براہِ راست نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ حدیث زیادہ معتبر ہوتی ہے کیونکہ تابعی بہت وثوق ہوتے ہوئے کہہ دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا)...... کہ آپ نے فرمایا :

" من زار قبرا ابويه او احد هما فى كل جمعة غفرله و كتب برا "

(رواه البيهقى فى شعب الايمان مرسلا ، مشكوٰة باب زيارة القبور)

جو شخص اپنے والدین (یعنی ماں، باپ دونوں یا ان میں سے ایک فوت ہو تو) یا دونوں میں سے ایک کی قبر کی زیارت ہر جمعہ کو کرتا ہے اس (کے صغائر گناہوں) کی بخشش کی جاتی ہے اور اسے نیک، فرمانبردار، مطیع لکھ دیا جاتا ہے۔

حدیث پاک میں جمعہ کے ذکر سے مراد جمعہ کا دن بھی ہو سکتا ہے اور ہر ہفتہ میں کسی ایک دن زیارت کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اس لئے اگر انسان کو ہر جمعہ کے دن زیارت کا وقت مل سکے تو بہتر ہے ورنہ ہفتہ میں کسی دن بھی والدین کی قبر کی زیارت کرے۔

☆☆☆☆☆

فصل چہارم :

﴿قبورِ صالحین سے حصولِ برکت﴾

حضرت یوسفؑ کی قبر سے تبرک حاصل کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے دعائیہ قول مبارک کی حکایت کرتے ہوئے ارشاد خداوندی ہے :

﴿ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ ﴾

(پ ۱۳ ع ۵)

(مجھے حالت اسلام پر وفات عطا فرما اور اپنے خاص مقربین سے ملا)

اس آیت کے ماتحت جلالین میں ہے :

" تشاح المصريون في قبره فجعلوه في صندوق مرمر ودفنوه في اعلى النيل ليعم البركة جانبيه "

مصری لوگوں نے آپ کی قبر بنانے میں جھگڑا کیا تو آپ کو سنگ مرمر کے صندوق میں بند کر کے نیل کے بلندی کی جانب یعنی پانی کے آنے والی جانب دفن کیا تاکہ دونوں طرف آپ کی برکت عام ہو ۔

جلالین کے حاشیہ پر خطیب کے حوالہ سے مزید وضاحت موجود ہے کہ حضرت یوسفؑ کی جب وفات ہوئی تو ہر محلّہ کے لوگ چاہتے تھے کہ آپ کو ہمارے محلّہ میں دفن کیا جائے تاکہ ہم برکت حاصل کریں، اتنا نزاع برپا ہوا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دینے کا جھگڑا پیدا ہو گیا ؛ کیونکہ یہ جھگڑا آپ کو ایک مرتبہ دفن کرنے کے بعد ہوا جس جانب آپ دفن تھے وہ جانب سرسبز و شاداب خوشحال ہو گئی اور دوسری جانب خشک رہنے لگی تو دوسرے کہنے لگے ہمارے محلّہ میں دفن کیا جائے اور جس جانب آپ دفن تھے وہ کہنے لگے ہمارے محلّہ میں ہی دفن رہیں گے۔ اس جھگڑا کو مٹانے کے لئے آپ کو سنگ مرمر کے صندوق میں بند کر کے نیل کے اس مقام پر دفن کر دیا گیا

جہاں سے پانی مختلف علاقوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ جس پر ان تمام علاقوں کو آپ کی برکت حاصل ہو گئی۔

حضرت موسیٰ کا قبر میں نماز ادا کرنا

حضرت سلیمان تیمیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

" قال رسول الله ﷺ مررت علی موسٰی وھو یصلی فی قبرہ "

(مسلم ج ۲ باب فضائل موسیٰ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ پر میرا گذر ہوا وہ اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے تھے۔ دوسری حدیث میں گذرنے کی وضاحت اس طرح موجود ہے "مررت لیلة اسری بی" میرا گذر (موسیٰ پر) اس رات کو ہوا جس رات مجھے معراج کرائی گئی۔

سبحان اللّٰہ کیسی ہے شان نبوت ! کہ نبی کریم ﷺ براق پر سوار ہیں جس کا ایک قدم انتہائے نظر پر جاتا ہے لیکن موسیٰ کو آپ نے قبر میں نماز ادا کرتے ہوئے بھی دیکھا پھر بیت المقدس میں آپ سے پہلے ہی آپ کے استقبال کے لئے بھی موجود۔ پھر آسمانوں پر مرحبا کہتے اور نبی کریم ﷺ کی امت پر مہربانی کے لئے (کیونکہ آپ کے مشورہ سے ہی نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ کے حضور جاتے رہے نمازیں کم ہوتی رہیں یہاں تک کہ پچاس سے پانچ باقی رہیں) بھی موجود ہیں کیونکہ حضور ﷺ شاہانہ انداز پر سواری پر سوار ہو کر سواری کی رفتار کے مطابق چل رہے ہیں لیکن موسیٰؑ بغیر سواری کے اپنی شانِ نبوت کے مطابق چل رہے ہیں۔



فصل پنجم :

روضہ رسول کی برکتیں

ارشاد خداوندی ہے :

﴿ وَلَوْاَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَلَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴾

(پ ۵ ع ٦)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیۃ کریمہ کی تشریح میں تفسیر نسفی میں ذکر کیا گیا ہے، کہ نبی کریم ﷺ کے دفن ہونے کے بعد آپ کے مزار انور پر ایک اعرابی حاضر ہوا بے قراری کی حالت میں تڑپ تڑپ کر اپنے سر پا خاک ڈالتے ہوئے عرض کر رہا ہے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا، ہم نے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام آپ پر نازل ہوا" ولو انهم اذ ظلموا " الآیۃ اور یہ کہہ رہا تھا :

" وقد ظلمت نفسي وجئتك استغفر الله ذنبي واستغفرلي من ربي ، فنودي من قبره : قد غفرلك "

(تفسیر نسفی)

میں نے اپنی جان پر ظلم کر لیا ہے، اب میں آپ کے پاس حاضر ہوں، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کر رہا ہوں آپ بھی میرے رب سے میرے لئے بخشش طلب کریں۔ آپ کی قبر شریف سے آواز دے کر اسے بتایا گیا تمہاری گناہوں کو بخش دیا گیا۔

نبی کریم ﷺ کا قبر شریف سے ہاتھ باہر نکالنا

سید احمد رفاعیؒ مشہور اکابر صوفیاء سے ہیں ان کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ جب ۵۵۵ھ میں حج

سے فارغ ہو کر زیارت رسول اللہ ﷺ کے لئے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے مقابل کھڑے ہوئے تو یہ دو شعر پڑھے۔

في حالة البعد روحي كنت ارسلها ☆ تقبل الارض عني وهي نائبتي
وهذه دولة الاشباح قد حضرت ☆ فامدد يمينك كي تحظى بها شفتي

"دوری کی حالت میں اپنی روح کو خدمت اقدس میں بھیجا کرتا تھا وہ میری نائب بن کر آستانہ مبارک چومتی تھی اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے اپنا دست مبارک عطا کیجئے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چومیں"۔

اس پر قبر شریف سے دست مبارک باہر نکلا اور انہوں نے اسے چوما۔

(الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۶۱)

کہا جاتا ہے کہ اس وقت تقریباً نوے ہزار (۹۰۰۰۰) کا مجمع مسجد نبوی میں تھا جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور ﷺ کے دست مبارک کی زیارت کی جن میں محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

(البنيان المشيد، فضائل حج ص ۸۴)

نبی کریم ﷺ کے مزار انور سے تبرک

حضرت ابن جوزاءؓ سے مروی ہے ایک مرتبہ اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلاء ہو گئے، یعنی بارش نہیں ہو رہی تھی انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں آکر شکایت کی آپ نے فرمایا:

" انظروا قبر النبي ﷺ فاجعلوا فيه كوىً الى السماء حتى لايكون بينه وبين السماء سقف ففعلوا فمطروا وا مطرا حتى نبت العشب وسمنت الابل حتى تفتقت من الشحم فسمي عام الفتق"

(دارمي، مشكوة باب الكرامات)

نبی کریم ﷺ کے مزار انور کی طرف دیکھو اور ان کے حجرہ (روضہ مطہرہ) سے تھوڑا سا سوراخ کر دو یہاں تک کہ آپ کی قبر انور اور آسمان کے درمیان کوئی چھت یعنی حجاب نہ رہے۔ پس صحابہ کرام ایسے ہی کیا اتنی کثیر بارش ہوئی جس سے بہت گھاس اگی، اونٹ وہ گھاس کھا کھا کر

اتنے موٹے ہوئے کہ چربی کی وجہ سے ان کی کوہانیں پھٹ گئیں، اس سال کا نام عام الفتق (پھٹنے کا سال) پڑ گیا۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاریؒ مرقاۃ میں بیان کرتے ہیں :

" وقيل انه ﷺ كان يستشفع به عند الجدب فتمطر السماء فامرت عائشه بكشف قبره مبالغه فى الاستشفاع فلا يبقى بينه وبين السماء حجاب "

بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے توسل سے جب قحط سالی میں بارش طلب کی جاتی تو حضرت عائشہؓ نے حجرہ کی چھت کھولنے کا حکم فرمایا تاکہ آپ کے مزار انور اور آسمان کے درمیان کوئی حجاب نہ رہے یہ توسل میں مبالغہ ثابت کرنا تھا یعنی زیادہ سے زیادہ وسیلہ حاصل کرنا۔



فصل ششم :

﴿نبی کریم ﷺ کا حاجت روائی فرمانا﴾

نبی کریم ﷺ کے مزار انور سے بذریعہ خط شفا طلب کرنا

ابو محمد اشبیلی بیان کرتے ہیں کہ اہل غرناطہ میں سے ایک شخص کو بیماری لاحق ہو گئی جس کے علاج سے ماہر طبیب عاجز آ گئے، اس مرض سے صحت کی کوئی امید نہ رہی، اس شخص کی طرف سے ایک وزیر ابن ابی خصال نے ایک خط رسول اللہ ﷺ کی طرف لکھا، جس میں بیماری سے شفا کی درخواست کی گئی اور اس میں کچھ شعر لکھے، ان میں سے پہلا شعر یہ ہے

کتاب وقیذ من زمانة مشفی　　　بقبر رسول الله احمد یستشفی

بیماری سے عاجز موت کے کنارے پر پہنچے ہوئے ایک شخص کا خط، رسول اللہ احمد مجتبیٰ ﷺ کی قبر انور کی طرف شفا طلب کرنے کے لئے۔ جب وہ خط نبی کریم ﷺ کے مزار انور پر پہنچا اور اس کا یہ پہلا شعر ہی پڑھا گیا۔ تو وہ شخص اپنی جگہ صحت یاب ہو گیا۔

(جواہر البحار ج ۲ ص ۳۴)

نبی کریم ﷺ کا خط کا جواب دینا اور لوگوں کا سننا

سید نور الدین ایجی روضہ مطہرہ پر جب حاضر ہوئے تو عرض کیا

"السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته" اس کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "وعلیک السلام یا ولدی" (اے میرے بیٹے اور تم پر بھی سلام ہو) آپ کے سلام کے جواب کو ان تمام لوگوں نے سنا جو اس وقت مزار انور پر حاضر تھے

(الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۶۱)

شیخ ابو نصر عبد الواحد بن عبد الملک کرخی فرماتے ہیں میں نے حج کیا اور نبی کریم ﷺ کی

زیارت کی میں روضہ مطہرہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا اسی دوران الشیخ ابو بکر الدیار بکری حاضر ہوئے روضہ مطہرہ کے پاس مواجھہ شریف کے مقابل کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے " السلام علیک یارسول اللہ " آپ فرماتے ہیں :

" فسمعت صوتا من داخل الحجرة وعليك السلام يا ابابكر وسمعه من حضر "

میں نے اور تمام حاضرین نے سنا کہ روضہ مطہرہ کے اندر سے آواز آرہی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کے سلام کا جواب دے رہے "وعلیک السلام یا ابا بکر "اے ابو بکر (دیار بکری) تم پر بھی سلام ہو۔

(الحاوی وللفتاوی ج ۲ ص ۲۶۱)

نبی کریم ﷺ کے روضہ مطہرہ سے اذان کی آواز آنا

حضرت سعید بن میبؓ مسجد نبوی میں محصور ہو گئے تھے جب یزیدی دور کے مدینہ طیبہ میں مظالم ہو رہے تھے باہر سے کسی کو مسجد نبوی میں داخل نہیں ہونے دیا گیا اور اندر صرف حضرت بن میب تھے انہیں باہر نہیں نکلنے دیا گیا۔ اس وقت کے متعلق وہ فرماتے ہیں :

" وما فی مسجد رسول الله ﷺ غیری وما یاتی وقت صلوة الاسمعت الآذان من القبر "

رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں سوائے میرے اور کوئی بھی نہیں تھا، جب بھی نماز کا وقت ہوتا میں مزار انور سے اذان کی آواز سنتا۔

(ابو نعیم دلائل النبوة، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۲۸)

نبی کریم ﷺ نے خواب میں روٹی عطا فرمائی

ابن جلاء کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا مجھ پر فاقہ تھا میں قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور عرض کیا حضور میں آپ کا مہمان ہوں مجھے کچھ غنودگی سی آگئی تو میں نے حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی حضور ﷺ نے مجھے ایک روٹی مرحمت (عنایت) فرمائی میں نے آدھی کھائی اور جب میں جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

(فضائل حج ص ۱۸۸) از وفا شریف)

نبی کریم ﷺ کی مُحِبّ غلام کے گھر جلوہ گری

مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ جن کو ابن ثابت کہا جاتا تھا ساٹھ سال تک ہر سال حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے لئے بھی حاضر ہوا کرتا تھا اور زیارت کر کے واپس آجاتے، ایک سال کسی عارضہ کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے کچھ غنودگی کی حالت میں اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت کی حضور نے ارشاد فرمایا، ابن ثابت تم ہماری ملاقات کو نہ آئے اس لئے ہم تم سے ملنے آئے ہیں۔

(فضائل حج ص ۱۸۶ ، الحاوی للفتاوی ج ص ۲۶۲)

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بارش کی درخواست

بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے سند صحیح سے حضرت مالک الدار سے روایت بیان کی جو حضرت عمرؓ کے خازن تھے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ قحط سالی میں مبتلاء ہو گئے، ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے مزار انور پر حاضر ہو کر عرض کیا:

" استسق لامتك فانهم قد هلكوا فاتاه رسول الله ﷺ فی المنام فقال ائت عمر فاقرئه السلام واخبره انهم مسقون وقل له عليك الكيس الكيس "

یارسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لئے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں نبی کریم ﷺ خواب میں اسے شرف ملاقات بخشتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عمر کو جا کر میرا سلام پہنچادو اور بتادو! کہ عنقریب بارش ہو جائیگی اور پیغام بھی دینا کہ تم پر "دانائی" لازم ہے۔ یعنی میانہ روی سے کام لو۔

وہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور نبی کریم ﷺ کا پیغام پہنچایا تو آپ نے روتے ہوئے عرض کیا اے میرے اللہ! میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ ہاں جس سے میں عاجز ہوں اسے معاف فرمانا۔

(فتح الباری شرح بخاری ج ۲ جواہر البحار ج ۲ ص ۳۳)

نبی کریم ﷺ کے مزار پر حاضر ہو کر کھانا طلب کرنا

امام ابوبکر بن مقری کہتے ہیں کہ میں ، طبرانی اور ابوالشیخ حرم رسول اللہ ﷺ میں تھے اور ہم پریشان حال تھے بھوک کے آثار ہم پر ظاہر تھے گویا کہ اس ہم صوم وصال (دن رات کا مسلسل روزہ) میں تھے۔

"فلما كان وقت العشاء حضرت قبر النبي ﷺ فقلت يارسول الله الجوع"

جب عشاء کا وقت ہوا میں نبی کریم ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہوا ۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم بھوکے ہیں۔

پھر میں واپس آگیا، میں اور ابوالشیخ سوگئے اور طبرانی ابھی بیٹھ کر کسی چیز میں نظر کر رہے تھے ، ایک علوی شخص آئے اور ان کے ساتھ دو غلام (لڑکے) تھے ہر ایک کے پاس ایک ایک توشہ دان تھا جن میں کھانے کی بہت چیزیں تھیں، ہم بیٹھے اور ہم نے کھانا کھایا اور وہ کھانا ہم سے بچ گیا جو وہ ہمارے پاس ہی چھوڑ گئے وہ شخص کہنے لگے ۔

" ياقوم أشكو تم الى رسول الله ﷺ فاني رأيته في المنام فامرني ان احمل بشئي اليكم "

کیا تم نے نبی کریم ﷺ کے پاس اپنی بھوک کی شکایت کی تھی کیونکہ میں نے خواب میں آپ کی زیارت کی تو آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں کھانے کی اشیاء تمہارے پاس پہنچاؤں۔

حضرت میمونہؓ سے کھانا طلب کرنا

مولوی سید احمد کے بھانجے کے مرید اور خلیفہ مجاز سید محمد علی کہتے ہیں۔ آدھی رات کے قریب ہم وادی سرف پر پہنچے جہاں ام المومنین سیدہ میمونہؓ کا مزار فائض الانوار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے شوہر یعنی نبی کریم ﷺ پر رحمتیں نازل فرمائے !اتفاق کی بات ہے کہ اس روز ہمارے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ بھی نہ تھا، میں جب سو کر اٹھا تو سخت بھوک لگی ہوئی تھی، میری طاقت میں اضمحلال (کمزورپن) آگیا۔ اور چہرہ کملا گیا تھا روٹی مانگنے کے لئے میں ہر کسی کے پاس گیا لیکن مطلب کو نہ پہنچا ۔ آخر بے بس ہو کر سیدہ میمونہؓ کی قبر کی زیارت کیلئے

گیا اور فقیرانہ انداز سے صدا لگائی اور میں نے سلام عرض کیا، اے میری دادی جان میں آپ کا مہمان ہوں کوئی چیز کھانے کی عنایت فرمائیں ۔ پھر میں نے سلام عرض کیا اور فاتحہ پڑھ کر روح کو ثواب پہنچایا اور آپ کی قبر انور پر سر رکھ دیا۔ اللہ جو رازق مطلق ہے اور ہمارے احوال سے واقف ہے اس کی طرف سے مجھ کو انگور کے دو تازہ خوشے ملے اور عجیب تر بات یہ ہے کہ وہ ایام سرد تھے اور ان دنوں وہاں انگور کا ایک دانہ بھی نہیں ملتا تھا۔ ان خوشوں میں سے کچھ میں نے وہیں کھائے اور باقی حجرہ سے باہر آکر میں نے ایک ایک دانہ ہر ایک کو تقسیم کیا اور فی البدیہہ یہ اشعار کہے۔

یافت مریم گر بھنگام شتا ☆ میوہ ھائے جنت از فضل خدا
ایں کُرامت درحیاتش بود وبس ☆ بعد موتش نقل ننمود است کس
بعد فوت زوج ختم المرسلین ☆ رفتہ چندیں قرن ھائے دَور
بنگر ازوے ایں کرامت یافتم ☆ مائیہ صد گونہ نعمت یافتم

حضرت مریم نے اگر ایام سرما میں جنت کے میوے (گرمیوں والے) فضل خدا سے پائے تو ان کی یہ کرامت فقط ان کی زندگی میں تھی ان کی وفات کے بعد یہ کرامت ثابت نہیں حضور اکرم ﷺ کی زوجہ کی وفات ان کی زندگی میں تھی ان کی وفات کے بعد یہ ثابت نہیں حضور اکرم ﷺ کی زوجہ کی وفات کے بعد اتنی صدیاں گذرنے کے بعد اسے دیکھنے والے دیکھ، کہ میں نے آپ سے اس کرامت کا ظہور پایا اور صد ہزار نعمت کے حصول کا مرتبہ پایا۔

(مخزن احمدی ص ۹۹)

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا مزار سے جواب دینا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب انفاس العارفین میں فارسی زبان میں بیان کیا پھر اسی واقعہ کو مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی کتاب بزم جمشید ص ۱۷ پر نقل کیا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کا حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر جانے کا ایک واقعہ اس طرح لکھتے ہیں ۔

وہ (شاہ عبدالرحیم) قطب صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ یہ

وسوسہ ہوا کہ نہ معلوم ان کو میرے آنے کی خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ فوراً قبر سے آواز آئی۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن   بجاں آمد گر تو آئی بتن

مجھے اپنی طرح زندہ سمجھ اگر تم جسمانی طور پر آئے ہو تو میں روحانی طور پر آؤں گا۔

مولوی اشرف علی صاحب کے پر دادا نے بعد از شہادت گھر آکر مٹھائی دی

کہتے ہیں کہ میرے پر دادا صاحب کا نام " فرید " زبانوں پر مشہور تھا اور بعض پرانے کاغذات میں غلام فرید دیکھا گیا، ایک بارات کے ساتھ کیرانہ جا رہے تھے راستہ میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ پر دادا صاحب اچھے تیر انداز تھے بہلی میں بیٹھے بیٹھے تیر چلا رہے تھے کسی نے ان کو دیکھ لیا اور شہید کیا۔ رات کو میری پر دادی صاحبہ جس وقت وہ جاگ رہی تھیں۔ تشریف لائے اور باتیں کیں اور جاتے وقت کچھ مٹھائی اور پھل دے گئے کہ بچوں کو دے دیں بھوکے نہ رہیں اور فرمایا اس کی کسی کو اطلاع نہ کریں۔ چونکہ اس زمانہ کے لحاظ سے ایک بیوہ کے پاس مٹھائی کا آنا عرفاً بُرا تھا۔ اس لئے جب پر دادی صاحبہ نے اس کا اظہار کیا اس کے بعد وہ کبھی تشریف نہ لائے۔

(بزم جمشید ص ۴۱)

نبی کریم ﷺ کے روضہ مطہرہ کا حضرت صدیق اکبرؓ کے لئے دروازہ کھلنا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو مجھے اپنے سرہانے بٹھا کر فرمایا کہ جن ہاتھوں سے تم نے حضور اقدس ﷺ کو غسل دیا تو انہی ہاتھوں سے مجھے غسل دینا اور خوشبو لگانا اور مجھے اس حجرہ کے قریب لے جا کر جہاں حضور کی قبر ہے اجازت مانگ لینا اگر اجازت مانگنے پر حجرے کا دروازہ کھل جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان (بقیع) میں دفن کر دینا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جنازہ کی تیاری کے بعد سب سے پہلے میں آگے بڑھا اور میں نے جا کر عرض کیا یا رسول اللہ ابو بکر یہاں دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں تو میں نے دیکھا ایک دم حجرے کے کواڑ کھل گئے اور ایک آواز آئی کہ " ضموا الحبیب الی الحبیب "

(دوست کو دوست کے پاس پہنچادو)

علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں ان دونوں روایات (ایک حضرت عائشہؓ سے مروی اور دوسری حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے مروی) کو ذکر کیا ہے۔ محدثانہ حیثیت سے اس روایت کو "منکر" بتایا ہے لیکن تاریخی حیثیت تو باقی ہے ہی۔

(فضائل حج ص ۹۲)

تنبیہ :-اگرچہ مولوی زکریا صاحب نے ان روایات کی تاریخی حیثیت کو تسلیم کر لیا ہے لیکن روایات کو محدثانہ اصطلاح میں " منکر" کہا ہے حالانکہ ان روایات کو منکر کہنا درست نہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مقدمہ مشکوٰۃ شریف میں منکر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

شاذ کا لغوی معنی ہے جماعت سے متفرد ہونا اور اصطلاح محدثین میں شاذ اس روایت کو کہتے ہیں جو ثقہ راویوں کے خلاف ہو۔ اگر راوی ثقہ نہ ہو تو وہ مردود ہے۔ (ثقہ راویوں کے خلاف غیر ثقہ راوی کی روایت مردود ہے) اگر ثقہ راویوں سے ________ بھی ثقہ ہے تو زیادتی حفظ و ضبط یا تعداد کی کثرت اور ترجیحات کی وجوہ میں مرجح صورتوں میں ترجیح دی جائے گی، جس روایت کو راجح قرار دیا گیا اسے محفوظ کہا جائے گا اور جسے مرجوح قرار دیا گیا۔ اسے شاذ اور منکر کہا جائے گا۔

اب واضح ہوا کہ " منکر حدیث" وہ ہے جو ثقہ راویوں کی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہو اور اس میں کوئی وجہ ترجیح بھی نہ پائی گئی ہو۔ اگر کوئی ایسی روایت ثابت ہو جو ثقہ راویوں نے بیان کی ہو جس میں یہ ذکر ہو کہ نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارک کے سامنے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جنازہ رکھ کر اجازت نہیں طلب کی گئی اور دروازہ خود نہیں کھلا تو ان روایات کو " منکر" کہا جائے گا ورنہ نہیں کیونکہ یہ ایک مسلمہ ضابطہ ہے کہ عدم ذکر منافی ذکر نہیں۔ یعنی بعض صحابہ کرام نے کوئی واقعہ ذکر کیا ہو تو وہی واقعہ تمام صحابہ کرام کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔

امام بخاریؒ کی قبر کے پاس جا کر بارش کی دعا

حضرت ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ کی وفات کے ساٹھ سال بعد قحط سالی ہو گئی ۔

اہل سمرقند کئی مرتبہ بارش کے لئے دعاء کی لیکن بارش نہ ہوئی نیک بزرگوں میں سے ایک شخص نے قاضی کو کہا کہ میرا خیال ہے لوگوں کو بخاریؒ کی قبر کی طرف نکالا جائے۔ اور ہم ان کی قبر کے پاس جاکر بارش طلب کریں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش عطا کرے گا، ایسے ہی کیا گیا۔

" وبکی الناس عند القبر وتشفعوا بصاحبه فارسل الله تعالیٰ علیه السماء بماء غزیر اقام الناس من اجله نحو سبعة ایام لایستطیع احد الوصول الی سمر قند من کثرة المطر "

(مرقاة ج ا ص ١٦)

لوگ آپ کی قبر کے پاس جاکر روئے، صاحب قبر کو وسیلہ بناکر دعا کی اللہ تعالیٰ اتنی موسلادھار بارش عطا فرمائی کہ لوگ بارش کی کثرت کی وجہ سے سات دن تک سمرقند تک نہ پہنچ سکے۔

نبی کریم ﷺ کا امام بخاری کی ملاقات کے لئے تشریف لانا

امام بخاریؒ کی جب وفات ہوئی آپ کی نماز جنازہ ادا کردی گئی اور آپ کو قبر میں رکھ دیا گیا یعنی دفن کے لئے قبر میں اتارتے ہی " فاح من تراب قبره رائحه طیبته کالمسک "آپ کی قبر کی مٹی سے کستوری کی طرح خوشبو لگی اور لوگ ایک مدت تک آپ کی قبر آتے رہے اور وہ مٹی لیکر اس کی خوشبو سے تعجب کرتے رہے، اس وقت ایک شخص نے بتایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی بھی ایک جماعت ہے۔ آپ یہاں (قبر کی جگہ) ہی کھڑے ہیں میں نے آپ کی خدمت میں سلام پیش کیا، آپ نے مجھے سلام کا جواب دیا میں نے عرض کیا" ماوقوفک هنا یارسول الله قال انتظر محمد بن اسمعیل "؟ یارسول اللہ آپ کے یہاں تشریف فرما ہونے کی کیا وجہ ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ محمد بن اسماعیل (بخاری) کی انتظار کر رہا ہوں۔

وہ شخص بیان کرتے ہیں کہ چند دنوں کے بعد ہی مجھے خبر مل گئی کہ امام بخاری کا انتقال ہوگیا ہے۔ تو پتہ چلا کہ آپ کی وفات کا وہی وقت ہے جس وقت میں نے نبی کریم ﷺ کی (خواب میں) زیارت کی تھی۔

(مرقاة المفاتیح ج ا ص ١٥/١٦)

حضرت امام احمد حنبلؒ کی قبر سے تبرک حاصل کرنا

" وقبره ظاهر ببغداد يزار ويتبرك به وكشف لما دفن بجنبه بعض الاشراف بعد موته بمائتين و ثلاثين سنة فوجد كفنه صحيحا لم يبل وجثته لم تتغير "

(مرقاة ج ا ص ۲۲)

حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانیؒ کی قبر بغداد میں مشہور معروف ہے آپ کی قبر کی لوگ زیارت کرتے ہیں اور اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں، آپ کی وفات کے دو سو تیس (۲۳۰) سال بعد کسی بزرگ نے آپ کی قبر کے ایک طرف مکاشفہ سے دیکھا کہ آپ کا کفن صحیح ہے پرانا نہیں ہوا اور آپ کا جسم بھی بالکل صحیح حالت میں ہے اس میں بھی کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

حضرت امام احمد حنبلؒ نے جب حق مسئلہ بیان فرمایا کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے حادث نہیں بلکہ قدیم ہے تو اسی پر آپ کو ظالم حاکم نے سزا کے طور پر کوڑے لگوائے؛ کیونکہ وہ " خلقِ قرآن " (قرآن پاک کے مخلوق ہونے) کا قائل تھا لیکن آپ نے صبر و تحمل سے سختیوں کو برداشت کیا۔ آپ کو دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد خواب میں کسی نے دیکھا تو آپ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا تو آپ نے اس زیارت کر کے سوال کرنے شخص احمد بن محمد کندی کو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی ہے اور فرمایا کہ اے احمد " هذا وجهي فانظر اليه فقد ابحتك النظر اليه " تم پر میری زیارت مباح کر دی گئی اس لئے تم میری زیارت سے مشرف ہو۔

حضرت امام شافعیؒ نے بغداد میں پیغام بھیجا کہ مجھے وہ قمیص دے دی جائے جس کو پہنے ہوئے آپ کو مارا گیا تھا۔ آپ کی خواہش کے مطابق وہ قمیص آپ کو دے دی گئی۔

" فغسله الشافعي وشرب ماء ه وهذا من اجل مناقبه "

امام شافعیؒ نے اسے دھویا اور پھر اس کا پانی پیا۔ اس لئے کہ امام احمد بہت مناقب کے مالک تھے۔

(از مرقاۃ ج ا ص ۲۲)

حضرت امام حسینؓ کے سرِ انور کا کلام کرنا

شرح الصدور ص ۷۳ میں علامہ سیوطیؒ نے ابن عساکر کے حوالہ سے بیان کیا کہ منہال بن عمرو کہتے ہیں کہ میں اس وقت دمشق میں تھا جب حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک اٹھا کر لے جایا جارہا تھا، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں نے دیکھا کہ ایک شخص قرآن پاک کی سورۃ کہف کی تلاوت کر رہا ہے جب وہ اس مقام پر پہنچا:

﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيَاتِنَا عَجَبًا ﴾

(کیا تمہیں معلوم ہے پہاڑ کی غار اور جنگل والے ہماری ایک عجیب نشانی ہیں) روای کہتے ہیں "فانطق اللہ الرأس بلسان ذرب ای فصیح فقال اعجب من اصحاب الکهف قتلی وحملی"

اللہ تعالیٰ نے حضرت امام حسینؓ کے سر مبارک کو فصیح زبان سے بولنے کی طاقت عطا فرمائی تو آپ کے سر مبارک نے کہا مجھے شہید کرنا اور مجھے اٹھا کر لے جانا اصحاب کہف سے بھی زیادہ عجیب ہے۔



فصل ہفتم:

صحابہ ء کرام کے گستاخوں کا عبرتناک انجام

حضرت صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کے گستاخ کا انجام

قیروانی نے بعض بزرگوں کا واقعہ بیان کیا کہ میرا پڑوسی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ کو گالیاں نکالتا تھا ایک دن اس نے ان دونوں حضرات کو بہت زیادہ گالیاں دیں تو میری اور اس کی بہت زیادہ لڑائی ہو گئی۔ میں جب واپس گھر آیا تو بہت زیادہ پریشان حال تھا، شام کا کھانا بھی نہ کھا سکا، اسی پریشانی کے حال میں سو گیا، تو میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت تو عرض کیا کہ یارسول اللہ فلاں شخص (میرا پڑوسی) آپ کے صحابہ کرام کو گالیاں دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا میرے کون سے صحابہ کو؟ میں نے عرض کیا حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کو، آپ نے فرمایا " خذ هذه المدية فاذ بح بها فاخذ تها فاضجعته وذبحته" یہ چھری لے لو اس کو ذبح کر دو، میں نے چھری لے لی اسے لٹا دیا اور ذبح کر دیا، میں نے اپنے ہاتھوں پر خون دیکھا تو میں نے اپنے پڑوسی کے گھر سے چلانے کی آواز سنی، میں نے پوچھا یہ چیخ و پکار کیا ہے، مجھے لوگوں نے بتایا کہ وہ شخص اچانک مر گیا ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں اس کے گھر آیا، دیکھا کہ اس پر ذبح کے نشانات موجود ہیں۔

(کتاب الروح ص ۲۹۷۔ البصائر ص ۴۴)

شیخینؓ کے گستاخ کا آدھا چہرا سیاہ ہو گیا

ابن ابی الدنیا نے ابی حاتم رازی سے انہوں نے محمد بن علی سے روایت بیان کی کہ ہم مکہ مکرمہ میں مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص جس کا آدھا چہرا سیاہ تھا اور آدھا سفید، وہ کہہ رہا تھا کہ لوگو! مجھ سے عبرت پکڑو، میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی شان میں گستاخی کیا

کرتا تھا اور انہیں گالیاں دیتا تھا ۔ایک رات میں سویا ہوا تھا کہ کوئی آنے والا میرے پاس آیا اس نے میرے چہرے پر تھپڑ مارا اور مجھے کہا : اے اللہ کے دشمن، اے فاسق کیا تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کو گالیاں نہیں نکالتا تھا ؟ جب صبح میں بیدار ہوا تو میرا یہ حال ہو گیا ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔

(کتاب الروح ص ۳۰۰، البصائر ص ۴۵)

گستاخ شیخین "عمان" کا عبرتناک واقعہ

محمد بن عبد اللہ مہلبی کہتے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں فلاں قبیلہ کی کشادہ زمین میں ہوں۔ایک بلند جگہ پر نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں، آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ بھی موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص مجھے اور حضرت ابو بکر کو گالیاں دیتا ہے۔آپ نے فرمایا اے ابو حفص (حضرت عمر کی کنیت) اسے لایا جائے۔جب اس شخص کو لایا گیا تو وہ عمان نامی شخص تھا جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کو گالیاں دینے میں بہت مشہور تھا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اسے لٹا دو۔اس کو لٹا دیا گیا۔ پھر آپ نے فرمایا اس کو ذبح کر دو، اسے ذبح کر دیا گیا، راوی کہتے ہیں میں اس کے چیخنے سے ہی جاگا۔ یہ منظر جب میں نے دیکھا اور بیدار ہوا تو خیال آیا کہ میں جا کر اس شخص کو یہ واقعہ بتاؤں ہو سکتا ہے وہ توبہ کر لے۔جب میں اس کے گھر کے قریب پہنچا تو مجھے بہت زیادہ رونے کی آواز آئی تو میں نے پوچھا یہ رونے کی آواز کیسی ہے ؟ تو مجھے لوگوں نے بتایا کہ گذشتہ رات عمان کو اس کی چارپائی پر ذبح کر دیا گیا ۔ میں نے اس کے قریب ہو کر اس کی گردن کو دیکھا تو نظر آیا کہ ایک کان سے دوسرے کان تک ایسے چیرا گیا ہے ، کہ اس سے خون بہہ رہا ہے۔

(کتاب الروح ص ۳۰۰)

شیخینؓ کے گستاخ کی حضرت علیؓ نے آنکھیں نکال دیں

علامہ قیروانی کہتے ہیں کہ مجھے اپنے بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے بتایا کہ مجھے مسجد

نبوی کے امام ابو الحسن مطلبی نے خبر دی کہ میں نے مدینہ طیبہ میں ایک عجیب واقعہ دیکھا کہ ایک شخص جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو گالیاں دیتا تھا اسے میں نے آتے ہوئے دیکھا کہ اس کی دونوں آنکھیں نکلی ہوئی ہیں اور رخساروں پر آئی ہوئی ہیں۔ ہم نے اس سے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ اس نے بتایا کہ میں نے گذشتہ رات خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں۔ ان کے سامنے حضرت علیؓ اور ان کے ساتھ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ بھی ہیں ان دونوں نے کہا یارسول اللہ یہ شخص ہمیں ایذاء پہنچاتا ہے اور گالیاں دیتا ہے۔ تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو قیس تمہیں کس نے کہا کہ ان کو گالیاں دو۔ میں نے حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے حضرت علیؓ نے کہا۔ تو حضرت علیؓ نے میری طرف توجہ کرتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ باقی انگلیوں کو بند کر کے، درمیانی اور شہادت کی انگلی کو کھول کر میری آنکھوں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کو ضائع کر دے۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے میری آنکھوں میں اپنی انگلیوں کو داخل کر دیا، میں جب بیدار ہوا تو اس وقت سے میرا یہ حال ہے وہ شخص روتا تھا، لوگوں کو اپنے حال کی خبر دیتا تھا اور توبہ کا اعلان کرتا تھا۔

(کتاب الروح ص ۳۰۱، البصائر ص ۴۵)

حضرت علیؓ کی شان میں گستاخی کرنے والے کا انجام

ابن ابی الدنیا نے قریش کے ایک شیخ سے روایت بیان کی کہ میں نے ایک شخص کو شام میں دیکھا جس کا آدھا چہرا سیاہ تھا وہ اسے ڈھانپ کر رکھتا تھا، میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا چہرا سیاہ کیوں ہے۔ اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ کا خوف دلانے کے لئے ہر شخص کو بتاتا ہوں جو بھی مجھ سے پوچھتا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ میں حضرت علیؓ کی شان میں شدید گستاخی کیا کرتا تھا، ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص میرے پاس آیا ہے اس نے مجھے کہا

" انت صاحب الوقيعة فيَّ فضرب شق وجهي فاصبحت شق وجهي اسود كما ترى "

(کتاب الروح ص ۲۹۸)۔

تو ہی میری شان میں گستاخی کرتا ہے، یہ کہہ کر اس نے میرے چہرے کی ایک جانب (تھپڑ) مارا، اس دن سے میرا چہرا سیاہ ہو گیا جیسے تو دیکھ رہا ہے۔

فصل ہشتم :

کرامات اولیائے کرام

حضرت امیر معاویہؓ نے ایک نہر کھودنے کا ارادہ فرمایا تو اعلان فرمایا کہ جن حضرات کے شہداء احد میں مدفون ہیں وہ حاضر ہو جائیں۔ لوگ جب گئے تو دیکھا کہ تمام شہداء کے اجسام صحیح سلامت ہیں ان میں نشوونما پائی جاتی ہے

☆ " فاصابت المسیحات رِجل رَجل منهم فانبعث دما "

تو کندال ایک صاحب کے پاؤں کو لگ گئی تو خون جاری ہو گیا جب وہ مٹی کھود رہے تھے تو اس سے کستوری کی طرح خوشبو مہک رہی تھی۔

(بیہقی، طحطاوی، ابن ابی شیبہ، البصائر ص ۱۷)

☆ " فاصابت المسیحات قدم حمزة فانبعث دما "

سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کے قدموں کو کندال لگی تو قدموں سے خون جاری ہو گیا

(بیہقی)

تفسیر مظہری میں ولا تحسبن الذین قتلوا الخ کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے۔

☆ " ان الله یعطی لارواحهم قوة الاجساد فیذهبون من الارض والسماء والجنة حیث یشاء ون وینصرون اولیاء هم ویدمرون اعدائهم ان شاء الله تعالیٰ ومن اجل ذالك الحیوة لا تاکل الارض اجسادهم "

اللہ تعالیٰ شہداء کی روحوں کو جسموں کی طرح طاقت دیتا ہے وہ زمین، آسمان اور جنت میں جہاں چاہیں جاسکتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے دوستوں کی امداد کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اس زندگی کی وجہ سے ہی زمین ان کے جسموں کو نہیں کھا سکتی۔

☆ حضرت جابرؓ کے والد جو شہید ہو گئے تھے، کھدائی کے دوران ان کا جسم بر آمد ہوا تو دیکھا کہ ان کا ہاتھ ان کے زخم پر ہے۔

" فامیطت یده عن جرحه فانبعث الدم فردت إلی مکانها فسکن الدم "

جب آپ کے ہاتھ کو ہٹایا گیا تو خون جاری ہو گیا، اور جب ہاتھ کو پھر اپنی جگہ رکھ دیا گیا تو خون رک گیا۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ کو ایسے پایا جیسے وہ سوئے ہوئے ہوں۔ ان کا کفن صحیح سلامت تھا، ان کے پاؤں پر رکھا ہوا گھاس (کفن کی چادر چھوٹی تھی) بھی صحیح سلامت تھا۔ حالانکہ اس واقعہ اور ان کی شہادت کے درمیان چھیالیس سال گذر چکے تھے۔

(مظہری ج ۴ ص ۲۸۹، البصائر ص ۱۷)

حضرت امام شافعیؒ کی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مزار پر حاضری

" قال الشافعي انی لأتبرك بأبی حنیفةؒ واجیء الی قبره فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین فسألت الله عند قبره فتقضی سریعا "

(شامی ج ا ص ۳۹)

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور آپ کی قبر انور پر حاضری دیتا ہوں۔ جب بھی مجھے کوئی حاجت درپیش آتی ہے تو میں دو رکعت نفل ادا کرتا ہوں اور امام اعظمؒ کی قبر پر آکر اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں میری وہ حاجت جلدی ہی پوری ہو جاتی ہے۔ یعنی سوال تو اگرچہ اللہ تعالیٰ سے ہی ہوتا ہے لیکن امام اعظمؒ کے مزار انور کے قرب کی وجہ سے اور آپ کے وسیلہ سے وہ دعاء جلدی قبول ہوتی ہے۔

بلکہ یہ بھی مشہور ہے کہ امام شافعیؒ صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کے قائل تھے لیکن امام اعظمؒ کے مذہب مین صرف عشاء کی نماز میں دعائے قنوت ہے۔ اس لئے جب کبھی امام شافعیؒ آپ کے مزار پر آتے تو صبح کی نماز کا وقت ہوتا تو دعائے قنوت نہیں پڑھتے تھے کہ مجھے صاحب مزار سے حیاء آتی ہے کہ میں اس کے مزار پر آکر اسی کے مذہب کے خلاف کروں۔

(البصائر ص ۳۸)

چند مفید عبارات :

" ان الدفن بقرب الصالحین فی مواضع متبرکة امر مندوب "

(خازن ص ۲۲۷ ج ۱)

نیک لوگوں کے قریب متبرک مقامات میں کسی کو دفن کرنا امر مستحب ہے۔

حضرت عمرؓ نے روضہ مطہرہ میں دفن ہونے کی خواہش کی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایثار فرماتے ہوئے اجازت دی۔ اس پر فتح الباری شرح بخاری میں ہے۔

" وفيه الحرص على مجاورة الصالحين في القبور طمعا في اصابة الرحمة اذا نزلت عليهم وفي دعاء من يزورهم من اهل الخير " (فتح الباری ج ۳ ص ۱۶۶)

اس حدیث پاک سے سمجھ آرہا ہے کہ نیک لوگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنا پائی جائے اس خیال کے پیش نظر کہ ان پر جب رحمت کا نزول ہوگا مجھے بھی اس سے فائدہ ہوگا۔ نیک لوگ جب ان کی زیارت کے لئے آئیں گے اور ان کے لئے دعا کریں گے تو اس دعاء کا فائدہ مجھے حاصل ہوگا۔

" لاباس بها اى بزيارة القبور بل تندب كما فى البحر "

(فتاوی شامی ج ۲ ص ۶۳۰)

قبروں کی زیارت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحب ہے بحر الرائق میں بھی اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

" ان الافضل يوم الجمعة والسبت والاثنين والخميس فقد قال محمد بن واسعؒ ان الموتى يعلمون بزوارهم يوم الجمعة ويوما قبله مابعده "

(فتاوی شامی ج ۲ (ص ۶۳۰)

افضل یہ ہے کہ قبروں کی زیارت جمعہ، ہفتہ، پیر اور جمعرات کو کرے، محمد بن واسعؒ فرماتے ہیں کہ بے شک فوت شدہ انسان جمعہ کے دن اور ایک دن پہلے اور ایک دن بعد میں زیارت کے لئے آنے والوں کو جانتے ہیں۔

" ان الولى فى الدنيا كالسيف فى غمده فاذا مات تجرد عنه فيكون اقوى فى التصرف "

(البريقة المحمودية فى شرح الطريقة المحمديه ج ۱ ص ۲۰۲)

بے شک ولی دنیا میں ایسے ہوتا ہے جس طرح تلوار نیام میں ہوتی ہے لیکن جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کی حیثیت تلوار کے نیام سے باہر نکلنے والی ہو جاتی ہے، اس کا تصرف بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔

" وبالجملة لم يدل دليل قوى علىٰ نفى سماع الموتى وادراكه وفهمه وتأمله لامن الكتاب ولامن السنة بل السنن الصحيحة والصريحة دالة علىٰ ثبوتها "

(عمدة الرعايه ج ۲ ص ۲۲۴ باب اليمين)

حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی قوی دلیل نہیں جو اس پر دلالت کرے کہ مردے نہیں سنتے یا ان کو ادراک، سمجھ، سوچ حاصل نہیں، نہ قرآن پاک سے اور نہ ہی حدیث پاک سے کوئی ایسی دلیل ملتی ہے جس سے یہ (نفی سماع موتیٰ) ثابت ہو۔ بلکہ صحیح اور واضح احادیث اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔

☆ " عن الحسن قال بلغني ان المومن اذا مات ولم يحفظ القرآن امر حفظة ان يعلموه القرآن حتى يبعثه الله "

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ اگر کوئی قرآن پاک حفظ کرتے ہوئے فوت ہو جائے تو فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے وہ اسے قرآن پاک کی تعلیم دیتے ہیں۔ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا جب تک وہ اپنے اصل سے نہیں مل جاتا۔

" بانه لا تباعد من الاولياء حيث طويت لهم الارض وحصل لهم ابدان مكتسبة ووجدوها فى اماكن مختلفة فى آن واحد "

(مرقاة ج ۲ ص ۳۴۲)

اولیائے کرام کے لئے یہ بعید نہیں کہ ان کے لئے زمین کو سمیٹ دیا جائے اور ان کو ایک ہی وقت میں کئی مقامات میں پایا جاسکتا ہے۔

" فهم يصلون فيها ويقرؤن ويتزاورون ويتنعمون ويلبسون "

(شرح الصدور ص ۷۴ باب احوال الموتى فى قبورهم)

اللہ کے نیک بندے قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اور قرآن پاک پڑھتے ہیں اور ان کو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں اور ان کو لباس میسر ہوتا ہے۔

" الانبياء معصومون قبل النبوة وبعد ها عن كبائر الذنوب و صغائرها ولوسهوا على ماهو الحق عند المحققين "

(مرقاة ج ۱ ص ۱۲۷)

" تمام انبیائے کرام اعلان نبوت سے پہلے اور بعد کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے معصوم

ہیں، گناہ ان سے سہواً بھی سرزد نہیں ہوتے، محققین علماء کے نزدیک یہی حق ہے۔

" وحكمة اجتماعهم فى مكان واحد حياة موتا وبعثا وحشرا ويتبرك الناس بالزيارة الىٰ مشاهدهم ويكون وسيلة الىٰ زيارة جبل احد حيث قال عليه الصلوة والسلام : احد جبل يحبنا ونحبه"

(مرقاۃ ج ۴ ص ۷۲)

شہداء احد کو ایک جگہ جمع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ جس طرح ظاہری زندگی میں ایک جگہ ہی رہتے تھے شہادت بھی سب کو ایک ہی جنگ میں حاصل ہوئی اسی طرح اٹھیں بھی ایک ساتھ ہی۔ اور میدان محشر میں بھی سب مجتمع ہوں اور لوگ بھی ان تمام کے مزارات کی ایک ساتھ ہی زیارت کر کے تبرک حاصل کریں۔ اور ساتھ ساتھ ان کی زیارت کے احد پہاڑ کی بھی زیارت ان کو حاصل ہو جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :"احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں "

اظہار تشکر

اللہ تعالیٰ کا ان گنت شکر گذار ہوں جس نے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں نے ۱۹۸۷ء میں حج کی سعادت حاصل کی ۔ برادرم مولانا فضل دین نقشبندی مدرس جامعہ رضویہ راولپنڈی بھی میرے ساتھ تھے ۔ منیٰ اور عرفات میں عالم باعمل ، رئیس الاتقیاء حضرت علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ جامعہ رضویہ راولپنڈی کی معیت میں ان کی تقاریر اور دعاؤں سے شرف حاصل رہا۔ آپ ہر سال حج کرتے ہیں۔ اور دونوں مقامات پر ہی حاجی نسیم احمد صاحب جو عظیم نعت خوان ہیں بااخلاق ہیں اور جامعہ رضویہ کے عظیم معاون بھی ہیں ان سے بھی ملاقات ہوئی اور تعارف حاصل ہوا اور ان کے ماموں حاجی عبدالمجید صاحب القمر فلور ملز راولپنڈی کے مالک سے بھی وہاں ہی تعارف حاصل ہوا، دیکھا کہ اس شخص کو حاجیوں کی خدمت کرنے اور کھانا کھلانے کا کتنا زیادہ جذبہ حاصل ہے۔ مال و دولت کا بادشاہ حاجیوں کی خدمت کرنے کے لحاظ سے فقیر نظر آتا ہے۔ جامعہ رضویہ کی معاونت میں پیش پیش رہنے والے اس عظیم انسان کو ایک سال ہوا۔ ہم سے بچھڑ گیا۔ دو ہفتہ پہلے ان کی سالانہ برسی گذری۔ اللہ تعالیٰ ان

کی قبر پر ہزار ہزار رحمت کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اسی حصول سعادت کے دوران مدینہ طیبہ کی حاضری پر " احد " کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ بس سے سڑک پر جب نظر پڑی کہ مدینہ طیبہ سات کلو میٹر رہ گیا ہے، بے تحاشا رونا آیا، آنسو، تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے یہ آنسو محبت کے تھے یا اس خیال پر تھے کہ ایک بہت بڑا مجرم اپنے آقا کے حضور حاضری دے گا تو کیا منہ دکھائے گا؟ وہ آقا جن کے بارے میں علامہ قسطلانی شارح بخاری مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔

" لا فرق بين موته وحياته ﷺ في مشاهدته لامته ومعرفته باحوالهم و نياتهم وعزائمهم و خواطرهم و ذالك جلي عنده لا خفاء به "

(مواهب جلد ثامن ص ۳۰۵)

نبی کریم ﷺ کی ظاہری زندگی سے تشریف لے جانے کے بعد کی زندگی میں کوئی فرق نہیں۔ آپ اپنی امت کے حالات کا مشاہدہ فرماتے ہیں ان کے حالات اور نیتوں اور ان کے ارادوں اور دل میں کھٹکنے والے حالات کو آپ پہچانتے ہیں یہ آپ کے نزدیک بالکل واضح اور منکشف ہوتے ہیں اس میں کس قسم کی کوئی خفاء نہیں۔ یعنی آپ کے نزدیک بالکل واضح اور منکشف ہوتے ہی اس میں کسی قسم کی کوئی خفاء نہیں۔ یعنی آپ جس طرح ظاہری زندگی میں ان چیزوں پر مطلع ہوتے تھے اب بھی اسی طرح مطلع ہوتے ہیں۔

جس دن صبح کی نماز کے بعد مدینہ طیبہ سے جدہ ائیر پورٹ پر آنا تھا، جہاں سے وطن کے لئے روانگی ہونی تھی، وطن کی محبت اور اپنے اہل و عیال سے ملنے کی خوشی کے ساتھ ساتھ مدینہ طیبہ کو الوداع کرنے پر ایک مرتبہ پھر آنسو قطار در قطار چھلک رہے تھے۔ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ یہی کیفیت روانگی سے دو تین دن پہلے بھی ہو چکی تھی کیونکہ صبح کی نماز مسجد نبوی میں ادا کرنے کے بعد کچھ دیر مسجد میں ہی عبادت یعنی ذکر و فکر میں مشغول رہنے کے بعد جب ہم باہر آئے تو باہر مشرقی دیوار کے ساتھ تلہ گنگ غوثیہ الیکٹرانک کے مالک اور ان کے دو تین ساتھی آہستہ آہستہ آواز میں ترنم کے ساتھ اعلیٰ حضرت کا سلام:

"مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام"
"شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام"

...... پڑھ رہے تھے، ان کے ساتھ میں اور مولانا فضل دین صاحب بھی کھڑے ہو گئے، ہم نے بھی سلام پڑھنا شروع کر دیا، ایک پاکستانی، خشک مزاج باریش، شکلاً مولوی وہاں سے گذرے۔ اور ہم پر اعتراض کرنے لگے تم یہاں کیوں سلام پڑھ رہے ہو۔ حالانکہ ہم بہت ہی آہستہ دھیمے انداز سے پڑھ رہے تھے۔ خیر وہ دو تین مرتبہ اپنے خیالات کا اظہار فرما کر ہم سے جواب نہ پا کر آگے گذر گئے۔ دوسرے ساتھیوں کا وہ الوداعی دن تھا اس لئے وہ رو رہے تھے۔ ہم دونوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہی کیفیت طاری تھی ۔ دل مچل رہا تھا آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ آنسو اس طرح گر رہے تھے جیسے موتیوں کا کوئی ہار ٹوٹ گیا ہو۔

ان تین مرتبہ کے آنسوؤں پر بخشش کی آس لگائے بیٹھا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت پر قوی امید ہے کہ اپنے حبیب پاک علیه التحية والثناء کے طفیل اپنے بندہ حقیر سراپا تقصیر کو دامنِ عفو میں جگہ دیتے ہوئے اپنے قرب کے سزاوار متقین۔ صالحین، مقربین کا قرب عطا فرمائے گا۔

" والسلف مجمعون علیٰ هذا وقد تواترالآثار عنهم بان الميت يعرف زيارة الحي ويستبشر به "

(کتاب الروح ص ۵)

سلف صالحین کا اس پر اتفاق ہے اور اخبار وآثار تواتر سے ثابت ہیں کہ میت زیارت کرنے والے کو پہچانتا ہے اور اس کی زیارت سے خوش ہوتا ہے۔

اللہ کا خوف بخشش کا سبب ہے

" عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ قال رجل لم يعمل خيرا قط لاهله وفی رواية اسرف رجل علی نفسه فلما حضره الموت اوصیٰ بنيه اذا مات فحرقوه ثم اذروا نصفه فی البر ونصفه فی البحر فوالله لئن قدر الله عليه ليعذبنه عذابا لايعذبه احدا من العالمين فلما مات فعلوا ما امر هم فامرالله البحر فجمع ما فيه وامر البر فجمع ما فيه ثم قال له لم فعلت هذا قال من خشيتك يارب وانت اعلم فغفرله "

(بخاری، مسلم، مشکوٰة الباب بعد باب الاستغفار والتوبة)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے آپ فرماتے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (پہلی امتوں میں سے) ایک شخص جس نے کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوا تھا اپنے نفس پر گناہوں کی وجہ سے زیادتیاں کی ہوئی تھیں جب اس پر موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی (اس سے آگے دونوں روایتوں کے الفاظ مبارکہ ایک ہیں) جب میں مر جاؤں، مجھے جلا دینا، میری آدھی راکھ جنگل میں اڑا دینا اور آدھی دریا میں ڈال دینا۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اگر اللہ تعالیٰ مجھے (گناہوں کی وجہ) اپنی گرفت میں لیا تو وہ مجھے اتنا عذاب دے گا جتنا وہ کسی ایک کو بھی عذاب نہیں دے گا۔

جب وہ شخص مر گیا تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا، تو اللہ تعالیٰ دریا کو حکم دیا اس نے تمام ذرات کو جمع کر دیا، پھر خشکی کو حکم دیا اس نے تمام ذرات جمع کر دیئے (اس کے روح کا تعلق اس کے جسم سے کر کے زندہ ہونے کے بعد) اللہ تعالیٰ نے اسے کہا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا اے اللہ تیرے ڈر سے (میری سچائی کو) تو زیادہ بہتر جانتا ہے۔ (اس جواب پر) اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

حدیث پاک سے حاصل ہوا

☆ سوال کرنے سے کسی کے علم کی نفی نہیں ہوتی۔ سوال میں کئی حکمتیں ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ نے سوال کیا تم نے ایسا کیوں کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشھادۃ ہے۔

☆ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی بخشش اس لئے فرما دی کہ وہ حقیقۃً سچا تھا، اللہ تعالیٰ کا خوف اسے دامنگیر تھا لیکن ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے جاہل تھا۔

☆ اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ مسلمان کو جلانا حرام ہے تو پھر جائز سمجھ کر اس قسم کی وصیت کرے تو کافر ہو جائے گا۔

" ونقل القاضی عیاض وغیرہ الاجماع علی تفضیل ماضم الاعضاء الشریفة حتی علی الکعبة المنیفة وان الخلاف فیما عداہ ونقل عن ابی عقیل الحنبلی ان تلک البقعة افضل من العرش وصرح الفاکھانی بتفضیلھا علی السموات "

(مرقاۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ)

قاضی عیاضؒ اور دوسرے حضرات نے بیان فرمایا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ مدینہ طیبہ کی وہ سر زمین جس سے نبی کریم ﷺ کا جسم اطہر مس کئے ہوئے ہے وہ مکہ مکرمہ سے بلکہ کعبۃ المکرمہ سے بھی افضل ہے۔ اختلاف اس کے ماسوا میں ہے کہ مدینہ طیبہ افضل ہے یا کہ مکہ مکرمہ۔ ابو عقیل حنبلی سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مزار انور کا وہ حصہ جس سے آپ کے جسم کا تعلق ہے وہ عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے۔ فاکہانی نے وضاحت فرمائی ہے کہ وہ مقام تمام آسمانوں سے افضل ہے: "الاان اولیاء اللہ لایموتون بل ینتقلون من دار الی دار"

(مرقاۃ ج ۳)

خبر دار اللہ کے ولی نہیں مرتے بلکہ ایک جہان سے دوسرے جہان کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

" واذا کان ھذا فی الشھداء کان الانبیاء بذالک احق واولیٰ مع انہ قد صح عن النبی ﷺ ان الارض لاتاکل اجساد الانبیاء"

(کتاب الروح ص ۵۴)

جب شہداء کے زندگی کے متعلق صریح نص موجود ہے تو انبیاء کرام ان سے زیادہ بہتر حق رکھتے ہیں کہ ان کو بھی زندگی حاصل رہے جب کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک زمین انبیاء کرام کے جسموں کو نہیں کھائے گی۔ اس کی وجہ ہی زندگی کا حصول ہے جیسے پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔

حضور علیہ السلام کا امام احمد رضاؒ پر خاص کرم:

حافظ ملت مولانا حافظ عبد العزیز مراد آبادی قدس سرہ (شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پوریوپی) تحریر فرماتے ہیں: ایک دن حضرت دیوان سید آلِ رسول صاحب (سجادہ نشین آستانہ عالیہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ) کے ماموں صاحب قبلہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ میں ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے۔ ان کی آمد کی خبر پاکر ان سے ملاقات کی۔ بڑی شان و شوکت کے بزرگ تھے طبیعت میں بڑا ہی استغناء تھا۔ مسلمان نذرانہ پیش کرتے تھے مگر وہ قبول نہیں کرتے تھے۔ مجھے ان کے استغناء اور طویل سفر سے تعجب ہوا میں نے

عرض کیا حضرت یہاں (ہندوستان) تشریف لانے کا سبب کیا ہے۔ فرمایا مقصد تو بڑا زریں تھا لیکن حاصل نہ ہوا جس کا افسوس ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو میری قسمت بیدار ہوئی خواب میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی زیارت ہوئی۔ دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا فداك ابی وامی کس کا انتظار ہے؟ ارشاد فرمایا "احمد رضا" کا انتظار ہے میں نے عرض کیا احمد رضا کون ہیں؟ فرمایا: ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی معلوم ہوا مولانا احمد رضا خان بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقید حیات ہیں۔

مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا میں ہندوستان آیا بریلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا اور وہی ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ ان کی تاریخِ وصال تھی میں نے یہ طویل سفر صرف ان کی ملاقات کے لئے ہی کیا لیکن افسوس کہ ملاقات نہ ہو سکی۔

اس سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت بارگاہ رسالت میں معلوم ہوتی ہے کیوں نہ ہو عاشقان رسول یونہی نوازے جاتے ہیں۔

(ماهنامه پاسبان اله آباد ص ۲ شماره نومبر، دسمبر ۱۹۵۵ء)



باب پنجم :

احوالِ قیامت

فصل اول :

قربِ قیامت کے واقعات

نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامت اور اس سے پہلے واقع ہونے والے حالات بیان فرمائے ان ارشادات مصطفوی پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ کتنے واقعات نمودار ہو چکے ہیں کتنے آئے دن واقع ہو رہے ہیں۔ اس سے نبی کریم ﷺ کی شان اور رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا کردہ علوم غیبیہ اور اسلام کی حقانیت واضح ہو جاتی ہے۔ صاحب ایمان کو یہ ماننے میں کوئی مشکل درپیش نہیں رہتی کہ ہاں یقیناً قیامت آئے گی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا !

ایک وقت میں کچھ لوگ لوٹے ہوں گے

" عن حذیفه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول تعرض الفتن علی القلوب کالحصیر عودا عودا فای قلب اشربها نکتت فیه نکتة سوداء وای قلب انکرها نکتت فیه نکتة بیضاء حتی تصیر علی قلبین ابیض مثل الصفاء فلا تضره فتنة ما دامت السموت والارض والآخر اسود مرباد کالکوز مجخیا لایعرف معروفا ولاینکر منکرا الا ما اشرب من هواء "

(مسلم ، مشکوٰۃ باب الفتن)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، دلوں پر فتنے چھا جائیں گے جیسے چٹائی سونے والے کو نشان لگا دیتی ہے۔ کچھ دلوں کو فتنوں کی محبت پلا دی جائے گی۔ ان کے دلوں پر سیاہ نشان لگا دئے جائیں گے اور کچھ دل فتنوں کی محبت سے انکار کر دیں گے ان کے دلوں پر سفید نشان ہوں گے۔

اس طرح دل دو قسم کے ہوں گے کچھ سنگ مرمر کی طرح سفید، جب تک زمین و آسمان قائم ہیں انہیں کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور کچھ دل سیاہ خاکستر (راکھ) کی طرح ہوں گے۔ کچھ لوٹے کی طرح الٹنے والے ہوں گے، نہ اچھی چیز کو پہچانیں گے اور نہ بری کا انکار کریں گے سوائے اس کے جو خواہشات کی محبت ان کے دلوں میں پلائی گئی ہو۔

حدیث پاک میں کچھ لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے کوزے (لوٹے) سے تشبیہ دی، جس طرح لوٹا ادھر ادھر مائل ہوتا رہتا ہے ذرا الٹے تو خالی ہو جاتا ہے، اسی طرح یہ لوگ علم اور معرفت سے خالی ہوں گے۔ لوٹے کی طرح ان میں ثابت رہنا اور قرار نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کا مطمعِ نظر، مقصد عظیم اور دین و ایمان صرف اور صرف خواہشات ہوں گے۔ جدھر سے خواہش پوری ہوتی ہوئی نظر آئے گی ادھر ہی پھرتے رہیں گے۔

اس طرح جن دلوں میں فتنوں کی محبت اتنی راسخ ہوگی گویا کہ وہ محبت پانی میں حل کر کے ان کو پلا دی گئی ہو وہ فتنہ بازی سے کبھی باز نہیں آئیں بلکہ فتنہ بازی کو وہ دین کا حصہ سمجھیں گے۔ کیوں نہ ہو جب ان کے دل ہی سیاہ ہو چکے ہوں گے تو یقیناً ان میں اچھائی، برائی کی تمیز ختم ہو چکی ہوگی۔ ان کی سوچ کا دائرہ بالکل الٹ ہوگا برائیوں کو وہ روح جان سمجھیں گے اور اچھائیوں کو زہر قاتل۔

حق پر قائم رہنے والی ایک جماعت ہمیشہ رہے گی

اسی حدیث پاک میں بعض لوگوں کا جو ذکر ہے کہ وہ فتنوں سے دور رہیں گے ان کے دل سفید، منور، جگمگاتے رہیں گے، تا قیامت ایسے لوگ آتے رہیں گے جو شیطانوں کی گرفت سے

محفوظ ہوں گے، فتنوں سے دور بھاگیں گے، یہی حق پر قائم رہنے والے ہوں گے۔

حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لاتزال طائفة من امتی علی الحق ظاهرین لایضرهم من خالفهم حتی یاتی امر الله "

(ابوداؤد، ترمذی، مشکوۃ باب الفتن)

میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ ان کو (باطل پر) غلبہ حاصل رہے گا، انہیں مخالفین سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے۔

یعنی کچھ لوگ ہمیشہ علم اور عمل کے لحاظ سے حق پر قائم رہیں گے۔ اسی ثابت قدمی کی وجہ سے باطل پر، دینی دشمنوں پر انہیں غلبہ حاصل رہے گا، چونکہ یہ حق پر قائم ہوں گے اس لئے ان کو کسی کی مخالفت سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم سے نوازا ہوگا، ان کو کوئی بھٹکا نہیں سکے گا۔

"اللہ تعالیٰ کا امر آجائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت آجائے، یا اس شخص پر موت آجائے، یعنی اللہ تعالیٰ اسے زندگی بھر محفوظ رکھے گا۔

علم اٹھ جائے گا قتل عام ہوگا

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" یتقارب الزمان ویقبض العلم وتظهر الفتن ویلقی الشح ویکثر الهرج قالوا وما الهرج ؟ قال القتل "

(بخاری، مسلم، مشکوۃ کتاب الفتن)

زمانہ قریب ہوگا، علم اٹھ جائے گا، فتنے ظاہر ہوں گے، بخل ثابت ہوگا۔ ھرج زیادہ ہوگا صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ھرج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "قتل"۔

حدیث پاک کی وضاحت

یتقارب الزمان کا بہت وسیع مفہوم ہے ۔

(۱) ایک مقصد یہ ہے کہ دنیا کا زمانہ اور آخرت کا زمانہ قریب ہوں گے یعنی قیامت قریب ہو گی۔

(۲) اہل زمان یعنی لوگ فتنہ و فساد اور شر انگیزیوں کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔

(۳) شر اور فساد کے لحاظ سے زمانہ کا اول و آخر ایک دوسرے کے قریب ہو گا یعنی تمام زمانہ میں ہر طرف سے فتنہ و فساد برپا ہو گا۔

(۴) عمریں کم ہو جائیں گے۔

(۵) زیادہ گناہوں کی وجہ سے زمانہ میں برکت کم ہو جائے گی۔

(۶) بادشاہیاں جلدی جلدی ختم ہو جائیں گی۔

(۷) فتنے ، مصائب و آلام اتنے زیادہ ہو جائیں گے کہ لوگوں کو ان کی مشغولیت میں پتہ نہیں چل سکے گا کہ وقت کیسے گذر رہا ہے جیسے ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک زمانہ قریب نہ ہو جائے، زمانہ اتنا قریب ہو جائے گا کہ ایک سال مہینہ کی طرح ہو گا، ایک مہینہ ہفتہ کی طرح ایک ہفتہ ایک دن کی طرح ہو گا، ایک دن ایک گھڑی کی طرح، ایک گھڑی آگ کے شعلے کی طرح ہو گی۔

یقبض العلم :- یعنی علماء کے اٹھ جانے کی وجہ سے علم اٹھ جائے گا، اور دوسری حدیث پاک میں ہے " **تعلم لغیر الدین** " دینی علم کو چھوڑ کر اور علوم حاصل کئے جائیں گے ، یعنی مرتبہ اور دنیاوی مقاصد اور مال حاصل کرنے کے لئے علوم پڑھیں جائیں گے۔ دین کے غلبہ کے لئے ، مسلمانوں میں احکام دین کے اظہار کے لئے علوم حاصل نہیں کئے جائیں گے۔

ویلقی الشح :- لوگوں کے دلوں میں بخل اثر انداز ہو جائے گا، عالم اپنے علم میں بخیل ہو جائے گا ، صانع اپنی صنعت میں ، مالدار اپنے مال میں کنجوس ہو جائے گا، اگرچہ کچھ نہ کچھ کنجوسی انسان کی

فطرت میں داخل ہے ہر انسان ضرور کنجوس ہوتا" الا من حفظه الله" سوائے اس کے جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے اور اسے کنجوسی سے محفوظ فرمائے۔

یکثر الهرج : کثیر فتنوں کی وجہ سے بہت زیادہ قتل واقع ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے

" لاتذهب الدنيا حتى ياتي على الناس يوم لا يدرى القاتل فيم قتل ولا المقتول فيم قتل فقيل كيف يكون ذالك قال الهرج القاتل والمقتول فى النار "

(مسلم، مشکوٰۃ کتاب الفتن)

دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک لوگوں پر وہ دن نہیں آجاتا جب کہ قاتل کو معلوم نہیں ہوگا وہ کیوں قتل کر رہا ہے؟ اور مقتول کو معلوم نہیں ہوگا وہ کیوں قتل کیا گیا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یہ کیسے ہوگا (یعنی جب قاتل مقتول دونوں کو سبب معلوم نہیں ہوگا تو قتل کی وجہ کیا ہوگی) آپ نے فرمایا هرج ہوگا (یعنی کثیر فتنے نمودار ہوں گے، ایک دوسرے کے خلاف فساد بھڑکے گا جس کی وجہ سے قتل عام ہوگا) قاتل اور مقتول دونوں ہی جہنم میں جائیں گے۔

قتل کرنے والے کا جھنم میں جانا اس لئے ہوگا کہ اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے، لیکن قتل ہونے والے کو اس لئے جھنم میں داخل کیا جائے گا کہ وہ بھی چاہتا تھا کہ میں اسے قتل کروں گا، لیکن اسے فرصت نہ مل سکی اور اپنے ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ اس کو قتل کی حرص اور مصمم ارادہ کی سزا ملے گی۔

حضرت زبیر بن عدی کہتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالکؓ کے پاس آئے، حجاج بن یوسف کی طرف سے ہمیں جو تکالیف پہنچ رہی تھیں ہم نے ان کی شکایت کی۔ تو آپ نے فرمایا: صبر کرو!

" فانه لاياتى عليكم زمان الا الذى بعده اشر منه حتى تلقوا ربكم سمعته من نبيكم ﷺ "

(بخاری مشکوٰۃ کتاب الفتن)

بے شک تم پر کوئی زمانہ نہیں آئے گا سوائے اس کے بعد میں آنے والا ہر زمانہ پہلے سے زیادہ شر ہو گا، یہاں تک کہ تمہاری ملاقات رب تعالیٰ سے ہو جائے۔ یہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے۔

اس حدیث پاک کی شرح میں وضاحت کی گئی ہے کہ اس کا حکم اکثر احوال پر ہے کیونکہ اس کا حکم حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ پر نہیں حالانکہ آپ کا دور بھی حجاج کے بعد ہی ہے اگرچہ قریب ہے، اسی طرح اس کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ پر بھی نہیں کیونکہ یہ بہتر زمانے ہیں اسی طرح امام مہدی کا زمانہ بھی اس سے مستثنیٰ ہے۔

طبرانی نے حضرت ابو الدرداء سے مرفوع حدیث بیان کی ہے۔

" ما من عام الا ينقص الخير فيه ويزيد الشر "

(مرقاۃ ج ۱۰ ص ۱۲۲)

جو سال بھی آئے گا اس میں خیر (بھلائی) کم ہوتی چلی جائے گی۔ اور شر (فساد) بڑھتا چلا جائے گا۔

حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" انما اخاف على امتى الائمة المضلين واذا وضع السيف فى امتى لم يرفع عنهم الىٰ يوم القيامة "

(ابو داود، ترمذی) (مشکوٰۃ باب الفتن)

مجھے اپنی امت کے گمراہ کرنے والے اماموں پر خوف ہے اور میری امت میں جب ایک مرتبہ تلوار چل جائے گی تو اسے ان سے نہیں اٹھایا جا سکے گا۔

حدیث پاک میں ائمہ سے مراد وہ لوگ جن کی قوم اقتداء کرتی ہو، اسی طرح وہ لوگ جو ان کے رئیس یعنی قائد لیڈر ہوں گے اور جو لوگ دوسروں کو قول و فعل و اعتقاد کی دعوت دیں گے، یہ لوگ پہلے خود گمراہ ہوں گے، پھر دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

خدارا ! حدیث پاک کا انداز بیان دیکھ کر انصاف کریں یہ کون سے لوگ ہیں اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہمارے زمانہ میں کیسے حرف بحرف صادق آچکا ہے، کیونکہ آپ نے

دونوں چیزوں کو ایک جگہ جمع کر کے واضح اشارہ فرما دیا کہ جب لوگوں کو گمراہ کرنے والے امام ہوں گے اور ان کی وجہ سے تلوار چلے گی تو وہ تلوار تا قیامت چلتی رہے گی اب ذرا دیکھیں مسجدوں میں نمازیوں کو قتل کرنا، مساجد کو اکھاڑا ظلم بنانا کون کون سے اماموں کا کام۔ بس وہی خود گمراہ کرنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فتنوں کا ذکر فرمایا، آپ نے ان کا بہت ہی زیادہ تذکرہ فرمایا، یہاں تک کہ آپ نے فتنہ احلاس کا ذکر فرمایا۔ کسی نے پوچھا "وما فتنة الاحلاس" وہ فتنہ احلاس کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا ھی ھرب و حرب۔ یہ بھاگنا اور لڑنا ہے۔

" ھرب " کا معنی ہے بھاگنا۔ بعض لوگوں میں اتنی زیادہ عداوت اور لڑائیاں ہوں گی کہ وہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔ ایک دوسرے سے اعتماد اٹھ جائے گا، بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو دشمن سمجھیں گے۔

" حرب " کا معنی ہے لڑائی، یعنی ایک دوسرے کا مال ناحق لے لیں گے دوسرے کے اھل وعیال کو ناحق ستائیں گے دوسروں کی بیویاں اغوا کر کے لے جائیں گے اس لئے ان کے درمیان لڑائی ہوتی رہے گی۔

پھر نبی کریم ﷺ نے فتنہ سرّا کا ذکر فرمایا۔ سرّاء کا معنی ہے خوش ہونا یعنی یہ مسلمان آپس میں لڑیں گے اور دوسری قومیں ان کے اس حال کو دیکھ کر خوش ہوں گی۔ اور اسی طرح یہ اپنے مال ودولت اور عیش و عشرت کے زیادہ اسباب مہیا ہونے کی وجہ سے خوش ہو کر گناہوں میں مبتلاء ہوں گے۔ یہ بہت بڑا فتنہ ہوگا۔

پھر آپ نے فرمایا " دخنھا من تحت قدمی " ان کا دھواں میرے قدموں کے نیچے ہے۔ یعنی ان واقع ہونے والے فتنوں کے آثار و نشانات کو میں اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تا قیامت واقع ہونے والے فتنے نبی کریم ﷺ کے سامنے تھے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا " رجل من اھل بیتی یزعم انه

منی ولیس منی انما اولیائی المتقون "میری اہل بیت کے کئی لوگ یہ گمان کرتے ہوں گے کہ وہ میرے ہیں حالانکہ وہ میرے نہیں ہوں گے۔ میرے ولی (اہل بیت) تو صرف پرہیزگار لوگ ہوں گے۔

(مشکوٰۃ مع مرقاۃ کتاب الفتن)

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے واضح ہوا کہ سید بد عقیدہ اور بد اعمال اسی پر خوش نہ ہوتا رہے کہ میں آل نبی ہوں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنی آل سے خارج کر دیا ہے۔ اور آل سے نہ ہونے کے باوجود نیک لوگوں کو اپنی آل میں شامل کر لیا۔ ہاں اگر وہ آپ کی آل سے بھی ہوں اور نیک اور صحیح العقیدہ بھی ہوں تو سبحان اللہ ان کی کتنی بلند شان ہو گی!

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" لاتقوم الساعة حتى تقتل فئتان عظيمتان تكون بينهما مقتلة عظيمة دعواهما واحدة "

(بخاری مسلم، مشکوٰۃ باب الملاحم)

اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک دو بڑی جماعتوں میں عظیم لڑائی نہ ہو جائے۔ حالانکہ ان دونوں کا دعویٰ ایک ہو گا، یعنی دونوں اسلام کے دعویدار ہوں گے۔

شراب اور زنا کی زیادتی ہو گی

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

" ان من اشراط الساعة ان يرفع العلم ويكثر الجهل ويكثر شرب الخمر ويقل الرجال ويكثر النساء حتى يكون لخمسين امرأة القيم الواحد "

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب اشراط الساعة)

بیشک قیامت کی نشانیوں میں سے یہ نشانیاں ہیں کہ علم اٹھ جائے گا (دین کے علوم کی تعلیم کو چھوڑ کر دنیاوی علوم کو حاصل کرنا زیادہ بہتر سمجھا جائے گا) اور جہالت زیادہ ہو جائے گی اور شراب کا پینا زیادہ ہو جائے گا اور مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی۔ یہاں تک کہ ایک مرد پچاس پچاس عورتوں کا والی اور سربراہ ہو گا۔

شرم و حیاء کم ہو جائے گا اس لئے زنا کی کثرت ہو گی۔ دین کی پرواہ نہیں ہو گی خوف خدا اٹھ جائے گا صرف دنیا کی زندگی کو ہی وہ زندگی سمجھیں گے، آخرت کی زندگی سے غافل ہوں گے، عذاب خداوندی پر یقین نہ رکھنے کی وجہ سے شراب کے رسیا ہوں گے، ان کے شراب پینے کی وجہ سے غنڈہ گردی، شر و فساد، غل غباڑہ کثیر ہو گا، ساتھ ساتھ ان کی شرم و حیا کا جنازہ نکل جائے گا۔

ایک ایک مرد کئی کئی (پچاس سے مراد کثرت ہے) عورتوں یعنی ماؤں، دادیوں، نانیوں، پھپھیوں، خالاؤں اور بیویوں کا والی، اور منتظم ہو گا، ان کے اخراجات کا ذمہ دار ہو گا:

" ویقل الرجال ای وجود هم المطلوب منهم نظام العالم ویکثر النساء ای ممن لایتعلق بظهور هن الامرا لاهم بل وجود هن مما یکثر الغم والهم "

(مرقاة)

مرد کم ہو جائیں گی حالانکہ ان کا وجود مطلوب ہو گا؛ کیونکہ ان پر ہی نظام عالم موقوف ہے اور عورتیں زیادہ ہوں گی، حالانکہ ان کے پائے جانے سے کوئی اہم کام نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے پائے جانے سے زیادہ مصیبت، غم و فکر ہی ہوتا ہے۔ تمام نظام عالم برباد ـــــ ہو کر رہ جاتا ہے۔

عورت کو حکمران بنانے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے

" عن ابی بکرة قال لما بلغ رسول الله ﷺ ان اهل فارس قد ملکوا علیهم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امرهم امرأة "

(بخاری، مشکوٰة باب الامارة)

حضرت ابو بکرہؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو خبر ملی کہ فارس والے لوگوں نے بنت کسریٰ (فارس کے بادشاہ کی بیٹی) کو ملکہ (سربراہ مملکت) بنا لیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی جس نے عورت کو اپنا حکمران بنا لیا۔ یعنی یہ فطرت کے ہی خلاف ہے کیونکہ عورت کی تخلیق ہی اس کی کمزوریوں پر قائم ہے۔

طاقت و شجاعت کے لحاظ سے عورت کمزور، جسمانی اعضاء میں بنسبت مرد کے کمزوری ہے۔ پھر عورت کو حکمران بننے میں غیر شرعی طور پر مردوں سے اختلاط، میل جول اختیار کرنا پڑتا ہے،

خصوصاً دوسرے ممالک کے سربراہان کی آمد پر ون ٹو ون بند کمرے میں ملاقات اس حدیث پاک کو مد نظر رکھ کر دیکھا جائے کیسے ہے۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لا یخلون الرجل بامرأة الا کان ثالثها الشیطان"

(ترمذی، مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبة)

ہرگز کوئی مرد کسی عورت سے علیحدگی میں ملاقات نہیں کرتا سوائے اس کے کہ وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

اپنے معاملات عورت کے سپرد کرنے سے موت بہتر ہے

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اذا کان امراؤکم خیارکم واغنیاء کم سمحاء کم وامورکم شوریٰ بینکم فظهر الارض خیر لکم من بطنها واذا کان امراؤکم شرارکم واغنیاء کم بخلاء کم وامورکم الی نساء کم فبطن الارض خیرلکم من ظهرها"

(ترمذی، مشکوة باب الانذار والتحذیر)

جب تمہارے حکام نیک لوگ ہوں تمہارے غنی سخی ہوں اور تمہارے معاملات مشاورت سے سرانجام ہوں تو تمہارے لئے زمین کے اوپر والا حصہ نیچے والے حصہ سے بہتر ہے۔(زندگی موت سے بہتر ہے) اور اگر تمہارے حکام برے لوگ ہوں اور تمہارے غنی کنجوس ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے ہاتھ میں آجائیں تو تمہارے لئے زمین کے نیچے والا حصہ اوپر سے بہتر ہے۔(یعنی موت بہتر ہے)

عورت ناقص العقل ہے لیکن عقلیں گم کر دیتی ہے

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کو عید گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں عورتوں سے گذر ہوا تو آپ نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو۔ میں تم میں سے زیادہ کو جہنمی دیکھ رہا ہوں (خطاب میں عام عورتیں مراد ہیں نہ کہ صحابیات۔ یعنی روئے سخن صحابیات کی طرف تعلیم بعد میں آنے والیوں

کو) انہوں نے عرض کیا کس وجہ سے یا رسول اللہ ؟ آپ نے فرمایا تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور اپنے خاوند کی نعمتوں کی ناشکری کرتی ہو۔

(پھر آپ نے فرمایا) "مارأیت من ناقص عقل ودین اذهب للب الرجل الحازم من احدٰکن" میں نے تم سے زیادہ کسی ناقص العقل کو نہیں دیکھا جو بڑے بڑے عقلمندوں کی عقلوں کو گم کر دے۔ عورتوں نے پوچھا یا رسول اللہ ہمارے عقل اور دین میں کیا کمی ہے ؟ آپ نے فرمایا کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کی نصف نہیں ؟ عورتوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے عقل کی کمی ہے پھر آپ نے فرمایا کیا ایسا نہیں کہ عورت کو جب حیض آئے تو وہ نماز نہیں ادا کرتی اور روزہ نہیں رکھتی۔ عورتوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ ایسا ہی ہے آپ نے فرمایا یہ دین میں نقصان ہے۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب الایمان)

نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی حقانیت کتنی روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ بڑے بڑے جبے والے، نورانی شکل والے، نورانی داڑھیوں والے علماء، حفاظ اور مشائخ ایک عورت کے ہاتھ پر کھلونا بن گئے۔ بڑے بڑے علم کے دعویدار اور یہ کہنے والے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ جو رحیم و رحمٰن ہے اس کا فضل ہے۔ وہ بھی عورت کے مکر و فریب کے جال میں پھنس گئے۔ زلف بے ضمیر کے اسیر ہو گئے ایک جھلک پر بک گئے، ایک اشارے پر لٹ گئے۔ ارشاد نبی کے خلاف عورت ان کو مردوں سے بہتر نظر آنے لگی ﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (مرد عورتوں کے حاکم ہیں) ان کو یاد نہ رہا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد غالب آگیا۔ عقلیں گم ہو گئیں۔

کچھ دین کے ٹھیکیدار، علم کے دعویدار یہ کہنے والے ہم حق تعالیٰ کی باتوں کو سننے والے اور لوگوں تک پہنچانے والے ہیں لیکن ان کی عقلوں پر بھی پردہ آگیا۔ کبھی وہ کہتے تھے عورت کے غلبہ سے ہماری نیند حرام ہو گئی اب عورت کے لطیف حیلوں، چالبازیوں میں پھنس کر میٹھی نیند سو رہے ہیں۔

کوئی اسلام کا ٹھیکیدار منافقت سے مخالفت بھی کر رہا ہے لیکن فائدہ بھی پہنچا رہا ہے۔ ان سب عقلمندوں کی عقلوں پر پردے آچکے ہیں۔ عورت ناقص العقل ہونے کے باوجود ان کی

عقلوں کو ضائع کرنے کا سبب بن چکی ہے، ارشاد مصطفوی کی صداقت جگمگا رہی ہے۔

عورتوں کا مکر بہت بڑا ہے

﴿اِنَّ کَیۡدَکُنَّ عَظِیۡمٌ﴾ بیشک تمہارا مکر بہت بڑا ہے۔ یہ کلام عزیز مصر کی زلیخا سے ہے، جس میں عورتوں کے مکر کو عظیم کہا ہے۔ عورتوں کا مکر انسان کو مکر نظر نہیں آتا بلکہ انسان اسے بہت لطیف سمجھتا ہے۔ وہ انسان کے دل سے چمٹ جاتا ہے، نفس میں بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اگرچہ مرد بھی بعض اوقات مکر کرتے ہیں لیکن عورتوں کے مکر میں عار ہوتی ہے جو مردوں کے مکر میں نہیں، عورتوں کے عظیم مکر کی وجہ سے ہی ان کو شیطان اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ جب کسی انسان کو بھٹکانے میں شیطان کو دشواری درپیش آئے تو وہ عورت کے ذریعے اسے بھٹکاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے " ماالبس الشيطان من احد الا اتاه من جهة النساء " شیطان جب بھی کسی سے ناامید ہو جاتا ہے تو عورتوں کی طرف سے ہی اس کے پاس آتا ہے۔

کسی بزرگ عالم نے کیا خوب کہا! کہ مجھے عورتوں سے بہت زیادہ خوف آتا ہے اتنا خوف شیطان سے نہیں آتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مکر کو ذکر فرمایا "ان كيد الشيطان كان ضعيفا" بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے۔ اور عورتوں کے متعلق فرمایا ﴿اِنَّ کَیۡدَکُنَّ عَظِیۡمٌ﴾ بیشک تمہارا مکر بہت بڑا ہے۔

" ولان الشيطان يوسوس مسارقة وهن يواجهن به "

کیونکہ شیطان تو چھپ کر چوری چوری وسوسہ ڈالتا ہے۔ اور عورتیں سامنے سامنے۔

لیکن خیال رہے کہ یہ بزرگ عالم کا استدلال ظاہری ہے اصل میں شیطان کے مکر کو ضعیف اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکر کی جو جزاء حاصل ہوگی اس کے مقابلہ میں ضعیف ہے، لیکن عورتوں کا مکر بنسبت مردوں کے مکر کے عظیم ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شیطان کا مکر بھی کسی طرح کم نہیں اور عورتوں کا بھی کچھ کم نہیں۔ دونوں سے پناہ پکڑی جائے، بچنے کی فکر ہر وقت دامن گیر رہے۔

(ماخوذ از روح المعانی)

امانتوں کا پاس نہیں کیا جائے گا۔

قیامت کی علامتوں میں امانت کو حقدار کے سپرد نہ کرنا بھی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان جلوہ گر تھے کسی معاملہ میں گفتگو فرما رہے تھے، اسی دوران ایک اعرابی آیا اس نے کہا قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

" اذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة قال کیف اضاعتها قال اذا وسد الامرالی غیر اهله فانتظر الساعة "

(بخاری، مشکوٰة باب اشراط الساعة)

جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا اس نے عرض کیا، امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جب معاملہ نااہل کے سپرد کر دیا گیا تو قیامت کی انتظار کرنا۔

حدیث پاک میں لفظ وُسِد استعمال ہے اس کی واؤ پر پیش اور سین کے نیچے زیر ہے۔ شد سے بھی پڑھا گیا ہے اور غیر شد سے بھی، اس کا معنی ہے اسند، فوض (سپرد کر دیا گیا)

حدیث پاک میں لفظ " الامر " استعمال ہے اس سے مراد امر سلطنت، امارة، قضاء، حکومت، اور غیر اهل سے مراد " **ممن لم یوجد فیه شرائط الاستحقاق کالنساء والصبیان والجهلة والفسقة والبخیل والجبان و من لم یکن قرشیاً** "

(مرقاة المفاتیح)

جس میں مستحق ہونے کی شرائط نہ پائی جائیں جیسے عورتیں، بچے، جہلاء فساق، کنجوس لوگ، بزدل، اور جو قریشی نہ ہو۔ یعنی ان لوگوں کو بادشاہ، امیر، قاضی، حاکم بنانا یہ حقیقت میں اپنے معاملات نااھل کے سپرد کرنے لازم آئیں گے۔ اس طرح امانت ضائع ہوگی جو قیامت کی علامات میں سے علامت ہے۔

" وقس علی هذا سائر اولی الامر والشان وارباب المناصب من التدریس والفتوٰی والامامة والخطابة وامثال ذالك مما یفتخر به الاقران "

(مرقاة المفاتیح)

پہلے جو ذکر کئے گئے ہیں ان پر ہی قیاس کیا جائے ان تمام حضرات کو جو کسی معاملہ، شان

اور منصب کے مالک ہوں جیسے تدریس، فتویٰ، امامت، خطابت، وغیرہ۔ اسی طرح ہر ایسا منصب جس کی وجہ سے انسان اپنے زمانہ میں دوسروں پر فخر محسوس کرے۔ یعنی نا اھل کو مدرس بنانا، مفتی بنانا، امام بنانا، خطیب بنانا، کسی عہدہ و مرتبہ پر فائز کرنا علامت قیامت ہے۔ چونکہ یہ تمام دینی معاملات ہیں ان میں استحقاق کے لحاظ نہ کرنے سے دینی احکام میں ضعف آئے گا، تمام نظام معطل ہو کر رہ جائے گا، معاملات میں خلل پیدا ہوگا، امور دین کمزور پڑ جائیں گے، کیونکہ حکام کے بگاڑ سے رعیت میں بگاڑ آتا ہے اسی وجہ سے کہا گیا "الناس علی دین ملوکھم" لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔

مال و دولت کی ریل پیل ہو جائے گی

حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لاتقوم الساعة حتى يكثر المال ويقبض حتى يخرج الرجل زكاة ماله فلايجد احدا يقبلها منه وحتى تعود ارض العرب مروجا وانهارا "

(مسلم، مشكوٰة باب اشراط الساعة)

اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ مال بہت زیادہ ہو جائے گا، مال کو بہایا جائے گا، یہاں تک کہ ایک آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر نکلے گا کوئی قبول کرنے والا نہیں پائے گا، یہاں تک کہ عرب کی سرزمین سر سبز و شاداب ہو جائے گی اس میں نہریں جاری ہو جائیں گی۔

مال کی زیادتی بھی حقیقت میں انسان کا امتحان ہے کہ کون سا انسان اس امتحان میں کامیاب ہوتا ہے؟ مالدار بھی ہو رب تعالیٰ کو بھی یاد کرے۔ وہ انسان خوش قسمت ہے، مال و دولت کے نشہ میں اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جانا، بہت بڑی بد بختی کی علامت ہے۔

مال کو بہائیں گے یعنی لوگوں کو اپنا ہموا بنانے کے لئے، ان کو خریدنے کے لئے، ان کو اپنا ووٹر بنانے کے لئے ۔ نیکی کے کاموں میں جو لوگ ایک روپیہ خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے وہ دوسروں کو اپنا چمچہ بنانے کے لئے ہزاروں روپے لٹا دیتے ہیں۔ یہ بھی علامت قیامت ہے۔

عرب کی زمین میں ترقی ہو گی، مال دولت کی وسعت ہو گی، ان کی زمین خزانے اگلے گی۔ ایک روایت میں ہے مدینہ طیبہ کی زمین اہاب بلکہ یہاب تک پہنچ جائے گی۔ یعنی مال دولت زیادہ ہو جائے گا عمارات بہت ہو جائیں گے دور دراز علاقہ تک مدینہ طیبہ پھیل جائے گا۔ (اہاب یہاب دونوں جگہ کے نام ہیں) آپ کے زمانہ مین تو مدینہ طیبہ تقریباً اتنا ہی نظر آتا ہے جتنی آج مسجد نبوی ہے۔

لیکن آج مدینہ طیبہ کی وہی حالت ہو چکی ہے جو میرے پیارے مصطفیٰ علیه التحية والثناء نے بیان فرمائی۔

انسان دنیا سے تنگ ہو جائے گا

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے:

" لاتذهب الدنيا حتى يمر الرجل على القبر فيتمرغ عليه ويقول ياليتنى كنت مكان صاحب هذا القبر وليس به الدين الاالبلاء "

(مسلم، مشکوٰۃ باب اشراط الساعة)

اس وقت تک دنیا ختم نہیں ہو گی یہاں تک کہ ایک شخص کا قبر سے گذر ہو گا وہ اس پر تڑپے گا اور کہے گا کاش اس قبر والے کی جگہ میں ہوتا۔ اس خواہش کا سبب دین نہیں ہو گا بلکہ مصیبت ہو گی۔ حدیث شریف میں لفظ " یتمرغ " کا معنی ہے ذبح شدہ مرغ کی طرح تڑپنا، اس کا یہ کہنا کہ کاش اس کی جگہ میں ہوتا یعنی مجھ پر موت طاری ہوتی، اس کو موت کی تمنا پر ابھارنے کا سبب دین نہیں ہو گا بلکہ بہت مصائب و آلام فتنے، تکالیف ہوں گے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

" يوشك ان يكون الموت احب الى المومن من الماء البارد "

قریب ہے کہ ایک ایسا وقت آئے کہ مومن کو موت ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہو۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں لوگوں پر ایک وہ زمانہ آئے گا :

" تمر الجنازة فيهم فيقول الرجل ياليت انى مكانه "

(مرقاة المفاتيح)

جب ان پر جنازہ کا گذر ہو گا تو (دیکھنے والا) انسان کہے گا کاش اس کی جگہ میں ہوتا۔

قیامت کی دیگر علامات :

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" اذا اتخذ الفئ دولا والامانة مغنما والزكوة مغرما وتعلم لغير الدين واطاع الرجل امرأة وعق امه وادنى صديقه واقصى اباه وظهرت الاصوات فى المساجد وساد القبيلة فاسقهم وكان زعيم القوم ارذلهم واكرم الرجل مخافة شره وظهرت القينات والمعازف وشربت الخمور ولعن آخر هذه الامة اولها فارتقبوا عند ذالك ريحا حمراء وزلزلة وخسفا ومسخا وقذفا وآيات تتابع كنظام قطع سلكه فتتابع "

(ترمذی، مشکوٰۃ باب اشراط الساعة)

اس وقت مال غنیمت کو دولت سمجھا جائے گا، امانت کو غنیمت، زکوۃ کو تاوان (چٹی) سمجھا جائے گا اور دین کے بغیر دوسرے علوم حاصل کئے جائیں گے، مرد اپنی عورت کا مطیع ہو گا اور ماں کا نافرمان، دوست کو قریب کرے گا باپ کو دور، اور مساجد میں آوازیں بلند ہوں گی۔ قبیلہ کا سردار فاسق ہو گا۔ کسی قوم کا سردار، لیڈر، قائد ان سے ذلیل، کمینہ، گھٹیا ہو گا، اور کسی آدمی کے شر اور فساد سے بچنے کے لئے اس کی عزت کی جائے گی۔ اور گانے والی عورتیں اور ان کے آلات لہو ظاہر ہوں گے، شراب کا پینا عام ہو گا، اس امت کے پچھلے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے، اس وقت تم ان چیزوں کا انتظار کرنا۔ سرخ آندھی، زلزلہ، زمین میں دھنسنا۔ صورتیں مسخ ہونا، پتھروں کا برسنا، اسی طرح اور نشانیاں لگاتار ظاہر ہوتی رہیں گی جیسے ہار ٹوٹ جائے اور اس سے لگاتار موتی گرنے لگیں۔

وضاحت حدیث

مال غنیمت کو دولت بنا لیا جائے گا یعنی اغنیاء اور ارباب حکومت فقراء کے حقوق ہڑپ کر جائیں گے، امانت کو غنیمت سمجھ کر لوگ کھا جائیں گے یعنی امانت میں خیانت کریں گے، زکوۃ

کو فریضہ سمجھ کر، عبادت سمجھتے ہوئے محبت سے ادا نہیں کریں گے بلکہ ان پر زکوٰۃ ادا کرنا اس طرح مشکل ہوگا جس طرح تاوان ادا کرنا مشکل ہوگا، دنیوی علوم یعنی ایسے علوم حاصل کریں گے جن سے دنیاوی مرتبہ اور مال و دولت حاصل کرنا ان کا مقصود ہوگا، دینی علوم حاصل نہیں کریں گے جن سے مسلمانوں کے درمیان احکام کا چرچا کیا جاسکے اور دین اسلام کا غلبہ ہو۔

انسان عورت کی ہر خواہش پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا لحاظ نہیں کرے گا، اللہ کے ہدایت کے راستہ کو چھوڑ دے گا، ماں کے جائز احکام کی بھی پرواہ نہیں کرے گا، ماں کا نافرمان ہوگا۔ ان دونوں چیزوں سے اس طرف اشارہ ہے کہ حالات مکمل الٹ ہو جائیں۔

دوستوں کے ساتھ مجلس، انس، محبت زیادہ ہوگی، باپ کے ساتھ بیٹھنا اور محبت کرنا کم ہوگا، اسی طرح اجنبی لوگوں سے قرب ہوگا اور اپنے اقرباء سے دوری ہو جائے گی۔

مساجد میں آوازیں بلند ہوں گی یعنی ایک دوسرے کو برا کہنا، مشرک، کافر بنانا، بدعتی بنانا اور ایک دوسرے کے خلاف شعلہ بیانیاں عام ہوں گی۔ مقصد فوت ہو جائے گا۔ لوگوں کی اصلاح کم ہوگی۔ گمراہ زیادہ ہوں گے۔ دین سے بےزار زیادہ کیا جائے گا اور دین کے قریب لانے کی تدابیر یکسر مفقود ہوں گی۔ شہر، محلّہ اور قبیلہ کے سردار زیادہ طور پر فاسق، ظالم ہوں گے، قوم کے لیڈر، قائد (کائد) حکام ذلیل لوگ ہوں گے، حسب و نسب کے لحاظ سے گھٹیا ہوں گے احمق ہوں گے، مخبوط الحواس ہوں گے۔ مال اور مرتبہ کے لحاظ سے گھٹیا ہوں گے۔

بعض لوگ اتنے ظالم اور شریر ہوں گے کہ لوگ اپنی عزت بچانے کی خاطر ان کی تعریف کریں گے، تاکہ ان ظالموں سے اپنی اور اپنے اھل و عیال کی عزت کو محفوظ رکھا جاسکے، یعنی عام محاورہ کے مطابق: "کتے کو ہڈی ڈالنے" کی مثال صادق آئے گی۔

گانے والی عورتیں بہت ہو جائیں گی اور ڈھول، باجے وغیرہ عام ہوں گے، اب ہر اخبار کی زینت ہی گانے والی عورتوں کے ہر دن حالات کا تذکرہ ہی بنایا جاتا ہے۔ کیسے نبی کریم ﷺ کا قول سچا آرہا ہے۔

شراب ہر قسم کے عام طور پر ظاہر ظاہر پیے جائیں گے، کیونکہ شرعی حدود کو معاذاللہ بے دین لوگ جو نصاریٰ اور یہود و ہنود کے پیروکار ہیں...... وہ وحشیانہ سزائیں کہہ رہے ہیں...... یہی نظریات بدقسمتی سے ہمارے سیاسی لیڈران میں سے اکثر کے ہیں۔ پینے والے بے خطر پی رہے ہیں۔

اس امت کے بعد میں آنے والے لوگ پہلے حضرات پر لعنت کریں گے، نبی کریم ﷺ نے اس امت کی تخصیص فرما کر اشارہ فرمایا کہ پہلی امتوں میں یہ نہیں تھا۔

ملا علی قاریؒ اسی حدیث کی شرح میں مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

" لم یکتفوا باللعن والطعن فی حقهم بل فسبوهم الی الکفر بمجرد اوهامهم الفاسدة وافهامهم الکاسدة من ان ابابکر و عمر و عثمانؓ اخذوا الخلافة وهی حق علی بغیر حق والحال ان هذا باطل بالاجماع سلفا وخلفا ولا اعتبار بانکار المنکرین "

اس امت کے بعد میں آنے والے لوگوں نے پہلے حضرات صحابہ کرام کے حق میں صرف لعن وطعن (لعنت کرنے او طعنہ زنی) پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اپنے فاسد وہموں اور باطل سمجھوں کی وجہ سے معاذ اللہ ان کی کفر کی طرف نسبت کی کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے خلافت لے لی حالانکہ یہ حضرت علیؓ کا حق تھا۔ حالانکہ یہ ان کے نظریات سلف صالحین اور بعد میں آنے والے علماء دین کے اجماع کے خلاف ہیں۔ منکرین کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں۔

حدیث شریف میں مذکورہ علامات میں بعد میں آنے والی علامات کے لئے فرمایا "فارتقبوا" انتظار کرو اس سے واضح معلوم ہوا کہ پہلی علامات کا ظہور بھی پہلے ہوگا لیکن اس کے بعد جن کا ذکر ہے وہ قیامت کے بہت ہی قریب ہوں گی، وہ یہ ہیں سخت شدید تند سرخ ہوا کا آنا، زلزلہ، زمین میں دھنسنا، صورتوں کا مسخ ہونا، اور آسمان سے پتھروں کی بارش کا برسنا۔

امام مہدی کا ظہور

جب زمین میں لوگ مصائب و آلام، ظلم و ستم میں اس طرح مبتلاء ہوں گے کہ انہیں کوئی جائے پناہ نہیں حاصل ہوگی اور کوئی ایسا نجات دہندہ نظر نہیں آئے گا کہ وہ اس کی طرف

رجوع کریں تو ایسے حالات میں ایک شخص جو نبی کریم ﷺ کے اہل بیت اور عترت سے ہو گا اس کا ظہور ہو گا نبی کریم ﷺ کے نام پر نام اور آپ والد مکرم کے نام پر ان کے والد کا نام ہو گا یعنی محمد بن عبد اللہ لقب مہدی ہو گا کیونکہ نبی کریم ﷺ کی ہدایت پر ان کی ہدایت ہو گی۔ آپ کے اخلاق پر ان کے اخلاق ہوں گے، بعض اوصاف صورت کے لحاظ پر بھی آپ سے ملتے ہوں گے اگرچہ مکمل صورت آپ کی صورت کی طرح نہیں ہو گی، وہ اولاد فاطمہؓ سے ہوں گے حسنی اور حسینی سید ہوں گے باپ کی طرف سے نسب حضرت امام حسنؓ سے ملتا ہو گا۔

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاقؑ کی اولاد سے کئی نبی آئے لیکن حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ایک ہی تمام کے سردار اور خاتم آئے اسی طرح حضرت امام حسینؓ کی اولاد سے کئی جلیل القدر اولیائے کرام آئے لیکن حضرت امام حسنؓ کی اولاد سے ایک ہستی کا ورود ہو گا۔ جو تمام سے زیادہ صاحب قدر، صاحب مرتبہ ہوں گے، رمضان شریف کے مہینہ میں خراساں کی جانب سے کئی لوگوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں آئیں گے، اولیائے کرام جو ابدال کہلاتے ہیں طواف کعبہ میں مشغول ہوں گے تو وہ آپ کو طواف کرتے ہوئے پہچان جائیں گے، ان کی بیعت کریں گے، یہ عدل وانصاف سے سر زمین کو بھر دیں گے۔ ان کے عدل وانصاف کی تعریف آسمان والے، زمین والے سبھی کریں گے، جہاں فرشتے تعریف کر رہے ہوں گے وہاں انسان بلکہ حیوانات، درندے، پرندے، پانی کے جانور مچھلیاں، مینڈک وغیرہ سبھی آپ کے عدل وانصاف کے مداح ہوں گے۔

آسمان بروقت کثیر بارشیں برسائے گا۔ زمین کثیر نباتات اگانے کی وجہ سے سر سبز و شاداب ہو گی یہاں تک فوت شدہ لوگ بھی اس حالت پر رشک کرتے ہوئے تمنا کر رہے ہوں گے، کاش ہم بھی زندہ ہو جائیں تو امن وامان، خوشحالی، مسلمانوں کی شان و شوکت کے نظارے کر سکیں۔ یہی وہ زمانہ ہو گا جس میں مسلمان یہودیوں سے جنگ کریں گے، مسلمان یہودیوں کو قتل کریں گے۔ یہودی اپنے بچاؤ کے لئے پتھروں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے۔ درخت اور پتھر مسلمانوں کو بلا بلا کر کہیں گے اے اللہ کے بندے آ! یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اسے قتل کر دے۔ اس طرح مسلمان وہاں جا کر اسے قتل کر دے گا۔ صرف ایک درخت جسے غرقد کہا جاتا

ہے وہ مسلمانوں کو مطلع نہیں کرے گا، اس کو نبی کریم ﷺ نے شجر یہود سے تعبیر فرمایا۔

(ماخوذ از مشکوٰۃ و مرقاۃ)

تنبیہ :- نبی کریم ﷺ کا واضح ارشاد ہے :

" اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی "

اس کا نام میرا نام ہو گا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہو گا،

(مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ)

اس لئے شیعہ کا یہ کہنا کہ وہ امام مہدی لوگوں کے مظالم سے تنگ آکر چھپ گیا ہے جو قرب قیامت میں ظاہر ہو گا۔ اس کا نام احمد بن حسن عسکری ہے...... یہ سراسر باطل ہے...... "مہدی" جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور انتظار ہے۔ وہ...... محمد بن عبداللہ...... ہو گا۔ یہ کہنا کہ وہ محمد بن حسن عسکری ہو گا یہ احادیث کے مخالف ہے۔

دیگر علاماتِ قیامت

حضرت حذیفہ بن اسید غفاریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہم پر جلوہ گر ہوئے، ہم مذاکرہ کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا تم کس چیز کا ذکر کر رہے تھے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا قیامت کا۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔

" فذکر الدخان والد جال والدابة وطلوع الشمس من مغربها ونزول عیسی بن مریم و یاجوج و ماجوج و ثلاثه خسوف ، خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزیرة العرب و آخر ذالك نار تخرج من الیمن تطرد الناس الی محشرهم "

(مسلم، مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ)

وضاحت حدیث

دخان (دھواں) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ یہ دھواں کیسے ہو گا؟ تو آپ نے فرمایا کہ (قیامت کے قریب) یہ دھواں مشرق و مغرب کے

درمیان چھا جائے گا، چالیس دن اور راتیں رہے گا، مومنوں پر اس کے اثرات اتنے ہوں گے کہ ان کو زکام کی حیثیت حاصل ہوگی اور کافر پر نشہ کی صورت ہوگی۔

دجال

"دجال" کا معنی ہی مکار، حق و باطل کو ملانے والا، یہ بھی قربِ قیامت میں ظاہر ہوگا، خدائی دعویٰ کرے گا، اس کی دو آنکھوں کے درمیان "ک ا ف ر" لکھا ہوگا، اشارہ ہوگا کہ یہ خود بھی کافر ہے اور دوسروں کو بھی کفر کی دعوت دینے والا ہے، تمام انبیاء کرام نے اپنے اپنے وقت میں اپنی امتوں کو یکم چشم (ایک آنکھ والے کانے) جھوٹے سے ڈرایا ہے اور بتایا ہے کہ تمہارا رب یکم چشم نہیں، جسم خدا نہیں ہو سکتا اور خاص کر کے بد صورت بھی ہو اسے تو خود ہی خدا ہونے کے دعویٰ سے شرم کرنی چاہیئے۔ ابتدائی طور پر لوگوں کے امتحان کے لئے اللہ تعالیٰ اس سے کئی خرق عادت کام استدراجی قوت سے سرزد کرائے گا۔ جیسے وہ آکر ایک قبیلہ کے لوگوں کو کہے گا اگر میں تمہارا فلاں فوت شدہ آدمی زندہ کر دوں تو کیا تم مجھے خدا تسلیم کر لو گے وہ کہیں گے ہاں، یہ ایک مرے شخص کو رب کی دی ہوئی قوت سے زندہ کر دے گا، یا کہ شیطانوں کو کہے گا اس کی صورت بنا دو، وہ صورت بنا دیں گے جسے یہ چلتا پھرتا دکھائے گا، وہ لوگ اس کو خدا مان کر گمراہ ہو جائیں گے۔

"دجال" پیدا ہو چکا ہے آج بھی کسی جزیرہ میں زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے اگرچہ دنیا کے لوگوں سے آج کے دور میں کوئی جزیرہ مخفی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے دجال کو اپنی قدرت سے لوگوں کی نظر سے مخفی رکھا ہوا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں،

(ماخوذ از مشکوٰۃ مرقاۃ نبراس)

دابۃ (چوپایا)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴾

(۵ پ / ۲۰ / ۲)

اور جب ہماری بات کا ان پر پورا ہونے کا وقت آجائے گا تو ہم نکالیں گے ان کے لئے ایک چوپایہ زمین سے جو ان سے گفتگو کرے گا کیونکہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

قیامت کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے جو چیزیں بطور علامت ظاہر ہوں گی ان میں سے ایک خروج دابة (چوپایہ کا نکلنا) ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے، امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث ذکر کی ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

" عن عبداللہ بن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان اول الآیات خروجا طلوع الشمس من مغربها وخروج الدابة علی الناس ضحی وایتها کانت قبل صاحبتها فالآخر علی اثرها قریبا "

(رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کی اولین علامتوں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا چاشت کے وقت دابة (جانور) کا نکلنا ہے ان دو میں سے جو بھی پہلے واقع ہوا دوسرا اس کے فوراً بعد ہوگا۔

اس کے علاوہ اس کے قد و قامت، مقام خروج وغیرہ کے متعلق بڑی تفصیلات روایات میں مذکور ہیں لیکن امام رازی فرماتے ہیں۔

" واعلم انه لا دلالة فی الکتاب علی شیء من هذه الامور فان صح الخبر فیه عن الرسول ﷺ قبل والا لم یلتفت الیه "

(تفسیر کبیر)

خوب جان لو کہ کتاب اللہ میں ان امور پر کوئی دلالت نہیں جو چیز صحیح احادیث سے ثابت ہوگی وہ مان لی جائے گی ورنہ اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

(تفسیر ضیاء القرآن)

سورج کا مغرب سے نکلنا

قریب قیامت میں ایک رات لمبی ہو جائے گی یہاں تک دو تین راتوں کے برابر وہ ایک رات ہوگی، رات کو بیدار ہو کر نوافل پڑھنے والے سمجھ جائیں گے کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہے، وہ اللہ کی عبادت کریں گے تمام رات توبہ کرتے رہیں یعنی نوافل ادا کرنے کے بعد دیکھیں

گے کہ ستارے ابھی اپنی جگہ رکے ہوئے ہیں صبح صادق نہیں ہو رہی وہ آکر سوئیں گے پھر اٹھیں گے پھر عبادت و توبہ شروع کر لیں گے اس طرح وہ لمبی رات نیک لوگوں کی گذرے گی۔ یہ سمجھنے کے باوجود کہ اس میں کوئی حکمت ہے لیکن شدید خوف ان پر طاری ہو گا یہاں تک کہ سورج مغرب سے نکلے گا بے نور ہو گا یہاں تک کہ آسمان کے وسط میں آجائے گا یعنی نصف النہار تک اس کی کوئی روشنی نہیں ہو گی، اس منظر کو دیکھ کر لوگوں پر اتنا خوف طاری ہو گا کہ ان کی آواز ایسے نکل رہی ہو گی جس طرح ذبح کی ہوئی بکری کی، اس گھبراہٹ سے بہت لوگ مر جائیں گے۔

یہ حالت دیکھ کر سب لوگ توبہ کریں گے ایمان لائیں گے، لیکن اس وقت ان لوگوں کا ایمان قبول نہیں ہو گا جو پہلے ایمان والے نہیں تھے، ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہو گی جو اس سے پہلے توبہ نہیں کر چکے تھے، توبہ کے ذکر میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جان جب جا رہی ہو اس وقت کافر کی توبہ یقیناً نہیں قبول ہوتی اس صورت حال کے بعد سورج پھر مشرق سے طلوع ہو گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے اترنا

حضرت عیسیٰؑ کا آسمانوں سے اترنا کثیر احادیث سے ثابت ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی عیسیٰ ابن مریم حاکم، عادل ہو کر تم میں اتریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے "جزیہ" کو ختم کر دیں گے اور اس وقت میں ایک سجدہ دنیا بھر سے افضل ہو گا۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

خیال رہے کہ عیسیٰؑ نبی کریم ﷺ کی شریعت کی مطابق ہی آپ کے امتی ہونے کی حیثیت پر عمل کریں گے۔ "جزیہ" کا وقت خود نبی کریم ﷺ نے وہ مقرر فرمایا اس لئے جزیہ کا ختم ہونا شریعت مصطفوی کے خلاف نہیں ہو گا، بلکہ اس وقت صرف ایمان معتبر ہو گا یا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر جنگ کرتا رہے گا یہاں تک کہ عیسیٰؑ تمہارے پاس تشریف لے آئیں گے۔

مسلم مشکوٰۃ (باب علامات)

عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ عیسیٰؑ زمین پر اتریں گے نکاح کریں گے صاحب اولاد ہوں گے پینتالیس سال قیام فرمائیں گے پھر وفات پائیں گے، میرے ساتھ ہی میرے مقبرہ میں دفن ہوں گے، قیامت کے دن ہم اور عیسیٰؑ ایک ہی مقبرہ سے اٹھیں گے۔

(کتاب الوفا لابن جوزی، مشکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰؑ آکر دعوت اسلام دیں گے، ان کے زمانہ میں اسلام کے بغیر تمام دین ختم ہو جائیں گے، شیر اونٹ کے ساتھ، چیتا گائے کے ساتھ بھیڑیا بکری کے ساتھ چرے گا، اور بچے سانپ سے کھیلیں گے وہ انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔

تنبیہ :- مسیح موعود یعنی جس مسیح کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ عیسیٰؑ ابن مریم ہوں گے جیسے احادیث میں واضح ہے وہ "مرزا غلام احمد ابن چراغ بی بی قادیانی" نہیں ہو گا، یہ خود ہی مسیح موعود بن بیٹھا۔

خسوف :

مشرق و مغرب اور جزیرہ عرب میں زمین کا دھنسنا بقدر زائد ہو گا اگرچہ تمام زمین میں یہ ہی کیفیت ہو گی، یوں محسوس ہو گا کہ زمین نیچے کی طرف دھنس رہی ہے، لیکن مذکورہ تین مقامات میں بہت واضح یہ صورت حال ہو گی۔

یمن سے آگ کا نکلنا

ایک روایت میں عدن کا ذکر ہے کیونکہ عدن یمن کی ایک بستی کا نام ہے جو ساحل سمندر پر ہے، یعنی یمن کے علاقہ کی عدن بستی سے آگ نکلے گی جو سب لوگوں کو ہانک کر شام کے علاقہ میں جمع کر دی گی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے شام کی زمین اتنی وسیع ہو جائے گی کہ تمام انسان، جن حیوانات اس میں جمع ہو سکیں گے۔

یاجوج وماجوج کا نکلنا قیامت ہے

یاجوج و ما جوج یافث بن نوحؑ کی اولاد سے فسادی گروہ ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، زمین میں فساد کرتے تھے، ربیع کے زمانے میں نکلتے تھے تو کھیتیاں اور سبزے سب کھا جاتے تھے کچھ نہ چھوڑتے تھے اور خشک چیزیں لاد کر لے جاتے تھے آدمیوں کو کھا لیتے تھے، درندوں کو کھا لیتے تھے، درندوں، وحشی جانوروں سانپوں اور بچھوؤں تک کھا جاتے تھے یعنی ان میں رب تعالیٰ نے درندگی کے اثرات غالب کر دیئے تھے۔ لوگوں نے سکندر ذوالقرنین سے عرض کیا۔ یاجوج وماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں تو کیا ہم آپ کو کچھ مال جمع کر دیں کہ تم ان کے اور ہمارے درمیان کوئی دیوار بنادو، ذوالقرنین نے کہا کہ مال تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے پاس بہت ہے تم صرف طاقت سے میری امداد کرو تو ایک مطبوط آڑ بنادیتا ہوں۔

اس طرح اس نے بنیاد کھدائی جو پانی کی سطح تک پہنچی اور اس میں پگھلائے ہوئے تانبے سے پتھروں کی چنائی کی، پھر لوہے کے تختے اوپر نیچے چن کر ان کے درمیان لکڑی اور کوئلہ بھر دیا اور آگ دے دی اس طرح یہ دیوار پہاڑ کی بلندی تک اونچی کر دی گئی اور دونوں پہاڑوں کے درمیان کوئی جگہ نہ چھوڑی گئی اوپر سے پگھلایا ہوا تانبہ دیوار میں پلادیا گیا، یہ سب مل کر ایک سخت جسم بن گیا۔ ذوالقرنین نے کہا یہ دیوار جب مکمل ہو جائے گی تو یاجوج وماجوج اس پر نہیں چڑھ سکیں گے اور نہ ہی اس میں سوارخ کر سکیں گے یہ سب میرے رب کی رحمت ہے۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ کا وعدہ (قیامت کا وقت) آجائے گا تو اسے پاش پاش کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ یاجوج وماجوج روزانہ اس دیوار کو توڑتے ہیں اور دن بھر محنت کرتے کرتے جب اس کے توڑنے کے قریب ہوتے ہیں تو ان میں کوئی کہتا ہے اب چلو باقی کل توڑیں گے، دوسرے روز جب آتے ہیں تو وہ حکم الٰہی پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے جب ان کے نکلنے کا وقت آئے گا تو ان میں سے کوئی کہنے والا کہے گا، اب چلو باقی دیوار، ان شاء اللہ کل توڑلیں گے، ان شاء اللہ کہنے کا انہیں یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ اس دن کی محنت ان کی رائیگاں نہیں جائے گی، کل جب آئیں گے تو اتنی ٹوٹی ہوئی دیوار ہی ان کو ملے گی جو کل توڑ گئے تھے، اب

کچھ اور توڑ کر باہر آجائیں گے اور زمین میں فساد اٹھائیں گے۔ قتل و غارت گری کریں گے اور چشموں کا پانی پی جائیں گے۔ جانوروں، درختوں اور جو آدمی ہاتھ آئے گا، ان کو کھا جائیں گے۔ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور بیت المقدس میں نہیں داخل ہو سکیں گے۔ یاد رہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں دجال نہیں داخل ہو سکے گا۔

اللہ تعالیٰ عیسیٰؑ کی دعا سے یاجوج وماجوج کو ہلاک کر دے گا، اس طرح ان کی گردنوں میں کیڑے پیدا ہوں گے جو ان کی ہلاکت کا سبب ہونگے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴾

اور اس دن ہم انہیں چھوڑیں گے کہ ان کا ایک گروہ دوسرے ریلا آئے گا (یعنی موج در موج باہر نکلتے ہوئے، یلغار کریں گے) اور صور پھونکا جائے گا، تو ہم سب کو اکٹھا کر کے لائیں گے۔

(ماخوذ از خزائن العرفان)



باب ششم

احوالِ حشر

فصل اول

نفخِ صُور

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مُطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ...... الاية﴾

(پ ٢٤ / ٤)

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کا حق تھا اور وہ قیامت کے دن سب زمینوں کو سمیٹ دے گا اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے۔ اور وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ چاہے پھر دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی شان کو وہ نہ سمجھے اسی وجہ سے انہوں نے خود بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی اور نبی کریم سے بھی مطالبہ کیا کہ وہ بتوں کی عبادت کریں اسی طرح انہوں نے یہ تسلیم کیا کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن قیامت کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کر کے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا پاس نہ کیا اور نہ سمجھا کہ جو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ لوٹانے پر بھی قادر ہے۔

جس طرح ایک کاغذ کو لپیٹا جاتا ہے اس طرح آسمانوں کو لپیٹ کر اللہ تعالیٰ اپنے دست قدرت میں لے کر قیامت کے دن فرمائے گا " انا الملک این الجبارون این

المتکبروں" ؟ میں ہی بادشاہ ہوں کہاں ہیں متکبرین اور وہ لوگ جو بہت بڑے جابر تھے ؟

اسرافیل ایک دفعہ صور پھونکیں گے اس سے جو بے ہوشی طاری ہو گی، اس کا یہ اثر ہو گا کہ ملائکہ اور زمین والوں سے، اس وقت جو لوگ زندہ ہوں گے جن پر موت نہ آئی ہو گی وہ اس سے مر جائیں گے اور جن پر موت وارد ہو چکی پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات عنایت کی وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسے کہ انبیاء، شہداء ان پر اس نفخہ (صور کے پھونکنے) سے بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گی، اور جو لوگ قبروں میں مرے پڑے ہیں انہیں اس صور کے پھونکنے کا پتہ نہیں چلے گا۔ پہلی مرتبہ صور کے پھونکنے سے تمام آسمان اور زمین والے مر جائیں گے سوائے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، اور عزرائیل کے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو بعد میں موت دے گا۔

پہلی مرتبہ صور پھونکنے اور دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے درمیان چالیس سال کی مدت ہو گی، سب سے پہلے اسرافیل کو زندہ کیا جائے گا اور وہ دوبارہ صور پھونکیں گے تو لوگ اپنی اپنی قبروں سے دیکھتے ہوئے کھڑے ہوں گے یعنی حیرت میں آکر مبہوت کی طرح ہر طرف نگاہیں اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے یا یہ معنی ہیں کہ وہ یہ دیکھتے ہوں گے کہ اب انہیں کیا معاملہ پیش آئے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ یَوْمًا یَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا ﴾ قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا "تبیض شعورهم من شدة یوم القیامة" قیامت کے دن کی ہولناکی کی وجہ سے بچوں کے بال بھی سفید ہوں گے، یہ ابتدائی قیامت کے دن کی بات ہے جنت میں اور صورت ہو گی، جس کا ذکر آگے انشاء اللہ آئے گا۔

(روح المعانی، خزائن العرفان)

قیامت کا زلزلہ شدید ہو گا

﴿ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ...... الآیة ﴾ (پ ۱۷)

اے لوگو ڈرو! اپنے رب سے۔ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو گے کہ غافل ہو جائیگی ہر دودھ پلانے والی اس سے جس کو اس نے دودھ پلایا اور

گرادے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بڑا سخت ہوگا، (وہ اس کی ہیبت سے حواس باختہ ہوں گے)

(۲۲/۲،۱، پارہ ۱۷ سورۃ الحج)

وقوع قیامت کے ہولناک مناظر کو مختلف انداز میں مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے یہاں بھی اس خوف دہشت کا ذکر ہو رہا ہے جس سے انسان اس وقت دوچار ہوگا جب اس نظام عالم کو درہم برہم کر دیا جائے گا، حضرت ابو ہریرہؓ کی طویل حدیث کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو جائے گا۔

حضور کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسرافیل تین مرتبہ صور پھونکیں گے " الاولیٰ نفخة الفزع والثانية نفخة الصاعقة والثالثة نفخة القيام لرب العالمين " یعنی جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو ساری کائنات کے درہم برہم ہونے کی وجہ سے گھراہٹ اور پریشانی طاری ہو جائے گی۔ دوسری مرتبہ ساری کائنات موت کی نیند سو جائے گی، اور جب تیسری مرتبہ صور پھونکیں گے تو سب اپنی قبروں سے اٹھ کر بارگاہ رب العالمین میں حاضر ہو جائیں گے جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو زمین جھٹکے کھانے لگے گی اور جس طرح کشتی سمندر میں ہچکولے کھاتی ہے، اور چاروں طرف سے موجیں اسے تھپیڑے مارتی ہیں یا جس طرح کوئی لٹکی ہوئی قندیل آندھی میں حرکت کرتی ہے " فتكون الارض كالسفينة الموبقة فى البحر تضربها الامواج تكفأ ها باهلها و كالقنديل المعلق بالعرش ترجحه الارياح "اس وقت جو مائیں بچوں کو دودھ پلا رہی ہوں گی انہیں اپنے بچے بھول جائیں گے جو عورتیں حاملہ ہوں گی خوف کے مارے ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے ۔

(تفسیر ابن کثیر)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ان آیات میں جس زلزلہ کی ہولناکیوں کا تذکرہ ہے وہ اس وقت جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا "هى الزلزلة المعروفة التى هى احدى شرائط الساعة التى تكون فى الدنيا قبل يوم القيامة هذا قول الجمهور" ۔

(تفسیر قرطبی)

[illegible]

فصل دوم

قیامت کی ہولناکیاں

آسمان پھٹ جائیں گے زمین ہموار ہو جائے گی

﴿ اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَافِيْهَا وَتَخَلَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴾

(۸۴/ ۵-۱ ۔ پ ۳۰ انشقاق)

یاد کرو جب آسمان پھٹ جائے گا اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان، اس پر فرض بھی یہی ہے اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی۔ اور کان لگا کر سنے گی اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے۔

اذنت لربھا : " ای استمعت له تعالیٰ یقال اذن اذا سمع "

یعنی آسمان اللہ تعالیٰ کی بات سنیں گے، جب کوئی کلام کو توجہ سے سنیں تو کہا جاتا ہے "اذن" " والاستماع هنا مجاز عن الانقیاد والطاعة" یہاں استماع کا معنی مطیع و فرماں بردار ہونا، یعنی آسمان صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے پھٹ جائیں گے ورنہ وہ کوئی بوسیدہ نہیں ہوں گے ان میں کسی قسم کا شگاف نہیں ہوگا۔ اور ان کا حق بھی یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کریں کیونکہ موجودات عالم (جہاں) میں سے کسی چیز کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔

زمین بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرماں برداری کرتے ہوئے ہموار ہو جائے گی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، ٹیلے ختم ہو جائیں گے۔ ہموار میدان ہو جائے گی اس میں کوئی نشیب و فراز نہیں رہے گا، بلکہ زمین کی وسعت اس طرح بڑھ جائے گی جس طرح چمڑا کوٹنے سے پھیل جاتا ہے۔

زمین میں تمام مدفون چیزیں باہر آجائیں گی۔ مردہ لوگ ہوں یا خزانے ہوں تمام کو زمین

اپنے اندر سے باہر پھینک دے گی ۔ لیکن نبی کریم ﷺ کو پیار سے باہر نکالے گی۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" انااول من تنشق عنه الارض فاجلس جالسا فی قبری وان الارض تحرك بی فقلت لها مالك فقالت ان ربی امرنی ان القی ما فی جوفی وان اتخلی فاکون کما کنت اذ لاشئی فیّ "

سب سے پہلے مجھ پر زمین پھٹے گی مجھے اپنی قبر میں بٹھایا جائے گا اور زمین مجھے حرکت دے گی ، میں اسے کہوں گا تجھے کیا ہوا ؟ وہ کہے گی بیشک میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میرے اندر جو کچھ ہے میں اسے باہر نکال دوں اور جس طرح مجھ میں پہلے کوئی چیز نہیں تھی اسی طرح میں خالی ہو جاؤں۔

(تفسیر روح المعانی)

خیال رہے ! جس طرح سکرات موت اور قبر کے احوال میں مومنین اور کفار کا فرق بیان کیا جاچکا ہے ۔ اسی طرح زمین کے نکالنے میں بھی فرق رہے گا ۔ انبیاء کرام اور دوسرے متقین کو زمین آرام سے باہر نکالے گی اور کفار کو ایسے باہر پھینک دے گی جیسے کسی حقیر چیز کو پھینک دیا جاتا ہے ۔

قیامت کے ہولناک مناظر

﴿ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴾

(پ ۳۰ سورہ تکویر)

یاد کرو جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب پہاڑوں کو اکھیڑ دیا جائے گا اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی ، اور جب وحشی جانور یکجا کر دیئے جائیں گے ، اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔

وقوع قیامت کے وقت جو ہولناک تغیرات رونما ہوں گے ان کا ذکر کیا جارہا ہے تاکہ لوگ

خواب غفلت سے آنکھیں کھولیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کریں تاکہ اس روز انہیں اپنے اعمال پر پریشانی اور پشیمانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

نظام شمس میں آفتاب کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں جب ابھرتا ہے تو اس کی کرنیں اندھیروں میں ڈوبی ہوئی دنیا کو آناً فاناً منور کر دیتی ہیں، اس کی حرارت سے زمین تانبے کی طرح تپ جاتی ہے، لیکن اسی روز اس کی نور افشانی کرنے والی کرنیں، اس کے ارد گرد لپیٹ دی جائیں گی، اس کی تیز رفتار شعاعوں کو زنجیر بپا کر دیا جائے گا اور جب یہ منبع نور بے نور ہو جائے گا تو اس وقت جو اندھیرا پھیلے گا وہ کس قدر گہرا اور کتنا بھیانک ہوگا اس کا صرف تصور ہی ہوش ربا ہے۔

جب کوئی شخص اپنی لمبی دستار (پگڑی) کو سر کے ارد گرد لپیٹ لیتا ہے تو عرب کہتے ہیں "کار العمامة علی الرأس" اسی سے کورت لیا گیا جو تکویر باب تفعیل سے ہے (لپیٹ دیا جائے گا) سورج کے بعد ستاروں کی حالت زار بیان کی جا رہی ہے کہ وہ تیزی سے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر جائیں گے انکدر، اسرع، انقض، ٹوٹنا، وانکدرت النجوم، تناثرت (ستارے بکھر جائیں گے) وہ قانونِ کشش ستارے اپنی اپنی جگہ سے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے، بعض نے انکدرت کا معنی مکدر ہونا، بے نور ہونا کیا ہے۔ یعنی ستاروں کی چمک ختم ہو جائے گی۔

اسی طرح کشش ثقل (وزن، بوجھ) بھی فنا ہو جائے گی، پہاڑوں کا وزن باقی نہیں رہے گا، ہوا کے جھونکے روئی کے گالوں کی طرح انہیں فضا میں اڑانے لگیں گے، انجام کار ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

عِشار اس گابھن اونٹنی کو بھی کہتے ہیں جس کو دسواں مہینہ ہو۔ اور وہ جلد ہی ایک بچے کو جنم دینے کے ساتھ شیر دار ہونے والی ہو، اہل عرب کو ویسے ہی اونٹ بڑے عزیز ہوتے ہیں۔ خصوصاً وہ اونٹنی جس کے حمل کو دس ماہ گذر گئے ہوں ان کے نزدیک وہ متاع گراں بہا شمار ہوتی ہے۔ وہ اس کی حفاظت اور رکھوالی پوری توجہ سے کرتے ہیں۔ لیکن قیامت کے روز لوگوں کی بدحواسی کا یہ حال ہوگا کہ ایسی قیمتی چیز کا بھی کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا، ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہوگی۔

صرف انسان ہی بدحواس نہ ہوں گے بلکہ جنگلی جانور جو انسان کی آواز سے بدکتے اور اس کے

سائے سے دور بھاگتے ہیں، وہ بھی جنگل بیابان چھوڑ کر شہروں میں آگھسیں گے۔ نہ کوئی گدھا کسی کو دولتیاں مارے گا نہ کوئی سانپ کسی کو ڈسے گا اور نہ کسی شیر کو کسی شکار کے پھاڑنے کی ہوش ہوگی۔ سب دم دبائے اوپر تلے ایک جگہ جمع ہوں گے۔

سمندروں میں اس دن پانی کی نہریں نہیں، آگ کے شعلے اٹھ رہے ہوں گے، پانی سے شعلوں کا اٹھنا تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے لیکن اگر پانی کے اجزائے ترکیبی پر نظر ڈالی جائے تو تعجب اس پر نہیں ہونا چاہئے کہ اس سے آگ بھڑکے گی۔ بلکہ حیرت اس پر ہوگی کہ پانی ڈالنے سے آگ بجھ کیوں جاتی ہے پانی دو گیسوں آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہے جو اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گے، اور ان کے بے پایاں ذخائر جو سمندروں میں پانی کی صورت میں آج ٹھاٹھیں مار رہے ہیں، وہ بھڑکتے شعلے بن جائیں گے۔

" سبحان من لا تدرك حكمه ولا يحاط بآثار قدرته"

(وہ پاک ذات ہے جس کی حکمتوں کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور اسکی قدرت کے آثار کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا)۔

(تفسیر ضیاء القرآن)

صور کیا ہوگا

اسرافیل نے جو صور پھونکنا ہے اس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا" الصور قرن ينفخ فيه" صور سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ پوری کیفیت تو نبی کریم ﷺ نے بھی بیان نہیں فرمائی کہ وہ کیسے ہوگا اور کتنا بڑا ہوگا ؟ وغیرہ لیکن اتنا معلوم ہو گیا کہ وہ سینگ کی طرح ہوگا، یعنی جس طرح مانگنے والے فقیروں کے پاس سینگ ہوتا ہے اسکو بگل کی طرح وہ بجاتے ہیں اسی طرح اسرافیل کے پاس بھی وہ صور ہوگا، اس کی کیسی آواز ہوگی جس سے دنیا ختم ہو جائے گی، پھر دوسری مرتبہ ایسی آواز ہوگی جس سے لوگ سب زندہ ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

فصل سوم

پل صراط

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ ﴾ (یاد کرو اس دن کو جب اس زمین کو اور (قسم کی) زمین سے بدل دیا جائے گا اور آسمانوں کو بھی (بدل دیا جائے گا) **فاین یکون الناس یومئذ ؟ قال: علی الصراط "**

(مسلم ، مشکوٰۃ باب النفخ فی الصور)

......(پھر پوچھا گیا) اس دن لوگ کہاں ہوں گے ؟ آپ نے فرمایا صراط پر ہوں گے۔

" والصراط حق وھو جسر ممدود علی متن جھنم "

......پل صراط سے گذرنا حق ہے۔ صراط اس پل کو کہا جاتا ہے جو جھنم کے اوپر بنایا گیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں مجھے یہ خبر ملی ہے کہ وہ پل **"ادق من الشعر و احد من السیف"** بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہو گا ۔

(صحیح مسلم)

یہ حدیث حکم مرفوع میں ہے کیونکہ قیاس سے ثابت ہونے والا یہ مسئلہ نہیں۔ یقیناً آپ نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہو گا جنت والے اس سے گذر جائیں گے جھنم والے پھسلیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ مومنوں کو اس سے آسانی سے گذار دے۔ خصوصاً جھنم والے پھسلیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی دعاء بھی ہو گی تو آپ ﷺ "رب سلم، رب سلم" میری امت کو سلامتی سے گذار دے ! عرض کر رہے ہوں گے ، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ فرماتے ہیں

رضاؔ پل سے اب وجد کرتے گذریئے ۔۔۔ کہ ہے ربِّ سلِّم صدائے محمد (ﷺ)

حضرت پیر مہر علی شاہؒ فرماتے ہیں۔

ایہا صورت شالا پیش نظر رہے وقتِ نزع تے روزِ حشر
وچ قبر تے پل تھیں جد ہوسی گذر سب کھوٹیاں تھیسن تد کھریاں

یعنی اے اللہ نبی کریم ﷺ کی صورت نزع، حشر، قبر اور پل صراط پر پیش نظر رہے، اگر آپ کی جلوہ گری نصیب ہوگئی تو کم عمل والے کھوٹے سکے بھی کھرے ہو کر کامیابی حاصل کر لیں گے۔

جس طرح مومنوں کے اعمال اور مراتب ہوں گے اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی قدرت سے ان کو گذار دے گا۔ بعض کو بجلی کی چمک کی طرح تیز، بعض کو تیز ہوا کی طرح، بعض کو تیز گھوڑے کی طرح، بعض کو پرندے کی طرح، بعض کو تیز اونٹ کی طرح بعض کو تیز دوڑنے کی طرح اور بعض کو چلنے والوں کی طرح اللہ تعالیٰ اس پل سے گذارے گا۔

لیکن گناہگار مومن بعض ایسے گذریں گے جس طرح بچہ گھسٹ گھسٹ کر چلتا ہے، بعض چہرے کے بل گذریں گے لیکن سلامتی سے گذر جائیں گے اور بعض پل صراط کے ارد گرد بچھائے ہوئے کانٹوں سے چہرے کے بل گذرتے ہوئے زخمی ہو جائیں گے اور بعض پھسل کر گریں گے، لیکن کافر تمام کے تمام ہی گریں گے، کوئی عبور نہیں کر سکے گا۔

(شرح عقائد، نبراس)



فصل چہارم

میدانِ حشر کا منظر

میدان حشر میں لوگوں کے تین گروہ بنائے جائیں گے

حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں بیشک اس ذات نے فرمایا جو صادق و مصدوق (سچے اور سچے سمجھے ہوئے) ہیں کہ میدان حشر میں لوگوں کو تین گروہوں میں جمع کیا جائے گا۔

" فوجا راکبین طاعین کاسین و فوجا یسحبھم الملائکۃ علی وجوھھم وتحشرھم النار وفوجا یمشون ویسعون "

ایک گروہ کو میدان میں لایا جائے گا ایسے حال میں کہ انہوں نے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے سوار ہوں گے، ناز و نعمت میں ہوں گے، دوسرے گروہ کو ملائکہ چہروں کے بل کھینچ رہے ہوں گے اور ان کو آگ میں ڈال دیا جائے گا، تیسرا گروہ میدان میں چل کر گھبراہٹ کی وجہ سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

وضاحت حدیث

پہلا گروہ نیک کامل مومنین کا ہوگا، ان کو بڑے پروقار طریقہ سے میدان حشر میں لایا جائے گا ان کو سواریاں بھی مہیا کی جائیں گی اور ان کو لباس بھی پہنایا جائے گا۔

اعتراض :

دوسری حدیث پاک سے واضح ہے کہ لوگ ننگے ہوں گے، ان کے جسم پر لباس نہیں ہوگا۔
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا" **یحشر الناس یوم القیامۃ حفاۃ عراۃ عزلا**" لوگوں کو قیامت کے دن پاؤں سے ننگا، جسم ننگا، بغیر لباس کے، غیر

مختون اٹھایا جائے گا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا سب مرد عورتیں ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ" الامر اشد من ان ینظر بعضھم الی بعض۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب الحشر)

وہ وقت اتنا سخت ہوگا کوئی کسی کو کیسے دیکھ سکے گا؟ یعنی اپنی اپنی فکر میں ہوگا، لوگوں کو اپنے معاملات کی فکر ہوگی۔ کسی کا ایک دوسرے کو دیکھنا ممکن ہی نہیں ہوگا۔

جواب

" والحاصل ان رکوب بعض الخواص من الانبیاء والاولیاء ثابت فی الحشر بعد البعث ایضا وان حدیث یبعثون حفاۃ عراۃ بناء علی اکثر الخلق "

(مرقاۃ ج ۱۰ ص ۲٦۰)

حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء کرام میں سے خواص کو اٹھنے کے بعد حشر میں بھی سواریاں حاصل رہیں گی اور جس حدیث پاک سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ لوگوں کو پاؤں اور جسموں سے ننگا اٹھایا جائے گا اس سے مراد اکثر لوگ ہیں کل نہیں۔

دوسرا گروہ کفار کا ہوگا فرشتے ان کو اندھا کر کے چہرے کے بل گھسیٹیں گے، نہایت ذلیل و خوار کریں گے، اس وقت تک ان کے ساتھ رہیں گے پیچھا نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ ان کو جھنم میں نہ پہنچادیں، تیسرا گروہ گناہگار مومنین کا ہوگا وہ میدان حشر کی طرف چل کر جا رہے ہوں گے لیکن تیز تیز ڈر کے مارے چل رہے ہوں گے، ان کا چلنا پروقار اور آرام سے نہیں ہوگا بلکہ جس طرح خوف زدہ آدمی تیز تیز چلتا ہے کبھی آگے دیکھتا ہے کبھی پیچھے یہ ان کی کیفیت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ساق کھولنا

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

" یکشف ربنا عن ساقه ویسجد له کل مؤمن ومؤمنة ویبقی من کان یسجد فی الدنیا ریاء وسمعة فیذھب یسجد فیعود ظھرہ طبقا واحدا "

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب الحشر)

جس دن ہمارا رب اپنی ساق (جو اس کی شان کے لائق ہے) کھولے گا، تمام مومن مرد اور

عورتیں اسے سجدہ کریں گے وہ لوگ سجدہ کرنے سے باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں ریاء کاری اور چرچا کرنے کے لئے سجدہ کریں گے وہ سجدہ کرنے سے باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں ریاء کاری اور چرچا کرنے کے لئے سجدہ کرتے رہے وہ سجدہ کرنے حاضر ہوں گے واپس لوٹ آئیں گے، ان کی پیٹھ ایک ہی حصہ ہو جائے گی ۔ یعنی پیٹھ میں جھکنے کی طاقت ہی نہیں رہے گی۔

وضاحت حدیث

ساق کا معنی ہے پنڈلی۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسم اور اعضاء سے پاک ہے اس لئے کچھ حضرات نے ساق کھولنے کا معنی کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی تجلیات کا ظہور فرمائے گا اور بعض حضرات نے معنی کیا ہے جب اللہ تعالیٰ شدت اور تکالیف کو دور فرمائے گا

(مرقاۃ المفاتیح)

قرآن پاک میں ﴿ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ ﴾ کا معنی اعلیٰ حضرت نے کیا ہے۔ ''جس دن ایک ساق کھولی جائے گی (جس کا معنی اللہ ہی جانتا ہے)'' ...... لیکن باقی ترجمے ...... ''جس دن کہ کھولی جائے پنڈلی'' (از محمود الحسن صاحب) ''جس دن کھولی جاوے پنڈلی'' (شاہ عبد القادر صاحب) ''جس دن پنڈلی سے کپڑا اٹھا دیا جائے گا'' (فتح محمد صاحب) ...... یہ سب ترجمے غلط ہیں۔ صرف اعلیٰ حضرت کا ترجمہ درست ہے میں نے اپنی کتاب **تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان** میں تین صد دس (۳۱۰) مقامات پر واضح کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کنز الایمان کے مقابل کوئی ترجمہ نہیں۔

زندگی کو غنیمت سمجھو!

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" مامن احد یموت الا ندم قالوا وما ندامة یارسول اللہ قال ان کان محسنا ندم ان لایکون ازداد وان کان سیئا ندم ان لایکون نزع "

(ترمذی ، مشکوٰۃ باب الحشر)

ہر مرنے والا شخص نادم (پشیمان) ہوگا۔ صحابہ کرام نے پوچھا یارسول اللہ کیا ندامت ہوگی؟

آپ نے فرمایا اگر نیک ہوا تو وہ کہے گا میں نے زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کی تھیں (آج مرتبہ اور بلند ہوتا) اور اگر گناہگار ہوا تو اس کو ندامت ہوگی کہ میں (برائیوں سے) کیوں نہیں رکا تھا۔

" فاغتنموا الحياة قبل الموت واستبقوا الخيرات قبل الفوت "

(مرقاۃ)

زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو اور فوت ہونے سے پہلے نیکیاں کر لو۔

سورج کا قریب ہونا

حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا : قیامت کے دن سورج لوگوں کے قریب ہو جائے گا، یہاں تک کہ ان سے ایک میل کی مقدار پر ہوگا۔ لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ڈوبے ہوں گے۔

" فمنهم من يكون الى كعبيه ومنهم من يكون الى ركبتيه ومنهم من يكون الى حقويه ومنهم من يلجمهم العرق الجاما واشار رسول الله ﷺ بيده الى فيه "

(مسلم ، مشکوٰۃ باب الحشر)

بعض لوگ اپنے ٹخنوں تک پسینہ میں ہوں اور بعض اپنے گھٹنوں تک اور بعض ازار بند (سلوار باندھنے) کی جگہ تک اور بعض لوگ پسینہ میں مکمل طور پر ڈوبے ہوں گے۔ آپ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ یہاں تک پسینہ میں ہوں گے۔



فصل پنجم

حوضِ کوثر

حوض دو ہیں ایک میدان حشر میں اور ایک جنت میں دونوں کا نام کوثر ہے، حشر والے کو اس لئے کوثر کہا گیا ہے کہ اس کا منبع وہی نہر کوثر ہے جو جنت میں ہے "ثم الصحیح ان الحوض قبل المیزان" پھر صحیح یہ ہے کہ حوض میزان سے پہلے ہوگا؛ کیونکہ لوگ قبروں سے پیاسے نکلیں گے حوض پر میزان سے پہلے آئیں گے، اسی طرح ہر نبی کا حوض ہوگا۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

"ان لکل نبی حوضا وانهم یتباهون ایهم اکثر وارده وانی ارجو ان اکون اکثرهم وارده"

(ترمذی)

ہر نبی کا حوض ہوگا وہ اس پر فخر کریں گے کس کے حوض پر لوگ زیادہ آتے ہیں؟ مجھے امید ہے کہ میرے حوض پر سب سے زیادہ لوگ آئیں گے۔

(مرقاۃ باب الحوض والشفاعۃ)

کافروں کو حوض سے دور کرنا

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

"انی لاصد الناس عنه کما یصد الرجل ابل الناس عن حوضه"

میں لوگوں کو حوض سے اس طرح روک رہا ہوں گا جس طرح کوئی شخص اپنے حوض سے لوگوں کے اونٹوں کو روک رہا ہو۔

(مسلم، مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ)

اس سے مراد کفار، مرتدین اور منافقین ہیں۔ یہ حوض وہی ہے جو محشر میں ہوگا۔ یہاں تک کفار جانے کی کوشش کریں گے لیکن انہیں منع کر دیا جائے گا۔ لیکن جنت والے حوضِ کوثر تک کفار جا ہی نہیں سکیں گے۔

کوثرِ جنت

حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا میں ایک مرتبہ (شب معراج کو) جنت کی سیر کر رہا تھا۔ میں ایک نہر پر پہنچا جس کے کناروں پر موتیوں کے خیمے تھے (یعنی ایک ایک موتی اتنا بڑا جو خیمہ کی مانند تھا) اندر سے خالی، میں نے کہا جبرائیل یہ کیا ہے؟ تو جبرائیل نے کہا" هذا الكوثر الذى اعطاك ربك "یہ وہ کوثر ہے جو آپ کو رب تعالیٰ نے عطاء کی ہے، اس کی مٹی بہت ہی زیادہ خوشبودار ہو گی۔

قرآن پاک میں ﴿ اِنَّا اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ﴾ میں بھی ایک معنی یہ ہی ہے کہ بیشک ہم نے آپ کو حوض کوثر عطا کیا اور کئی معانی ہیں۔ ان تمام کی تفصیل حضرت استاذی المکرّم علامہ محمد اشرف سیالوی کی کتاب "کوثر الخیرات" میں مذکور ہے ۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

مرتدوں کو حوض سے دور کرنا

حضرت سھل بن سعدؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حوض پہ پہلے جاؤں گا ۔ جو وہاں سے گذرے گے وہ پئے گا اور جس نے ایک مرتبہ پی لیا وہ کبھی پیاسا نہیں ہو گا۔ کچھ قومیں آئیں گی وہ مجھے پہچانیں گی میں انہیں پہچانوں گا لیکن میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا (یعنی ان کو مجھ سے دور کر دیا جائے گا) میں کہوں گا بے شک یہ تو میرے ہیں۔ کہا جائے گا تمہیں معلوم نہیں۔ ما احدثوا بعدك فاقول سحقا سحقا لمن غير بعدى ۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب الحوض الشفاعۃ)

انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا دین میں تغیّر (تبدیلیاں) کئے تھے؟ تو میں کہوں گا ایسے لوگ برباد ہو جائیں۔ برباد ہو جائیں جنہوں نے میرے بعد دین میں تبدیلیاں کیں۔

قیامت کے دن افراتفری

﴿ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ...... الآیۃ ﴾ (پ ۳۰ عبس)

پھر جب آئے گی وہ کان پھاڑنے والی چنگھاڑ اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور زوجہ اور بیٹوں سے، ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک فکر ہو گی وہی ان کو سب سے بے پرواہ کر دے گی۔ کتنے ہی چہرے اس دن روشن ہوں گے ہنستے خوشیاں مناتے اور کتنے چہروں پر اس دن گرد پڑی ہو گی، ان پر سیاہی چڑھ رہی ہو گی یہ وہی ہیں کافر بدکار۔



فصل ششم

شفاعت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا لوگ بہت پریشان حال ہوں گے ایک دوسرے کی طرف کبھی توجہ کریں گے اور کبھی پیٹھ پھیریں گے۔ سب لوگ آدمؑ کے پاس آئیں گی عرض کریں گے آپ اپنے رب کے پاس شفاعت (سفارش) کریں تا کہ وہ حساب کا حکم دے پھر جو اس نے ثواب یا عذاب دینا ہے دے دے۔ وہ کہیں گے "لست لها" میں اس کا حقدار نہیں یا میں اس کے لئے مختص نہیں۔ لیکن تم ابراہیمؑ کو اپنا سفارشی بناؤ "وتوسلوا به" اور ان کا وسیلہ پکڑو، کیونکہ وہ رحمٰن کے خلیل ہیں، تمام لوگ ابراہیمؑ کے پاس آئیں گے وہ بھی کہیں گے "لست لها" میں تو اس کا حقدار نہیں، لیکن تم موسیٰؑ سے شفاعت طلب کرو ان کا وسیلہ پکڑو اس لئے کہ وہ اللہ کے کلیم ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ اس مقام پر کلام کر سکیں۔ تو سب لوگ موسیٰؑ کے پاس آئیں گے وہ بھی کہیں گے "لست لها" میں تو اس کا حقدار نہیں البتہ تم عیسیٰؑ کے پاس جاؤ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جب عیسیٰؑ کے پاس آئیں گی وہ بھی کہیں گے "لست لها ولكن عليكم بمحمد" میں تو اس کا حقدار نہیں البتہ تم محمد مصطفیٰ ﷺ سے اپنی شفاعت طلب کرو اور ان کو ہی وسیلہ بناؤ کیونکہ وہ خاتم النبین اور سید المرسلین ہیں، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں وہ میرے پاس آئیں گے "فاقول انا لها" تو میں کہوں گا ہاں میں ہی حقدار ہوں۔ میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا مجھے اجازت دی جائے گی اور مجھے خصوصی محامد (اللہ کی تعریف کے لئے کلمات) اس وقت الہام کئے جائیں گے جو اس وقت میرے ذہن میں حاضر نہیں ہوں گے، میں انہیں القاء کئے ہوئے کلمات سے رب تعالیٰ کی تعریف کروں گا، اور اس کے حضور سجدہ کے لئے جھک جاؤں گا تو رب تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا "یا محمد ارفع راسك وقل تسمع وسل تعطه واشفع تشفع" اے محمد سر اٹھاؤ، عرض کرو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو شفاعت قبول کی جائے گی۔

(مشکوٰۃ مع مرقاۃ باب الحوض والشفاعۃ)

نبی کریم ﷺ کے پاس آخر میں آنے کی حکمت

شیخ محی الدینؒ نے فرمایا کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ڈالے گا کہ وہ آدمؑ کے پاس آئیں اور پھر دوسرے انبیاء کرام کے پاس (کوئی نبی بھی سوائے عیسیٰؑ کے آپ کی طرف جانے کی راہنمائی نہیں کرے گا) ابتدائی طور پر ہی نبی کریم ﷺ کے پاس جانے کی راہنمائی نہیں کی جائے گی تاکہ آپ کی فضیلت ظاہر ہو جائے۔

" فانهم لو سالوه ابتداء لكان يحتمل ان غيره يقدر على هذا "

اس وجہ سے کہ اگر آپ سے پہلے ہی سوال کر لیا جاتا اور آپ شفاعت فرما لیتے تو لوگوں کو خیال گذرتا کہ شائد کسی اور نبی کے پاس بھی جاتے تو وہ بھی شفاعت کر دیتے۔

لیکن جب وہ تمام جلیل القدر انبیاء کرام سے سوال کریں گے وہ انکار فرما دیں گے تو اب ان پر واضح ہو جائے گا" فهو النهاية في ارتفاع المنزلة و كمال القرب "یہی وہ ہستی ہے جس کا اعلیٰ مرتبہ اور رب تعالیٰ کا قرب حاصل ہے جن کو تمام مخلوق، رسولوں اور مقرب فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

(مرقاۃ ج ۱۰ ص ۲۷۸)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ اس مضمون کو خوب انداز میں پیش فرماتے ہیں :

خلیل و نجی ومسیح و صفی سبھی سے کہی، کہیں نہ بنی
یہ بے خبری! کہ خلق پھری، کہاں سے کہاں تمہارے لئے

حضرت پیر مہر علی شاہؒ فرماتے ہیں :

یعطیك ربك داس تساں ، فترضیٰ تھیں پوری آس اساں
لج پال کریسی پاس اساں ، واشفع تشفع صحیح پڑھیاں

یعنی حضرت نوح نجی اللہ، حضرت عیسیٰؑ مسیح اللہ اور حضرت آدم صفی اللہ سب کو کہا کہیں سے بھی شفاعت قبول کرنے بات نہ بن سکی ۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مقصد تو

آپ کے پاس لانا تھا لیکن پہلے مخلوق کو بے خبری کے عالم میں تمام کے پاس پھرایا گیا، پھر آپ کے پاس لایا گیا، تاکہ آپ کی شان کریمی اور قرب رب ایزدی سب پر واضح ہو جائے۔

بقول امام حسن رضاؒ

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانیوالی ہے

حضرت پیر مہر علی صاحبؒ کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اے محبوب آپ کو فرمایا ﴿یُعْطِیْکَ رَبُّکَ﴾ آپ کا رب آپ کو عطا کرے گا۔ ﴿فَتَرْضٰی﴾ جس سے آپ راضی ہو جائیں گے۔ ہمیں اسی ارشاد باری تعالیٰ سے امید ہے؛ کیونکہ آپ اپنے غلاموں کی لاج رکھنے والے ہیں لھذا ہمیں اس سخت امتحان سے آپ پاس کرائیں گے؛ کیونکہ ہم نے صحیح احادیث میں پڑھا ہے "واشفع تشفع"...... شفاعت کرو آپ کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا، امید ہے کہ آپ ہمیں کامیاب کرا کے ہی راضی ہوں گے۔

شفاعت کی اقسام

پہلی قسم:

" شفاعت عظمی ست که عام ست مرتمامه خلائق راو مخصوص است به پیغمبر ما ﷺ "

شفاعت عظمیٰ جو تمام مخلوق کے لئے ہوگی یہ صرف ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور تمام انبیاء کرام میں سے کسی کو بھی اس پر جرأت اور پیش قدمی کی طاقت نہیں ہوگی یہ شفاعت صرف میدان حشر سے زیادہ دیر ٹھہرنے سے خلاصی اور حساب و کتاب کے شروع کرنے کے لئے ہوگی۔

دوسری قسم:

" ازبرائی در آوردن قومے دربهشت بغیر حساب " دوسری قسم کی شفاعت ایک قوم کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کے لئے ہوگی یہ شفاعت

بھی نبی کریم ﷺ کو حاصل ہوگی بعض اہل علم کے نزدیک آپ کے ساتھ خاص ہے بعض کے نزدیک خاص تو نہیں البتہ آپ شفاعت فرمائیں گے۔

تیسری قسم :

" اقوامے کہ حسنات وسیئات ایشاں برابر باشد بامداد شفاعت بہشت درآیند " یعنی شفاعت کہ تیسری قسم یہ ہے کہ وہ قومیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی ان کو شفاعت سے جنت میں لایا جائے گا۔

چوتھی قسم :

" قومے کہ مستحق و مستوجب دوزخ شدہ باشد پس شفاعت کند وایشاں رابہ بہشت در آرد" وہ قوم جو اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کی مستحق ہو جائے گی اس کی شفاعت کر کے اسے جنت کا مستحق بنائیں گے۔

پانچویں قسم :

" برائے رفع درجات وزیادت کرامات " ۔ نیک لوگوں کے مراتب کو بلند کرنے کے لئے اور ان کی بزرگی کو زیادہ کرنے کے لئے شفاعت ہوگی۔

چھٹی قسم :

" گناہ گاراں کہ بدوزخ درآمدہ باشند بہ شفاعت برآئیند "۔
جو گناہ گار کہ دوزخ میں ڈال دئے جائیں گے ان کو شفاعت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں لایا جائے گا یہ شفاعت تمام انبیاء کرام ، ملائکہ (فرشتوں) علماء اور شہداء کو حاصل ہوگی۔

ساتویں قسم :

" دراستفتاح جنت"۔ جنت کے دروازے کھولنے کے لئے ہوگی۔

آٹھویں قسم :

" تخفیف عذاب ازانہا کہ مستحق عذاب مخلد شدہ باشند " جو لوگ

ہمیشہ کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہوں گے ان میں سے بعض کے عذاب کی تخفیف کے لئے ہو گی۔

نویں قسم :

"برائے اهل مدینه خاصه وهم برائے زیارت کنند گان قبر شریف بروجه امتیاز و اختصاص"

مدینہ والوں کی خاص کر کے اور ان لوگوں کے لئے خصوصا شفاعت ہو گی جو آپ کے روضہ مطہرہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ تمام قسم کی شفاعتیں نبی کریم ﷺ کو حاصل ہوں گی بعض قسم کی دوسرے صلحاء کو بھی حاصل ہوں گی۔

(اشعة اللمعات ج ٤ ص ٣٨٢)

نبی کریم ﷺ کا تین مقامات پر امت کی امداد فرمانا

حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ قیامت کے دن میری شفاعت فرمانا۔ آپ نے فرمایا میں شفاعت کروں گا میں نے عرض کیا میں آپ کو تلاش کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا "اطلبنی اول ما تطلبنی علی الصراط" جب تم پہلے پہلے میری تلاش شروع کرو تو مجھے پل صراط پر دیکھنا۔ میں نے عرض کیا اگر وہاں میں آپ کو نہ پاسکوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا : "فاطلبنی عند المیزان" مجھے میزان کے پاس طلب کرنا، میں نے عرض کیا اگر میری ملاقات وہاں بھی نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا : "فاطلبنی عند الحوض فانی لا اخطئی هذه الثلاث المواطن" مجھے حوض (کوثر) کے پاس طلب کرنا، بیشک میں ان تین مقاموں میں سے ہٹ کر کہیں ادھر ادھر نہیں ہوں گا۔



فصل ہفتم

میزان اور حساب و کتاب

تمام لوگوں کے اعمال کا وزن ہو گا یہ یقینی بات ہے کیونکہ قرآن پاک اور احادیث سے ثابت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ن الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُه فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ☆ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُه فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴾

(پ۸. ۸)

اس دن وزن ضرور ہو گا، جن کے (نیک اعمال) کا وزن بھاری ہوا وہی کامیاب ہوں گے، اور جن کے (نیک اعمال) ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو گھاٹے میں ڈالا۔ ان زیادتیوں کا بدلہ جو ہماری آیتوں پر تھیں۔

﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ﴾

(پ۱۷، ٤)

اور ہم عدل کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن تو کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہو گا اور اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کو۔

میزان (ترازو):۔ سے مراد وہ آلہ ہے جس سے اعمال کا اندازہ لگایا جائے گا، اگرچہ کامل کیفیت کا اندازہ لگانا تو مشکل تاہم احادیث مبارکہ سے کچھ نہ کچھ علم حاصل ہوتا ہے۔ یعنی عام ترازو کی طرح اس کے دو پلڑے اور ایک زبان اور ایک ڈنڈی ہو گی۔ ایک پلڑے میں نیکیاں رکھی جائیں گی اور دوسرے میں برائیاں۔ اگر نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو گیا تو نجات حاصل کرے گا اور اگر برائیوں والا پلڑا بھاری ہوا تو عذاب میں مبتلاء ہو گا۔ بہت ہی عظیم وہ میزان ہو گا اس کا ایک پلڑا نور کا اور دوسرا ظلمت کا ہو گا۔ تمام اہل شرع میزان کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہیں سوائے معتزلہ کے کیونکہ وہ انکار کرتے ہیں۔

(شرح عقائد، نبراس)

نامہ اعمال سب کو دیا جائے گا

﴿ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ ☆ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ☆ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾

(پ ۳۰ انفطار)

اور بے شک تم پر کچھ نگہبان ہیں معزز لکھنے والے جانتے ہیں جو کچھ تم کرو۔

انسان کے دائیں کندھے کے ساتھ وہ فرشتے ہوتے ہیں جو اس کی نیکیاں لکھتے ہیں اور بائیں کندھے کے ساتھ وہ فرشتے ہوتے ہیں جو اس شخص کی برائیاں لکھتے ہیں نیکیاں لکھنے والے برائیاں لکھنے والوں کو اس وقت تک اجازت نہیں دیتے جب وہ برائی نہ کرلے اور چھ گھڑیوں میں اس برائی کا کفارہ بھی نہ ادا کرے، اتنی مہلت دینے کے بعد وہ لکھتے ہیں۔ ہر چھوٹا، بڑا عمل وہ لکھتے ہیں " حتى الاعتقاد والعزم والتقرير و حتى الانين في المرض " یہاں تک کہ اعتقاد، تقریر اور پختہ ارادہ کسی کام کا اور مرض کی حالت میں آہ و بکا کو بھی لکھ رہے ہیں۔ و كذا يكتبان حسنات الصبي على الصحيح۔ صحیح قول یہ ہی ہے کہ وہ بچوں کی نیکیاں بھی لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ننگا رہنے سے منع کرتا ہے جو تمہارے ساتھ کراماً کاتبین فرشتے ہیں ان سے حیا کیا کرو " لايفارقونكم الا عند احدى ثلاث حاجات الغائط والجنابة والغسل " وہ تم سے کبھی جدا نہیں ہوتے سوائے تین حاجتوں کے وقت کے قضاء حاجت، جنابت اور غسل، یعنی انسان جب غسل کرتا ہے یا پیشاب، پاخانہ کرتا ہے یا جماع کرے تو ان تین وقتوں میں کراماً کاتبین انسان سے دور ہٹ جاتے ہیں لیکن ان حالتوں میں بھی انسان سے صادر ہونے والے فعل سے ان کے لکھنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، بلکہ وہ انسان کے اعتقاد قلبی پر بھی مطلع رہتے ہیں۔ کراماً کاتبین فرشتے انسان کے ساتھ موت تک رہتے ہیں، پھر قبر پر تا قیامت رہیں گے، اگر مرنے والا مومن ہو تو تسبیح و تہلیل اور تکبیر اس کی قبر پر پڑھتے رہیں گے اور ان کا ثواب اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھتے رہیں گے۔ اور اگر وہ شخص کافر ہوا تو قیامت تک اس پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔

(تفسیر روح المعانی)

﴿ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ☆ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴾ (پ۱۵، ۲)

ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگادی ہے اور اس کے لئے قیامت کے دن ایک نامہ اعمال نکالیں گے جسے کھلا ہوا پائے گا، فرمایا جائے گا کہ اپنا نامہ اعمال پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو کافی ہے۔

حضرت حسن فرماتے ہیں اے انسان تیرا کتابچہ کھلا ہوا ہے اور دو معزز فرشتے اس پر مقرر ہیں۔ایک تیری دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف " **حتی اذامت طویت صحیفتك فجلعت فی عنقك فی قبر ك حتی تجئی یوم القیامة فتخرج لك** "

(تفسیر روح المعانی)

یہاں تک کہ جب تو مر جائے گا اس وقت وہ نامہ اعمال لپیٹ کر تیری قبر میں تیری گردن کے ساتھ لگادیا جائے گا جب تو قیامت کو آئے گا تو وہ تیرے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

﴿ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ......الآیة ﴾

(پ ۱۵/ ۸۱)

اور جس دن ہم پہاڑوں کو جلائیں گے اور تم زمین کو صاف کھلی ہوئی (ہموار میدان) دیکھو گے اور ہم انہیں (تمام انسانوں کو) اٹھائیں گے تو ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے اور سب تمہارے رب کے حضور صف باندھے پیش ہوں گے ۔(انہیں کہا جائے گا) بیشک تم ہمارے پاس ویسے ہی آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار بنایا تھا بلکہ تمہارا گمان تھا کہ ہم ہر گز تمہارے لئے کوئی وقت نہ رکھیں گے اور نامہ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے ہائے خرابی ہمارے اس نامہ اعمال کو کیا ہوا؟ نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا، نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہوا ہو، اور اپنا سب کیا ان کے سامنے ہونا ہے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

" **وتحقیقه انه تعالیٰ وعد باثابة المطیع والزیادة فی ثوابه وبتعذیب المعاصی بمقدار جرمه من غیر زیادة** "

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا، اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک مطیع لوگوں کے لئے ثواب اور ان کے اعمال سے زیادہ ثواب عطاء کرنے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے وہ اپنی رحمت سے عطا فرمائے گا اور گناہگاروں کو ان کے جرائم کے مطابق ہی عذاب دے گا کسی کو جرم سے زیادہ عذاب نہیں دے گا، کسی شخص کو کوئی جرم نہ کرنے پر سزا نہیں دے گا۔وہ اعمال جن کے کرنے کا

رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان کو وہ پسند کرتا ہے ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

(تفسیر روح المعانی)

نامہ اعمال نیک لوگوں کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا

نیک لوگوں کو نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور ان پر حساب آسان کر دیا جائے گا۔

﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا وَّیَنْقَلِبُ اِلٰی اَھْلِہٖ مَسْرُوْرًا ﴾

(پ ۳۰ / انشقاق)

وہ جس شخص کو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے عنقریب آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش لوٹے گا۔

آسان حساب یہ ہو گا کہ اس پر اس کے اعمال پیش کئے جائیں گے اس کی نیکیوں کا اسے ثواب دیا جائے گا اور اس کی لغزشوں سے درگذر کیا جائے گا اسے کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہو گی۔ اس سے کوئی مطالبہ نہیں ہو گا اور کوئی حجت اس پر قائم نہیں ہو گی اور جس پر حساب مشکل ہو گا وہ ہلاکت میں پڑے گا۔

نبی کریم ﷺ تعلیم امت کے لئے دعا فرماتے تھے " اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا " اے اللہ مرے حساب کو آسان بنانا۔

وہ شخص جس پر حساب آسان ہو گا وہ اپنے گھر والے جنتی لوگوں اور اپنی حوروں کی طرف خوشی سے واپس آئے گا۔

نیک آدمی خوشی سے اپنا نامہ اعمال لوگوں کو دکھائے گا

﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَیَقُوْلُ ھَاؤُمُ اقْرَءُوْا کِتَابِیَہْ ☆ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَہْ ☆ فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ﴾

(پ ۲۹ / ۵)

تو وہ شخص جس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا کہے گا لو میرا نامہ اعمال پڑھو۔ مجھے

یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا تو وہ (اس دن) من مانی خوشی اور چین میں ہوگا۔

" یحتمل ان ینادی اصحابه مثلا لیقرؤا کتابا فیجیئهم لمزید فرحه ونشاطه "
(از روح المعانی)

وہ اپنے احباب کے پاس اپنا نامہ اعمال لائے گا کہ وہ بھی اسے پڑھیں کیونکہ وہ اس دن بہت زیادہ خوش ہوگا۔

برے لوگوں کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا

﴿ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَہٗ وَرَاءَ ظَھْرِہٖ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ☆ وَیَصْلٰی سَعِیْرًا ☆اِنَّہٗ کَانَ فِیْ اَھْلِہٖ مَسْرُوْرًا ☆ اِنَّہٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ☆ بَلٰی اِنَّ رَبَّہٗ کَانَ بِہٖ بَصِیْرًا ﴾
(پ ۳۰ انشقاق)

اور وہ جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے دیا جائے گا وہ عنقریب موت مانگے گا اور بھڑکتی آگ میں جائے گا، بے شک وہ اپنے گھر میں خوش تھا وہ سمجھا کہ اسے پھرنا نہیں۔ ہاں کیوں نہیں بے شک اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے۔

" تغل یمناه الی عنقه وتجعل شماله وراء ظهره فیؤتی کتابه بشماله "
(روح المعانی)

ان کے دائیں ہاتھ کو ان کی گردن سے باندھ دیا جائے گا اور بائیں ہاتھ کو پیٹھ کے پیچھے کر دیا جائے گا اور نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

برا شخص کہے گا کاش میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا جاتا

﴿ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَہٗ بِشِمَالِہٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتَابِیَہْ ☆ وَلَمْ اَدْرِ مَاحِسَابِیَہْ ☆ یٰلَیْتَھَا کَانَتِ الْقَاضِیَۃَ ☆ مَآاَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَہْ "
(پ ۲۹ / ۵)

اور وہ شخص جسے نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کاش مجھے میرا نامہ اعمال نہ دیا جاتا اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے ہائے کسی طرح موت قصہ چکا ہوتی، میرا مال بھی میرے کچھ کام نہ آیا۔

انسان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی، اس کے اعضاء گواہی دیں گے

حضرت انسؓ فرماتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کے پاس تھے آپ مسکرائے، آپ نے فرمایا تمہیں میرے مسکرانے کی وجہ معلوم ہے۔ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا میرے (مسکرانے کی وجہ) بندے کا اپنے رب سے خطاب ہے جو کہہ رہا ہے اے میرے رب تو نے مجھے ان گناہوں سے جو مجھ پر عذاب کا سبب ہیں کیوں نہیں بچایا۔ رب تعالیٰ فرما رہا کیوں نہیں۔ حضور نے فرمایا وہ شخص کہہ رہا ہے کہ میں اپنے آپ پر سوائے اپنی جنس کے کسی کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ مجھ پر گواہی دے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج تیرا نفس ہی تجھ پر گواہی دینے کے لئے کافی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

" فیختم علی فیه فیقال لارکانه انطقی قال فتنطق باعماله "

اس شخص کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء کو کہا جائے گا تم بولو وہ بول کر اس کے اعمال بتائیں گے۔

(مشکوٰة باب المیزان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

(پ ۲۴/ ۱۷)

ان کے کان ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے سب ان پر ان کے کئے ہوئے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اعضاء کو یہ طاقت عطا فرمادے گا کہ وہ بول کر اس کے ہر قسم کے اعمال کا تذکرہ کر دیں گے۔ جس جس عضو سے جو کام کیا ہوگا وہ عضو اس کام کے متعلق بتائے گا کہ اس شخص نے مجھے یہ کام کیا تھا۔

﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾

(پ ۲۴/ ۹۷)

اور تم اس سے کہاں چھپ کر جاتے کہ تم پر گواہی دیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے چمڑے لیکن تم تو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اللہ تمہارے بہت سے کام نہیں جانتا۔

باب ہفتم :

احوالِ جنت

فصل اول :

شفیعِ محشر

جنت کا دروازہ نبی کریم ﷺ کھلوائیں گے۔ نبی کریم ﷺ کی مقام محمود پر جلوہ گری ہو گی آپ شفاعت فرمائیں گے۔ آپ کی آٹھ قسم کی شفاعتوں کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "جنت کا دروازہ آپ کی وجہ سے ہی کھلے گا"۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" اٰتی باب الجنة یوم القیامة فاستفتح فیقول الخازن: من انت ؟ فاقول محمد فیقول بك امرت ان لا افتح قبلك "

(مسلم ، مشکوٰة باب فضائل سیدالمرسلین)

میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور کہوں گا کہ دروازہ کھول دیا جائے ۔ خازن جنت کہے گا تم کون ہو؟ میں کہوں گا "محمد" وہ کہے گا ہاں مجھے آپ کے لئے حکم دیا گیا تھا کہ میں آپ سے پہلے کسی کے لئے دروازہ نہ کھولو ۔

تمام انبیائے کرام نبی کریم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" الا انا حبیب الله ولا فخر وانا حامل لواء الحمد یوم القیامة تحته آدم ومن دونه ولا فخر وانا اول من یحرك حلق الجنة فیفتح الله لی فید یھا ومعی فقراء

المومنين ولا فخر وانا اكرم الاولين والآخرين على الله ولا فخر "
(ترمذی ، دارمی ، مشکوٰۃ باب فضائل)

خبر دار ! میں اللہ کا حبیب ہوں۔ مجھے اس پر فخر نہیں، قیامت کے دن لواء الحمد (حمد و شفاعت کا جھنڈا) میرے ہاتھ میں ہی ہو گا۔ آدمؑ اور ان کے بغیر تمام نبی اس کے نیچے ہوں گے ۔ مجھے اس پر کوئی فخر نہیں سب سے پہلے جنت کے دروازوں کی کنڈیوں کو میں ہی حرکت دوں گا۔ اللہ تعالیٰ میرے لئے ہی دروازے کھولے گا۔ سب سے پہلے مجھے ہی جنت میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ فقراء (غریب) مومنین بھی ہوں گے۔ مجھے اس پر کوئی فخر نہیں میں ہی اگلے اور پچھلوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مکرم ہوں گا۔ مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" انا سيد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر وبيدى لواء الحمد ولا فخر و ما من نبى يومئذ آدم ومن سواه الا تحت لوائى "

(سنن ترمذی)

میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہی ہو گا مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ آدمؑ اور آپ کے سواء تمام نبی میرے ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے یعنی نبی کریم ﷺ نے اپنے یہ کمالات بیان حقیقت کے لئے ذکر فرمائے، فخر و تکبر کے طور پر نہیں۔

آج بھی نبی کریم ﷺ کو سرداری حاصل ہے لیکن آج انکار بھی کیا جاتا ہے قیامت کا ذکر فرمایا کیوں کہ وہاں کسی کو انکار کرنا ممکن نہیں ہو گا بلکہ سب ہی آپ کے محتاج ہوں گے۔ " سید" کہتے ہی اسے ہیں جو تمام سے فوقیت (برتری) رکھتا ہو اور لوگ اپنے مصائب و آلام میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔ میں نے اپنی کتاب " شمع ہدایت " میں اس کی کافی وضاحت کی ہے۔ یہ کتاب خیال سے بہت بڑھ گئی اس لئے اب بہت اختصار سے کام لے رہا ہوں۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے ستائیس صحابہ سے حدیث شفاعت مروی ہونے کی تصدیق کی ہے، لیکن ان صریح احادیث صحیحہ کے باوجود معتزلہ اور خوارج نے شفاعت کا انکار کیا۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث متواتر ہے (یعنی انا سید ولد آدم الخ) پس بڑا

بدعت ہے وہ آدمی جو شفاعت کا منکر ہے: "قال السیوطی هذا حدیث متواتر فتعسر من انکر الشفاعة"۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت فاروق اعظم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں فرمایا:

"انه سیکون فی هذه الامة قوم یکذبون بعذاب القبر ویکذبون بالشفاعة"

کہ اس امت میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جو عذاب قبر کی بھی تکذیب کریں گے اور شفاعت کا بھی انکار کریں گے۔ آج سے پہلے بھی اس کا انکار معتزلہ اور خارجیوں نے کیا اور آج بھی ایک طبقہ بڑی شدومد سے اس کا منکر ہے اور جب دلائل صحیحہ کے باعث انکار نہیں کر سکتے تو شفاعت کا ایسا مفہوم بیان کرتے ہیں جس میں شان مصطفیٰ کا انکار پایا جاتا ہے لیکن انہیں یہ جسارت کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ آج جو شفاعت کا انکار کرے گا وہ کل اس سے محروم کر دیا جائے گا۔

(ضیاء القرآن پ ۱۵/ ۹)



فصل دوم

جنت کے طبقات

جنت کے آٹھ طبقے ہیں :

(۱) جنت الفردوس (۲) جنت عدن (۳) جنت ماویٰ (٤) دار الخلد
(٥) دار السلام (٦) دار المقامة (۷) علیین (۸) جنت نعیم .

(تفسیر عزیزی پ ۱)

جس طرح انسانوں کے اعمال ہوں گے اسی طرح انہیں جنت میں مقام عطا کیا جائے گا۔ جتنے اعلیٰ اعمال ہوں گے ان کے مطابق ہی جنت میں مقام رفعت وبلندی ہوگی۔

حضور ﷺ جب کہ سید الکائنات ہیں تو اسی وجہ سے آپ کو مقام محمود ، وسیلہ ، فضیلہ حاصل ہوگا۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق آپ کو عرش معلیٰ پر جلوہ گر کیا جائے گا۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں :

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکان وہ خدا ہے جسکا مکاں نہیں
سر عرش پہ ہے تیری گذر دل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت وملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

مولانا حسن رضا بریلویؒ فرماتے ہیں :

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر میں
کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :

" ونیز آمده است که آنحضرت ﷺ رابرعرش بنشانند وخلعت خاص از حله خضراء بپوشانند واذن هند که هر چه خواهد بگوید و هر چه رضاء اوست بخواهد آن روز معلوم شود که مقامِ محمدی چیست ؟ وصدر و سلطان آن مجلس و معرکه کیست ؟ "

(اشعة اللمعات)

اور روایات میں یہ بھی آیا ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو عرش پر بٹھایا جائے گا اور خاص لباس سبز جوڑا پہنایا جائے گا اور آپ کو اجازت دی جائے گی کہ جو چاہتے ہو کہو اور جو پسند کرتے ہو وہی طلب کرو ! اس دن معلوم ہو جائے گا کہ " مقام محمدی " کیا ہے اور اس محفل اور معرکہ کے صدر و بادشاہ کون ہیں ؟

حقیقت تو یہ ہے کہ اس دن حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کی شان کریم کو سبھی مان جائیں گے ، آپ کے سواء کہیں اور مقام پناہ نہیں ملے گا ، آپ کے بغیر کوئی اور شفاعت کرنے والا نہیں ملے گا ۔ لیکن یہاں نہ ماننے والا وہاں رحمت خاصہ سے محروم رہے گا جس طرح وہاں تمام ہی رب کی ربوبیت کو مان جائیں گے لیکن فائدہ صرف ان کو ہی ہوگا جنہوں نے دنیا میں مانا۔

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں۔

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام ☆ للّٰہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا
آج لے پناہ ان کی آج مدد مانگ ان سے ☆ پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

نیک لوگوں کی شفاعت سے گناہگار جنت میں جائیں گے

حضرت انسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم والوں کی صف بنی ہوگی وہاں سے ایک جنتی شخص کا گذر ہوگا، ان میں سے ایک شخص کہے گا اے فلاں شخص

" اماتعرفنی انا الذی سقیتك شربة وقال بعضهم انا الذی وهبت لك وضوأ فیشفع له فیدخله الجنة "

(ابن ماجه ، مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعة)

کیا تو نے مجھے پہچانا نہیں ؟ میں وہی شخص ہوں جس نے تمہیں ایک مرتبہ (پانی وغیرہ) پلایا

تھا۔ ان میں سے اور ایک شخص کہے گا میں نے تمہیں وضوء کے لئے پانی دیا تھا۔ وہ شخص ان کے لئے شفاعت کرے گا تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

وضاحتِ حدیث

جہنمیوں سے مراد کفار نہیں بلکہ مومن گناہگار، فاسق فاجر مراد ہیں۔ وہ جنتی لوگوں یعنی نیک علماء اور اولیائے کرام، صوفیائے عظام کے راستے میں اس طرح صف بنا کر کھڑے ہوں گے جس طرح فقراء لوگ اغنیاء کے راستے میں سوال کرنے کی غرض سے صف باندھے کھڑے ہوتے ہیں۔ جنتی لوگ وہاں سے گذریں گے ان کو پہچاننے والے گناہگار اپنے اپنے امداد کے ذرائع کی یاد دلائیں گے۔ کوئی کہہ رہا ہوگا "میں نے تمہیں پینے کے لئے پانی یا دودھ وغیرہ عطا کیا تھا" کوئی کہہ رہا ہوگا "میں نے تمہیں وضوء کے لئے پانی دیا تھا" کوئی کہہ رہا ہوگا "میں نے تمہیں ایک لقمہ دیا تھا" کوئی کہہ رہا ہوگا "میں نے تمہیں کپڑا دیا تھا"، کوئی کسی قسم کی اپنی معاونت کی ہوگی تو وہ بھی اس کا تذکرہ کر رہا ہوگا اور اگر کسی نے کوئی ایک پاکیزہ کلمہ سے کسی کو نصیحت کر کے فائدہ پہنچایا تھا تو اس کا بھی وہ تذکرہ کرے گا۔ غرضیکہ جنتی لوگ اپنی اپنی جان پہچان والے معاونین کی شفاعت کریں گے، وہ گناہگار، مجرمین بھی خوش قسمت ہوں گے جو جنتی لوگوں کی شفاعت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

" فیه تحریض علی الاحسان الی المسلمین لا سیما مع الصلحاء والمجالسة معهم و محبتهم فان محبتهم زین فی الدنیا ونور فی العقبی "

(مرقاۃ المفاتیح)

اس میں مسلمانوں کو اس بات پر برانگیختہ کیا (ابھار) گیا ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی امداد کریں۔ خصوصاً نیک لوگوں کی اور ان کے ساتھ بیٹھا کریں اور ان سے محبت کریں کیونکہ نیک لوگوں کی محبت دنیا میں انسان کے وقار، زیب و زینت کا ذریعہ ہے اور آخرت میں نورِ معرفت اور کامیابی کا سبب ہے۔

☆☆☆☆☆



[illegible]

[illegible]

[illegible]

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی (حدیث قدسی) ہے

"اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر، واقرؤا ان شئتم ﴿ولا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعين﴾"

میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسا مقام تیار کر رکھا ہے جو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں اور کسی کان نے سنا نہیں اور کسی دل پر کھٹکا نہیں، اگر تم چاہتے ہو تو (قرآن پاک کی یہ آیت) پڑھ لو۔ (جس کا مطلب ہے) کوئی نفس نہیں جانتا، جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے مخفی کر کے رکھی ہوئی ہے۔

اس سے مراد خصوصی ثواب اور انعام واکرام ہے:

"ای نوع عظیم من الثواب ادخر الله لاولئك واخفاه من جميع خلائقه لا يعلمه الا هو مما تقربه عيونهم"

یعنی ثواب کی عظیم قسم جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے لئے تیار کر رکھی ہے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مخلوق میں سے کوئی ایک بھی نہیں جانتا، یہ وہ عظیم ثواب اور مرتبہ ہو گا جس سے نیک لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

"بلغك الله امنيتك حتى ترضى به نفسك وتقر عينك ولا تستشرف الى غيره"

یعنی اے نیک انسان اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری تمام خواہشوں پر کامیاب کر دے گا یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے گا، اور تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی تجھے غیر کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

جنت کا کم از کم مقام دنیا کی تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہے

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" موضع سوط فی الجنة خیر من الدنیا و مافیها "
(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب صفة واهلها)

جنت میں کوڑا (چابک، چھڑی) رکھنے کا مقام دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ چونکہ جنت کی نعمتیں باقی رہنے والی ہیں اور اس کی نعمتیں فنا ہونے والی ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ باقی رہنے والی چیز فنا ہونے والی سے بہتر ہے۔

" قال ابن الملك سوى كلام الله وصفاته و جميع انبيائه "

ابن الملکؒ نے کہا ہے کہ اگرچہ دنیا میں اللہ کے کلام کا نزول بھی ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ صفات کا ظہور بھی ہوا ہے اور انبیاء کرام بھی تشریف لائے لیکن یہ حکم ان کو شامل نہیں، ان کے سواء باقی دنیا کی تمام نعمتوں یعنی مال و دولت، عالیشان محلوں سے جنت کا ادنیٰ درجہ بھی اعلیٰ ہوگا۔

کوڑے یعنی چابک یا چھڑی کو ذکر کرنے میں خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسے حقیر سمجھا جاتا ہے، جب کوئی سوار اترنا چاہتا ہے تو وہ پہلے اپنی چھڑی زمین پر پھینکتا ہے پھر خود اترتا ہے۔ پہلے اس کے چھڑی پھینکنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دوسرے ساتھیوں کو معلوم ہو جائے کہ یہاں ہی اترنا ہے وہ آگے نہ چلے جائیں، لیکن چھڑی کو زمین پر پھینکنے سے اس کی اور اس کے رکھنے کی جگہ کی حقارت بھی معلوم ہو گئی اس لئے واضح فرمایا کہ جنت ایسا مقام بھی دنیا کی عظیم الشان نعمتوں سے ارفع و اعلیٰ ہوگا۔

جنت کے درخت کی عظمت

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" ان فی الجنة شجرة یسیر الراکب فی ظلها مائة عام لا یقطعها "

بیشک جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں چلنے والا سوار اس کو ایک سو سال میں

بھی قطع نہیں کر سکے گا اور جنت میں تمہارے ایک کمان کی مقدار کا مقام بھی سورج کے مقام طلوع اور غروب سے بہتر ہے۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب صفة الجنة واھلھا)

جنت کے درخت کا نام " طُوبٰی " ہے جس طرح ابن جوزی نے فرمایا "یقال انھا طوبٰی " کہا جاتا ہے بیشک وہ طوبٰی ہے۔ خیال رہے درخت کے سائے میں چلنے سے مراد اس کے نیچے کنارے پر چلنا ہے کیونکہ دنیا میں سایہ کا اعتبار سورج سے ہے، خصوصاً درخت کے سایہ میں اس وقت انسان چلتا ہے جب دھوپ اور سورج کی تمازت (گرمی) سے بچنا چاہتا ہو، لیکن جنت کی تعریف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے " لا یرون فیھا شمسا ولا زمھریرا" جنتی لوگ جنت میں نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سردی۔ اور ممکن ہے کہ درخت کے اوپر اوپر نورانیت کا ظہور ہو اور اس کے نیچے حجاب ہو جو سایہ نظر آرہا ہو جس طرح ہمارے محاورہ میں رات کو چراغ، بجلی کے قمقموں کی روشنی میں نظر آنے والے عکس کو بھی سایہ کہہ دیا جاتا ہے اسی طرح صبح صادق سے لیکر طلوع شمس تک سورج کی شعاعوں کے مقابل اس وقت کو بھی ظل (سایہ) کہا گیا ہے، رب تعالیٰ نے فرمایا" وظل ممدود" پھیلا ہوا ظل (سایہ) اس سے مراد یہی وقت ہے۔

جس طرح انسان شکار کرنے کے لئے جائیں تو وہ درخت کے سایہ میں یا اور کسی جگہ آرام کرنے کے لئے اپنا کمان رکھ کر اپنی اپنی جگہ مختص کرتے ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں اتنی جگہ جتنی جگہ تم کمان رکھتے ہو وہ طلوع شمس (سورج) اور غروب شمس کے درمیان مقام سے اعلیٰ ہے۔ یعنی تمام دنیا سے اعلیٰ ہے "وفی الجامع ان فی الجنة لشجرة یسیر الراکب الجواد المضمر السریع " یعنی بخاری میں مزید وضاحت موجود ہے کہ جنت میں درخت کے نیچے چلنے والے سوار سے مراد وہ سوار ہے جو ایسے گھوڑے پر سوار ہو جس کے جسم کو بہت پختہ کیا گیا ہو اور وہ بہت تیز چلتا ہو، عمدہ قسم کا گھوڑا ہو۔

☆☆☆☆☆



فصل چہارم :

جنت کیسی ہے ؟

جنت میں شیشے کے خیمے

حضرت ابو موسی اشعریؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" ان للمؤمن فی الجنة لخيمة من لؤلؤ واحدة مجوفة "

جس کا طول و عرض ساٹھ ذراع (نوے فٹ) ہوگا، (ایک روایت طول ساٹھ ذراع کا ذکر ہے اور دوسری راویت میں عرض ساٹھ ذراع کا ذکر ہے) اور ہر کونے میں اس کی اھل ہوں گی کوئی بعض دوسرے بعض کو نہیں دیکھ سکے گا، مومنین ان کے پاس جائیں گے دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اران کے برتن اور ہر چیز چاندی کی ہوگی، اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی ان کے برتن اور ان کی تمام اشیاء سونے کی ہوں گی، جنت عدن میں مومن قوم اور رب کو دیکھنے میں صرف رداء (چادر) کبریائی حائل ہوگی۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب صفة الجنة واهلها)

" وقد يكون لارباب الكمال جنتان من ذهب وجنتان من فضة "

(مرقاة المفاتيح)

ارباب کمال کو دو جنتیں چاندی کی اور دو سونے کی حاصل ہوں گی۔

اس طرح چار جنتیں ہوں گی لیکن ان کے طبقات آٹھ ہیں جیسے شروع میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ انسان جب جنت میں ہوگا اس کی جسمانی کدورت اٹھالی جائے گا۔ حسی موانع ختم ہو جائیں گے لیکن پھر اللہ تعالیٰ کے جلال کا اتنا رعب ہوگا اور اس کی نورانیت کا اتنا غلبہ ہوگا کہ سوائے اس کی رحمت او مہربانی کے انسان رب تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکے گا، یہ ہی رداء کبریائی ہے۔

(مرقاة المفاتيح)

جنت الفردوس سب سے اعلیٰ جنت ہے

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک سو درجہ ہے اور ہر درجہ میں اتنی وسعت ہے جس طرح زمین و آسمان کے درمیان وسعت ہے۔

" والفردوس اعلاها درجة منها تفجر انهار الجنة الاربعة ومن فوقها يكون العرش فاذا سألتم الله فاسئلوا الفردوس "

(ترمذی، مشکوٰۃ باب صفة الجنة واهلها)

فردوس تمام سے اعلیٰ درجہ والی ہے، اس میں جنت کی چار نہریں جاری ہیں۔ ان تمام (جنتوں کے) اوپر عرش ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کرو تو " فردوس " کا سوال کیا کرو۔

وضاحت حدیث

حدیث شریف میں " مائة درجة " ایک سو درجہ کا ذکر ہے لیکن بیہقی میں حضرت عائشہؓ سے مرفوع حدیث مروی ہے:

" عدد درج الجنة عدد آی القرآن فمن دخل الجنة من اهل القرآن فليس فوقه درجة "

جنت میں قرآن پاک کی آیتوں کے مطابق درجات ہیں، قرآن پاک پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے جس درجہ میں داخل ہوں گے اس کے اوپر کوئی درجہ نہیں۔

ان حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ جنت میں بہت سے مدارج ہوں گے۔ سو کا ذکر کثرت کے لئے ہے۔ تعداد کے لئے نہیں۔ اہل عرب ستر، سو وغیرہ الفاظ سے عام طور پر کثرت والا معنی لیتے تھے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ کثیر تعداد میں سے، سو درجے ایک ایک شخص کو حاصل ہوں۔

فردوس کا لغوی معنی ایسا باغ جس میں ہر قسم کے درخت اور انگور کی بیلیں ہوں۔ لیکن جنت کے طبقات میں فردوس کو وہ خصوصیت اور امتیاز حاصل ہوگا جو دوسرے کسی طبقہ کو

حاصل نہیں ہو گا اسی وجہ سے امت سے مصطفیٰ ﷺ کو اس کی طب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی امت تمام امتوں سے اعلیٰ تو اس کو تمام جنتوں سے اعلیٰ جنت طلب کرنی چاہیے۔

نبی کریم ﷺ کی امت کی برتری کا تذکرہ رب تعالیٰ نے اس طرح فرمایا:

﴿ وَكَذَالِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾

(پ ۲/ ۱)

اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے کیا سب امتوں سے افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔

جب پہلی امتیں تبلیغ انبیاء کا انکار کر دیں گی تو رب تعالیٰ باوجود علم کے منکرین پر حجت قائم کرنے کے لئے تبلیغ پر انبیائے کرام سے گواہ طلب کرے گا۔ انبیائے کرام امت محمد ﷺ کو گواہ پیش کریں گے۔ پہلی امتیں کہیں گی۔ تم ہمیں کیسے پہچانتے ہو؟ تو یہ کہیں گے کہ ہمیں اپنے سچے نبی نے اللہ کا کلام اس کی کتاب کے ذریعے پہنچایا جس سے ہمیں علم حاصل ہوا۔ پھر ان پر نبی کریم ﷺ کو گواہی دینے کے لئے لایا جائے گا، آپ اپنی امت کے حق میں نگہبان کی حیثیت میں شہادت دیں گے۔

خیال رہے کہ " نگہبان " کا لفظ صرف اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کے ترجمہ میں ہے باقی کسی ترجمے میں نہیں، یہ لفظ آپ نے کیوں زیادہ فرمایا؟ اور باقی مترجمین کس طرح علمی نقطہ سے غافل رہے؟ یہ وضاحت میں نے اپنی کتاب تسکین الجنان میں کی ہے وہاں دیکھیں۔

چار نہریں

﴿ فِيْهَا أَنْهَارٌ مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِيْنَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى "

(پ ۲۶/ ۶)

ان (جنتوں) میں ایسی پانی کی نہریں ہیں جو کبھی خراب نہ ہوں اور ایسی دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہ بدلے اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جس کے پینے میں لذت ہے۔ اور ایسی شہد کی نہریں ہیں جو صاف کیا گیا ہے۔

ایک نہر پانی کی ہے اور وہ پانی دنیا کے پانیوں سے مختلف ہے کیونکہ زیادہ دیر ٹھہرنے کی وجہ سے اس کا ذائقہ اور بو نہیں بدلیں گے حالانکہ دنیا کے پانیوں میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے گل سڑ جاتا ہے۔ سب سے پہلے پانی کا اس لئے ذکر کیا کہ انسان دنیا میں بغیر پانی کے زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ سب سے زیادہ پانی کی ضرورت ہی درپیش آتی ہے۔

دوسری نہر دودھ کی ہوگی وہ دودھ بھی دنیا کے دودھ سے مختلف ہوگا، نہ کھٹا ہوگا اور نہ ہی اس میں بدبو پیدا ہوگی بلکہ وہ صرف قدرت سے ہی دودھ معرض وجود میں آئے گا، کیونکہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دودھ کی نہر جانوروں سے دوہا ہوا دودھ نہیں ہوگا، اسی طرح حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ جنت کا دودھ گوبر اور خون کے درمیان نالی سے پیدا ہونے والا نہیں ہوگا۔

دودھ کا ذکر دوسرے مرتبہ پر کیا کیونکہ دودھ کو کثیر اہل عرب طعام کی جگہ بھی استعمال کرتے تھے اس لئے پینے کے بعد گویا کہ کھانے کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

تیسری نہر شراباً طہورا کی ہوگی دنیا کے شراب نشہ والے ہوتے ہیں ان میں بدبو ہوتی ہے بنانے والے کی میل کچیل کی آمیزش کا بھی قوی گمان ہوتا ہے لیکن جنتی شراب ان تمام چیزوں سے پاک ہوگا۔

تیسرے مرتبہ پر اس کا ذکر بھی اس لئے کیا گیا ہے کہ عام طور پر کھانے کے بعد تلذذ والی چیز کا استعمال ہوتا ہے اس لئے جنت میں بھی دودھ کی غذائیت کے بعد شراب سے لذت دی جائے گی لیکن وہ شراب پاکیزہ ہوگا، صاف ستھرا مشروب ہوگا، نشہ سے پاک ہوگا۔

چوتھی نہر شہد کی ہوگی لیکن وہ شہد خالص صاف شفاف ہوگا، دنیا کے شہد میں بعض اوقات لوگ شمع کی یا چینی کی آمیزش کر کے شہد کو خراب کر دیتے ہیں جو خالص نہیں رہتا، اسی طرح دنیا

کے شہد میں شہد کی مکھیوں کے فضلات کی آمیزش بھی ہو جاتی ہے لیکن جنتی شہد ان تمام چیزوں سے پاک ہو گا کیونکہ وہ فقط قدرت سے معرض وجود میں آیا ہوا ہو گا، ظاہری اسباب کو اس میں دخل نہیں ہو گا۔

شہد کا ذکر چوتھے مرتبہ پر کیا کیونکہ اس میں شفاء ہے۔ مرض میں اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ عام طور پر کھانے پینے کی بے احتیاطی پر مرض لاحق ہوتی ہے اور دواء کی ضرورت در پیش آتی ہے، اس لئے اس کا ذکر سب کے بعد عام عادت کے مطابق ہے۔

(تفسیر روح المعانی)

ایک حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے جنت کی چار نہروں کے نام دنیا کی نہروں کے مطابق بیان فرمائے ہیں کہ جنت میں ایک نہر کا نام نیل ہے دوسری کا دجلہ، تیسری کا فرات اور چوتھی کا سیحان بعض جگہ سیحون آیا ہوا ہے۔ یہ صرف ناموں کی مطابقت ہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ دنیا کے دریا شائد جنت کے ہی ہیں۔

بیہقی میں حضرت کعب سے مروی ہے :

" نهر النيل نهر العسل و نهر دجلة نهر اللبن و نهر الفرات نهر الخمر و نهر سيحان نهر الماء فى الجنة "

(تفسیر روح المعانی)

جنت میں نہر نیل شہد کی نہر ہے۔ نہر دجلہ دودھ کی نہر ہے، نہر فرات شراب کی نہر ہے اور نہر سیحان / سیحون پانی کی نہر ہے۔

جنت کا بازار

حضرت انسؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :

" ان فى الجنة لسوقا يأتونها كل جمعة "

بیشک جنت میں ایک بازار ہے جس میں جنتی لوگ ہر جمعہ کو آئیں گے ان پر شمالی جانب سے ہوا چلے گی ان کے چہروں اور کپڑوں پر (کستوری اور ہر قسم کی خوشبوئیں) پھیلا دے گی۔ **"فيرجعون الى اهلهم وقد ازدادوا حسنا وجمالا"** اپنے اھل کی طرف جب یہ لوٹ کر

آئیں گے تو وہ کہیں گے " واللہ لقد ازددتم بعدنا حسنا وجمالا" قسم ہے اللہ تعالیٰ کی تمہارا حسن و جمال ہمارے بعد زیادہ ہو گیا ہے اور یہ انہیں کہیں گے " وانتم واللہ تعالی زدتم بعدنا حسنا وجمالا۔

(مسلم، مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ واھلھا)

قسم ہے اللہ تعالیٰ کی تمہارا بھی حسن و جمال ہمارے بعد زیادہ ہو گیا ہے۔

وضاحتِ حدیث

قیامت میں بھی لوگ علماء کے محتاج ہوں گے، اگرچہ قیامت میں سورج اور رات، دن کا وجود نہیں ہوگا لیکن جمعہ اور عیدین کا اعتبار کرنا یا مبارک دنوں میں زیارت کرنا وغیرہ ان تمام چیزوں کی دارومدار اس پر ہو گی " وانما یعرف وقت اللیل والنهار بارخاء استار الانوار ورفعها" جنت میں رات اور دن کی پہچان نور سے ہو گی، جب نور پر پردے لٹکا دئے جائیں گے تو رات ہو گی اور جب پردے ہٹا دئے جائیں گے تو دن ہو گا۔

بیشک اہل جنت میں محتاج ہوں گے، اس وجہ سے کہ وہ ہر جمعہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے فیقول لهم تمنوا علی ماشئتم، رب تعالیٰ انہیں کہے گا جو بھی چاہتے ہو اسی چیز کی تمنا کرو یعنی مجھ سے طلب کرو، اب جنت والوں کو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ وہ کسی چیز کی طلب کریں "فیلتفتون الی العلماء فیقولون ماذا نتمنی فیقولون تمنوا علیه کذا وکذا" وہ علماء کی طرف توجہ کریں گے، ان سے پوچھیں گے کہ ہم رب تعالیٰ سے کیا مانگیں؟ علماء انہیں بتائیں گے کہ تم فلاں فلاں چیزوں کی طلب کرو" فهم یحتاجون الیهم فی الجنة کما یحتاجون الیهم فی الدنیا" وہ جنتی لوگ جنت میں علماء کے اسی طرح محتاج ہوں گے جیسے وہ دنیا میں ان کے محتاج تھے۔

جنت میں جمعہ کا نام یوم المزید (زیادہ نعمتوں کے حاصل ہونے کا دن) بھی ہو گا، اس سے واضح ہوا کہ جمعہ کے دن کو دنیا کی طرح جنت میں بھی باقی دنوں پر سرداری حاصل ہو گی۔

اہل عرب شمالی جانب سے چلنے والی ہوا کو برکت والی اور بارش والی ہوا قرار دیتے ہیں اس لئے

ذکر فرمایا کہ ان کے چہروں اور کپڑوں کی شمالی جانب سے چلنے والی ہوا کستوری اور طرح طرح کی خوشبوؤں سے معطر کر دے گی جس سے ان کی شکل و صورت اور زیب و زینت میں حسن و جمال زیادہ ہو جائے گا، چونکہ تمام اہل جنت جمعہ کے دن بازار میں جائیں گے اس لئے جب لوٹیں گے تو قبیلہ کا سربراہ اپنی جنتی ازواج سے کلام کرے گا وہ اس سے کلام کریں گی کہ ان کا حسن و جمال زیادہ ہو چکا ہے، اپنے حسن و جمال کی زیادتی کا علم تو ہو نہیں سکے گا، دوسرے کو دیکھ کر کہیں گے تمہارا حسن و جمال زیادہ ہو گیا ہے حالانکہ ہر ایک کا حسن و جمال زیادہ ہو گا۔



فصل پنجم :

اہلِ جنت کے فضائل

جنت میں اعمال کے مطابق نورانیت کا حصول ہوگا

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والی جماعت کے لوگ چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گے۔ پھر ان کے بعد بہت زیادہ چمکتے ہوئے ستارے کی طرح ہوں گے "**قلوبهم علی قلب رجل واحد لا اختلاف بينهم ولا تباغض**" ان کے دل ایک آدمی کے دل ہوں گے، ان میں کوئی اختلاف اور بغض نہیں ہوگا۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب صفة الجنة)

سب سے پہلی جماعت انبیاء کرام کی ہوگی جن کے چاند کی طرح چمکتے چہرے ہوں گے لیکن سب سے زیادہ نورانیت مصطفٰی ﷺ کو حاصل ہوگی "**ولعل دخولها علی صورة الشمس مختص بنبينا** ﷺ" باقی انبیائے کرام چاند کی طرح ہوں گے لیکن سورج کی طرح آب وتاب سے جگمگاتے چہرے سے دخول ہمارے نبی کریم ﷺ سے ہی خاص ہے۔

(مرقاة المفاتيح)

جب مشہور بات یہ ہے کہ "نورالقمر مستفاد من نورالشمس" چاند کی نورانیت سورج کی نورانیت سے حاصل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جائے تو چاند کو گرہن لگ جاتا ہے یعنی وہ بے نور ہو جاتا ہے۔ اس ضابطہ کو سمجھنے کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام کو چاند کی صورت عطا کر کے اور نبی کریم ﷺ کو سورج کی صورت عطا کر کے یہ ظاہر کیا جائے گا کہ تمام انبیاء کرام کو نورانیت مصطفٰی کریم ﷺ کے واسطہ سے حاصل ہو رہی ہے۔

اس جماعت کے بعد آنے والے "**يقربون تلك الزمرة في قرب المرتبة من الاولياء والعلماء والشهداء والصلحاء**"

(مرقاة المفاتيح)

وہ لوگ ہوں گے جو انبیائے کرام کے مرتبہ کے لحاظ پر قریب ہوں گے وہ اولیائے کرام اور علمائے عظام، شہدائے کرام اور نیک متقی پرہیزگار لوگ ہوں گے۔

جنتی لوگوں میں اتفاق واتحاد ہوگا، ایک دوسرے سے محبت ہوگی، تمام لوگوں کے دل ایک آدمی کے دل کی طرح ہوں گے یعنی جس طرح کسی آدمی کو اپنے آپ سے اختلاف نہیں ہوتا اس طرح وہاں ایک دوسرے سے کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی دلوں میں کوئی کھوٹ، کینہ ہوگا یہی وجہ ہوگی کہ کوئی ایک دوسرے سے بغض وعناد نہیں رکھے گا۔

جنت کا حسن وجمال

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مخلوق کو کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: " من الماء" پانی سے ۔ ہم نے پوچھا جنت کو کس چیز تخلیق کیا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

" لبنة من ذهب ولبنة من فضة وملاطها المسك الاذفر وحصباؤها اللؤلؤ والياقوت وتربتها الزعفران "

(مسند احمد ، ترمذی ، دارمی ، مشکوٰۃ باب صفة الجنة واهلها)

سونے اور چاندی کی اینٹیوں سے اور اینٹوں میں چونہ، سیمنٹ کی جگہ بہت زیادہ خوشبودار کستوری کو استعمال کیا گیا ہے اور جنت کی نہروں میں موتیوں اور یاقوت کی طرح سنگریزے ہوں گے اور اس کی مٹی کی جگہ زعفران ہوگا ، یعنی نرم، زرد اور خوشبودار مٹی ہوگی، سفید، زرد اور سرخ رنگ سے مزین کیا گیا ہے۔ اور سبز درختوں سے اس کے حسن وجمال کو اور زیادہ دوبالا کیا گیا ہے۔

(مرقاة المفاتيح)

جنتی لوگوں کی عمریں اور خوبصورتی

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اهل الجنة جرد مرد كحلىٰ لايفنى شبابهم ولا يبلى ثيابهم . "

(مشكوٰة باب صفة الجنة)

جنت والے لوگ " جُرد مُرد " ہوں گے سرمہ لگا ہو گا، ان کی جوانی ختم نہیں ہو گی اور ان کے کپڑے پرانے نہیں ہوں گے (دوسری روایت میں ہے) ان کی عمریں تیں، تینتیس سال ہوں گی۔

جُرد :- کا معنی جس کے جسم پر بال نہ ہوں اور " مُرد " کا معنی جس کی داڑھی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ خوبصورت اور نرم و نازک ہوں گے، اور قدرتی طور پر ان کی آنکھوں کی پلکوں میں سیاہی اس طرح رکھ دی جائے گی جیسے یہ معلوم ہو گا کہ سرمہ لگایا ہوا ہے۔

جوانی ختم نہیں ہو گی، اس کی تفصیل دوسری حدیث میں ہے "یعطی قوۃ مائۃ " ایک آدمی کو سو آدمی کے برابر طاقت دی جائے گی، دنیا میں ایک سو آدمی جتنی طاقت رکھتے ہیں، جنت میں اتنی طاقت ایک آدمی کو حاصل ہو گی یعنی اس طرح ازواج سے مجامعت کی قدرت ہو گی

جنتی ہمیشہ زندہ رہیں گے مریں گے نہیں

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" من یدخلها ینعم ولایبأس ویخلد ولا یموت "

(مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ)

جو شخص جنت میں داخل ہو گا اس کو نعمتیں حاصل ہوں گی وہ کبھی فقیر و محتاج نہیں ہو گا، وہ ہمیشہ باقی رہے گا اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔

جنت کی نہر کوثر

حضرت انسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ کوثر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

" ذاك نهر اعطانيه الله يعني في الجنة اشد بياضا من اللبن و احلى من العسل "

(مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ)

یہ وہ نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت میں عطا کی ہے جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

اس میں یہ اشارہ پایا گیا ہے کہ جنت میں نہر کوثر کے پانی میں دودھ کی طرح غذائیت اور شہد کی طرح حلاوت (مٹھاس) پائی گئی ہے۔ اگرچہ اس میں شہد کی طرح شفاء بھی ہو گی لیکن وہاں مرض نہیں لاحق ہو گی اس لئے بطور دواء استعمال کی ضرورت بھی در پیش نہیں آئے گی۔

اسی طرح اس پانی میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور خواہش کی طلب پائی جاتی ہے یہی نہر کوثر محشر کے حوض کوثر کا منبع بھی ہے جس طرح پہلے تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

اس نہر پر ایسے پرندے ہوں گے جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گی۔

نبی کریم ﷺ کی امت سب سے زیادہ جنت میں ہو گی

حضرت بریدہؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اهل الجنة عشرون ومائة صف ثمانون منها من هذه الامة واربعون من سائر الامم "

(ترمذی، مشکوٰۃ باب صفة الجنة)

جنت والے لوگوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی، ان میں اَسی (۸۰) اِس امت کی ہوں گی اور باقی تمام امتوں کی چالیس صفیں ہو گی۔

اولیائے عظام کے منازلِ رفیعہ

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تحقیق اہل جنت اپنے اوپر بالا خانہ پر رہنے والوں کو ایسے دیکھیں گے جس طرح تم مشرق یا مغرب میں افق پر باقی رہنے والے بہت زیادہ چمکدار ستارے کو دیکھتے ہو، کیونکہ جنت والے لوگوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہو گی۔ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ منازل تو صرف انبیائے کرام کو ہی حاصل ہوں گے، دوسرا تو کوئی وہاں نہیں پہنچ سکے گا، آپ نے فرمایا:

" بلٰی والذی نفسی بیده رجال اٰمنوا باللہ وصدقوا المرسلین "

(بخاری، مسلم مشکوٰۃ باب صفة الجنة)

کیوں نہیں ؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ یہ مرتبہ تو ان مردوں کو بھی حاصل ہوگا جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور رسولوں کی تصدیق کی۔

جنت والے لوگ ایک دوسرے کو دیکھیں گے ، اعمال کے مطابق ان کے مراتب و مدارج ہوں گے اولیائے عظام کو عالیشان، بلند محلات حاصل ہوں گے ، ظاہری طور پر بھی ان کو بلند مقام حاصل ہوگا جس طرح شان کے لحاظ سے انہیں بلند مقام حاصل ہوگا۔ روشن ستارے کی طرح بلندی اور نورانیت حاصل ہوگی ، جنت میں کچھ لوگ پست مقام میں ہوں گے ، کچھ درمیانی مقام میں کچھ بلندی پر۔

حدیث میں لفظ رجال استعمال ہوا ہے جس کا مطلب کامل فی الرجولیة یعنی جو بہت کامل لوگ ہوں گے ذکر اگرچہ رجال کا ہے لیکن نساء (عورتوں) کو بھی شامل ہے۔ کامل لوگ کون ہیں ۔ رب تعالیٰ نے بیان فرمایا " رجال لاتلهيهم تجارة ولابيع عن ذكر الله " کامل لوگ وہ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض نہ کرائے ، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ انہیں کامل ایمان ، پختہ یقین ، اور عبادت میں کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کا مقام حاصل رہے۔

رسولوں کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے لائے ہوئے تمام اوامر اور نواہی (جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے یا ان سے روکا گیا ہے) کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ صابرین شاکرین کی صف میں قائم ہیں اور مقام رضاء کے درجہ پر فائز ہیں، جب انسان ان بلند منازل کو طے کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو انعامات سے نواز دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"اولئك يجزون الغرفة بما صبروا " ان لوگوں کو صبر کی وجہ سے بطور جزاء بالا خانے عطا کئے جائیں گے۔

جنتی لوگوں کو نیند نہیں آئے گی

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا :

" اينام اهل الجنة قال النوم اخو الموت ولا يموت اهل الجنة"

(بيهقى ، مشكوٰة باب صفة الجنة)

کیا جنت والوں کو بھی نیند آئے گی ؟ آپ نے فرمایا نیند موت کی مثل ہے ، جنت والوں کو موت نہیں آئے گی۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے مدلل جواب ارشاد فرمایا کہ جس طرح انسان موت کے ہوتا ہے نیند میں بھی اس کی ایسی حالت ہی ہوتی ہے۔ جب موت نہیں آئی تو یقیناً نیند بھی نہیں آئے گی۔

دنیا میں نیند کی ضرورت انسان کو اس لئے ہوتی ہے کہ وہ تھکان محسوس کرتا ہے اسے راحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ نیند سے پوری کرتا ہے۔ لیکن جنت میں ہر طرح کا آرام ہی آرام ہونا ہے کسی قسم کی تھکاوٹ ہونی ہی نہیں تو اس وجہ سے نیند کی ضرورت بھی درپیش نہیں آئے گی۔

جنت میں انسان کو اولاد کی خواہش نہیں ہو گی

" اذا اشتھی المؤمن فی الجنة الولد کان فی ساعة ولکن لایشتھی "
(مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ)

مومن کو جنت میں اگر اولاد کی طلب ہو تو اسی وقت اس کو عطا کر دی جائے لیکن مومن کو جنت میں اولاد کی خواہش ہی نہیں ہو گی۔

جنتیوں کے خدام اور ان کی بیویاں

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت والے لوگوں کو کم از کم اسی ہزار خادم اور بہتر بیویاں حاصل ہوں گی۔

جنتی بیویوں کی شان

حدیث شریف میں ہے :

" یریٰ فخ سوقھن من وراء العظم واللحم من الحسن "
(مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ)

ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں (کی ہڈی) کا مغز ہڈی اور گوشت کے پیچھے

نمایاں نظر آئے گا۔ یعنی جنتی حوروں کو اس طرح لطافت اور حسن و جمال کامل طور پر حاصل ہوگا کہ ان سے انسان کے نفرت کرنے کا تصور بھی نہیں پایا جائے گا۔ حسن میں صفائی ، چمڑا نرم و نازک ، تمام اعضاء میں لطافت اس طرح ہوگی کہ انسان دنیا میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ پنڈلیوں کی ہڈی کے مغز کے سامنے ہڈی اور گوشت حجاب نہیں بن سکیں گے ؛ کیونکہ ہڈی اور گوشت کو شیشے کی طرح صفائی اور چمک دمک حاصل ہوگی۔

جنتی حور کبھی ناراض نہیں ہوگی

حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک جنت خوبصورت آنکھوں والی سفید رنگ والی بیویوں سے جمع ہونے کا مقام ہے۔

" یقلن نحن الخالدات فلا نبید ونحن الناعمات فلا نبأس ونحن الراضیات فلانسخط طوبٰی لمن کان لنا و کنا له "

(ترمذی ، مشکوٰۃ باب صفة الجنة)

وہ اپنے نغموں کی آواز بلند کریں گی وہ ایسی آواز ہوگی کسی نے اس سے پہلے ایسی آواز نہیں سنی ہوگی۔ وہ کہیں گی ہم ہمیشہ (زندہ) رہنے والی ہیں ہم کبھی ہلاک نہیں ہوں گی ، ہمیں نعمتوں سے نوازا گیا ہے ہم کبھی محتاج نہیں ہوں گی۔ ہم راضی رہنے والی ہیں کبھی ناراض نہیں ہوں گی ، کتنی خوش بختی کا مقام ہے اس شخص کے لئے جو ہمارا اور جس کی ہم ہیں

جنتی بیویاں پاکیزہ ہوں گی

﴿ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾

(پ ۱ / ۳)

ان کے لئے ان باغوں میں صاف ستھری بیویاں ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یعنی وہ عورتیں خواہ حوریں ہوں یا دنیا کی عورتیں ہوں وہ تمام ہی ہر قسم کے ظاہری اور باطنی عیبوں اور گندگیوں سے بالکل پاک ہوں گی۔ یعنی حیض ، نفاس ، پیشاب ، پاخانہ ، منی ، تھوک ،

میل اور ہر قسم کی بیماری وغیرہ سے بھی پاک ہوں گی اور بد خلقی، سخت زبانی، نافرمانی وغیرہ سے بھی ایک دم دور ہوں گی۔ ان کے چہرے کا نور آفتاب کی روشنی کو شرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے بیویوں کا نعمتوں میں ذکر کیا کیونکہ انسان اپنی زوجہ کا مالک ہوتا ہے اس لئے زوجہ بھی عظیم نعمت ہے خیال رہے کہ جو عورت جس مسلمان کے نکاح میں مرے گی وہ جنت میں اسی کے ساتھ رہے گی اس لئے نبی کریم ﷺ کی بیویوں سے نکاح کرنا حرام تھا کیونکہ وہ جنت میں حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔

اور جس عورت کا شوہر کافر ہو کر مرا، یا جو کہ کنواری ہی مر گئی ان کا نکاح ان جنتیوں میں سے کسی سے کر دیا جائے گا، جو لوگ جنت کے بھرنے کے لئے اس وقت پیدا کئے جائیں گے۔ اور جس کی بیوی کافر ہو کر مری یا کنوارا ہی مر گیا اس کے نکاح میں صرف حوریں ہوں گی۔

اور جس کی بیوی بھی مسلمان مرے وہ جنت میں اپنی اس بیوی کو بھی پائے گا اور حوروں کو بھی لیکن وہاں یہ دنیاوی بیویاں حسن و جمال میں حوروں سے کسی طرح کم نہیں ہوں گی۔

روایات میں آیا ہے کہ حضرت مریم (عیسیٰؑ کی والدہ) اور حضرت آسیہ (فرعون کی زوجہ) جنت میں نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں گی۔

(از تفسیر نعیمی)

جنتی بیویاں نگاہیں نیچے رکھیں گی

﴿ فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ☆ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ☆ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ☆ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾

(پ ۲۷ الرحمٰن)

ان (جنتیوں) میں نیچی نگاہوں والی ہوں گی، جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے ۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ تو گویا یاقوت اور مرجان ہیں۔ پس اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

ان باغات میں جو محلات اور مکانات ان جنتیوں کے لئے بنائے گئے ان میں ایسی عورتیں ہوں گی جو شرم و حیا کا پیکر ہوں گی۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی۔ وہ اپنے شوہروں کے بغیر کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گی باشرم و باحیا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اتنی پاکدامن اور عفت مآب ہوں گی کہ آج تک انہیں کسی جن وانس نے چھوا تک نہ ہو گا۔

ان کے چہرے یاقوت کی طرح سرخ اوران کے بدن مرجان کی طرح سفید اور شفاف ہوں گے۔ آپ ذرا غور فرمائیں ان کے ظاہری حسن و جمال اور اس کی سچی دلربائی اس کی پاک دامنی اور اس کی آنکھوں کا شرمیلاپن ہے۔

ع گھر میں آبِ گھر کے سوا کچھ اور نہیں

یہ نہ ہو تو وہ حضرة الدمن ہے۔ یعنی کوڑے کے ڈھیر پر اُگا ہوا سبزہ۔ اس کی طرف گدھے تو لپک کر جا سکتے ہیں اور اس کو اپنا ترنوالہ بنا کر زور سے ہینگ سکتے ہیں۔ لیکن ایک شریف النفس اور باذوق آدمی کو تو اس سے بدبو آئے گی، اس کی سڑاند سے اس کا دماغ پھٹنے لگے گا۔

دنیا میں بھی امت مصطفویہ کی بہو بیٹیوں کو عفت و حیا کے زیور سے آراستہ ہونا چاہیے۔ (یہی ان کا حسن و جمال ہے) یہ قاصرات الطرف کون ہوں گی؟ وہ نیک بیویاں جو دنیا میں اللہ کے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، وہی جنت میں ان کے محلات کی زینت بنیں گی۔ ان کے علاوہ انہیں حوریں بھی دی جائیں گے۔ نیز وہ مسلمان عورتیں جو کسی کے نکاح میں نہ تھیں یا جن کے خاوند جھنم رسید کر دیئے گئے ان کو بھی جنتی مردوں...... جو مخلوق اس وقت تخلیق ہو گی...... کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا۔ یہی حال مومن جنوں اور باایمان جنیوں کے ساتھ ہو گا۔

علامہ قرطبیؒ مختلف اقوال لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔

" والذی یغلب علی الظن ان الانسی یعطی من الانسیات والحور والجنی یعطی من الجنیات والحور "

(تفسیر روح المعانی)

(غالب گمان یہی ہے کہ انسانوں کو انسان عورتیں اور حوریں دی جائیں گی اور جنوں کو جن عورتیں اور حوریں عطا ہوں گی)

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ دنیا کی بیویاں افضل ہوں گی یا جنت کی حوریں ؟ حضور نے فرمایا " نساء دنیا افضل من الحور العین کفضل الظھارۃ علی البطانۃ " یعنی دنیا کی عورتیں جنتی حوروں سے افضل ہونگی جس طرح ابری استر سے ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسے ؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا : "بصلواتھن و صیامھن و عبادتھن" اپنی نمازوں، اپنے روزوں اور اپنی عبادات کے باعث وہ افضل ہوں گی۔ پھر فرمایا : اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو نورانی بنا دے گا۔ ان کے جسم ریشم سے نرم۔ ان کے چہرے سفید۔ ان کے لباس سبز اور ان کے زیورات سونے کی طرح زرد۔ ان کی انگھوٹھیاں موتیوں کی اور ان کنگنیاں سونے کی ہوں گی۔

(تفسیر ضیاء القرآن)

جنتی بیویاں پردہ دار ہوں گی

﴿ فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ☆ فَبِاَيِّ آلاَءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَان ☆ حُورٌ مَقْصُوْرَاتٌ فِي الْخِيَامِ ☆ فَبِاَيِّ آلاَءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَان﴾

(پ۲۷ /الرحمن)

ان (جنتیوں) میں اچھی سیرت والیاں، اچھی صورت والیاں ہوں گی۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ حوریں پردہ دار خیموں میں ہوں گی۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

﴿ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلاَ جَانٌّ ☆ فَبِاَيِّ آلاَءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَان﴾

ان کو اب تک نہ کسی انسان نے چھوا ہو اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

یعنی ان سرسبز و شاداب باغوں میں ایسی عورتیں ہوں گی جو اخلاق کے اعتبار سے بھی بے مثال اور حسن و جمال میں بھی بے نظیر "خیرات الاخلاق حسان الوجوہ" یعنی جن کے اخلاق بہترین اور چہرے خوبصورت ہوں گے۔

حور جمع ہے اس کا واحد حوراء ہے "هي الشديدة بياض العين والشديدة سوادها" یعنی جس کی آنکھ کا سیاہ حصہ بہت زیادہ سیاہ ہو اور سفید حصہ بہت ہی زیادہ سفید ہو۔ مقصورات فی الخیام فرما کر ان کے باحیاء اور باشرم ہونے کا ذکر فرمایا کہ وہ آوارہ پھرنے والیاں نہیں بلکہ اپنے اپنے خیموں میں جلوہ افروز رہتی ہیں ان کے ظاہری اور باطنی حسن و جمال سے ان کے خیموں کا گوشہ گوشہ معطر اور منور ہے۔ ان کے گھر کی فضا خوشی اور مسرت سے معمور رہتی ہے۔

جنتی بیویاں موٹی آنکھوں والی ہوں گی

﴿ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴾ (پ ۲۷ الطور) انہیں بیاہ دیا بڑی آنکھوں والی حوروں سے۔

خیال رہے کہ یہ دنیا کے نکاح کی طرح نکاح نہیں ہوگا۔ کیونکہ دار تکلیف دنیا ہی ہے۔

"بل بمعنى تصيير هم زوجين اى صيرناهم كذالك بسبب حورعين"
(روح المعانی)

بلکہ ان کو زوجہ عطا کر دی جائیں گی۔ ان کو جب عطا ہوں گی تو وہ جنتی بیویوں والے ہو جائیں گے۔ ان کو ازواج کا عطا کرنا گویا کہ ان کے ساتھ بیاہ ہوگا۔

ایمان والی اولاد کو جنت میں ماں باپ سے ملا دیا جائے گا

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾
(پ ۲۷ / الطور)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو۔

ایک مزید انعام کا ذکر ہو رہا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو سرفراز فرمائے گا۔ اگر ان کی اولاد باایمان اس دنیا سے رخصت ہوئی ہے تو جنت میں وہ اپنے والدین کے ساتھ ملا دیا جائے گی اگرچہ ان کے اعمال زیادہ اچھے نہ ہوں۔

یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ الرعد آیت نمبر ۲۳ اور سورۃ نمبر ۸ میں بھی گذر چکا ہے کہ

مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے والدین، ان کی بیویاں اور ان کی اولاد کو ان کے طفیل مقامات رفیعہ پر فائز کر دیا جائے گا ۔ لیکن وہاں ماں۔ باپ کے نیک اور صالح ہونے کی قید ہے اور یہاں صرف ایمان کی شرط ذکر کی گئی ہے۔ نیز پہلی دو آیتوں میں جنت عدن میں داخل ہونے کا ذکر تھا، یہاں فرمایا کہ ہم ان کو ان کے متقی والدین کے ساتھ ملا دیں گے۔ وہ انہیں کے پاس ان کے مقامات رفیعہ میں ہمارے لطف و احسان سے محفوظ ہوتے رہیں گے۔ اپنے بچوں کو اپنے پاس یوں خوش و خرم دیکھ کر ہمارے پیارے بندوں کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل مسرور ہوں گے۔

عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ عزوجل لیرفع ذریۃ المؤمن معہ فی درجۃ فی الجنۃ وان کان لم یبلغھا لتقربھم عینہ ثم قرء ﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ الآیۃ ﴾

(تفسیر قرطبی)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل مومن کی اولاد کو بھی جنت میں اس کا درجہ عطا فرمائے گا۔ اگرچہ وہ اپنے عمل کے ذریعہ وہاں رہنے کا مستحق نہ ہو۔ یہ اس لئے تاکہ انہیں اس مقام پر فائز دیکھ کر اس نیک بندے کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں :

" فیجمع اللہ بھم انواع السرور بسعادتھم فی انفسھم و بمزاوجۃ الحور العین وبموانسۃ الاخوان المؤمنین وباجتماع اولادھم وسلھم بھم"

(تفسیر کشاف)

والدین کے مرتبہ کو کم کر کے اولاد کے ساتھ نہیں ملا دیا جائے گا اگرچہ اولاد کا مرتبہ کم ہی کیوں نہ۔ بلکہ اولاد کو والدین کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ کیونکہ عمل کم کرنا ظلم کے مترادف ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ لیکن کسی کے عملوں کی کمی کے باوجود اسے بلند عطا کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا ۔ وہ اپنے فضل سے جسے چاہئے نواز دے یہ اس کی مرضی کی بات ہے۔ لیکن تمام لوگوں کو ان کے اعمال کے بغیر کسی کمی کے پوری پوری جزاء عطا فرمائے گا۔

جنتی بیویاں شتر مرغ کے انڈے کی طرح ہوں گی

﴿ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ☆ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴾

(پ ۲۳/ ٦)

اور ان کے پاس ہیں جو شوہروں کے سوا دوسری طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے گی۔ بڑی آنکھوں والی گویا وہ انڈے ہیں پوشیدہ رکھے ہوئے۔

قصرات الطرف، جھکی ہوئی نگاہوں والیاں جو اپنے شوہروں کے بغیر کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہی نہیں باشرم وباحیاء۔ عین جمع عیناء کی ۔ موٹی موٹی خوبصورت آنکھوں والیاں۔ جن کی آنکھوں کا سیاہ حصہ بہت سیاہ اور سفید حصہ نہایت سفید۔ بیض، انڈا خصوصاً شتر مرغ کا انڈا اس میں سفید اور زرد رنگ کی آمیزش بڑی لطیف ہوتی ہے۔ عربی لوگ عورتوں کے اس رنگ کو بہت پسند کرتے تھے ۔

(از ضیاء القرآن)

معلوم ہوا کہ جنت میں پردہ ہوگا۔ کوئی عورت اجنبی مرد کو نہیں دیکھے گی۔ متقی پرہیزگار سے بھی پردہ ہے کہ جنت میں سارے متقی ہوں گے۔ مگر جنتی عورتیں حوریں ان سے بھی پردہ کریں گی، جن گھروں میں آج پردہ ہے وہ جنتی گھر ہیں اور جہاں بے پردگی، بے حیائی ہے وہ دوزخی گھر ہیں۔

(تفسیر نور العرفان)

جنتی بیویاں موتیوں کی طرح ہوں گی

﴿ وَحُوْرٌ عِيْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُوءِ الْمَكْنُوْنِ ﴾

(پ ۲۷/ ١٤)

اور حوریں خوبصورت آنکھوں والیاں (سچے) موتیوں کی مانند جو چھپا رکھے ہوں ۔

حوروں کو موتیوں سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی وہ موتی جو سیپ میں ہو یا ڈبیہ میں بند کر کے رکھا ہوا ہو وہ ہاتھوں سے محفوظ رہتا ہے اور تغیر و تبدل سے بچا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے :

" صفاؤ هن كصفاء الدر الذى لاتمسه الايدى "

(تفسير روح المعانى)

ان (جنتی حوروں کے رنگ اور جسم) کی صفائی ایسے ہوگی جیسے اس موتی کی صفائی ہوتی ہے جس کو ہاتھوں نے نہ چھوا ہو۔ اہل عرب اکثر طور پر حسین چیز کو موتیوں سے تشبیہ دیتے ہیں

جنتی عورتیں جوان ہوں گی

﴿ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ☆ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴾

(پ۲۷ / ۱٤)

ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے، پس ہم نے بنا دیا انہیں کنواریاں (دل و جان سے) پیار کرنے والیاں ہم عمر۔

اہل جنت کی نیک بیویاں جب جنت میں داخل ہوں گی تو ان کی خلقت بالکل بدلی ہوئی ہوگی اگرچہ دنیا میں وہ خوش شکل نہ تھیں، مرتے وقت وہ بالکل بوڑھی تھیں، لیکن جنت میں داخل ہوں گی تو بھرپور جوانی ہوگی۔ مجسم حسن و رعنائی ہوں گی اور کنواری بنا کر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں اس آیت کی یہی تفسیر مذکور ہے۔

حضرت ام سلمہؓ کے عرض کرنے پر حضور ﷺ نے فرمایا:

" يا ام سلمة هن اللواتى قبضن فى الدنيا عجائز شمطا عمشا رمصا جعلهن الله بعد الكبر اترابا على ميلاد واحد فى الاستواء "

اے ام سلمہ ان سے مراد وہی بیویاں ہیں۔ اگرچہ وفات کے وقت بالکل بوڑھی تھیں، ان کے بال سفید تھے۔ ان کی بینائی کمزور تھی، آنکھیں میلی کچیلی رہتی تھیں لیکن جب وہ جنت میں داخل ہوں گی۔ تو ساری ہم عمر ہوں گی۔

عُرُب اس کا واحد عروب ہے، علامہ قرطبی کہتے ہیں " فالعروب تبين محبتها لزوجها بشكل و عنج و حسن كلام " یعنی وہ عورت جو ناز و ادا اور خوش گفتاری سے اپنی محبت کا اظہار اپنے خاوند سے کرے۔

یہ عورت کی ایسی صفت ہے جس میں اس کو نسوانیت کی ساری خوبیاں سمٹ آتی ہیں، حسین و جمیل بھی ہو، نازوادا والی بھی ہو، خوش گفتاری بھی ہو، ہنس مکھ بھی اور اپنے خاوند کو دل سے چاہنے والی بھی ہو اور اپنے چاہت کو چھپانے والی نہ ہو بلکہ اس کا اظہار کرنے والی ہو۔

(تفسیر ضیاء القرآن)

اترابا :

ہم عمر ہوں گی یعنی تمام کی عمریں ایک جیسی تیس اور تینتیس سال کے درمیان ہوں گی کامل جوانی ہو گی۔ اپنے شوہروں سے کامل محبت کرنے والی ہوںگی گی۔

خدام اور چھلکتے جام

﴿ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِنْ فِضَّةٍ ......تا ...... اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَنْثُوْرًا﴾
(پ۲۹/۱۹)

اور گردش میں ہوں گے ان کے سامنے چاندی کے ظروف اور شیشہ کے چمکدار گلاس اور شیشے بھی وہ چاندی کی قسم سے ہوں گے۔ ساقیوں (پلانے والے) نے انہیں پورے اندازہ سے بھرا ہو گا۔ اور انہیں پلائے جائیں گے۔ وہاں (ایسی شراب کے) جام جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہو گی۔

...... یہ زنجبیل جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے ......

اور چکر لگاتے رہیں گے ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک ہی حالت پر رہیں گے۔ جب تو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے گویا یہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں۔

آنیة

جمع ہے اناء کی، ظرف، برتن۔ اکواب، کوب کی جمع ہے وہ پیالہ یا پیالی جس کے ساتھ کنڈا نہ ہو۔

کانت قواریرا ، قواریرا من فضة

حضرت ابن عباسؓ نے اس کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

" آنية من فضة صفاء ها كصفاء القوارير ."

یعنی یہ سارے برتن چاندی کے بنے ہوں گے لیکن ان میں چمک اتنی زیادہ ہو گی کہ خیال گزرے گا کہ شیشہ اور بلور ڈھال کر انہیں بنایا گیا ہے۔

ساقی گری کی خدمت پر جو خدام مقرر ہوں گے وہ بھی بڑے سلیقہ شعار اور ادا شناس ہوں گے۔ صراحی سے جام میں اتنی مقدار میں شراب انڈیلیں گے جتنی پینے والا چاہے گا، جتنی اس کی خواہش ہو گی۔ اناڑی نہ ہوں گے۔ جس کو چند گھونٹ کی خواہش ہو اسے چھلکتا گلاس دے دیں اور جو زیادہ پینا چاہتا ہو اسے چند قطروں پر ٹرخا دیں ۔ جن کی دلداری اور عزت افزائی مقصود ہے وہ ان کی خواہش کا پورا پورا احترام کریں گے۔

انہیں ایسی شراب دی جائے گی جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی ملاوٹ ہو گی۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ یہ بھی جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے اور اسی کو سلسبیل بھی کہا جاتا ہے۔ اہل عرب شراب میں سونٹھ ملا کر پیتے تھے۔ انہی کا پسند خاطر نام ذکر فرما دیا اور بتا دیا کہ جنت میں ایک چشمہ اسی نام کا جاری ہے جس میں سونٹھ کی بُو تو ہو گی لیکن اس کے ذائقہ کی تلخی نہ ہو گی۔

خدام لڑکے ہر وقت ان کی خدمت بجالانے کے لئے اور ان کے احکام کی تعمیل کے لئے ان کے آگے پیچھے پھرتی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کی شکل و صورت اور ان کے رنگ روپ میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اور جب وہ جنت کے مرغزاروں اہل جنت کی خدمت کیلئے ادھر ادھر بھاگے پھر رہے ہوں گے تو یوں معلوم ہو گا کہ کوئی موتیوں کی لڑی ٹوٹ گئی ہے اور اس کے تابندہ اور رنگ رنگیلے موتی اِدھر اُدھر لڑھکتے چلے جا رہے ہیں۔

(از ضیاء القرآن)

جنتی شراب پاکیزہ ، نشہ سے پاک

﴿ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ☆ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ☆ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴾

(پ۲۳/ ٦)

ان پر (پاکیزہ شراب) کے چھلکتے جام کو پھرایا جائے گا۔ سفید رنگ ، پینے والوں کو لذت حاصل ہوگی۔ نہ اس میں نشہ ہوگا اور نہ ہی سر کو چکر آئیں گے۔

کأس اس پیالہ کو کہتے ہیں جس میں شراب موجود ہو۔ خواہ دنیا کی شراب یا جنت کی۔ خالی پیالہ کو قدح کہتے ہیں۔ معین کا معنی ہے جاری ہونا جس طرح جاری پانی کو عان الماء کہہ لیا جاتا ہے۔ یعنی پیالے بھرے ہوں گے ، چھلک رہے ہوں گے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں ” ان خمرا لجنة اشد بیاضامن اللبن “بیشک جنت کا شراب دودھ سے بھی زیادہ سفید ہوگا ”لا تغول عقولهم من السكر“ جنتی شراب میں نشہ نہیں ہوگا کہ اس سے عقل زائل ہو جائے ”لیس فیها نتن ولا کراهية كخمر الدنیا“ دنیا کے شراب کی طرح نشہ اس میں بدبو اور کراہیت نہیں پائی جائے گی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ”فی الخمر اربع خصال السكر والصداع والقیء و البول فنزه اللّٰه تعالیٰ خمرالجنة عنها“ دنیا کے شراب میں چار صفات ہیں۔ نشہ ، سر کا چکرانا ، قے آنا اور اس سے پیشاب آنا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جنت کے شراب کو ان تمام سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔

(تفسیر روح المعانی)

یاد رہے جنت میں پیشاب نہیں آئے گا۔ (تفصیل ان شاء اللہ عنقریب ذکر ہوگی)

جنتی شراب کافور کی طرح ہوگا

﴿ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ☆ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴾

(پ۲۹/ ۱۹)

بے شک نیک لوگ پئیں گے (شراب کے) ایسے جام جن میں آبِ کافور کی آمیزش ہو گی۔ (کافور) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (وہ) خاص بندے پئیں اور جہاں چاہیں گے اسے بہا کر لے جائیں گے۔

یعنی جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جنت میں اپنے اپنے مقامات پر تشریف فرما ہوں گے تو ان کو پاکیزہ شراب کے پیالے بھر بھر کر پیش کئے جائیں گے جن میں چشمہ کافور کا پانی جب ٹھنڈک اور رنگ میں کافور کی طرح ہو گا۔ اسی طرح وہ شراب بھی کافور کی طرح سفید اور چمکدار اور نہایت لذیذ اور ٹھنڈی ہو گی۔

جنت والوں کو جب پانی کی ضرورت ہو گی تو ان کی خواہش کے مطابق پانی خود بخود ادھر بہنا شروع ہو جائے گا۔ جدھر وہ اشارہ کریں گے۔ یعنی انہیں پانی حاصل کرنے میں کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی۔

تنبیہ :- سابقین اور مقربین کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے نیچے سے شراب طہور کے بھرے ہوئے پیالے بلا واسطہ پلائے گا۔ درمیانی درجے والوں کو فرشتے پلائیں گے۔ اور عام لوگوں کے ساقی غلمان ہوں گے۔ جب وہ بہشت کے شراب کو پئیں گے تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مست ہو جائیں گے۔ پردوں کو الٹ دیں گے۔ بے چون و چگوں و بے جہت حق تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ الٰہی! ہمیں بھی یہ نعمتیں عطا فرما اور اپنے کرم سے مقربین میں داخل فرما۔ آمین

(تفسیر چرخی، ضیاء القرآن سورہ الدھر)

جنتی حضرات پاکیزہ خوش طبعی کریں گے

﴿ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ☆ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴾

(پ ۲۷/۳)

وہ چھینا جھپٹی کریں گے وہاں جام شراب پر (لیکن) اس میں نہ کوئی لغویت ہو گی اور نہ گناہ اور (خدمت بجالانے کے لئے) چکر لگاتے ہوں گے ان کے گرد۔ ان کے غلام (اپنے حسن کے

باعث) یوں معلوم ہوں گے گویا وہ چھپے موتی ہیں۔

جنت میں منعقد ہونے والی مجلس نشاط و سرور کی کتنی عمدہ تصویر کشی کی گئی۔ اہل جنت جب اپنی مجلس نشاط سجائیں گے۔ مہوش ساقی بلوریں جاموں (چاند کی صورت والے پلانے والے شیشے کی طرح چمکتے ہوئے پیالوں) میں شراب طہور (پاکیزہ) ڈال کر پیش کریں گے اور چھلکتے ہوئے جام کب گردش میں آئیں گے تو انس و محبت اور بے تکلفی کے عالم میں وہ ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کریں گے۔ یہ اس کے ہاتھوں سے جام چھینے گا اور وہ اس سے اچکنے کی کوشش کرے گا یہ سب کچھ ازراہِ ملاعبت و ملاطفت ہو گا۔ لیکن کیف و سرور کے اس عالم میں بھی وہ بے ہودہ گوئی اور ہرزہ سرائی کے قریب تک نہیں جائیں گے۔ کوئی ناشائستہ حرکت اور گناہ اس وقت بھی ان سے صادر نہیں ہو گا۔

علامہ آلوسی نے بڑے پیارے انداز سے یتنازعون کی تفسیر لکھی ہے:

" ای یتجاذبونها فی الجنة هم وجلساء هم تجاذب ملاعبة کما یفعل ذالك الندامی بینهم فی الدنیا بشدة سرورهم "

(تفسیر روح المعانی)

یعنی وہ لوگ اپنے ندیموں (ہمنشینوں) سے ازراہ ملاعبت و ملاطفت پیالے چھینیں گے۔ جس طرح اس دنیا میں مے خواری کے وقت مے خوار کرتے ہیں۔

دیگر آسائشوں کے علاوہ اہل جنت کو خدمت گار بھی مہیا کیے جائیں گے جو ہر وقت ان کے ارد گرد گھومتے رہیں گے تاکہ ان کے ہر اشارہ ابرو کی فوراً تعمیل کر سکیں۔ وہ خدمت گزار دنیا کے خدام کی طرح بد وضع، غلیظ اور اکھڑ مزاج نہیں ہوں گے۔ بلکہ بہت خوبصورت اور صاف ستھرے ہوں گے۔ یوں محسوس ہو گا کہ وہ آبدار موتی ہیں جو اب تک آغوش صدف میں مستور ہے اور ابھی ابھی باہر نکلے ہیں۔

(از تفسیر ضیاء القرآن)

جنتی لوگوں کو پھل عطا کیے جانا

﴿ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ﴾
(پ ۱/ ۳)

جب انہیں ان باغوں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا (صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں پہلے ملا تھا۔ یعنی جنت میں جب لوگوں کو پھل دیئے جائیں گے تو وہ شکل میں اور نام میں دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے تو جنتی لوگ بہت تعجب سے یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی کتنی عظیم قدرت ہے کہ اس نے ہمیں یہاں بھی دنیا کے پھلوں کی طرح پھل عطا کر دیئے۔ لیکن جنتی لوگوں کے گمان میں یہ ہو گا کہ شائد ذائقہ اور لذت میں بھی ان پھلوں کی طرح ہی ہوں گے لیکن حقیقت میں وہ ان سے بہت ہی زیادہ لذیذ اور مزہ دار ہوں گے جس کی کیفیت کو بیان کرنا ممکن نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "لیس فی الجنة من اطعمة الدنیا الا الاسماء"

(بیهقی، روح المعانی)

جنت میں دنیا کے کھانوں کا صرف نام ہی ہو گا۔ یعنی صرف شکل اور نام میں مشابہت ہو گی ورنہ وہ بہت ہی عمدہ ہوں گے۔ اسی طرح جب جنت میں دوبارہ ان کو پہلے کھائے ہوئے پھل کی خواہش ہو گی تو دوبارہ جب وہ حاصل کریں گے تو کہیں گے یہ وہ ہی پھل ہے جو ہم نے ابھی پہلے کھایا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جتنی مرتبہ ان کو ایک ہی پھل ملے گا اتنی مرتبہ ہی اس کا ذائقہ پہلے سے مختلف ہو گا۔ اس طرح ان کے تعجب میں اور اضافہ ہو گا کہ ہم تو سمجھ رہے تھے یہ وہی پھل ہے لیکن اس کا ذائقہ تو اور ہی نرالا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی:

والذی نفس محمد بیده ان الرجل من اهل الجنة یتناول الثمرة لیأ کلها فما هی واصلة الی فیه حتی یبدل الله تعالیٰ مکانها مثلها"

(تفسیر روح المعانی)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے بیشک جنتی آدمی جب ایک مرتبہ کھانے کے لئے پھل حاصل کرے گا تو جب ایک مرتبہ وہ پھل اس کے منہ میں پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ (ان درختوں کے ساتھ ہی) ان کی جگہ اور پھل لگا دے گا۔ یعنی اگرچہ شکل تو پہلے والوں کی ہو گی لیکن ذائقہ اور ہی عجیب ہو گا۔

خیال رہے کہ دو قول ماننے کے بجائے یہ تفسیر زیادہ مناسب ہے کہ پہلی مرتبہ پھل دیکھ کر

سمجھیں گے یہ دنیا کے پھلوں کی طرح ہیں اور پھر سمجھیں گے کہ یہ تو ابھی جنت میں پہلے حاصل ہو چکے ہیں۔

(تفسیر روح المعانی)

﴿هذا الذی رزقنا من قبل﴾ کی تفسیر میں ایک جگہ تحریر ہے "وهو المرزوق فی الدارین" یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں دنیا اور جنت میں دیا جاچکا ہے۔ دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ "ان المراد من المرزوق فی الدنیا والآخرة" بے شک ان کا یہ کہنا کہ یہ تو ہمیں پہلے بھی دیا گیا۔ اس سے مراد جو رزق دنیا میں اور پھر آخرت (جنت) میں ہمیں دیا گیا۔

پھل بہت ہوں گے ان میں کوئی کمی نہیں ہو گی

﴿ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ ...... تا ...... مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴾

(پ ۲۵ / ۱۳)

ان پر سونے کے پیالے اور جام پھرائے جائیں گے۔ اور اس میں جو جی چاہئے اور جس سے آنکھ کو لذت پہنچے اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے اور یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث کئے گئے (مالک بنائے گئے ہو) اپنے اعمال سے تمہارے لئے اس میں بہت میوے ہیں کہ ان میں سے کھاؤ۔

یعنی درخت ثمر دار (پھل دار) سدا بہار ہیں ان کی زیب و زینت میں فرق نہیں آتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی ان سے ایک پھل لے گا تو درخت میں اس کی جگہ دو پھل نمودار ہو جائیں گے۔

خالص لذیذ خواہش کے مطابق پھل دیئے جائیں گے

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّعُیُوْنٍ ☆ وَفَوَاکِهَ مِمَّا یَشْتَهُوْنَ ☆ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْئًا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾

(پ۲۹ / ۲۲)

بیشک متقی لوگ سایوں اور چشموں میں ہیں۔ اور میووں میں جو ان کا جی چاہے۔ (حکم ہو گا) کھاؤ اور پیو دل بھاتا۔

هنیئا :- لذیذ خالص جس میں ذرا بھی نقص کا شائبہ نہ ہو جو دل میں رچے دل کو بھائے۔

اہل جنت ہر قسم کی آسائش اور ناز نعمت میں آرام کریں گے۔ ان کو ان کی مرضی، خواہش کے مطابق نعمتیں عطا کی جائیں گی۔ دنیا کی طرح نہیں کہ کبھی کوئی نعمت حاصل ہونے کی تمنا ہو تو وہ میسر نہ ہو۔

خیال رہے کہ یہاں متقین سے مراد مومن لوگ ہیں۔ ان المتقین من الکفر والتکذیب لوقوعه فی مقابلة المکذبین بیوم الدین فیشمل عصاة المؤمنین.

(روح المعانی)

یہ نعمتیں ان لوگوں کو حاصل ہوں گی جو کفر اور قیامت کو جھٹلانے سے ڈرتے رہے کیونکہ اس مقام پر قیامت کے جھٹلانے والوں کے عذاب کے مد مقابل ذکر کیا گیا ہے۔ لهذا یہ نعمتیں ان گناہگار مومنوں کو بھی حاصل رہین گی جن کو پہلے ہی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یا انبیاء کرام کی شفاعت سے جنت میں داخل فرمادے گا اسی طرح صلحاء شہداء کی شفاعت سے کسی کو جنت میں داخل کر دیا جائے۔ وہ گناہگار جو جہنم میں اپنے گناہوں کی سزا کاٹ کر جنت میں داخل ہوں گے ان کو بھی جنت میں تمام نعمتیں حاصل ہوں گی۔

جنتی لوگوں کے قریب پھل خود ہی آئیں گے

﴿ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴾

(پ۲۹ / ۱۹)

اور اس (بہشتی درختوں) کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور اس کے گچھے جھکا کر نیچے کر دیئے ہوں گے۔ یعنی جنتی لوگ جب بھی کسی پھل کی خواہش کریں گے تو ان کو وہی پھل جس کی انہوں نے خواہش کی ہو گی درخت خود ان کے قریب ہو کر ان کو عطا کرے گا۔ اگرچہ تمام پھل ہر وقت قریب ہوں گے۔ کسی کی طلب کے لئے ادھر ادھر بھاگ دوڑ، تلاش کرنے کی ضرورت نہیں آئے گی۔ کہ درختوں پر چڑھ کر ان کے پھل کو توڑا جائے۔

" ای سخرت ثمارها لمتنا ولها ان کان الانسان قائما تناول الثمر دون کلفة وان کان قاعدا اومضطجعا ولا یرد الید عنها بعد ولا شوك "

(المختصر من روح المعانی)

یعنی ان کے پھلوں کو حاصل کرنے والوں کے تابع کر دیا جائے گا۔ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں

یا لیٹے ہوں ہر حال میں بغیر کسی مشقت کے پھل حاصل کرلیں گے۔ ان کے ہاتھ پھلوں سے دور نہیں رہیں گے۔ اور درختوں میں کسی قسم کے کانٹے نہیں ہوں گے جو توڑنے والوں کے لئے رکاوٹ کا سبب بنیں۔

پھل اور پرندوں کا گوشت

﴿ وَفَاكِهَةٍ مِمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ☆ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾

(پ۲۷ / ۱٤)

اور میوے جو پسند کریں۔ اور پرندوں کا گوشت جو چاہیں۔

یعنی ہر قسم کا پھل وہاں میسر ہوگا۔ انسان جو چاہے گا وہی اعلیٰ اور افضل حالت میں ان کو حاصل ہو جائے گا۔ اور پرندوں کا گوشت بھی حاصل ہو جائے گا۔

" ان الرجل من اهل الجنة يشتهي الطير من طيور الجنة فيقع في يده مقليا نضجا "

(روح المعانی)

بے شک جنتی انسان جب پرندوں کے گوشت کی خواہش کرے گا تو جنتی پرندے اس کے ہاتھ میں خود بخود بھونے ہوئے آجائیں گے۔ لیکن خیال رہے جنت کا تمام نظام دنیا کے نظام سے علیحدہ اور عجیب تر ہے۔ پرندوں کا بھونا ہوا دنیا کے پرندوں کے بھونے کی طرح نہیں ہوگا اور وہ کھائے جانے سے ختم نہیں ہوں گے۔

حضرت میمونہؓ سے مروی ہے :

" ان الرجل يشتهي الطير في الجنة فيجيء مثل البختي حتى يقع على خوانه لم يصبه دخان ولم تمسه نار فيا كل منه حتى يشبع ثم يطير الى غير ذالك"

(تفسیر روح المعانی)

انسان جنت میں جب پرندوں کے گوشت کی خواہش کرے گا تو وہ خود بخود سفید بُختی اونٹوں کی طرح اس کے دستر خوان پر آجائیں گے۔ (اگرچہ بھونے ہوئے ہوں گے) لیکن ان کو دھوئیں اور آگ نے چھوا تک نہیں ہوگا۔ یہ اس سے سیر ہو کر کھالیں گے پھر وہ اڑ کر دوسرے آدمی کی طرف چلے جائیں جو ان کی خواہش رکھتا ہوگا۔

نیک لوگ باغات میں اور عذاب سے محفوظ

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِیْمٍ ☆ فٰکِهِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴾

(پ ۲۷ / ۳)

بے شک پرہیز گار باغوں اور چین میں ہیں اور اپنے رب کی عطاء پر خوش ہوں گے۔ اور انہیں ان کے رب نے آگ کے عذاب سے بچالیا۔

یعنی نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عذاب سے نجات عطا فرمائے گا کیونکہ انسان کے اعمال میں اتنے عیوب اور کوتاہیاں پائی جاتی ہیں کہ (اگر عدل کی بات ہو تو کوئی طریقے سے نیک لوگوں کا گرفت میں آنا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے عذاب سے محفوظ ہوں گے اور باغوں کی سیر کر کے اور نعمتوں کے حصول سے خوش ہوں گے۔

نیک لوگ باغات اور نہروں میں

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ☆ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾
(پ ۲۷ / ۱۰)

بے شک پرہیز گار باغوں اور نہر میں۔ سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور۔ یعنی اللہ کے مقبول بندے جنتوں میں ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے میٹھے پانی، شراب طہور، صاف مصفی شہد اور تازہ دودھ کی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اواخر آیات کی رعایت کرتے ہوئے لفظ واحد ذکر کیا گیا۔ (نہر) لیکن مراد انہار ہی ہے۔ (اعلیٰ حضرت نے ترجمہ میں نہر ذکر کیا ہے لیکن اس سے مراد بھی ہر نہر ہی ہے مقصد آپ کا بھی نہریں ہی ہے)

حضرت امام جعفر صادقؓ فرماتے ہیں:

" مدح المکان بالصدق فلا یقعد فیه الا اهل الصدق "

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو صفت صدق سے موصوف فرمایا ہے اس لئے کہ وہاں اہل صدق کو ہی بیٹھنے کی جگہ ملے گی۔ بانه یبیح عز و جل لهم النظر الی وجهه الکریم .

(روح المعانی)

یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے ساتھ جو وعدے فرمائے ہیں وہ پورے فرمائے گا۔ اس وقت ان عاشقان دلفگار کو اذن عام ہوگا کہ اے آتش عشق میں جلنے والو، اے شوق دیدار میں ماہی بے آب کی طرح عمر بھر تڑپنے والو، محبوب ازل اپنے رخ زیبا سے پردہ اٹھا رہا ہے، آنکھیں اٹھاؤ اور سیر ہو کر شاہد رعنا کا دیدار کر لو۔

(از ضیاء القرآن)

جنتی لوگ بول و براز وغیرہ سے محفوظ

حضرت جابرؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اہل جنت اس میں (جنت میں) کھائیں گے، پئیں گے " ولایتفلون ، ولایبولون ، ولا یتغوطون ولا یمتخطون " انہیں تھوک نہیں آئے گی، پیشاب نہیں آئے گا، پاخانہ نہیں آئے گا۔ ناک نہیں بہے گا، کھنکھار وغیرہ نہیں آئے گا، صحابہ کرام نے عرض کیا اس کے کھانے کا کیا حال ہوگا ؟ آپ نے فرمایا :

" جشاء ورشح كرشح المسك يلهون التسبيح اولتحميد كما تلهون النفس "
(مسلم ، مشکوٰة باب صفة الجنة)

وہ ڈکار سے ہضم ہوگا اور پسینہ سے وہ پسینہ کستوری کی طرح خوشبودار ہوگا۔ تسبیح و تحمید ان کو ایسے الہام کی جائے گی جس طرح سانس الہام کیا جاتا ہے۔

یعنی جنت میں انسان ہر اس چیز سے محفوظ رہے گا جو دنیا میں ناپسندیدہ ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے فرمایا انسان جنت میں بول و براز وغیرہ سے بچا ہوگا تو صحابہ کرام نے از روئے تعجب عرض کیا کہ وہ کھانا، پینا کہاں جائے گا۔ آپ نے فرمایا ڈکار اور پسینہ سے ختم ہو جائے گا۔ لیکن وہ ڈکار اور پسینہ دنیا سے مختلف ہوگا۔ "فجشاء الجنة لا يكون مكروها بخلاف جشاء الدنيا" دنیا کا ڈکار ناپسندیدہ ہے لیکن جنتی ڈکار میں بھی خوشبو اور حسن ہوگا۔ اور دنیا کا پسینہ بدبودار ہوتا ہے لیکن جنت کا پسینہ کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار ہوگا۔ " والاظهر ان الاكل يتقلب جشاء والشرب يعود رشحا" ظاہر یہی ہے کہ کھانے کی اشیاء ڈکار سے ہضم ہو جائیں گے اور پینے کی پسینہ کی شکل میں مترشح ہو کر۔

الہام :- القاء الشیء فی الروع ۔ انسان کے نفس میں کسی چیز کا القاء کرنا۔ یعنی مطلب یہ

ہے کہ انسان کو جس طرح سانس لینے میں تھکاوٹ اور دشواری نہیں ہوتی اسی طرح تسبیح و تحمید بھی بغیر تھکاوٹ اور دشواری کے اسے حاصل رہیں گے بلکہ جس طرح سانس انسان سے کسی وقت مکمل رابطہ توڑتا نہیں اسی طرح جنت میں انسان سے تسبیح و تحمید کا ذکر کبھی ختم نہیں ہوگا۔

(مرقاۃ المفاتیح)

جنتی لوگوں کا لباس اور سونے کے کنگن

﴿ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ ...... تا ...... وَلاَ يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴾

(پ۲۲ / ۱۶)

جنات عدن (بسنے کے باغوں) میں داخل ہوں گے ان میں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہے۔ اور کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمارا غم دور کیا، بیشک ہمارا رب بخشنے والا قدر فرمانے والا ہے۔ وہ جس نے ہمیں آرام کی جگہ اتارا اپنے فضل سے، ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے نہ ہمیں اس میں کوئی تھکان لاحق ہو۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریم کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا:

"ان عليهم اليتجان انى ادني لؤلؤة منها لتضئ ما بين المشرق والمغرب"

بیشک ان (جنتیوں) کو تاج پہنائے جائیں گے جن کا ادنی (سب سے کم درجہ) موتی اتنی چمک رکھتا ہوگا۔ کہ وہ مشرق و مغرب کے درمیان تمام جگہ کو روشن کردے اور اسی طرح کنگن سونے اور موتی سے بنائے جائیں گے "يرصع الذهب باللؤلؤ كمايرصع ببعض الاحجار" سونے کے کنگنوں پر موتیوں کا جڑاؤ ہوگا جیسے کئی پتھری ہیروں کے جڑاؤ سے سونے کو مزین کیا جاتا ہے۔ جنتیوں کا لباس خالص ریشم کا ہوگا۔

(روح المعانی)

جنتی لوگوں کے سبز کپڑے

﴿ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَ اِسْتَبْرَقٍ ﴾

(پ۱۵ / ۱٦)

وہ اس میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز کپڑے کریب اور قنادیز پہنیں گے جنت میں لوگ شان و شوکت سے ہوں گے۔ جنت کا ہر نظام دنیا کے نظام سے بلند تر ہوگا، اس لئے

وہاں کا سونا، چاندی اور موتی صرف نام کے لحاظ پر دنیا کے سونے، چاندی اور موتیوں سے مشابہت ہوگی ورنہ ان کی حقیت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ جب کم از کم درجہ کا موتی مشرق و مغرب کے درمیان کو روشن کر سکتا ہے تو اعلیٰ کا مقام کیا ہوگا۔

ہر جنتی کو تین تین کنگن پہنائے جائیں گے سونے اور چاندی اور موتیوں کے، حدیث صحیح میں ہے کہ وضوء کا پانی جہاں جہاں پہنچتا ہے وہ تمام اعضاء بہشتی زیوروں سے آراستہ کئے جائیں گے۔

(خزائن العرفان)

سندس :- هو رقيق الديباج ، باریک، نفیس ریشمی کپڑا، جس کو دیباج بھی کہا گیا گے۔ اطلس یا دلپاس بھی اس کے نام کسی وقت رہے ہیں۔ اور باریک ریشمی کپڑے پر قنادیز بھی استعمال ہوا ہے۔

استبرق :- انه غليظ الديباج . ریشمی کپڑا لیکن ذرا موٹا۔ اسی طرح سونے کے تاریں جس کپڑے میں استعمال ہوں اسے بھی استبرق کہا گیا ہے۔ ریشمی موٹے کپڑے کو کریب بھی کہا جاتا ہے۔

(از روح المعانی)

کپڑوں کا سبز رنگ اس طرح روشن چمکدار ہوگا جو نظر کو پسند آئے گا۔ بلکہ نظر کی روشنی کی زیادتی کا سبب ہوگا۔ "ان الرجل يكسى فى الساعة الواحدة سبعين ثوبا" جنتی شخص کو ایک ایک وقت میں ستر ستر کپڑے دیئے جائیں گے۔ ایک ایک گھڑی میں وہ لباس تبدیل کرتا رہے گا۔ جو اسے پسند ہوگا وہ پہنے گا۔

(روح المعانی)

جنتی لوگ تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے

﴿مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَائِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا﴾

(پ ۱۵ . ۱۶/)

وہاں تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے، کیا ہی اچھا ثواب اور جنت کیا ہی اچھی آرام کی جگہ۔

ارائک :- جمع ہے اریکہ کی۔ یہ اس تخت کو کہتے ہیں جس کے ارد گرد پالکی بنائی گئی ہو یعنی جس طرح دلہن کی ڈولی ہوئی ہے یا دلہن کے لئے چارپائی پر پالکی بنا کر چارپائی کو سجایا جاتا تھا۔ اسی طرح کے وہ تخت خوبصورت سجائے ہوں گے۔

تخت اونچے ہوں گے

﴿ وَفُرُشٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴾ (پ۲۷ / ۱۴)

اور بستر بچھے ہوں گے اونچے اونچے پلنگوں پر۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا :

" ارتفاعها كما بين السماء والارض مسيرة ما بينما خمس مائة عام "

ان تختوں کی بلندی اتنی ہوگی جتنی زمین و آسمان کے درمیان بلندی ہے، ان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

" ولا تستبعد ذالك فالعالم عالم آخر وراء طور عقلك "

یہ کوئی بعید بات نہیں۔ اس جہان کا نظام نظام ہی اور ہے، جو عقل کے ادارک سے ماوراء ہے۔ یعنی سمجھ سے بالاتر ہے۔

(از روح المعانی)

جنت میں بستر ریشمی ہوں گے

﴿ مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ﴾ (پ۲۷ / ۱۳)

وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بستروں پر جن جن کے استر موٹے ریشم کے ہوں گے۔

عام رواج یہی ہے کہ " استر " یعنی نیچے والا کپڑا بنسبت " ابری " یعنی اوپر والے کپڑے سے گھٹیا ہوتا ہے کوٹ، لحاف، رضائی وغیرہ میں اسی چیز کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ جب جنتی بستروں کا استر ریشمی استبرق کا ہوگا تو اوپر والے حصہ کا کیا مقام ہوگا ؟

سبز خوبصورت آرام دہ مسند ہوگی

﴿ مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴾ (پ ۲۷ / ۱۳)

وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسند پر جو از حد نفیس بہت خوبصورت ہوگی ۔

" رفرف " کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ سبز رنگ کی ریشمی چادر جو بستر پر بچھائی جاتی

ہے اور تکیہ جس پر ٹیک لگائی جاتی ہے "الرفرف ضرب من بسط و قبل الوسائد"
(کشاف)
اور علامہ قرطبیؒ نے رفرف کے بہت سے معانی بیان کئے ہیں ایک معنی یہ بھی لکھا ہے۔ :
" قد قیل ان الرفرف شیء اذ استوی علیه صاحبه رفرف به واهوی به کالمرجاح یمینا و شمالا ورفعا خفضا یتلذذ مع انیسته"
رفرف ایک ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر جب انسان بیٹھتا ہے تو کبھی وہ اوپر جاتی ہے کبھی نیچے کبھی دائیں کبھی بائیں۔ وہ جنتی اپنی مونس وہمدم کے ساتھ بیٹھا لطف اندوز ہو رہا ہو گا لطف و مسرت کے لحاظ سے یہ معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔
عبقری :" ثیاب منقوشة تبسط" پھولدار نقش ونگار والا قالین۔ ایسا خود ہی خوبصورت ہوتا ہے لیکن اس کی خوبصورت اور نفاست کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اللہ تعالیٰ بھی اسے "حسان" بہت خوبصورت فرما رہا ہے۔
(ضیاء القرآن)

جنتی انعام پر خوش ہوں گے

﴿ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ...... تا ...... وَزَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴾
(پ ۳۰ . الغاشیة)

کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے، اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے۔ عالی شان جنت میں، نہ سنیں گے وہاں کوئی لغوبات ۔ اس میں چشمہ جاری ہوگا۔ اس میں اونچے تخت (بچھے) ہوں گے۔ اور ساغر قرینے سے رکھے ہوں گے۔ اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گے اور قیمتی قالین بچھے ہوں گے۔

ناعمة :- تروتازہ جن پر نعمت وراحت کے آثار نمایاں ہوں گے۔ " لسعیھا " جو کوشش وہ زندگی بھر کرتے رہے ہوں گے ان کی جگر سوزیوں، عرق ریزیوں اور جد جہد کے عوض جو انعامات انہیں ملیں گے۔ انہیں دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہے گی۔ فردوس بریں میں یہ اقامت گزیں ہوں گے۔ کوئی ایسی بات یہ نہ سنیں گے جو انہیں ناگوار ہو۔ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے ہر طرف بہہ رہے ہوں گے۔ جگہ جگہ ان کے لئے اونچے پلنگ بچھے ہوں گے بڑے قرینے (سلیقے) سے ساغر اور بلوریں جام رکھے ہوں گے۔

نمارق جمع ہے اس کا واحد نمرقہ ہے۔ چھوٹے تکیے اور وہ گدیلے جو کجاوے (پالان) کے اوپر ڈالے جاتے ہیں ان کو بھی نمارق کہتے ہیں۔ زرابی اس کا واحد زربیہ ہے قالین، چاندنی جو فرش پر بچھائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ان مہمانوں کی جنت میں جو خاطر و مدارات ہو گی۔ ان کے آرام و آسائش کے جو سامان مہیا کئے جائیں گے۔ انہیں جو شرف پذیرائی بخشا جائے گا، ان کا دلنواز تذکرہ آپ نے سنا جو لوگ ان وعدوں کی سچائی پر ایمان رکھتے ہیں انہیں سب کچھ چھوڑ کر بلکہ جان دے کر بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا پڑے تو انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

(تفسیر ضیاء القرآن)

نبی کریم ﷺ کا رو کر دعا کرنا:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق نازل شدہ اللہ تعالیٰ کے قول (آیۃ کریمہ) کو تلاوت کیا۔

﴿ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ وَمَنْ عَصَانِىْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

اے میرے رب بیشک ان (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ پس جس شخص نے میری تابعداری کی بیشک وہ میرا ہے۔ اور جس نے میری نافرمانی کی بیشک تو ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ﴾ اگر تو ان کو عذاب دے تو بیشک وہ تیرے بندے ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور روتے ہوئے عرض کیا "اللھم امتی امتی" اے اللہ میری امت، میری امت (اس کو بخش دے، میری امت کا مجھے غم نہ دینا) اللہ تعالیٰ نے کہا اے جبرائیل محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور تمہارا رب جانتا ہے۔ (وربک اعلم جملہ معترضہ ہے) ان سے پوچھو تمہیں کس چیز نے رلایا ہے۔ جبرائیل آپ کے پاس حاضر ہوئے، آپ سے سوال کیا، رسول اللہ ﷺ نے جو عرض کیا تھا

(اللھم امتی امتی) اس کے متعلق خبر دی۔ رب تعالیٰ نے فرمایا اے جبرائیل محمد (ﷺ) کے جا کر کہو" انا سنرضیک فی امتک ولا نسوءك" ہم تمہیں امت کے بارے میں راضی کریں گے۔ کوئی غم نہیں پہنچائیں گے۔

(مسلم ، مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ)

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں اس حدیث پاک سے یہ فوائد حاصل ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کو اپنی امت پر کامل شفقت حاصل ہے۔ آپ اپنی امت کی بہتری اور ان کے تمام بھلائی کے امور کا اہتمام فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کو راضی کرنے اور امت کا غم نہ پہنچانے کا آپ سے وعدہ فرمانا یہ آپ کی امت کے لئے بہت بڑی بشارت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حضور بنسبت باقی انبیاء کرام حضور ﷺ کا عظیم مرتبہ ہے۔ جبرائیل امین کو آپ کے پاس بھیج کر سوال کرنے میں بھی یہی حکمت ہے کہ آپ کے مرتبہ کو واضح کرنا مقصود تھا کہ تمام کو آپ کی فضیلت، برتری کا علم ہو جائے۔

(مرقاۃ)

اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ باقی انبیاء کرام نے گناہگاروں کو رب کے سپرد کیا کہ اللہ وہ تیرے ہیں تو ہی ان سے اپنی مرضی کے مطابق سلوک فرما۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے عرض کیا:
اے اللہ! ہیں تو گناہگار! لیکن جب میرے امتی ہیں تو وہ میرے ہی ہیں، ان پر رحم فرما۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عجیب انداز

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) جہنم پر پل بچھایا جائے گا۔ تمام رسولوں سے پہلے میں اپنی امت کو اس سے گذاروں گا۔ اس دن سوائے رسولوں کے کسی کو کلام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور اس دن رسولوں کا کلام ہوگا" اللھم سلم سلم "اے اللہ سلامتی سے (ہماری امتوں کو) گذادے۔ اور جھنم میں آگے سے ٹیڑھی کی ہوئی لوہے کی سلاخیں اس طرح ہوں گی جس طرح سعدان پودے کے کانٹے ہوتے ہیں، وہ سلاخین کتنی

بڑی ہوں گی ان کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ ان سے لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق کھینچا جائے گا۔ بعض لوگ ھلاک ہو جائیں گے (کافر ھلاک ہو جائیں گے) اور بعض کو گرا دیا جائے گا اور بعد میں ان کو نجات دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما کر فارغ ہو جائے گا تو کچھ لوگوں کو جہنم سے نکالنے کا ارادہ فرمائے گا، جب کو نکالنے کا ارادہ فرمائے گا یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے یہ شہادت دی ہوگی اللہ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا جن لوگوں نے اللہ کی عبادت کی تھی ان کو نکال لو۔ فرشتے ان کو نکال لیں گے۔ اور سجدہ کی علامات (چہرے پر نورانیت) سے انہیں پہچان لیں گے اللہ تعالیٰ آگ پر حرام کر دے گا کہ وہ جن (اعضاء) پر سجدہ کے اثرات ہیں ان کو کھائے ۔ تمام انسانوں کو آگ کھا جائے گی سوائے ان کے جن پر سجدہ کے علامات ہوں گی۔ جب ان کو آگ سے نکالا جائے گا تو وہ آگ سے جل چکے ہوں گے۔ ان پر آب حیات ڈالا جائے گا وہ اسی طرح صحیح و سلامت ہو جائیں گے جس طرح بہتے پانی پر دانہ کھل کھلا رہا ہوتا ہے۔

ایک آدمی جنت اور دوزخ کے درمیان باقی رہ جائے گا۔ یہ سب دوزخیوں میں سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا ہوگا۔ اس کا چہرا ابھی تک آگ کی طرف ہوگا۔ یہ عرض کرے گا اے میرے رب میرے چہرے کو آگ سے پھیر لے، مجھے اس کی گرم لو ھلاک کر رہی ہے۔ اور اس کے شعلوں نے مجھے جلا کر رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں ایسا کر دوں تو ہو سکتا ہے تو اور سوال کرنا شروع کر دے۔ تو وہ کہے گا اے اللہ تیری عزت کی قسم میں اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ اور تقدیر کے مطابق اسے یہ عطا کر دے گا (اس کی دعاء قبول کر لے گا) اس کے چہرے کو آگ سے پھیر دے گا، تو اتنی دیر خاموش رہے گا جتنی دیر اللہ تعالیٰ اس کے خاموش رہنے کو چاہے گا۔

پھر کہے گا : اے اللہ! مجھے جنت کے دروازے کے پاس پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نے وعدہ نہیں کیا تھا ؟ کہ میرا یہ سوال پورا کر دے تو میں اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ وہ شخص عرض کرے گا اے میرے رب (تیری مہربانی) مجھے اپنی تمام مخلوق سے زیادہ بد بخت نہ بنا۔ رب تعالیٰ

فرمائے گا کہ اگر میں تیرا یہ مطالبہ پورا کردوں تو ہو سکتا ہے تو اور کوئی سوال کرنا نہ شروع کردے۔ وہ کہے گا اے اللہ ! تیری عزت کی قسم اور تو کچھ نہیں مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق جو اس نے خود ہی پسند فرمایا، اسے جنت کے دروازہ کے پاس جانے کی اجازت فرمادے گا۔ وہ شخص دروازہ پر پہنچ کر جنت کی عیش و عشرت رونق، حسن و جمال اور جنت کے محلات، حور و غلماں دیکھے گا ۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق کچھ دیر خاموش رہے گا۔ پھر عرض کرے گا : اے اللہ ! مجھے جنت میں داخل کردے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا : تجھ پر بہت تعجب ہے تو کتنا ہی وعدہ خلاف ہے۔ کیا میں نے تیرے سارے وعدے پورے نہیں کردیئے، کیا میں نے تیرے سوالوں کے مطابق تجھے عطا نہ کردیا۔ تیرا وعدہ بھی تھا کہ یہ مجھے دے دے میں اور کچھ نہیں مانگوں گا۔

وہ عرض کرے گا۔ اے میرے رب (میرے حال پر رحم فرما) مجھے اپنی تمام مخلوق سے زیادہ بد بخت (بد نصیب) نہ بنا۔ وہ اسی طرح سوال کرتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو جائے گا۔ جب راضی ہو جائے گا تو اسے جنت میں داخل ہونے کی اجازت فرمادے گا پھر وہ شخص اسی طرح تمنا کرتا رہے گا۔ اور نعمتوں کا سوال کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی تمام خواہشات کو پورا فرمادے گا۔ بلکہ اس کے سوالات کے مطابق اسے انعامات سے نواز کر پھر اپنی مہربانی اور فضل و کرم سے اسے اس کی تمنا کے مطابق اتنی مقدار میں اور مزید انعامات عطا فرمادیگا۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ)

جنت میں سب سے عظیم نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے

حضرت ابو سعید فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ جنت والوں کو کہے گا۔ اے جنت والو۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب ! لبیک وسعدیک (ہم تیری خدمت میں باربار حاضر ہیں) رب تعالیٰ فرمائے گا : کیا تم راضی ہو؟ وہ کہیں گے۔ اے ہمارے رب ہم کیوں نہ راضی ہوں۔ تحقیق تو نے ہمیں وہ (نعمتیں) عطا کی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دی ہیں۔ رب تعالیٰ فرمائے گا۔ " الا اعطیکم افضل من ذالک " کیا میں تمہیں اس سے افضل عطا نہ کروں وہ کہیں گے اے رب "وای شئی افضل من ذالک "اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا "احل علیکم رضوانی فلا اسخط

علیکم بعده ابدا" میں تمہیں اپنی رضامندی عطا کرتا ہوں، اس کے بعد میں تم پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(بخاری، مسلم مشکوٰۃ باب صفة الجنة)

یعنی تمہیں ہمیشہ میری رضامندی حاصل رہے گی۔ اس لئے کہ ضروری نہیں کہ کثرت عطاء سے رضاء بھی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے بھی یہی حاصل ہو رہا ہے کہ تمام نعمتوں سے اللہ تعالیٰ کی رضاء " اعلیٰ نعمت " ہے۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾

(پ ۱۰/۱۵)

اللہ نے مسلمانوں مردوں اور مسلمان عورتوں کو باغوں کا وعدہ دیا ہے جن کے نیچے نہریں رواں (جاری ہیں) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ مکانوں کا بسنے کے باغوں میں (وعدہ فرمایا ہے) اور اللہ کی رضاء سب سے بڑی (نعمت ہے)۔

کیونکہ ہر کامیابی اور سعادت کا سبب اللہ تعالیٰ کے رضاء ہے۔ جنتی لوگ اللہ کی رضاء کی وجہ سے ہی اس کی تعظیم و کرامت کو حاصل کریں گے۔ اور ہر قسم کے ثواب سے بڑھ کر اللہ کی کرامت کا حصول ہے۔

" لان العبد اذا علم ان مولاه راض عنه فهو اكبر فی نفسه مما ورائه من النعم "

اس لئے کہ انسان کو جب یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا مولیٰ اس سے راضی ہے وہ اپنے دل میں سب نعمتوں سے بڑھ کر یہی نعمت سمجھتا ہے۔ اپنے مولیٰ کی رضاء مندی پر انسان خوش ہوتا ہے جس طرح اس کی ناراضگی پر انسان ہر چیز کو گھٹیا سمجھتا ہے بڑی سے بڑی نعمتیں بھی انسان کو حاصل ہو جائیں لیکن مولیٰ راضی نہ ہو تو انسان کو لذت حاصل نہیں ہوتی۔

(مرقاۃ المفاتیح)

یہی وجہ ہے کہ محبّ رسول ﷺ اپنے لئے سب سے بڑی نعمت آقا و مولیٰ حبیب خدا کی رضاء اور نظر عنایت کو سمجھتا ہے۔ کیونکہ رضاء مصطفےٰ ﷺ ہی رضاء خدا کا ذریعہ ہے۔

محمد کی غلامی دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں اگر ہو خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

سب سے بڑی کرامت اللہ کا دیدار ہے

"اکبر اصناف الکرامة رؤیة اللہ تعالیٰ"

(مرقاۃ ج ۸ ص ۳۲۸)

اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونا ہی حقیقت میں سب سے بڑی کرامت ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انکم سترون ربکم عیانا۔

(مشکوٰۃ باب رؤیة اللہ تعالیٰ)

بے شک تم اپنے رب کو ظاہر ظاہر دیکھو گے۔

﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾

(پ ۲۹ / ۱۷)

کئی چہرے اس روز تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

سعادت مند لوگوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو ساری عمر اپنے رب کریم کی محبت اور یاد میں سر شار رہے ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے محبوب کریم کے عشق سے رنگین رہا اور ان کا ایک ایک سانس اس کے لائے ہوئے دین حنیف کے سربلندی کے لئے وقف رہا۔ فرمایا کئی ایسے چہرے ہوں گے جن کے حسن و جمال۔ تر و تازگی و شیفتگی کو دیکھ کر آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔ وہ اپنے رب کے مشاہدہ و دیدار میں مستغرق ہو جائیں گے۔

اہل سنت کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ دارِ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائیں گے۔ لیکن معتزلہ اور خوارج اور دیگر بدعتی فرقے اس بات کا انکار کرتے ہیں ، وہ کہتے ہیں کہ رؤیت (دیکھنے) کیلئے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ ذات باری تعالیٰ ان سے مبرّا (پاک) ہے۔ اس لئے رؤیت کا تحقق ناممکن ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ رؤیت کے لئے دیکھنے والے کا بینا ہونا، جس کو دیکھا جارہا ہے اس کا محسوس ہونا، کسی جہت میں پایا جانا، نہ زیادہ نزدیک اور نہ زیادہ دور ہونا...... ضروری ہے ...... اور جب اللہ تعالیٰ جہت سے، محسوس ہونے سے، دوری اور نزدیکی سے پاک ہے تو اس کی رؤیت کیسے متحقق ہو سکتی ہے؟

اہل سنت اس کا جواب دیتے ہیں کہ تم "عالم آخرت" کے حقائق کو "عالم دینا" پر قیاس کر رہے ہو جو سراسر نادانی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ رؤیت متحقق ہوگی۔ اوران شرائط کے پائے جانے کے بغیر متحقق ہوگی، کیف، جہت اور ثبوت مسافت کے تکلفات کے بغیر آنکھیں رب کریم کا دیدار کریں گے۔ نیز کثیر احادیث سے جو مجموعی طور پر حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ رؤیت خداوندی کا ثبوت ملتا ہے۔ اتنی کثیر احادیث کا انکار کیونکر ممکن ہے؟

صحیحین (بخاری و مسلم) کی حدیث ہے جو جریرا البجیلی سے منقول ہے:

" قال کنا جلوسا عند النبی ﷺ اذا نظر الی القمر لیلة البدر فقال انکم سترون ربکم کما ترون هذا القمر لیلة البدر لا تضامون فی رؤیة "

ترجمہ :- ہم حضور کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، اچانک حضور نے چودھیویں کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں کے چاند کو دیکھ رہے ہو۔

زید بن حارثہ ؓ کہتے ہیں حضور یہ دعاء مانگا کرتے تھے:

" اللهم انی اسألك برد العیش بعد الموت ولذة النظر علی وجهك والشوق الی لقاء ك "

الٰہی میں تجھ سے موت کے بعد آرام دہ زندگی کا سوال کرتا ہوں مجھے اپنے رخ انور کو دیکھنے کی لذت عطا فرما اور اپنی ملاقات کا شوق بخش۔

(تفسیر ضیاء القرآن)

جنتی اور دوزخی لوگ اور مقامِ اعراف :

﴿ ونادی اصحاب الجنة ...... تا ...... یجحدون ﴾

(پ ۸/ ۱۳)

جنت والے دوزخ والوں کو پکاریں گے کہ ہمیں تو مل گیا جو سچا وعدہ ہم سے ہمارے رب نے کیا تھا۔ تو کیا تم نے بھی پایا جو تمہارے رب نے سچا وعدہ تمارے ساتھ کیا تھا؟ کہیں گے ہاں۔ اسی دوران ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس

سے کجی (ٹیڑھا راستہ) چاہتے تھے اور آخرت کا انکار کرتے تھے۔ اور جنت و دوزخ کے درمیان میں ایک پردہ ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے۔ کہ دونوں فریقوں کو ان کی پیشانیوں سے پہچانیں گے، اور وہ جنتیوں کو پکاریں گے کہ سلام تم پر، یہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے اور اس کی طمع رکھتے ہوں گے۔ اور جب ان کی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھیریں گے۔ کہیں گے: اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ کر۔

اور اعراف والے کچھ مردوں کو پکاریں گے۔ جنہیں ان کی پیشانی سے پہچانتے ہوں گے۔ کہیں گے تمہیں کیا کام آیا تمہارا جمع ہونا اور وہ جو تم غرور کرتے تھے۔ کیا یہ ہیں وہ لوگ جن پر تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر اپنی رحمت کچھ نہ کرے گا، ان سے تو کہا گیا کہ جنت میں جاؤ نہ تم کو اندیشہ نہ کچھ غم اور دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے کہ ہمیں اپنے پانی سے کچھ فیض دو، یا اس کھانے کا جو اللہ نے تمہیں دیا۔ کہیں گے: بے شک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنالیا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکا دیا۔ تو آج ہم انہیں چھوڑ دیں گے جیسا انہوں نے اس دن کے ملنے کا خیال چھوڑا تھا اور جیسا ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے۔

" والغرض من هذا السوال اظهار انه وصل الى السعادات الكاملة وايقاع الحزن فى قلب العدو "

(تفسیر کبیر)

جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان اس مکالمہ کا مقصد یہ ہوگا کہ یہ ظاہر کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نیک لوگوں نے کامل اجر و ثواب نیک بختی کو حاصل کر لیا ہے۔ اور دشمن کے دل میں غم لاحق کرنا مقصود ہوگا، ان کو ندامت دلانی مقصود ہوگی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنت آسمان کی بلندیوں پر اور جہنم زمین کی پستیوں میں تو اتنی بڑی دوری پائے جانے کے باوجود ایک دوسرے سے کیسے کلام کریں گے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ رازی فرماتے ہیں:

" عندنا البعد الشديد والقرب الشديد ليس من موانع الادراك "

(تفسیر کبیر)

ہمارے نزدیک بعد شد ر (بہت دوری) یا قرب شدید (بہت نزدیکی) سننے سے مانع نہیں۔
اس سے آگے مزید فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کے نزدیک فی الصوت خاصیة ان البعد فیه وحده لایکون مانعا من السماع۔

(تفسیر کبیر)

آواز میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ اس میں صرف دوری سننے سے مانع نہیں۔ یعنی اس کی لہریں ہوا میں پھیل جاتی ہیں ان کو آلات کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔ جیسے ریڈیو وغیرہ یا نبی کے اعجاز، ولی کی کرامت اور رب کی قدرت سے دور سے سن لیا جائے، یہاں بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ان کی آواز ایک دوسرے تک پہنچادے گا۔

وبینهما حجاب

جنت اور دوزخ کے درمیان ایک حجاب ہوگا۔

" وهذا الحجاب هو المشهور المذكور فى قوله فضرب بينهم بسور له باب .

(تفسیر کبیر)

یہ وہی حجاب ہے جس کو رب تعالیٰ نے دوسرے مقام پر "سور" فرمایا ہے یعنی ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہوگی جس میں دروازہ ہوگا۔

اعراف جمع ہے عرف کی جس کا معنی بلند مقام، اسی وجہ سے گھوڑے کی پیشانی کے بالوں اور مرغ کی کلغی کو بھی عرف کہا گیا ہے۔

" ان المراد من الاعراف اعالی ذالك السور المضروب بين الجنة والنار "

(تفسیر کبیر)

جنت و دوزخ کے درمیان دیوار کے اوپر کا حصہ اعراف کہلاتا ہے۔ یعنی دیوار کی چوٹی۔

اعراف پر وہ لوگ ہوں گے "انهم قوم تساوت حسناتهم وسيأتهم" جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کرے گا۔

(تفسیر کبیر)

اس صورت میں **یطمعون** کا معنی طمع کرنا ہی ہو گا کہ وہ اگرچہ جنت میں تو نہیں لیکن جنت میں داخل ہونے کی فکر ان کو لاحق ہے، وہ چاہتے ہوں گے کہ ہمیں بھی جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت کا یہی ترجمہ ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک یہی قول معتبر ہے۔

اور اگر یہ مراد ہو کہ اعراف پر انبیائے کرام اور شہدائے کرام کو جلوہ گر کیا جائے گا "اظہارا لشرفھم وعلو مرتبتھم" تاکہ ان کی بزرگی اور بلندی مرتبہ جنت والوں اور جھنم والوں پر ظاہر ہو جائے تو اس صورت میں۔ **یطمعون** کا ترجمہ یقین کرنا ہو گا۔ " وھم یطمعون فالمراد من ھذا الطمع الیقین"

(تفسیر کبیر)

اب مطلب یہ ہو گا کہ انبیائے کرام اور شہدائے کرام مقام اعراف کی چوٹی پر اظہار مرتبت کے لئے جلوہ گر ہوں گے۔ وہ یقین رکھتے ہوں گے کہ ہمارا یہ مقام بھی عظمت کے اظہار کے لئے ہے اور جنت میں بھی ہمارا مقام عظیم ہے۔ اس اسٹیج سے اتر کر جنت کے اعلیٰ مقامات میں ہی ہم نے ہمیشہ رہنا ہے۔



باب ہفتم :

تذکرۂ احوالِ جہنم

فصل اول : طبقاتِ جہنم

جہنم کے سات طبقات کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) سعیر (۲) جحیم (۳) هاویه (٤) جهنم (٥) لظیٰ (٦) حطمه (٧) سقر

سَعِیْر

﴿ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ...... تا ...... مِنْ اَصْحَابِ السَّعِيْرِ ﴾

(پ۲۲ ، ۱۳)

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو، وہ تو اپنے گروہ کو اسی لئے بلاتا ہے کہ دوزخیوں میں ہوں۔

سعیر۔ سعر سے بنا ہے۔ جس کا معنی ہے بھڑکنا، شعلے مارنا، لغوی معنی کے لحاظ سے ہر بھڑکتی ہوئی آگ کو سعیر کہا جاتا ہے لیکن اصطلاح میں جہنم کے ایک طبقہ کا نام سعیر ہے۔ کبھی کبھی عام معنی بھی لیا جاتا۔ یعنی اس کا معنی فقط دوزخ ہوتا ہے خواہ کوئی طبقہ بھی ہو۔

جَحِیْم

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا اُولٰئِكَ اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ ﴾

(پ٦ ، ٦)

اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہی دوزخ والے ہیں۔

" اصحاب الجحيم اى ملابسوا النار الشديدة التاجج ملابسة مؤبدة "

(تفسیر روح المعانی)

وہ سخت شدید بھڑکتی ہوئی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی جحیم کا لغوی معنی ہے شدید بھڑکتی ہوئی آگ ہے لیکن یہ بھی دوزخ کے ایک خاص طبقہ کا نام ہے اور کبھی مطلقاً بمعنی دوزخ کے بھی استعمال ہوتا ہے۔

ھاویۃ

﴿ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُمُّہٗ ہَاوِیَۃٌ ☆ وَمَا اَدْرَاکَ مَا ہِیَہْ ☆ نَارٌ حَامِیَۃٌ ﴾
(پ ۳۰ / القارعۃ)

اور جس کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا ھاویہ ہوگا۔ اور آپ کو کیا معلوم ہے وہ ہاویہ کیا ہے۔ ایک دہکتی ہوئی آگ۔

" ان الھاویۃ من السماء النار وکانھا النار العمیقۃ یھوی اھل النار فیھا مھوی بعیدا "

(تفسیر کبیر)

ھاویہ جہنم کے طبقوں میں سے ایک طبقہ کا نام ہے، گویا وہ ایک بہت گہرے طبقہ کا نام جس میں دوزخیوں کو بڑی بلندی سے نیچے دھڑام سے گرادیا جائے گا۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ماں کی گود معنی ہے " فامہ ھاویہ " کا۔ التشبیہ بالام التی لایقع الفزع من الولد الا الیھا" ھاویہ کو ماں سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح بچہ گھبراہٹ و پریشانی میں صرف ماں کی طرف ہی لپکتا ہے۔ اسی طرح نیکیوں کے پلڑے کے ہلکا ہونے والے کو لازما ھاویہ کی طرف ہو جانا ہوگا اس لئے اعلیٰ حضرت نے ترجمہ کیا ہے "وہ نیچا دکھانے والی گود میں ہے"

نارٌ حامیہ

" والمعنی ان سائر النیران بالنسبۃ الیھا کانھا لیست حامیۃ "
(کبیر)

ھاویہ کو نار حامیہ کہا گیا ہے کیونکہ وہ اتنی شدید بھڑکتی آگ ہوگی گویا کہ اس کی بنسبت

دوسری تمام آگیں اتنی گرم نہیں ہوں گی۔

جَهَنَّم

دوزخ کے ایک طبقہ کا نام جھنم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿ واذا قيل له اتق الله اخذته العزته العزة بالاثم فحسبه جهنم ولبئس المهاد ﴾
(پ ۲/ ۹)

اور جب اسے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر، تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ ایسے کو دوزخ کافی ہے اور وہ ضرور بہت برا بچھونا ہے، جھنم یا تو عربی لفظ ہے اصل میں جہنام تھا بمعنی گہرا غار یا عجمی لفظ ہے اصل میں چاہ نم تھا بمعنی بہت گہرا کنواں چونکہ دوزخ بھی بہت گہرا ہے اس لئے جہنم کہلایا جاتا ہے۔

(تفسیر کبیر)

روح المعانی نے کہا ہے کہ اس کی اصل جہم بمعنی برا جاننا اور سخت ہونا۔ نون کی زیادتی کی گئی، اس لحاظ سے معنی ہوگا برا جاننا اور سخت ہونا۔

(از تفسیر نعیمی)

لَظٰی

﴿اِنَّهَا لَظٰی﴾ (پ۲۹۔ر۷) بے شک آگ بھڑک رہی ہوگی۔

اسی مقام پر ﴿یَوْمَ تَکُوْنُ السَّمَآءُ کَالْمُهْلِ﴾ سے لے کر ﴿ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰی﴾ تک ترجمہ کی طرف توجہ کریں۔

"اس روز آسمان پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا اور پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی گہرا دوست کسی گہرے دوست کا حال نہیں پوچھے گا۔ حالانکہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ہر مجرم تمنا کرے گا کاش کہ وہ بطور فدیہ دے دے آج کے دن کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو، اپنی زوجہ کو، اپنے بھائی کو، اپنے خاندان کو جو اسے پناہ دیتا تھا۔ اور (بس

چلے) تو جتنے لوگ ہیں زمین میں سب کو۔ پھر یہ (فدیہ) اس کو بچالے۔ (لیکن) ایسا ہر گز نہیں ہو گا بے شک آگ بھڑک رہی ہو گی نوچ لے گی گوشت پوست کو وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا اور مال جمع کرتا رہا پھر اسے سنبھال کر رکھتا رہا۔

" لظى: من اسماء النار . قال الليث اللظى ، اللهب الخالص "

(کبیر)

لظی جہنم کے ایک طبقہ کا نام ہے لغوی معنی لیث نے بیان کیا ہے کہ خالص آگ کے شعلہ اور بھڑکنے کو کہتے ہیں۔ یعنی اتنی شدید آگ ہو گی جو چمڑی کو بھون کر رکھ دی گئی۔ سخت جلانے اور بھون دینے سے چمڑی پگھل کر ادھڑ جائے گی۔ "فلا تترك لحما ولا جلدا الا احرقته" وہ اتنی شدید آگ ہو گی کہ چمڑے اور گوشت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی بلکہ تمام کو جلادے گی۔

(تفسیر کبیر)

حُطَمَه

﴿ وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ ...... تا ...... فِي عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ ﴾

(پ ۳۰ / الھمزۃ)

ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے، جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنادیا، ہر گز نہیں۔ وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے اور تم کیا جانو حطمہ کیا ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی جو دلوں تک جا پہنچے گی۔ بے شک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی۔ (اس کے شعلے) لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں ہوں گے۔

"حطمہ" حطم سے ہے اس کا لغوی معنی توڑ ڈالنا، پیس ڈالنا، ریزہ ریزہ کر دینا۔ اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت نے ترجمہ کیا: "ہر گز نہیں ضرور روندنے والی میں پھینکا جائے گا، تو نے کیا جانا، کیا روندنے والی؟ یہ دوزخ کے ایک طبقے کا نام ہے جس کی آگ اتنی تیز ہو گی کہ جو چیز اس میں پھینکی جائے گی، آن واحد میں اس کو پیس کر رکھ دے گی، اس کے پرزے اڑادے گی"

اس حطمہ کی مزید تشریح (رب تعالیٰ نے خود ہی) کر دی یہ وہ آگ ہے جسے اللہ نے جلا دیا ہے، جو ہمیشہ بھڑکتی رہے گی، کبھی نہیں بجھے گی، جس کی آنچ دلوں تک پہنچ جائے گی، اس کی سوزش اور تپش سے دل بھن کر کباب بن جائیں گے۔

ان ناہجاروں کو حطمہ میں ڈال دیا جائے گا، اس کے دروازے بڑی مضبوطی سے مقفل کر دئے جائیں گے، نہ انہیں کوئی کھول سکے گا اور نہ اس عذاب الیم سے ان کے نکلنے کی کوئی صورت ہو گی۔

اس آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں بلند ہوں گے نہ وہ بجھیں گے اور نہ ان کے دردوالم میں کوئی تخفیف ہو گی۔

(از ضیاء القرآن بحذف)

سَقَر

﴿ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ☆ وَمَا اَدْرٰكَ مَا سَقَرَ ...... الآیة ﴾

(پ ۲۹ / مدثر)

عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا۔ اور تو کیا سمجھے جہنم کیا ہے اس مضمون کو سمجھنے کے لئے مناسب یہ ہے کچھ آیات ما قبل اور مابعد کا ترجمہ اور تشریح کو مد نظر رکھا جائے۔

﴿ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ...... تا ...... لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴾

(پ۲۹ / المدثر)

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن بڑا سخت دن ہو گا کفار پر آسان نہ ہو گا۔ آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان۔ پھر طمع کرتا ہے میں اسے مزید عطا کروں۔ ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا وہ کٹھن چڑھائی چڑھے، اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی۔ اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طرح کی۔ پھر دیکھا، پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا، پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا، پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے یہ نہیں مگر انسان کا کلام۔ عنقریب میں اسے

(سقر) جہنم میں جھونکوں گا اور تو کیا سمجھے (سقر) جہنم کیا ہے۔ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے۔ جھلسا دینے والی ہے تو می کی کھال کو۔

شانِ نزول

نبی کریم ﷺ کو اعلان نبوت فرماتے چند ماہ گذرے تھے کہ حج کا موسم آگیا، اہل مکہ کو فکر دامن گیر ہوئی۔ کہ باہر سے مختلف شہروں سے آنے والوں کو کیسے اس شخص کی تردید کر کے ایمان سے روکا جا سکتا ہے۔ اس لئے ایک میٹنگ بلانے کا فیصلہ ہوا۔ دار الندوہ (آج کل یہ جگہ مسجد حرام کا حصہ بن چکی ہے۔ باب عبدالعزیز کے قریب یہ جگہ تھی) میں سب جمع ہوئے، ولید نے میٹنگ کے اغراض و مقاصد بیان کئے کہ ہمیں ایک بات پر متفق ہونا چاہئے تاکہ باہر سے آنے والوں کو ایک ہی جواب دیا جا سکے کہ یہ شخص کیسا ہے۔

کسی نے کہا "کاہن" کہنا چاہیے۔ ولید نے کہا نہیں کاہن نہیں کہہ سکتے۔ کاہن کے بے ربط کلام اور قرآن میں بہت بڑا فرق ہے۔ پھر کسی نے تجویز پیش کی شاعر کہنا چاہئے، لیکن ولید نے اسے بھی رد کر دیا اور کہا کہ قرآن کی کسی آیت میں شعر کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی۔ اس لئے شاعر بھی نہیں کہہ سکتے کیا ہم نے کاہن یا شاعر کہہ کر اپنا مذاق تو نہیں اڑوانا۔ پھر کسی نے کہا کہ ساحر کہہ لیا جائے، ولید نے کہا حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے کلام کو سحر سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ اس نے جو کلام پیش کیا ہے وہ تو بڑا میٹھا اور دلوں پر اثر کرنے والا کلام ہے۔

لوگوں نے کہا کہ ولید اپنے آبائی دین (بت پرستی) سے پھر گیا ہے۔ ابو جہل نے مکاری اور فریب کاری سے اسے ایمان کی طرف نہ آنے دیا۔ ابو جہل غمزدہ ہو کر۔ افسردہ شکل بنا کر ولید کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ لوگ تمہارے لئے چندہ جمع کر رہے ہیں کہ ولید بھوکا ہو گیا ہے اس لئے محمد اور ابو بکر کی طرف راغب ہو گیا ہے، لوگ تمہاری تذلیل کر رہے ہیں اس لئے مجھے بہت پریشانی ہے۔ ولید فوراً طیش میں آکر کہنے لگے۔ لات و عزیٰ کی قسم میرے جیسا رئیس اعظم محمد و ابو بکر

کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے بارے میں جو الفاظ تم کہتے ہو وہ الفاظ بے ہودہ ہیں۔ پھر خود ہی غور کرنے لگا۔ اور کچھ نہ بن سکا تو وہ لفظ جو پہلے خود رد کر چکا تھا۔ اب ضمیر کے ملامت کرنے کے باوجود منتخب کر رہا اس نے کہا چلو پھر ساحر کہہ لیتے ہیں کیونکہ اس شخص نے خاندانوں کو تقسیم کر دیا ہے یہ کام جادوگر ہی کر سکتا ہے۔

رب تعالیٰ نے اس کی مذمت کرتے ہوئی فرمایا کہ اسے سقر میں ڈال دیا جائے گا۔ سقر جہنم کے اس طبقے کا نام ہے جس کی آگ انسان کی کھال کو جھلسا کر رکھ دے گی، جلا کر خاکستر بنا دے گی، لیکن اس شخص کو پھر زندہ کر کے یہی عذاب دیا جائے گا۔ اس طرح اس سے یہ سلوک ہمیشہ ہی کیا جاتا رہے گا۔ نہ وہ زندہ رہے اور نہ مر کر فنا ہو گا۔ بلکہ زندہ ہوتا رہے گا مرتا رہے گا، جلتا رہے گا۔



جہنمیوں کا حسرت کرنا

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جنت والوں کو جنت میں نہیں داخل کیا جائے گا مگر ان کو جہنم میں ان کا مکان دکھایا جائے گا، اگر وہ برے اعمال کرتے۔ تاکہ وہ زیادہ شکریہ ادا کریں۔

" ولایدخل النار احد الا اریٰ مقعده من الجنة لو احسن لیکون علیه حسرة "
(بخاری . مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعة)

کسی کو بھی آگ میں نہیں ڈالا جائے گا مگر یہ کہ وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لے اگر اچھے عمل کرتا۔ تاکہ اس کی حسرت و ندامت اور بڑھ جائے۔

یعنی ہر انسان کے اللہ تعالیٰ نے دو مقام بنائے ہیں۔ جنت میں ایک اور دوسرا جہنم میں ۔ جنتی شخص سے اگر بالفرض برے اعمال سرزد ہوتے تو اسے جہنم والا مقام ملتا۔ وہ مکان بھی اسے دکھایا جائے گا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکریہ ادا کرے کہ اس کے فضل و کرم سے میں جہنم سے محفوظ رہا۔

جہنمی کو جنت والا مکان دکھایا جائے گا کہ اگر تم اچھے عمل کرتے تو تمہارا وہ مقام ہوتا۔ اس طرح وہ زیادہ نادم ہوگا اور کہے گا کاش میں دنیا میں اچھے عمل کئے ہوتے تو آج جنت کے مقام کا مستحق ہوتا لیکن اس وقت اس کا پچھتانا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔



فصل دوم

آگ کے عذاب

کھال جل جائے گی، پھر عطا ہوگی، عذاب ہوتا رہے گا

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا ...... تا...... اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ﴾
(پ ۵/ ۵)

بیشک جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے، جب کبھی ان کی کھالیں جل کر کوئلہ ہو جائیں گی، ہم انہیں ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے، کہ عذاب کا مزہ لیں بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ بغیر آگ میں ڈالنے کے ان کو شدید عذاب دیتا اور سخت درد پہنچاتا لیکن آگ میں داخل کر کے عذاب دینے کی حکمت کو وہ خود ہی جانتا ہے؛ کیونکہ اس سے یہ سوال نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تو یہ کیوں کرتا ہے اور یہ کیوں نہیں کرتا؟

ان کے چمڑے بدل دینے کا یہ مطلب ہے کہ پہلے چمڑے جب جل جائیں گے پھر ان کو ہی نئی حالت میں کر دیا جائے گا۔ کوئی از سر نو چمڑے نہیں عطا ہوں گے تا کہ جس نے گناہ نہیں کیا اسے عذاب دینا نہ لازم آئے۔

(تفسیر کبیر)

منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں پھینکا جائے گا

﴿ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ☆ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴾
(پ۲۷/ ۱۰)

بے شک مجرم گمراہ اور دیوانے ہیں۔ جس دن آگ میں اپنے مونہوں کے بل گھسیٹے جائیں گے۔

ضلال :- ھلاک ہونا۔ راہ حق سے بھٹکنا یعنی گمراہ ہونا۔ "سعر" بھڑکنے والی آگ، نقصان اٹھانا، دیوانہ ہونا ذلیل و رسوا کیا جائے گا۔ مونہوں کے بل گھسیٹ کر ان کو پھینکنے سے یہ واضح ہے

ہے کہ جس طرح مردار کو گھٹیا چیز سمجھ کر گھسیٹ کر پھینکا جاتا ہے ایسے ہی مجرمین سے بھی سلوک کیا جائے گا۔ پھر آگ کی طپش اور جلن ان کو ہمیشہ ہی لاحق رہے گی۔ زندگی ختم ہونی نہیں کہ عذاب ختم ہو جائے۔

کافر دوزخیوں کا جنت میں داخل ہونا محال ہے

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا ...... تا...... وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ﴾
(پ۸/۱۲)

وہ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں ہوں گے جب تک کے سوئی کے ناکے میں اونٹ داخل نہ ہو، اور مجرموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ یعنی جس طرح سوئی کے سوراخ میں اونٹ کا داخل ہونا محال ہے اسی طرح کفار مجرمین کا جنت میں داخل ہونا محال ہے۔ کفار مجرمین کے اعمال اور ارواح دونوں کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ کیونکہ ان کے اعمال اور ارواح دونوں ہی خبیث ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ کفار کی ارواح کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور مومنین کی ارواح کے لئے کھولے جاتے ہیں۔

ابن جریج نے کہا آسمان کے دروازے نہ کافروں کے اعمال کے لئے کھولے جاتے ہیں اور نہ ارواح کے لئے۔ یعنی زندگی میں ان کے اعمال آسمانوں پر نہیں جاسکتے اور موت کے بعد ان کی روحیں نہیں جاسکیں گی۔

(از خزائن العرفان)

جہنمیوں کے لئے آگ اوڑھنا بچھونا

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"نارکم جزء من سبعین جزءا من نار جھنم"
تمہاری آگ جہنم کی آگ کے ستر اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

(مشکوٰۃ باب صفۃ النار)

دنیا کی آگ جب انسان کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے تو جہنم کی آگ جو ستر گنا زائد ہو گی اس کا کتنا ہی خوفناک عذاب اور درد والم ہو گا۔

جہنم کا سب سے کم عذاب

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک دوزخیوں میں جس شخص کو سب سے کم عذاب دیا جائے گا۔ اس کے جوتے اور ان کے تسمے آگ کے ہوں گے "یغلی منها دماغه کما یغلی المرجل" ان سے اس شخص کا دماغ اس طرح کھولے گا جس طرح دیگ / ہنڈیا کھولتی ہے۔ جب یہ عذاب کم از کم ہو گا تو عظیم عذاب کتنا ہی زیادہ شدید ہو گا، رب تعالیٰ ہی اس کی حقیقت و نوعیت و کیفیت کو بہتر جانتا ہے۔

آگ کا ٹخنوں اور سینوں کو گرفت میں لینا

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے مروی ہے بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جہنمیوں سے بعض لوگ وہ ہوں گے "تاخذه النار الی کعبیه" جنہیں آگ ان کے ٹخنوں تک گرفت میں لے گی۔ اور بعض وہ ہوں گے جن کو آگ "الی رکبتیه" گھٹنوں تک اپنی گرفت میں لے گی، اور بعض وہ ہوں گی جنہیں "الی حجزته" ازاربند کی جگہ تک یعنی کمر کے قریب تک آگ اپنی گرفت میں لے گی۔ اور بعض لوگ وہ ہوں گے جن کو "الی ترقوته" آگ ھسلیوں تک یعنی سینہ تک پہنچے گی۔

(مسلم، مشکوٰۃ باب صفة النار)

لیکن مسلمان جب اپنے گناہوں کی سزا مکمل کر کے جہنم سے نکالا جائے گا تو ایسے محسوس ہو گا کہ اسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی صورتوں کو درست فرمادے گا۔ تاکہ یہ رسوا نہ ہوں۔

(از مرقاۃ المفاتیح)

جہنم میں آگ کا پہاڑ

حضرت ابو سعیدؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"الصعود جبل من نار یتصعد فیه سبعین خریفا ویهوی به کذالك فیه ابدا"

(ترمذی، مشکوٰۃ باب صفة النار)

جھنم میں آگ کا ایک پہاڑ ہے جس پر چڑھنے کی ستر سال کی راہ ہے، اسی طرح اس سے اترنے میں اتنا وقفہ ہی درکار ہے، کافر کو اس پر چڑھنے اور اترنے کی تکلیف دی جاتی رہے گی۔

جیسا کہ سقر کی بحث میں ﴿ سَأُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴾ کا ترجمہ (میں اسے مجبور کروں گا وہ کٹھن چڑھائی چڑھے) گذر چکا ہے۔



فصل سوم :

جہنم کی غذائیں

جہنم میں پیپ اور خون پلایا جائے گا

﴿ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ☆ مِنْ وَرَائِهٖ جَهَنَّمُ وَ يُسْقٰى مِنْ مَّاءٍ صَدِيْدٍ ☆ يَتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ ﴾

(پ ۱۳ / ابراھیم ۱۵)

اور رسولوں نے حق کی فتح کی التجاء کی (جو قبول ہوئی) اور نامراد ہو گیا۔ ہر سرکش، منکر حق اس (نامرادی) کے بعد جہنم ہے۔ پلایا جائے گا اسے خون اور پیپ کا پانی وہ بمشکل ایک ایک گھونٹ بھرے گا اور حلق سے نیچے نہ اتار سکے گا۔

جبار :- وہ متکبر جو اپنے اوپر کسی کا حق نہیں سمجھتا۔

عنید :- الجائر عن القصد وھو العنود والعنید والعاند .
یعنی راہِ راست سے منہ موڑنے والا۔

یسیغہ :- اساغ سے لیا ہوا ہے۔ بمعنی خوشگوار سمجھنا۔

ثابت ہوا کہ متکبرین، حق سے منہ موڑنے والوں کو دنیا میں ذلت و رسوائی سے دوچار کرنے کے بعد انہیں فراموش نہیں کر دیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء و رسل کی توہین کرنے والوں اور گستاخیاں کرنے والوں اور قبول حق سے انکار کرنے والوں کو جہنم میں پھینک دے گا۔ اور پانی کی جگہ ان کو خون و پیپ پینے کے لئے فراہم کی جائے گی۔ اگرچہ وہ شدت پیاس کی وجہ سے پینے پر مجبور بھی ہوں گے، لیکن بدبودار پیپ، بدذائقہ اور جہنم کی آگ میں کھولتی ہوئی ان کے حلق سے نیچے نہیں اتر سکے گی۔ وہ بڑی مشکل سے کوئی ایک گھونٹ نیچے اتار سکیں گے۔

پگھلائی ہوئی دھات ان کے منہ کو بھون دے گی

﴿ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ، وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ، بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴾

(پ ۱۵/ ۱۶)

بیشک ہم نے ظالموں کے لئے وہ آگ تیار کر رکھی ہے، جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی اور اگر پانی کے لئے فریاد کریں تو ان کی فریاد رسی ہو گی اس پانی سے کہ چرخ دیئے ہوئے دھات کی طرح ہے کہ ان کے منہ بھون دے گا، کیا ہی برا پینا ہے ؟ اور دوزخ کیا ہی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے ؟

المهل :- کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں۔ المهل دردئی الزیت ۔ زیتون کی تلچھٹ (جھاگ) کل شئی اذبته من ذهب اونحاس او فضة فهوا لمهل۔ سونا، تانبہ چاندی میں سے کسی چیز کو پگھلانا مھل ہے۔ وقیل انه الصدید والقیح ،بعض حضرات نے کہا ہے پیپ اور زرد رنگ کا خون کی طرح پانی مھل ہے۔ وقیل انه ضرب من قطران۔۔ بعض نے کہا یہ تارکول کی ایک قسم ہے۔

(تفسیر کبیر)

اعلیٰ حضرتؒ کے ترجمہ میں " پگھلی ہوئی دھات مراد ہے "

کیا ہی برا پینا ہے یعنی پینے کا مقصد حرارت و پیاس کو کم کرنا لیکن وہاں کا یہ پینا حرارت بڑھائے گا۔

کھولتا پانی انتڑیوں کو کاٹ دے گا

﴿ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴾

(پ ۲۶/ ۶)

(جہنم میں ہمیشہ رہنے والوں کو) گرم کھولتا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

اس گرم پانی کا کم از کم اثر یہ ہو گا کہ ان کے مونہوں کو بھون دے گا، پھر جب اس کی تمازت (گرمی، حرارت) اور بڑھے گی تو ان کے سروں کی کھال کو جلا کر ادھیڑ دے گا۔ پھر مزید پینے سے ان کی انتڑیوں کے کٹ کٹ کر ٹکڑے ہو جائیں گے۔

گرم کھولتا پانی سروں پر ڈالا جائے گا

﴿ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ☆ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ☆ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴾

(پ ۱۷ / ۹)

تو جو لوگ کافر ہوئے ان کے لئے آگ کے کپڑے بنائے گئے ہیں۔ اور ان کے سروں پر کھولتا پانی ڈالا جائے گا۔ جس سے گل جائے گا جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں۔

" والمراد بالثیاب احاطة النار بهم "

(تفسیر کبیر)

آگ کے کپڑوں سے مراد یہ ہے کہ آگ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرلے گی۔ جس طرح پہلے ذکر کیا گیا۔ ان کا بچھونا اور اوڑھنا جہنم ہو گا۔

اس گرم کھولتے ہوئے پانی کی تاثیر حضرت ابن عباسؓ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

" لو سقطت منه قطرة علی جبال الدنیا لاذابتها "

(تفسیر کبیر)

اگر اس کا ایک قطرہ دنیا کے پہاڑوں پر ڈال دیا جائے تو یہ تمام پگھل جائیں۔ یصہر ای یذاب ۔ یعنی یصہر کا معنی ہے پگھلا دینا۔ جب گرم کھولتا ہوا پانی ان کے سروں پر ڈالا جائے گا تو جس طرح وہ ظاہر جسموں پر اثر کرے گا کہ ان کے کھال کو جلا دے گا اسی طرح اس کا باطن میں یہ اثر ہو گا کہ انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔

بدبو دار غساق

﴿ وَاِنَّ لِلطّٰغِیْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ☆ جَهَنَّمَ یَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ☆ هٰذَا فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ﴾

(پ ۲۳ / ۱۳)

بے شک سرکشوں کا برا ٹھکانا ہے جہنم کہ اس میں جلیں گے تو کیا ہی برا بچھونا انکا یہ ہے۔ تو اسے چکھیں کھولتا پانی اور پیپ۔

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لوا ن دلوا من غساق یهراق فی الدنیا لا نتن اهل الدنیا"

(ترمذی، مشکوٰۃ باب صفۃ النار)

بے شک اگر ایک ہی ڈول غساق (پیپ) کا دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام دنیا والے بدبودار ہو جائیں۔

غساق کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) جہنمیوں کے جسموں سے بہنے والی پیپ اور خون وغیرہ۔

(۲) جہنمیوں کے بہنے والے آنسو۔

(۳) سخت سردی کا عذاب۔

(۴) پیپ سخت ٹھنڈی یخ اور بدبودار اتنی ٹھنڈی کہ جس کا پینا دشوار ہو جائے جس طرح سخت گرم کا پینا دشوار ہوتا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک یہی معنی (پیپ سخت سرد بدبودار) لینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے حمیم اور غساق دو لفظ ذکر فرمائے۔ ان کا معنی میں تقابل ہوگا۔ کہ حمیم کا معنی سخت گرم اور ۔غساق کا معنی پیپ سخت سرد۔ دوسرے مقام پر رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴾

اس (دوزخ) میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہیں پائیں گے اور نہ ہی کچھ پینے کو مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کا پیپ (بدبودار اور سخت سرد) جیسے کو تیسا بدلہ۔

(از مرقاۃ المفاتیح)

کھانے کے لئے زقوم (تھوہر کا درخت) دیا جائے گا

﴿ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ...... تا...... ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَا اِلَى الْجَحِيْمِ ﴾
(پ۲۳/۶)

کیا یہ (نعمتیں اور ضیافتیں جو مخلص بندوں کو حاصل ہیں) بہتر ہیں یا زقوم کا درخت۔ ہم نے بنا دیا ہے اسے آزمائش ظالموں کے لئے یہ ایک درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تہ میں، اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں پس انہیں ضرور کھانا ہوگا اسی سے۔ اور بھریں گے اس سے اپنے

پیٹ۔ پھر انہیں زقوم کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جحیم کی طرف۔ جحیم سے مراد یہاں مطلقاً دوزخ ہے اگرچہ جہنم کے ایک طبقہ کا نام بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ نعمتیں اور ضیافتیں جن سے ہم اپنے مخلص بندوں کو سرفراز کریں گے اچھی ہیں یا زقوم کا درخت خود ہی فیصلہ کرلو۔

زقوم :-ایک بد نما اور بد صورت درخت ہے اس کا ذائقہ سخت کڑوا ہے، اس کی بو ناگوار، اس سے جو پانی بہتا ہے وہ جس سے چھو جائے تو ورم ہو جائے اور اس پر تیز نوکدار کانٹے ہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ درخت تہامہ کے علاقہ میں پیدا ہوتا ہے بڑا کڑوا اور بدبودار ہے۔ قال قطرب " انها شجرة مرة تكون بتهامة من اخبث الشجر۔

(تفسیر قرطبی)

اور بعض نے کہا کہ اس نام کا کوئی درخت اس دنیا میں نہیں یہ جہنم کے ایک درخت کا نام ہے ۔ والقول الثانى انها لا تعرف فى شجر الدنيا۔

زقوم کا درخت جو جہنم کے وسط میں اگے گا۔ اس کے شگوفے ایسے ہوں گے جیسے شیطانوں کے سر اگرچہ کسی نے شیطانوں کے سروں کو نہیں دیکھا لیکن جس طرح کسی خوبرو اور حسین کو فرشتہ سے تشبیہ دی جاتی ہے اسی طرح بد صورتی بیان کرنے کے لئے شیطان سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

جہنمیوں کو کھانے کے لئے زقوم ملے گا اور اس زقوم سے بھرے ہوئے پیٹ میں کھولتے ہوئے پانی سے چھینٹا دیا جائے گا یعنی پینے کے لئے انہیں کھولتا ہوا پانی ملے گا۔

(از ضیاء القرآن)

لیکن خیال رہے کہ اعلیٰ حضرتؒ نے زقوم کا معنی "تھوہر" کیا ہے۔ منجد میں اردو ترجمہ اس کا تھوہر کا درخت اور جہنم میں ایک درخت کا نام کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ دنیا کی تھوہر کی طرح شکل و شباہت میں ہو ، ورنہ اس کی کڑواہٹ اور بدبو بہت ہی زیادہ ہوگی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لو ان قطرة من الزقوم قطرت فی دار الدنیا لا فسدت علی اهل الارض معایشهم فکیف بمن یکون طعامه "

(مشکوٰۃ باب صفۃ اهل النار)

اگر ایک قطرہ زقوم کا تمام دنیا کے جہان پر ٹپکا دیا جائے زمین والوں کی معیشت تباہ و برباد ہو جائے۔ اس شخص کا کیا حال ہو گا جس کو وہ کھانا پڑے گا۔

آگ کے کانٹے بھی کھانے کو ملیں گے

﴿ هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَة ...... تا ...... لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ﴾

(پ ۳۰ / الغاشیہ)

بے شک تمارے پاس اس مصیبت کی خبر آئی جو چھا جائے گی۔ کتنے ہی منہ اس دن ذلیل ہوں گے۔ کام کریں گے مشقت جھیلیں گے، بھڑکتی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ نہایت جلتے چشمے کا پانی پلائے جائیں گے، ان کو بھوک ستائے گی تو کھانے کے لئے خار دار جھاڑ ملے گا۔

" قال عکرمه و مجاهد الضریع بنت ذوشوك لاصعق بالارض تسمیه قریش شبرق اذا کان رطبا فاذا یبس فهوا الضریع "

(تفسیر قرطبی)

یعنی عکرمہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ ضریع ایک کانٹوں والی بوٹی ہے جو زمین سے چمٹی رہتی ہے جب وہ ہری ہو تو قریش اسے شبرق کہتے ہیں اور جب سوکھ جائے تو اسے ضریع کہا جاتا ہے۔

(ضیاء القرآن)

یعنی اس خوارک سے اس شخص کے جسم کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا نہ دبلا پتلا ہو گا اور نہ ہی اس میں طاقت آئے گی کیونکہ یہ ضریع زہر قاتل ہے لیکن جب تک وہ تر ہو یعنی شبرق ہو اسے اونٹ کھاتے رہتے ہیں۔

" ان الضریع مایبس من الشبرق وهو جنس من الشوك ترعاه الابل مادام رطبا فاذا یبس فهو سم قاتل "

(تفسیر کبیر)

بے شک ضریع اسے کہتے ہیں جب شبرق کو خشک کر لیا جائے یہ خاردار قسم کا پودا ہے۔ جب تک تر ہو یعنی شبرق ہو اس وقت تک اونٹوں کو کھلایا جاتا ہے لیکن جب خشک ہو جائے تو زہر قاتل ہو جاتا ہے۔ جہنم میں طرح طرح کے عذاب ہوں گے کبھی کھانے کو زقوم دیا جائے گا، کبھی پیپ، کانٹے۔

فصل چہارم :

﴿جہنم کے درد ناک عذاب﴾

لوہے کے گرزوں سے پیچھے دھکیل دینا

﴿ وَ لَهُمْ مَقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ☆ كُلَّمَا اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴾

(پ۱۷/ ۹)

اور ان کے لئے لوہے کے گرز ہیں۔ جب گھٹن کے سبب اس میں سے نکلنا چاہیں گے پھر اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور حکم ہو گا کہ چکھو آگ کا عذاب۔

مقامع ای سیاط ۔گرزیں، کوڑے، چابک۔ وہ ایک گرز اگر روئے زمین کے تمام جنوں اور انسانوں کو جمع کر کرے ماری جائے تو سب کو تباہ و برباد کر دے۔ آگ کے عظیم شعلے جب جہنم والوں کو اوپر پھینک دیں گے تو پھر ان کو لوہے کی گرزوں سے مار کر جہنم کے نیچے حصہ میں ستر سال کی راہ پر پہنچادیا جائے گا۔

آگ کی دیواروں کی موٹائی

حضرت سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا :

" السرادق النار اربعة جدر كشف كل جدار مسيرة اربعين سنة "

(ترمذی . مشکوٰۃ باب صفة النار)

آگ کا احاطہ کرنے والی چار دیواریں ہیں۔ ہر دیوار کی اتنی موٹائی ہو گی جتنی چالیس سال میں مسافت طے کی جاتی ہو۔

" السرادق كل ما احاطه بشيء من جدار او مضرب "

(مرقاۃ المفاتیح)

سرادق ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو احاطہ کرتی ہو خواہ دیوار ہو یا خیمہ ہو۔

بیڑیوں میں جکڑے جائیں گے

﴿ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ☆ سَرَابِيْلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّار ﴾

(پ۱۳ / ۱۹)

تم دیکھو گے مجرموں کو اس روز کہ جکڑے ہوئے ہونگے زنجیروں میں ان کا لباس تارکول کا ہوگا اور ڈھانپ رہی ہوگی ان کے چہروں کو آگ۔

اس روز مجرموں کو اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ زنجیر و سلاسل میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے اور تارکول کا سیاہ اور بدبودار لباس انہوں نے پہنا ہوا ہوگا۔ مقرنین۔ مشددین۔ بندھے ہوئے جکڑے ہوئے۔ الاصفاد۔ الاغلال والقیود۔ طوق اور بیڑیاں یعنی ہر وہ چیز جس کے ساتھ کسی کو باندھا جائے سرابیل / سربال۔ قمیص۔ قطران۔ وہ سیال (رال) جو خارش زدہ اونٹ پر ملا جاتا ہے یعنی "تارکول"۔

(از ضیاء القرآن)

مدارک خازن میں ہے کہ سیاہ رنگ کا تیل یعنی رال بدبودار جہنم میں ہر طرف سے ان لوگوں کو گھیرے میں لئے ہوگی تاکہ اس کے ذریعے جھنم کی آگ کے شعلے اور بھڑکیں۔

بیضاوی میں ہے کہ وہ سیاہ رنگ کا تیل یعنی تارکول یا رال ان کے جسموں پر لیپ دیا جائے گا اس کی بدبو اور اس میں آگ کے زیادہ اثر کرنے کی وجہ سے ان کو بہت ہی زیادہ تکلیف ہوگی۔ ان کے جسم زیادہ جلیں گے۔

(از خزائن العرفان)

جہنم میں بہت عذاب ہوں گے

﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴾

(پ۱٤ / ۱۸)

جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم عذاب پر عذاب بڑھا یا بدلہ ان کے فساد کا۔

یعنی ایک ایک شخص پر کئی کئی عذاب ہوں گے۔ کفر کا عذاب، دوسروں کو خدا کی راہ سے روکنے کا عذاب اور گمراہ کرنے کا عذاب۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" كل نفس بما كسبت رهنية ......تا...... فما تنفعهم شفاعة الشافعين "
(پ ۲۹/ ۱۸)

ہر جان اپنے عملوں میں گروی (رھن رکھا ہوا) ہے۔ سوائے اصحابِ یمین کے (جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ہوں گے) جو جنت میں ہوں گے۔ جنت والے مجرموں سے پوچھیں گے۔ تمہیں کس جرم نے جھنم میں داخل کیا ہے۔ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکینوں کو کھانا بھی نہیں کھلاتے تھے۔ اور ہم بے ہودہ فکر کرنے والوں کے ساتھ بے ہودہ فکر میں رہتے تھے اور ہم جزاء کے دن (قیامت) کی تکذیب (جھٹلاتے) کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں موت نے آکر پالیا۔ پس ان (کافروں) کو کسی سفارش کرنے والوں کی سفارش کام نہیں آئے گی۔
یعنی یہ تمام وجوہ ان کے عذاب کی ہوں گی۔ ہر وجہ سے ایک مختلف عذاب ہوگا۔ اس طرح عذاب پر عذاب ہی ہوگا۔



فصل پنجم

آگ سے بچنا ممکن نہیں

تو بڑا عزت والا بنتا تھا آج مزہ چکھ!

﴿ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُهُمْ...... تا ...... اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴾

(پ ۲۵/۱۶)

بے شک فیصلہ کا دن ان سب کی میعاد (وعدہ کا دن) ہے، جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آئے گا اور نہ ان کی مدد ہوگی مگر جس پر اللہ رحم کرے، بے شک وہی عزت والا مہربان ہے۔ بے شک تھور کا درخت گنگاروں کی خوراک ہے۔ گلے ہوئے تانبے کی طرح، پیٹوں میں جوش مارتا ہے جیسے کھولتا پانی جوش مارے (فرشتوں کو حکم ہوگا) اسے پکڑو ٹھیک بھڑکتی آگ کی طرف بزور گھسیٹتے لے جاؤ، پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے پانی کا عذاب ڈالو۔ (پھر اسے کہا جائے گا) چکھ (عذاب کا مزہ) ہاں ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔

یعنی تو تو بڑا عزت والا بنتا تھا کہتا تھا: میں سردار ہوں، رئیس اعظم ہوں۔ اس تکبر و عناد کی وجہ سے تو مجھ سے روگردانی کرتا رہا، اب ذرا میرے عذاب کا مزہ بھی چکھ تجھے سمجھ آجائے کہ تو کتنا عزت اور کرم والا ہے۔ زبان سے تو بڑی ڈینگیں مارتا رہا۔ انبیاء کرام کی تکذیب کرتا آج ذرا عذاب کو دیکھ کر بھی وہی دعویٰ کر لیکن اس وقت تو بڑے بڑے متکبروں کا یہ حال ہوگا:

" ولو تری اذا لمجرمون ناکسوا عند ربهم "

(پ ۲۱/۱۵)

آپ دیکھیں گے جب مجرم اپنے رب کے پاس سر نیچے ڈالے ہوں گے۔

بھاگنے کی کوشش پر آگ کے شعلے مارے جائیں گے

﴿ یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ﴾

(پ ۲۷/ الرحمن)

(اے گروہ جن و انس) بھیجا جائے گا تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں، پھر تم اپنا بچاؤ بھی نہ کر سکو

گے۔ یعنی اگر تم نے اس روز بھاگنے کی کوشش کی تو تم پر آگ کا خالص شعلہ اور کالا دھواں چھوڑا جائے گا۔ وہ اسی قدم پر تمہیں بھون کر رکھ دے گا۔ شواظ : اللهب الذی لا دخان فيه وہ شعلہ جس میں دھوئیں کا نام ونشان نہ ہو۔ نحاس : الدخان الذی لا لهب فيه۔ وہ دھواں جس میں شعلہ نہ ہو۔ نحاس کا دوسرا معنی پگھلا ہوا تانبہ بھی ہے۔

(از ضیاء القرآن)

اب اس تفسیر کے سمجھنے کے بعد اعلیٰ حضرتؒ کے ترجمہ کی طرف غور کریں کیسے ایک نقطہ سے مقصد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ آپ کا ترجمہ : " تم پر چھوڑی جائے گی بے دھوئیں کی آگ کی لپٹ، اور بے لپٹ کا کالا دھواں۔ پھر بدلہ نہ لے سکو گے "

اعلیٰ حضرتؒ نے شواظ کا معنی " بے دھوئیں کی آگ کی لپٹ " کر کے پوری تفسیر واضح فرمادی کہ شواظ : آگ کے اس شعلہ کو کہتے ہیں جس میں دھواں نہ ہو اور وہ اپنی لپیٹ میں لے لے ہر طرف سے چھا جائے۔ اور نحاس : کا معنی ہے آپ نے " بے لپٹ کا کالا دھواں " کیا ہے۔ جس سے پوری تفسیر واضح ہو رہی ہے کہ نحاس۔ وہ دھواں ہے جس میں شعلہ نہ ہو۔ اور جس آگ میں شعلہ نہ ہو وہ اس طرح اپنی لپیٹ میں نہیں لیتی جس طرح شعلہ والی آگ اپنی لپیٹ میں لیتی ہے۔

اسی طرح فلا تنتصران : کا معنی کیا " تو پھر بدلہ نہ لے سکو گے " یعنی اگر تم نے دنیا میں کسی پر احسان کیا بھی تھا تو وہ بھی تمہارے کام نہیں آسکے گا کہ تمہیں عذاب سے چھڑا سکے۔ اتنی لمبی تفسیر کو آپ نے اپنے ترجمہ سے ہی واضح فرمادیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کنزالایمان کے حسن وجمال اور خوبیوں کو دیکھنے کے لئے بندہ حقیر سراپا تقصیر کی کتاب "تسکین الجنان فی محاسن کنزالایمان" کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ اعلیٰ حضرتؒ کے ترجمہ میں وہ کمالات ہیں جو دوسرے تراجم میں نظر نہیں آتے۔ لیکن جیسے میں نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ ابھی تحقیق کے ابتدائی مراحل ہیں جیسے جیسے تحقیق وتدقیق کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے گا ایسے ایسے آپ کے ترجمہ کے حسن وجمال میں اور نکھار آئے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ کئی مقالات میری نظر میں اور آرہے ہیں جن کو میں اپنی کتاب میں نہیں سمو سکا۔ ممکن ہے کوئی اور صاحب علم اس پر توجہ فرمائیں۔

دوزخ محلات کی طرح چنگاریاں اڑا رہی ہو گی

﴿ اِنطَلِقُوْا اِلٰی مَا کُنتُمْ ...... تا ...... وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ﴾
آیت نمبر ۳۷ (پ ۲۹ / ۲۱)

چلو اس کی طرف جسے جھٹلاتے تھے۔ چلو اس دھوئیں کے سائے کی طرف جس کی تین شاخیں، نہ سایہ دے نہ لپٹ سے بچائے۔ بے شک دوزخ چنگاریاں اڑاتی ہے جیسے اونچے محل، گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی یہ دن ہے کہ وہ نہ بول سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے کہ عذر کریں۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ۔

قیامت کے دن منکر کو حکم ملے گا چلو اس جہنم کی طرف جس کا تم انکار کرتے تھے۔ چلو اس سائے کی طرف جس کی تین شاخیں بلند ہو رہی ہیں، ساتھ ہی بتا دیا کہ یہ سایہ ٹھنڈا سایہ نہیں جس کے نیچے آگ کی تپش سے نجات مل جائے بظاہر تو یہ سایہ معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ دوزخ سے اٹھتا ہوا دھواں ہے، اگر کوئی بھاگ کر اس کے تلے پناہ لینا چاہے گا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ اس کی کوئی چھاؤں نہیں۔ اس کے نیچے کھڑے ہونے سے کوئی ٹھنڈک محسوس نہیں ہوتی۔ تنور سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کو آپ دیکھیں تو پہلے وہ ایک بگولے کی طرح اٹھتا ہے ۔ جب وہ فضاء میں بلند ہوتا ہے تو اس کی کئی شاخیں الگ الگ بننے لگتی ہیں۔ دوزخ سے جو دھواں اٹھے گا اس کی تین شاخیں ہوں گی۔

چہرے بد نما ہوں گے اور رب تعالیٰ کی دھتکار ہو گی

﴿ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِیْهَا کَالِحُوْنَ ...... تا ...... قَالَ اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُکَلِّمُوْنَ ﴾
(پ ۱۸ / ۶)

ان کے منہ پر آگ لپٹ مارے گی اور وہ اس میں منہ چڑھائے ہوں گے۔ (اب پوچھے گا) کیا تم پر میری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں۔ تو تم انہیں جھٹلاتے تھے۔ کہیں گے اے ہمارے رب ہم پر ہماری بد بختی غالب آئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ اے ہمارے رب ہم کو دوزخ سے نکال دے پھر اگر ہم ایسے ہی کریں تو ہم ظالم ہیں رب فرمائے گا دھتکار ہے (دفعہ ہو جاؤ) پڑے رہو اس میں مجھ سے بات نہ کرو۔

حضرت ابو سعیدؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا" وهم فيها كالحون (اور وہ اس میں منہ چڑائے ہوں گے)

" قال تشويه النار فتقلص شفته النار حتى تبلغ وسط راسه وتسترخي شفته اسفلى حتى تضرب سرته "

(ترمذی مشکوٰۃ باب صفة النار)

آپ نے (ان الفاظ کی تفسیر کرتے ہوئے) فرمایا کہ جہنمی شخص کا اوپر والا ہونٹ سکڑ کر سر کے وسط (درمیان) میں پہنچ جائے گا اور نیچے والا ڈھلک کر ناف تک آجائے گا۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ وہ دوزخی لوگ جہنم کے داروغہ مالک کو چالیس برس تک پکارتے رہیں گے، اس کے بعد وہ کہے گا، کہ تم جہنم ہی میں پڑے رہو گے، پھر وہ پروردگار کو پکاریں گے اور کہیں گے اے رب ہمارے ہمیں دوزخ سے نکال اور یہ پکار ان کی دنیا سے دونی عمر کی مدت تک جاری رہے گی، اس کے بعد انہیں جواب دیا جائے گا دھتکارے ہے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔

(تفسیر خازن)

اور دنیا کی عمر کتنی ہے اس میں کئی اقوال ہیں صحیح یہ ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

جہنم میں گدھے کی طرح ہینگیں گے

﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ﴾

(پ ۱۲/ ۹)

تو وہ جو بد بخت ہیں وہ دوزخ میں ہیں وہ اس میں گدھے کی طرح ہینگیں گے۔

زفیر :- " صوت شديد اى اول نهيق الحمار وشهيق صوت ضعيف اى آخره اذا ردده فى جوفه "

(جلالین ، کمالین)

سخت آواز جو گدھے کے ابتدائی ہینگنے پر ہوتی ہے اس زفیر کہا جاتا ہے اور گدھے کے ہینگنے کی آخری آواز جو وہ اپنے پیٹ میں ہی گھماتا رہتا ہے اسے شہیق کہا جاتا ہے۔

یعنی جہنمی لوگ عذاب جہنم کے درد و الم سے کراہتے ہوئے اتنی زور زور سے اور آہستہ پیٹ میں گھما گھما کر چیخیں ماریں گے یوں محسوس ہو گا گویا گدھے ہینگ رہے ہوں گے۔

عذاب سے پہلے ہی انجام نظر آئے گا

﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ☆ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴾

(پ۲۹، ۱۷)

اور کئی چہرے اس دن اداس ہوں گے، خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہو گا

میدان محشر میں ہی اپنے اعمال کے نتائج سامنے آجائیں گے۔ ہمہ وقت فکر دامن گیر ہو گی کہ ہائے ہمارے ساتھ کیا سلوک ہو گا، کفر و بد کاریوں کا انجام سامنے آجائے گا تو معلوم ہو گا کہ انبیائے کرام کی شان میں گستاخیوں کا ہی یہ انجام ہے۔ اس وقت چیخنا، چلانا، دعائیں کرنا، التجائیں کرنا سب ہی بے سود ہوں گے۔

جہنم میں سخت سردی کا عذاب بھی ہو گا

جہنم میں مقصد عذاب دینا ہو گا اسی وجہ سے سخت ٹھنڈی یخ پیپ اور سخت گرم تانبا پگھلا کر دیا جائے گا۔ کیونکہ جس طرح سخت گرم سے تکلیف ہو گی اسی طرح سخت سرد سے بھی تکلیف ہو گی۔ جہنم کے زیادہ طبقات میں آگ کا عذاب ہو گا اس لئے آگ کا ذکر کثرت سے کیا گیا ہے، ورنہ ایک وہ طبقہ بھی ہے جو زمہریر کہلاتا ہے، جس میں سخت سردی ہو گی۔ انسان کی برداشت سے جب سردی بھی بڑھ جائے تو وہ بھی عذاب الیم (دردناک عذاب) ہی ہوتا ہے۔

" اسم النار منقولة لدار العقاب على سبيل الغلبة وان اشتملت على الزمهرير والمهل والضريع "

(مرقاۃ ج ۱۰ ص ۳۱۸)

آگ کا ذکر اس لئے ہے کہ یہ زیادہ طبقات میں پائی جائے گی گویا کہ نار سے مراد دار عقاب ہی ہے کیونکہ وہاں اور عذاب بھی ہوں گے جیسے زمہریر (سردی کا عذاب) اور مہل (پگھلائی ہوئی دھات کا عذاب) اور ضریع (آگ کے کانٹوں کا) عذاب بھی ہو گا۔

انسان کو چاہئے کہ دنیا میں نیک اعمال کرے۔ برائیوں سے اجتناب کرے۔ عظمت انبیاء کرام اور بالخصوص مقام مصطفےٰ ﷺ کو پہچانے۔ آپ کی محبت کو سینہ میں جاگزیں کرے اور اولیاء کرام کی شان کو سمجھے۔ دین حق پر قائم رہے۔ موت کو یاد رکھے۔ جنت و دوزخ کو مد نظر رکھے رب

تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کی رضاء کا طالب رہے۔ بس یہی کامیابی کا راستہ ہے اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے آباء و اجداد اور میرے اھل و عیال اور میرے اساتذہ کرام اور میرے رفقاء کرام کو جنت الفردوس عطا فرمائے، دوزخ سے محفوظ فرمائے۔ عذاب قبر سے بچائے دین حق اور محبت مصطفیٰ ﷺ پر قائم و دائم رکھے۔ (آمین ثم آمین)

اس کتاب کے شروع کرنے سے تین ماہ قبل میرے استاذ مکرم ابو الحسنات مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب شیخ الحدیث سیال شریف کے والدین کا انتقال ہوا اور دوران تحریر میرے عظیم دوست شفیق و مہربان رفیق مولانا علامہ ابو الفضل اللہ دتہ سیالوی صاحب شیخ الحدیث بھابڑا ضلع سرگودھا کی جواں بیٹی کا انتقال ہوا اور دورانِ تصنیف ہی میرے پیارے دوست قاری محمد یوسف صاحب سیالوی آف کھوکھار دینہ ضلع جہلم کے جواں سال حافظ و قاری بھانجے کا انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو بلند درجات عطا فرمائے۔ جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی کہ میں نے برادرم قاری محمد آصف صاحب قادری اور برادرم قاری محمد عارف صاحب قادری کے ارشاد پر باوجود عدیم الفرصت ہونے کے کتاب کی تین ماہ بیس دن میں تکمیل کر لی۔ اللہ تعالیٰ اس میری کاوش اور قادری برادران کی مسلک حق کی خدمت کو قبول فرمائے۔ قادری برادران اور ان کے پیر و مرشد، پیر طریقت راہبر شریعت حضرت علامہ تراب الحق شاہ صاحب کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ (آمین ثم آمین)

الاختتام بفضلہ تعالیٰ

۴ ر دسمبر ۱۹۹۴ء۔ ۲۹ ر جمادی الاخریٰ۔ اتوار بوقت صبح صادق

حافظ عبدالرزاق بھترالوی، حطاروی

ابن قاضی عبدالعزیز ابن قاضی فیض احمد ابن قاضی غلام نبیؒ



باسمہٖ تعالیٰ



شرح

تالیف:

الحافظ الحجة ابی عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النسائی

صاحب السنن کبریٰ احد الصحاح الستة

کا

مترجم و شارح

(فقیر) محمد امیر شاہ قادری گیلانی

ناشر ضیاء العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی پاکستان
0345-5808018